

# بیان غالب

باقر

# بیانِ غالب

شرح

## دیوانِ غالب

از

جناب آغا محمد باقر صاحب ایم اے

بفرائش

شیخ مبارک علی تاجر کتب اندون لونا ریڈروالہو

۱۹۵۴ء قیمت ۷۰ روپے

بار پنجم ۲۰۰۰

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

مجھے مدت دینا زسے دیوان غالب کے مطالعہ کا شوق ہے اور میں اس بات کو کلام غالب کا مجھ پر خیال کرتا ہوں کہ یہ شوق کسی عنوان کم نہیں ہونے پاتا۔ بلکہ راضی تھا ہی چلا جاتا ہے۔ میں صفائی سے عرض کرنا چاہتا ہوں کہ نہ تو میں غالب کو کسی خاص نقطہ نظر سے سمجھنے کا دعویٰ دار ہوں، نہ دیگر شارحین کی طرح ان کی زبان اور طرز بیان پر نکتہ چینی کرنے کے لئے اس میدان میں گامزن ہوا ہوں۔ میں تو غالب کے دلدادوں میں سے ایک دلداد ہوں۔ ان کے کلام کو روحانی مسرت اور قلبی تسکین کا بہترین ذریعہ خیال کرتا ہوں۔ میں نے ہمیشہ ایک طالب علم کی حیثیت سے دیوان غالب کا مطالعہ کیا ہے اور یہ شرح اسی مطالعہ کا نتیجہ ہے۔

کلام غالب کے نکات سے لطف اندوز ہونے کے لئے میں نے ہر ماہ کا غالب، مصنفہ مولانا حالی، شرح حسرت موہانی، طباطبائی، سہا، مقدمہ دیوان غالب، مصنفہ ڈاکٹر عبد الرحمن بجنوری، بیخود، آسمی، شوکت میرٹھی اور سعید وغیرہ کو سامنے رکھ کر وقت نظر کے ساتھ مطالعہ کیا۔ اور آخر میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ اگر ایک ایسی جامع شرح تیار کی جائے جو دیوان غالب کے طلباء کو یہ نکتہ مختلف شرحوں کی چھان بین سے مستغنی کر دے تو یقیناً یہ ایک بڑی ادبی خدمت ہوگی۔ ایک مدت تک اس نیک تجویز کو عملی جامہ پہنانے میں خیال مانع رہا کہ کہیں ایسا کرنے سے دیگر شارحین کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچے۔ تاہم مجھے یقین ہو گیا کہ میری شرح سے دوسری شرحوں کی مقبولیت پر

کوئی اثر نہ پڑے گا، تو میں نے بیان غالب کی نکیل کا مصمم ارادہ کر کے کام شروع کر دیا۔

اس شرح کی تالیف سے میرا مطلب صرف اس قدر ہے کہ دیوان غالب کی شرح پڑھنے والوں کو اگر بالتفصیل نہیں تو محلاً اس قدر ضرور معلوم ہو جائے کہ مختلف شارحین نے غالب کے ہر شعر کو کس نقطہ نظر سے دیکھا ہے اور اس کے مفہوم میں کیا کیا موٹگائیاں کی ہیں۔ چنانچہ جن اشعار پر شارحین نے کچھ اختلاف کیا ہے۔ میں نے کوشش کی ہے کہ مختصراً ان کے نقطہ نظر کو پیش کر دیا جائے تاکہ پڑھنے والا آسانی سے سمجھ جائے کہ اس شعر کا دوسرا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے۔ طوالت کے خوف سے میں نے اختصار کو مد نظر رکھا۔ پھر بھی یہ خیال سامنے رہا ہے کہ کوئی ضروری بات نظر انداز نہ ہونے پائے۔ اس لئے مؤدبانہ گزارش ہے کہ اگر دیگر شارحین کی شرح سے بوجہ اپورا استفادہ منظور ہو تو ان کی اصلی شرح دیکھئے، کیونکہ میں نے عموماً ان کے اختلافی پہلو کو اخذ کیا ہے اور بیشتر مطالب کو جو ان کی شرح کی ماہر الاخیار خصوصیات میں شمار کئے جاسکتے ہیں نظر انداز کر دیا ہے۔

میری شرح کا مطالعہ کرتے وقت یہ بات خاص طور پر یاد رکھنی چاہئے کہ جس شرح پر تمام شارحین متفق ہیں اس کے تحت یہ لکھنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی کہ تمام شارحین متفق یا ہم خیال ہیں۔ نیز جہاں کسی شعر کی شرح لکھنے کے بعد کسی شارح کا کوئی مختلف مفہوم درج کیا گیا ہے تو اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ باقی شارحین میرے ہم خیال ہیں اور محض اسی شارح کو مجھ سے اور دیگر شارحین سے اختلاف ہے۔ اسی طرح جہاں چند شارحین ایک خیال پر متفق ہیں اور باقی دوسرے خیال پر مجتمع۔ وہاں بھی یہی طریقہ اختیار کیا گیا



ہے ہاں طوالت سے بچنے کے لئے ایسے شارحین کا نام درج نہیں کیا جو میرے ہم خیال ہیں۔ گویا جن شارحین کا نام اختلافی مشروحوں کے تحت میں نظر نہ آئے۔ ان کو میرا ہم خیال تصور کرنا چاہئے۔

مولانا حالی کی شرح کو میں نے مقدم خیال کیا ہے جس شعر کی شرح انہوں نے تحریر فرمائی ہے۔ اس کو اسی طرح درج کر دیا ہے۔ بعض اشعار کی انہوں نے نہایت مختصر شرح لکھی ہے۔ ایسے مقالات پر میں نے خود وضاحت کرنے جسارت کی ہے۔ بیخود اور سعید مولانا حالی کی شرح نقل کرنے میں میرے پیش رو ہیں اس لئے جہاں حالی مرحوم کی شرح درج ہو وہاں ان دونوں شارحین کے ناموں کو مقدم خیال کرنا چاہئے۔

میری شرح کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ میں غالب پر تنقید ہی نکتہ چینی کرنا سوداوی خیال کرتا ہوں۔ اس لئے میں نے عموماً اس سے گریز کیا ہے۔ ہاں جن اشعار کو پسندیدگی کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے۔ ان کی معنوی اور لفظی خوبیوں پر بالالزام اور مسلسل روشنی ڈالی ہے۔ گویا میرا طبع نظر ادب نے مطالعہ سے روحانی اور قلبی تفریح ہے نہ کہ طعن و طنز اور بد مزگی۔ میں آخر میں پھر عرض کرنا چاہتا ہوں کہ موجودہ شرح طباطبائی۔ آسی۔ سہا، سعید، بیخود، حسرت اور مولانا حالی کی مشروحوں کو پیش نظر رکھ کر لکھی گئی ہے اور میرے خیالات کی پختگی ان کی تولد سے منون ہے۔

محمد باقر

۲۹ مئی ۱۹۳۹ء

# فہرست

نمبر شمار

صفحہ

## الف

- |    |    |   |
|----|----|---|
| ۲۱ | ۱  | نقش فریادی ہے کس کی شوخی تحریر کا         |
| ۲۴ | ۲  | جو قیاس اور کوئی نہ آیا بروئے کار         |
| ۲۸ | ۳  | کتے ہونے دیں گے ہم دل اگر پڑا یا یا       |
| ۳۲ | ۴  | دل میرا سوڑ نہاں سے بے محابا جل گیا       |
| ۳۵ | ۵  | شوق ہر رنگ رقیب سرو سامان نکلا            |
| ۳۹ | ۶  | دھمکی میں مر گیا جو نہ یاب بزود تھا       |
| ۴۲ | ۷  | شمارِ سحر مرغوب بت مشکل پسند آیا          |
| ۴۵ | ۸  | دہریس نقشِ دغا دجہرِ صلی نہ ہوا           |
| ۴۸ | ۹  | شائبہ گر ہے زاہد اس قدر جس بارغِ صنواں کا |
| ۵۵ | ۱۰ | نہ ہو گا یک بیاباں ماندگی سے ذوق کم میرا  |
| ۵۶ | ۱۱ | سراپا رہنِ عشق و ناگزیرِ الفتِ مستی       |
| ۵۷ | ۱۲ | محرم خمیں ہے تو ہی تو انا سے راز کا       |
| ۶۲ | ۱۳ | بزمِ شاہنشاہ میں اشعار کا دفتر کھلا       |
| ۶۷ | ۱۴ | شب کو برقِ سوئے دل سے زہرہ ابر آب تھا     |
| ۷۰ | ۱۵ | تلاءِ دل میں شبِ امانِ اثرِ نایاب تھا     |
| ۷۳ | ۱۶ | ایک ایک قطرے کا مجھے دینے پڑا حساب        |

۷۷	بسکہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا	۱۷
۸۱	شبِ بخارِ شوقِ ساقیِ رستخیز اندازہ تھا	۱۸
۸۵	دوستِ غمِ خواری میں میری سعی فرمائیں گے کیا	۱۹
۸۷	یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصالِ یار ہوتا	۲۰
۹۱	ہوس کو بے نشاطِ کار کیا	۲۱
۹۸	درِ خودِ قہر و غضب جب کوئی ہمسائے نہ ہوا	۲۲
۱۰۲	اسدِ ہم وہ جنوں جولانِ گدائے بے سرو پا میں	۲۳
۱۰۳	پے نذرِ کرمِ تحفہ ہے شرمِ نار سائی کا	۲۴
۱۰۷	گر نہ اندوہِ شبِ فرقت بیان ہو جائیگا	۲۵
۱۱۰	دروست کشِ دوا نہ ہوا	۲۶
۱۱۳	گلہ ہے شوق کو دل میں بھی تگئی جا کا	۲۷
۱۱۶	قطرہ مے بسکہ حیرت سے نفس پرور ہوا	۲۸
۱۱۸	جب بتقریبِ سفرِ یار نے محلِ باندھا	۲۹
۱۲۰	میں اور بزمِ مے سے یوں نشہ کام آؤں	۳۰
۱۲۱	گھر ہمارا جو نہ روتے بھی تو دیراں ہوتا	۳۱
۱۲۱	نہ تھا کچھ تو خدا تھا کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا	۳۲
۱۲۳	یک ذرہ زمیں نہیں بیکارِ باغ کا	۳۳
۱۲۷	وہ مری چینِ جبین سے غمِ پہناں سمجھا	۳۴
۱۳۰	پھر مجھے دیدہ تر یاد آیا	۳۵
۱۳۳	ہوئی تاخیر تو کچھ باعثِ تاخیر بھی تھا	۳۶

## نمبر شمار

## صفحہ

۱۳۷	۳۷	لبِ خشک در تشنگی مردگاں کا
۱۳۷	۳۸	تو دوست کسی کا بھی ستگر نہ ہوا تھا
	۳۹	شب کو وہ مجلسِ فردِ خلوتِ ناموس تھا
	۴۰	آئینہ دیکھ اپنا سامنے کے رہ گئے
	۴۱	عرصِ نیازِ عشق کے قابل نہیں رہا۔
۱۴۲	۴۲	رشک کہتا ہے کہ اس کا غیر سے اخلاص حیف
۱۴۶	۴۳	ذکر اس پری و ش کا اور پھر بیاں اپنا
۱۴۹	۴۴	سرمہ مفت نظر ہوں میری قسمت یہ ہے
۱۵۰	۴۵	غافل بوبہم ناز خود آرا سے در نہ یاں
۱۵۱	۴۶	جور سے باز آئے پر باز آئیں کیا
۱۵۲	۴۷	لطافت بے کثافت جلوہ پیدا کر نہیں
۱۵۴	۴۸	عشرتِ قطرو ہے دریا کا فنا ہو جانا

## ب

۱۵۸	۴۹	پھر ہوا وقت کہ ہو بال کشا موجِ شراب
-----	----	-------------------------------------

## ت

۱۶۴	۵۰	افسوس کہ دیداں کا کیا رزق فناک نے
۱۶۵	۵۱	رہا اگر کوئی تا قیامت سلامت
۱۶۶	۵۲	مُنہ گئیں کھولتے ہی کھولتے آنکھیں غالب
۱۶۷	۵۳	آبدِ خط سے ہوا ہے سرد جو بازارِ دوست

ج

- ۵۴ گلشن میں بند و بست برنگِ دگر ہے آج ۱۴۰  
۵۵ لوہم مرہض عشق کے تیمار دار ہیں ۱۴۱

ج

- ۵۶ نفس نہ انجمن آرزو سے باہر کھینچ ۱۴۲

د

- ۵۷ حسن غمزے کی کشاکش سے چھٹا میرے بعد ۱۴۶

ل

- ۵۸ بلا سے ہیں جو یہ پیش نظر درو دیوار ۱۴۹  
۵۹ گھر جب بنا لیا ترے در پر کئے بغیر ۱۸۱  
۶۰ کیوں جل گیا نہ تاب رخ یار دیکھ کر ۱۸۳  
۶۱ لرزتا ہے میرا دل ز محنتِ مہرِ درخشاں سے ۱۸۸  
۶۲ ہے بسکہ ہر ایک اُن کے اشارے میں نشان اور ۱۹۱  
۶۳ صفائے حیرت آئینہ ہے سامانِ رنگِ آخر ۱۹۳  
۶۴ جنوں کی دستگیرِ گیس سے ہو، گر ہو نہ عریانی ۱۹۵  
۶۵ شگشگِ مصلحت سے ہوں کہ خواہاں تجھ پہ عاشق ہیں ۱۹۸  
۶۶ لازم تھا کہ دیکھو مرا رستہ کوئی دن اور ۱۹۸

ز

- ۶۷ قاغ مجھے نہ جان کہ مانندِ مہرِ صبح ۲۰۱  
۶۸ حریفِ مطلبِ مشکل نہیں فسونِ نیاز ۲۰۲

صفحہ	نمبر شمار
۲۰۵	۶۹ وسعت سعی کرم دیکھ کہ سرتا سر خاک
۲۰۵	۷۰ کیونکہ اس بُت سے رکھوں جان عزیز
۲۰۶	۷۱ نہ گلِ نغمہ ہوں نہ پردہ ساز
	س
۲۱۰	۷۲ مژدہ اے شوق اسیری کہ نظر آتا ہے
	س
۲۱۲	۷۳ نہ لبوں سے گریں جو ہر طراوت بسزہ خط سے
	ع
۲۱۳	۷۴ جاوہرہ خدر کو وقتِ شام ہے تارِ شعاع
۲۱۴	۷۵ گرِ شکار سے ہے سوزِ جاودانی شمع
	ف
۲۱۷	۷۶ بہیم رقیب سے نہیں کرتے دواہِ ہوش
	ک
۲۱۸	۷۷ زخم پر چھو دیکیں کہاں طفلانِ بے پروا نک
۲۲۱	۷۸ آہ کو چاہئے ایک عمر بسر ہونے تک
	گ
۲۲۳	۷۹ گر تجھ کو ہے یقینِ اجابت دُعا نہ مانگ
	ل
۲۲۴	۸۰ ہے کس قدر ہلاکِ قریب وفائے گل

## م

۲۲۸	غم نہیں ہوتا ہے آزادوں کو بیش از یک نفس	۸۱
۲۲۹	بنارہ حاصل دلہنگی فراہم کر	۸۲
۲۳۰	مجھ کو دیارِ غیر میں مارا وطن سے دُور	۸۳

## ن

۲۳۱	لاں وام بختِ خفتہ سے یک خوابِ خوش ولے	۸۴
۲۳۱	وہ فراق اور وہ دصال کہاں	۸۵
۲۳۳	کی وفا ہم سے تو غیر اس کو جفا کہتے ہیں	۸۶
۲۳۸	آبرو کیا خاک اس گل کی جو گلشن میں نہیں	۸۷
۲۴۳	عہد سے مدح ناز کے باہر نہ آسکا	۸۸
۲۴۴	حسبِ حال ہو کے بلا لو مجھے چاہے جس وقت	۸۹
۲۴۵	ہم سے کس جاؤ وقت مے پرستی ایک	۹۰
۲۴۶	ہم پر جھلے ترک و فاکا گماں نہیں	۹۱
۲۵۱	مانعِ دشتِ نور دی کوئی تندیہ نہیں	۹۲
۲۵۲	مستِ مردِ مک دیدہ میں سمجھو یہ نگاہیں	۹۳
۲۵۳	برشکالِ گریہ عاشق ہے دیکھا چاہئے	۹۴
۲۵۴	عشقِ تاثیر سے نوید نہیں	۹۵
۲۵۶	جہاں ترافش قدم دیکھتے ہیں	۹۶
۲۵۸	ملتی ہے خوشے نار سے نارِ التاب میں	۹۷

صفحہ	نمبر شمار
۲۶۳	۹۸ کل کے لئے کرا آج نہ سخت مشراب میں
۲۶۸	۹۹ حیراں ہوں دل کو روڈوں کہ پیٹوں جگر کوئیں
۲۷۳	۱۰۰ ذکر میرا بہ بدی بھی اسے منظور نہیں
۲۷۷	۱۰۱ تارہ جز حسن طلب اے ستم ایجاد نہیں
۲۸۱	۱۰۲ دونوں جہاں دیکھے وہ سبھے یہ خوش رہا
۲۸۲	۱۰۳ ہو گئی ہے غیر کی شیریں بیانی کارگر
۲۸۲	۱۰۴ قیامت ہے کہ سن لیلیٰ کا دشت قیس میں آنا
۲۸۳	۱۰۵ دل لگا کر آگیا اُن کو تنہا بیٹھنا
۲۸۴	۱۰۶ یہ ہم جو بھر میں دیوار و در کو دیکھتے ہیں
۲۸۵	۱۰۷ نہیں کہ مجھ کو قیامت کا اختفاء نہیں
۲۸۸	۱۰۸ ترے زون کو صبا باندھتے ہیں
	۱۰۹ زمانہ سخت کم آزار ہے بچان اسد
	۱۱۰ دائم پڑا ہوا ترے در پر نہیں ہوں میں
۲۹۵	۱۱۱ سب کہاں کچھ لالہ دگل میں نمایاں ہو گئیں
۳۰۲	۱۱۲ دیوانگی سے دوش پہ زنا رہی نہیں
۳۰۵	۱۱۳ نہیں ہے زخم کوئی بخیر کے در خور مرے تن میں
۳۰۸	۱۱۴ مرے جہان کے اپنی نظر میں خاک نہیں
۳۱۱	۱۱۵ دل ہی تو ہے نہ سنگِ حشت در سے بھر نہ آئے کیوں
۳۱۴	۱۱۶ غنچہ نہا شگفتہ کو دور سے مت دکھا کر یوں



- ۱۱۷ حسد سے دل اگر افسردہ ہے گرم تماشا ہو  
۳۱۸ کعبہ میں جا رہا تو نہ وہ طعنہ کیا کہیں  
۳۱۹ وارستہ اس سے ہیں کہ محبت ہی کیوں نہ ہو  
۳۲۰ قفس میں ہوں گرا چٹھا بھی نہ جانے میسے شیون کو  
۳۲۱ دھوتا ہوں جب میں پینے کو اُس سیمتن کے پاؤ  
۳۲۲ فلان اس کو ہول دل ہے تو یاں میں ہوں شرمسار  
۳۲۳ وال پہنچ کر جو عشق آتا ہے ہم ہم کو  
۳۲۴ تم جانو تم کو غیر سے جو رسم و راہ ہو  
۳۲۵ گھمسی وہ بات کہ ہو گفتگو تو کیوں کر ہو  
۳۲۶ کسی کو دے کے دل کوئی نواسنج فغاں کیوں ہو  
۳۲۷ رہیے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو

۵

- ۱۲۸ از صرتا بہ قدہ دل و دل ہے آئینہ  
۳۲۸ ہے سبزہ زار ہر مرد و دیوار غمگین

ی

- ۱۳۰ سعد جلوہ زار ہو ہے جو مژگان اٹھائیے  
۳۵۱ مسجد کے زیر سایہ خرابات چلے  
۱۳۲ بساط عجم میں تھا ایک دل یک قطرہ خون وہ بھی  
۳۵۲

۳۵۷	ہے بزمِ بتاں میں سخن آزرده لبوں سے	۱۳۳
۳۵۸	تاہم کو شکایت کی بھی باقی نہ رہے جا	۱۳۴
۳۵۹	گھر میں تھا کیا کہ ترا غم اسے غارت کرتا۔ وہ جو کہ	۱۳۵
۳۵۹	غم دُنیا سے گر پانی بھی فرصت سر اٹھانے کی	۱۳۶
	حاصل سے ہاتھ دھو بیٹھ اسے آندو فرامی	۱۳۷
۳۶۲	کیا تنگ ہم ستم زدگان کا جہاں ہے	۱۳۸
۳۶۵	درد سے میرے ہے تجھ کو بیقراری ہائے ہائے	۱۳۹
۳۶۸	سرگشتی میں عالمِ ہستی سے یاس ہے	۱۴۰
۳۶۹	گر خامشی سے فائدہ اٹھائے ناز ہے	۱۴۱
۳۷۳	تم اپنے شکوہ کی باتیں نہ کھود کھود کے پوچھو	۱۴۲
۳۷۳	ایک جا حرفِ وفا لکھا تھا وہ بھی مٹ گیا	۱۴۳
۳۷۶	چینس پہ گزرتے ہیں جو کچے سے وہ میرے	۱۴۴
۳۷۶	مری ہستی فضلے حیرت آباد تھا ہے	۱۴۵
۳۷۷	رحم کر ظالم کہ کیا بود چراغِ کشتہ ہے	۱۴۶
۳۷۸	چشمِ خرمیاں خامشی میں بھی نواہِ دوا ہے	۱۴۷
۳۸۰	عشق مجھ کو نہیں وحشت ہی سہی	۱۴۸
۳۸۲	ہے آرمیدگی میں نکو ہوش بجا مجھے	۱۴۹
	زندگی اپنی جب اس طور سے گزری غالب	۱۵۰
	اس بزم میں مجھے نہیں بنتی حیا کئے	۱۵۱
۳۸۸	رقارِ عمر قطع رہ اضطراب ہے	۱۵۲

۳۹۱	دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پہ رخک آجائے ہے	۱۵۳
۳۹۵	گرم فریاد رکھا شکل نہالی نے مجھے	۱۵۴
۳۹۶	کارگاہ ہستی میں لالہ داغ ساماں ہے	۱۵۵
۳۹۸	اک رہا ہے درد دیوار پہ سبزہ غالب	۱۵۶
۳۹۸	سادگی پہ اس کی مرجلنے کی حسرت دل میں ہے	۱۵۷
۴۰۱	دل سے تری نگاہ جگرتا کہ اتر گئی	۱۵۸
۴۰۵	تسکیں کو ہم نہ روئیں جو ذوق نظر ملے	۱۵۹
۴۰۷	کوئی دن گر زندگانی اور ہے	۱۶۰
۴۰۹	کوئی امید بر نہیں آتی	۱۶۱
۴۱۲	دل نادان تجھے ہوا کیا ہے	۱۶۲
۴۱۵	کہتے تو ہوں سب کہ بتِ غالیہ مو آئے	۱۶۳
۴۱۸	پھر کچھ اک دل کو بیقراری ہے	۱۶۴
۴۲۲	جنوں قسمت کش تسکیں نہ گر شادمانی	۱۶۵
۴۲۳	نکوہش ہے سزا فریادی بیداد و لبر کی	۱۶۶
۴۲۵	بے اعتدالوں سے سبک سب میں ہم ہوئے	۱۶۷
۴۲۸	جو نہ نقد داغ دل کی کرے شعلہ پاسانی	۱۶۸
۴۲۹	ظلمت کدہ میں میرے شبِ غم کا جوش ہے	۱۶۹
۴۳۳	آ کہ میری جان کو قرار نہیں	۱۷۰
۴۳۵	ہجومِ غم سے یاں تک سرنگونی مجھ کو حاصل ہے	۱۷۱
۴۳۶	پابدا من ہو رہا ہوں بسکہ تیں صحرا نورد	۱۷۲

۴۳۸	جس بزم میں تو ناز سے گفتار میں آئے	۱۷۳
۴۴۱	حسن نہ گرچہ بہنگام کمال اچھا ہے	۱۷۴
۴۴۶	نہ ہونی گر مرے مرنے سے تسلی نہ سہی	۱۷۵
۴۴۸	عجب نشاط سے جلاد کے چلے ہیں ہم آگے	۱۷۶
۴۵۰	شکوے کے نام سے بے حد خفا ہوتا ہے	۱۷۷
۴۵۲	ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے	۱۷۸
۴۵۷	ہیں انہیں چھیڑوں اور کچھ نہ کہیں	۱۷۹
۴۵۸	غیر لبس محفل میں بوسے جام کے	۱۸۰
۴۶۰	پھر اس انداز سے بہار آئی	۱۸۱
۴۶۱	تغافل دوست ہوں میرا داغ عجز عالی ہے	۱۸۲
۴۶۳	کب وہ سُنتا ہے کہا فی میری	۱۸۳
۴۶۵	نقش ناز بت طناز باغوش رقیب	۱۸۴
۴۶۷	گلشن کو تری صحبت از بسکہ خوش آئی ہے	۱۸۵
۴۶۷	جس زخم کی ہو سکتی ہو تیسیر و فو کی	۱۸۶
۴۶۹	سیماب پشت گرمی آئینہ دے ہے ہم	۱۸۷
۴۶۹	ہے وصل، بھر عالم عکس و ضبط میں	۱۸۸
۴۷۰	چاہئے اچھوں کو جتنا چاہئے	۱۸۹
۴۷۳	ہر قدم دوری منزل ہے نمایاں مجھ سے	۱۹۰
۴۷۸	نکتہ چیں ہے غم دل اس کو سُنائے نہ بنے	۱۹۱
۴۸۰	چاک کی خواہش اگر وحشت بعرانی کرے	۱۹۲

۲۸۳	وہ آ کے خواب میں شکنیں اضطراب تو دے	۱۹۳
۲۸۴	پیش سے میری وقف کشمکش ہوتا رہتا ہے	۱۹۴
۲۸۷	خطرے رشتہء الفت رگ گردن نہ ہو جائے	۱۹۵
۲۸۸	فریاد کی کوئی لے نہیں ہے	۱۹۶
۲۹۰	نہ پوچھ نہ خود مرہم حراحت دل کا	۱۹۷
۲۹۰	ہم رشک کو اپنے بھی گوارا نہیں کرتے	۱۹۸
۲۹۱	کرے ہے بادہ ترے لب سے کسب رنگ فروغ	۱۹۹
۲۹۳	کیوں نہ ہو چشم بتاں محو تغافل کیوں نہ ہو	۲۰۰
۲۹۳	دیبا ہے دل اگر اس کو بشر ہے کیا کہئے	۲۰۱
۲۹۶	دیکھ کر درپردہ گرم دامن افشانی مجھے	۲۰۲
۲۹۹	یاد ہے شادی میں بھی ہنگامہء یارب مجھے	۲۰۳
۵۰۲	حضور شاہ میں اہل سخن کی آزمائش ہے	۲۰۴
۵۰۴	کبھی نہ کسی بھی اس کے جی میں گر آجلئے ہے مجھ سے	۲۰۵
۵۰۶	زبکہ مشق تماشہ جنوں علامت ہے	۲۰۶
۵۰۷	لاغر اتنا ہوں کہ گر تو بزم میں جاوے مجھے	۲۰۷
۵۰۸	باز بچہ طفل ہے دنیا مرے آگے	۲۰۸
۵۱۳	کہوں جو حال تو کہتے ہیں مدعا کہئے	۲۰۹
۵۱۶	رونے سے اور عشق میں بے باک ہو گئے	۲۱۰
۵۱۸	نشہ ہاشاداب رنگ و ساز ہا مست طرب	۲۱۱
۵۱۹	عرض ناز شوخی و مذاں برائے خندہ ہے	۲۱۲

صفحہ	نمبر شمار
۵۲۱	۲۱۳ حسن بے پروا خریدار متارح جلوہ ہے
۵۲۱	۲۱۳ جب تک دہان زخم نہ پیدا کرے کوئی
۵۲۷	۲۱۵ ابن مریم ہوا کرے کوئی
۵۲۸	۲۱۶ بہت سے غم گیتی شراب کم کیا ہے
۵۲۹	۲۱۷ باغ پاکر خفقاتی یہ ڈراتا ہے مجھے
۵۳۱	۲۱۸ روندی ہوئی ہے کوکبہ شہر یار کی
۵۳۲	۲۱۹ ہزاروں خلائشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
۵۳۳	۲۲۰ کوہ کے ہوں بار خاطر گر صدا ہو جائے
۵۳۵	۲۲۱ مستی بذوق غفلت ساقی ہلاک ہے
۵۳۶	۲۲۲ لب عیسے کی جنبش کرتی ہے گوارہ جنبانی
۵۳۷	۲۲۳ آبدیلا بطلوفان صدائے آب ہے
۵۳۷	۲۲۴ ہوں میں بھی تماشا ٹی نیزنگ تماشا
۵۳۷	۲۲۵ سیاہی جیسے گر جائے دم تحریر کا غد پر
۵۳۸	۲۲۶ جھوم نالہ حیرت عاجز عرض ایک افعال ہے
۵۴۰	۲۲۷ خموشیوں میں تماشا ادا نکلتی ہے
۵۴۲	۲۲۸ جس جا نسیم شانہ کش زلف یار ہے
۵۴۶	۲۲۹ آئینہ کیوں نہ دول کہ تماشا گمیں جسے
۵۴۸	۲۳۰ شبنم بہ گل لالہ زخالی زادہ ہے
۵۵۲	۲۳۱ منظور اتھی یہ شکل تجلی کو نور کی
۵۵۵	۲۳۲ غم کھانے میں بود اول ناکام بہت ہے

نمبر شمار

صفحہ

۵۵۸

مَدّت ہوئی ہے یار کو جہاں کٹے ہوئے

۵۶۳

نورِ امن ہے بیدار دوست جاں کے لئے

۲۳۳

## قصائد

۵۶۴

سازِ یک ذرہ نہیں فیضِ سخن سے بیکار

۲۳۵

۵۷۷

دہرِ جزِ جلوہ یکتائی معشوق نہیں

۲۳۶

۵۸۵

ہاں مہِ نو سنین ہم اس کا نام

۲۳۷

۵۹۶

صبح دم دروازہ خاور کھلا

۲۳۸

۶۰۵

ہاں دل درد مند زمزمہ ساز

۲۳۹

## قطعات

۶۱۱

اے شہنشاہِ فلک منظور بے مثل و نظیر

۲۴۰

۶۱۵

گئے وہ دن کہ نادانستہ غیروں کی وفاداری

۲۴۱

۶۱۶

کلکتہ کا جو نام لیا تو نے ہم نشین

۲۴۲

۶۱۷

ہے جو صاحب کے کف دست پہ یہ چکنی ڈلی

۲۴۳

۶۲۰

نہ پوچھ اس کی حقیقت حشو دالانے

۲۴۴

۶۲۱

خوش ہوا اے بخت کہ ہے آج ترے سرسرا خائب

۲۴۵

۶۲۵

منظور ہے گزارشِ احوالِ واقعی

۲۴۶

اینا بیانِ حسنِ طبیعت نہیں مجھے

۶۲۷	نصرت الملک بہادر مجھے بتلا کہ مجھے	۲۴۷
۶۲۹	تجھ سے جو اتنی ارادت ہے تو کس بات سے ہے	۲۴۸
۶۳۱	ہے چار شنبہ آخر ماہ صفر چلو	۲۴۹
۶۳۲	رکھ دیں جن میں بھر کے نئے مشکبو کی ناند	۲۵۰
۶۳۳	اے شاہ جاگیر جہاں بخش جہاندار	۲۵۱
۶۳۴	افطارِ صوم کی کچھ اگر دستگاہ ہو	۲۵۲
۶۳۵	اے شہنشاہ آسماں اور نگ	۲۵۳
۶۳۶	سبہ گلیم ہوں لازم ہے میرا نام نہ لے	۲۵۴
۶۳۷	سہل تھا سہل ولے یہ سخت مشکل آپڑی	۲۵۵
۶۳۸	نجستہ انجمن طوٹے میرزا جعفر	۲۵۶
۶۳۹	ہوئی حجب میرزا جعفر کی شادی	
۶۴۰	گو ایک بادشاہ کے سب خانہ زاد ہیں	

## رُباعیات

۶۴۱	بعد از اتمام بزم عید اطفال	۲۵۷
۶۴۲	شب زلف و ریح عرق فشاں کا غم تھا	۲۵۸
۶۴۳	آتش بازی ہے جیسے شغل اطفال	۲۵۹
۶۴۴	دل تھا کہ جو جانِ مدد تہید سی	۲۶۰
۶۴۵	ہے خلق حسد قماش لڑنے کے لئے	۲۶۱
۶۴۶	دل سخت نرشد ہو گیا ہے گویا	۲۶۲



صفحہ	نمبر شمار
۶۴۲	دکھ جی کے پسند ہو گیا ہے غالب
۶۴۲	مشکل ہے زبں کلام میرا اے دل
۶۴۵	بھیجی ہے جو مجھ کو شرہ حجاجہ نے دال
۶۴۵	ہیں شرہ میں صفات دو الجلاالی باہم
۶۴۶	حق شرہ کی بقا سے خلق کو یاد کرے
۶۴۶	اس رشتہ میں لاکھ تار ہوں بیکہ سوا
۶۴۷	کہتے ہیں کہ اب وہ مردم آزار نہیں
۶۴۷	ہم گرچہ بنے سلام کرنے والے
۶۴۸	مسلمانِ خور و خواب کہاں سے لڑیں

# الف

۱

نقش فریادی ہے کس کی شوخی تحریر کا ۱ کاغذی ہے پیرہن ہر سیکر تصویر کا  
 کلو کا دھت جانہاے تنہائی نہ پوچھ ۲ صبح کرنا شام کا لانا ہے جوئے شیر کا  
 خدبے اختیار شوق دیکھا چاہے ۳ سینہ دشمنیے باہر نہ دم دشمن کا  
 آگئی دام شنیدن جس قدر چاہے بھائے ۴ مدعا عقل ہے اپنے عالم تقریر کا  
 بسکہ نبوی غالب امیری میں بھی آتش نیریا  
 موئے آتش دیدہ ہے علقہ مری زنجیر کا

۱۔ نقش .. صورتیں، تصویر + فریادی .. فریاد کرنے والا + شوخی تحریر .. پیلا  
 تحریر + کاغذی پیرہن .. ایران میں دستور تھا کہ دادخواہ کاغذ کا جامہ پہن کر  
 حاکم کے سامنے جلتے تھے + سیکر .. جسم -

مرزا صاحب نے اس شعر کی شرح ایک خط میں خود بیان فرمائی ہے۔ ایران  
 میں رسم ہے کہ دادخواہ (فریادی) کاغذ کے کپڑے پہن کر حاکم کے سامنے جاتا ہے۔  
 جیسے مشعل دن کو جلتا۔ خون آلود کپڑا لباس پر لٹکا کر لے جاتا جس شاعر خیال  
 کرتا ہے کہ نقش کس کی شوخی تحریر کا فریادی ہے جو صورت تصویر ہے۔ اس کا  
 پیرہن کاغذی ہے یعنی ہستی اگرچہ مثل تصاویر اعتبار محض ہو، موجب رنج و ملال  
 آزار ہے ۱۲ (طباطبائی۔ سعید ناستی) اب ملاحظہ فرمائیے کہ اس شعر سے شاعر میں  
 نے کیا کائنات اخذ کیے ہیں۔

سعید : انسان کی بے ہودستی اور کشاکش حیات کا نقشہ الفاظ میں کھینچا گیا

ہے۔ حاصل شدہ رکاوٹ یہ ہے کہ ہستی خواہ وہ کسی چیز کی بھی ہو باعث تکلیف و رنج ہے۔ حتیٰ کہ تصویر تک بھی جو کہ صرف ایک ہستی محض ہے۔ بزبان حال فریاد کہہ رہی ہے کہ مجھ کو ہست کہہ کیوں رنج ہستی میں مبتلا کیا جیسا کہ اس کی کاغذ پر ہستی سے ظاہر ہے۔

پشتی و سہا: مولانا روم نے اس مفہوم کو ان اشعار میں ادا کیا ہے۔  
 بشنوا ز نے چوں حکایت سے کند و زجدا ئی ہا شکایت سے کند  
 کز نیستان تا مرا بیریدہ اند از فیرم مرد و زن نالیدہ اند  
 مطلب یہ ہے کہ اصل سے جدا ہونے کے بعد اضطرابی کیفیت پیدا ہونا ضروری ہے، نہ جب نیستان سے جدا ہوتی ہے تو اس میں فریاد کرنے کی قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی طرح جب تصویر کاغذ پر سنائی جاتی ہے تو وہ اپنے کاغذی لباس کی بدولت نقاش کی شوخی تخلیق کی زبان حال سے فریاد لینے لگتی ہے۔

بہجود: ”ہر پیکر تصویر“ سے مراد جملہ حیوانات، جمادات اور نباتات سے ہے۔ اور یہ ساری چیزیں فنا ہونے والی ہیں۔ جب موجودات عالم کا یہ حال ہو تو نقش ہستی کا اپنی بے ثباتی پر فریادی ہونا شاعر کے تخیل بلند و غیر معمولی جدت کا ثبوت کامل ہے۔

طباطباتی: کاغذی پیرا ہن، پسینے کا دھبہ نہ کہیں دیکھا اور نہ کہیں سنا۔ جب تک اس شعر میں کوئی ایسا لفظ نہ ہو جس سے فنا فی اللہ ہونے کا شوق اور ہستی اعتباری سے نفرت ظاہر ہو، اس وقت تک اسے یا معنی نہیں کہہ سکتے۔ مصنف کی غرض یہ تھی کہ نقش تصویر فریادی ہے۔ ہستی بے اعتبار اور بے توقیر کا اندر ہی سبب ہے کاغذی پیرا ہن ہونے کا شعر میں ہستی بے اعتبار

کی گنجائش نہ ہو سکی۔ اس سبب سے کہ قافیہ مزاح تھا اور مقصود تھا مطلع کہنا۔

اس لیے ہستی کے بدلے شوخی تحریر کہہ دیا۔ افعربے معنی ہے

طباطبائی کے علاوہ تمام شاعرین اس شعر کو با معنی بتاتے ہیں۔

کاغذی پیرہن پہننے کے رواج کے ثبوت میں یہ اشعار پیش کیے جاسکتے ہیں۔

تا کہ دست قدم از دست تو بر بود قلم

(ربا با افغانی) کاغذی پیرہن از دست قدم باو مراد

کاغذی جامہ پہوشید او بدر گاہ آمد

(کمال ایلی) کاغذی جامہ پہن تا بدہی داد مراد

۲۔ کاد کاد .. کادش و کادش۔ لفظی تکرار نے جتو اور سعی بہم کا

مفہوم پیدا کر دیا ہے، سخت جانی .. بھدر بچہ الم + جوئے شیر ..  
فرہاد نے شیریں کو حاصل کرنے کے لیے نہر کھودی تھی مگر یہ ہے صبح کرنا  
شام کا .. شب بھر کا گزارنا۔

شب بھر کی مصیبتیں نہ پوچھو، فرقت کی رات کا صبح کرنا اتنا ہی مشکل  
اور دشوار تھا جتنا فرہاد کا کوہ بے ستون کھود کر جوئے شیر کا قہر شیریں تک لانا  
مشکل تھا جوئے شیر اور سفیدی صبح میں جو نہا سبت ہے اس سے شعر کا مرتبہ  
بلند ہو گیا ہے۔ شاعر نے سخت جانی کی وجہ سے اپنے آپ کو کوہ کن سے شب بھر  
کی تباہی اور سختی کو پہاڑ کاٹنے اور جوئے شیر لانے سے اور سپید تر کر کے جوئے شیر  
سے تشبیہ دی ہے۔

۳۔ جذبہ .. کشش + شوق .. قتل ہونے کا شوق + دم خم شیریں

تلوار کی دھارا اور عذابا پہر ہوئی ہے۔

میرے شوق شہادت کی اس سے بڑھ کر اور کیا کشش ہوگی کہ تلوار

کے سینے سے اس کا دم بھی باہر آ گیا ہے یعنی وہ میرے قتل کے لیے اتنی بے اختیار ہو گئی ہے کہ اس کا دم اس کے سینے سے باہر نکلا پڑتا ہے۔  
 اور یہ میرے شوقِ شہادت کی کشش ہے۔

۴۔ آگنی .. علیت .. عقل + دامِ شنیدن .. بچانا، سنا اور بچانا + مدعا .. مطلب .. مفہوم + عتقا .. معدوم۔

جس وقت ہم گفتگو کرتے ہیں۔ اس وقت چاہے عقل کتنی ہی مجھے کی کو کیوں نہ کرے۔ لیکن وہ ہمارے مفہوم کو نہیں پہنچ سکتی۔ مطلب یہ ہے کہ ہمارے اشعار عتقا صفت ہیں۔ وہ دامِ شنیدن میں نہیم۔ آگنی کے گویا سراسر آریہ ۵۔ آتش زیر پا۔ بے قرار، بیتاب، موبِ آتش۔ اگر زال کو آگ کے سامنے رکھیں تو جل کر بل کھا جاتا ہے اور آتش زنجیر سے مشابہ ہو جاتا ہے۔

میں زنجیروں میں بھی ایسا بے قرار اور مضطرب ہوں کہ سوز دل کی گرمی سے میرے پاؤں کی زنجیروں کا حلقہ جلے ہوئے بال کی طرح کمزور ہو گیا ہے۔  
 حلقہ ہائے زنجیر یا کو موئے آتش وہ جھلکتا ہے دینا مرزا صاحب کا کہا ہے اور ان کا جنونِ عشقِ مسلم کہ وہ قید و بند سے بھی کم نہیں ہوتا۔ بلکہ زنجیروں میں بھی گرمیِ عشق سے جل کر دھوا ہو جاتی ہیں۔ سچید لکھتے ہیں کہ جلے ہوئے بالوں میں ایک قسم کی دیوبو پیدا ہو جاتی ہے گویا زنجیر سے جوائے لگی ہے۔

۲  
 جز قیس اور کوئی نہ آیا بروئے کار  
 آسودگی نے نقشِ سویدا کیا درست  
 صحرا اگر بہ تنہائی چشمِ خسود تھا  
 ظاہر ہوا کہ آغ کا سراپا یہ دود تھا  
 جب آنکھ مثل گئی تو زیاں تھا نہ سود تھا  
 تھا خواب میں خیال کو کچھ سے معاملہ

لیتا ہوں کتبِ غم دل میں سبقِ ہنوز ۴ لیکن یہی کہ رفت گیا اور لوٹھا  
 ڈھانپا کفن نے داغِ عیوبِ برنگی ۵ میں دہنہ ہر لباس میں تنگ ہو کر

تیشے بغیر مرنے کا کوہ کن اسد  
 سرگشتہ رخسارِ رسوم و قیود تھا  
 ۱۔ بروئے کار نہ آیا .. مقابلے میں نہ آیا + تنگی + حدود .. حد  
 بہت تنگ نظر ہوتے ہیں۔ اور کسی کو دیکھ نہیں سکتے، یا ان کی نظر  
 میں کوئی نہیں چھتا + مگر .. شاید۔

شاید صحرابی باوجود اپنی وسعت کے چشمِ حاسد کی طرح تنگ تھا کہ  
 اس میں سوائے قیس (مجنوں) کے کوئی دوسرا عاشق صحرانوردی نہ  
 نہ آسکا مجنوں کے سوا کوئی اور صحرانورد پیدا نہ ہونے کا الزام صحرابی تنگ چہرے  
 پر لگایا گیا ہے۔ اور یہ مرزا ہی کا حصہ ہے۔

۲۔ آشفنگی .. پریشانی + نقشِ سویدا۔ دل پر ایک سیاہ رنگ کا  
 تل ہوتا ہے + سویدا کیا درست .. یعنی سیاہی کو دھوا کر دیا + دودھ دھواں  
 سویدا کو داغِ دل اور آشفنگی کو دودھ سے تشبیہ دے کر کہتے ہیں کہ  
 میری آشفنگی اور پریشانی نے داغِ سویدا کو درست کر دیا۔ یعنی اسے صاف  
 کر دیا اس داغ کی وجہ سے دل میں اکثر دھواں نکلا کرتا تھا۔ اب دھواں نکل  
 جانے کے بعد دل کا داغ دودھ ہو گیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ داغِ دل کا سرسید یا  
 حاصل محض دھواں تھا۔ وہ دھواں نکل گیا اور دل صاف ہو گیا۔ سید لکھتے  
 ہیں کہ دل کا داغ دنیا کی کمزرات میں دل لگانے سے پیدا ہوا تھا اور بخیر کا خیال  
 ہے کہ یہ داغ پریشان حالی میں اٹھائے راز کے خوف سے آہیں ضبط کرنے کا  
 نتیجہ ہے۔ حسرت کہتے ہیں جس طرح دھوئیں سے دل میں داغ پیدا ہو جاتا

ہے۔ اسی طرح آشفۃ خاطر اور پریشانی کے دُود سے دل میں داغ سیدھا کی صورت قائم ہوتی ہے۔ (طباطبائی۔ آسی۔ بیخود)

۳۔ قاعدہ ہے۔ جن خیالات اور معاملات کا اثر دل و دماغ پر پڑتا ہے وہی ہمارے خواب میں بھی آتے ہیں اور ہم عالم خواب میں اپنی الجھنوں کو سمجھاتے ہیں۔ لیکن جب آنکھ کھل جاتی ہے تو ہمارے خیالات پھر بھی آ جاتے ہیں۔ جہاں حقیقت ہوتے ہیں اور اس تمام خوابی کشمکش سے کوئی فائدہ اور نقصان برزنا نہیں ہوتا۔

منہا : معاملہ کے لوازمات میں من و تو کا مفہوم ادا کرا ہے۔ یعنی من و تو کا انحصار خواب ہستی کے اوہام پر تھا جب فنا فی الذات ہوئے تو جیسے تھے ویسے ہی رہے۔

مستعید : دنیاوی زندگی ایک فریب نظر تھی۔ جب امرار کے پرے سے اُسٹے تو معلوم ہوا کہ عالم حیات کا سارا نظم محض ایک خواب تھا اور سود و زیاں کی کوئی حقیقت فی نفسہ نہ تھی۔

طباطبائی : بیخود : عیش اور رنج کا زمانہ گزر جانے کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے۔ جیسے کوئی انسان یہ سب باتیں خواب میں دیکھنا ہو اور آنکھ کھل جانے پر ان کے اثر اور نقائص قویاً طبیعت سے نازل ہو جائیں۔ آسی : میرا خیال خواب میں تجھ سے کچھ معاملہ کر رہا تھا جس میں میرا فائدہ نہ تھا یا نقصان نہ تھا۔ کھلتے ہی وہ ظلم ٹوٹ گیا۔ نقصان باقی رہا نہ فائدہ۔ میں تھا اور وہی کینج تنہائی۔

۴۔ رفت گیا اور بُوڈ تھا۔ پہلے بچوں کو آمد نامہ پڑھایا جاتا ہے اور وہ مصدر اور ان کی ماضیاں معنوں کے ساتھ اس طرح یاد کرتے ہیں کہ

رفیق ہانا۔ رفت گیا + مکتبِ غمِ دل.. مکتبِ عشق۔  
 میں ابھی تک مکتبِ غمِ دل میں مبتدی ہی ہوں اور میرا سبق رفت گیا  
 اور "بود تھا" ہے، مکتبِ غمِ دل میں رفت و بود کا سبق یاد کرنے سے کبھی  
 پاس برسنے اور پھر جاتے رہنے کی طرف دماغ منعطف ہوتا ہے اور اس  
 کے ساتھ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مکتبِ عشق کا طالب علم مدتِ عداوت کا ابتدائی  
 درجے میں پڑا ہے اور ابھی تک اگلے درجے میں نہیں جا سکا۔ فطری رعایا بہت  
 بہت خوب میں۔ رفت و بود دونوں باہمی کے صفی میں دلی سے ظاہر ہوتا  
 ہے کہ کبھی دل میں و فراغت میں تھا اور اب مسرت و انبساط سے بالکل  
 محروم ہے۔ آہستی نکلتے ہیں کہ رفت و بود کو بار بار پڑھنے سے ابتدائے خون  
 کی کیفیت کا پتہ چلتا ہے۔

۵۔ رنگِ وجود۔ وجودِ ہستی کے لیے باعطف عار + ہر لباس  
 میں.. مختلف زمانوں اور اوضاعِ زندگی میں۔

میرا وجود دین انسانیت پر ایک بدناماں تھا، میں نے اپنے  
 عیوب کو چھپانے کے لیے طرح طرح کے لباس اور طریقے اختیار کیے۔  
 چھوٹی میرے عیوب ہر لباس میں عیاں ہی نظر آتے رہے۔ آخر جب زندگی  
 ختم ہوئی اور میرا وحشی لباس اتار کر مجھ کو کفن پہنایا گیا تو یوں وہ عیوب  
 ڈھک گئے۔ جو لباس انسانیت پر ایک بدناماں جب تھے اودا یا ہم زندگی  
 میں کسی صورت چھپائے نہ چھپتے تھے۔

سہا: وجود سے مراد وجودِ مطلق ہے۔ گویا میں ہر عالم میں وجودِ مطلق کے  
 لیے ور تھا۔ سعید کا خیال ہے۔ جب تک انسان پر انسانیت کا اطلاق  
 ہو سکتا ہے۔ اس وقت تک وہ اپنے آپ کو ان کمزوریوں سے محفوظ نہیں



رکھ سکتا، جو اس کی بین فطرت ہیں۔ یہ معاشق اسی وقت دُور ہوتے ہیں۔  
جب انسان لباس زندگی کو چاک کر کے کفن پوش ہو جائے۔

بیخود : میں وہی انسان ہوں جس کو ملائک نے مجھہ کیا۔ دنیا میں  
آنے کے بعد میری وہ وقعت و عزت، میرے اعمال و افعال کی وجہ سے باقی  
نہ رہی۔ البتہ مرجلے کے بعد کفن نے ان داخل کو چھپا لیا۔

طبا طبائی اور آئسی : ننگ وجود ہونے کو برہنگی سے تعبیر کیا ہے۔  
فقط لفظ باتشابہ شاعر کے ذہن کو اُدھر لے گیا۔ ورنہ ننگ وجود اس جگہ اچھا  
منہیں معلوم ہوتا۔

۱۔ تیشہ... کلہاڑی + سرگشتہ خماز... دیوانہ، مدہوش نشہ سے +  
رسوم و قیود... انسان کی خود پیدا کردہ (غیر فطری) پابندیاں۔

بطور طنز کہتے ہیں۔ اسے اس قدر پرست عاشق نہ تھا۔ بلکہ وہ  
غیر فطری رسوم و قیود میں محو تھا۔ اس لیے لبت پہ سر پر تیشہ مار کر مرا اگر وہ  
شیریں کے عشق صادق کے نشہ سے سرگشتہ ہوتا تو اپنے آپ کو تیشہ مار کر  
ہلاک نہ ہوتا۔ یہ تو صاحب عقل جانتے ہیں کہ تیشہ سر پر لگنے سے انسان  
مر سکتا ہے۔ اس کو چاہیے تھا کہ وہ ایک آہ جاگداز بھیجتا اور مرجاتا +

۳

کہتے ہوئے ہیں گے ہم بول اگر بڑا پایا ۱ دل کہاں کہ گم کیجے، ہم نے دعا پایا  
عشق سے طبیعت نے زیست کامربایا ۲ دہ کی دوا پائی، دے دے دوا پایا  
دوستدار دشمن ہے اختلاؤ دل معلوم ۳ آہ بے اثر دیکھی، تالہ نارسا پایا  
سادگی و بُرکاری، بیخودی و بیشاری ۴ حسن کو تغافل میں حرارت، آزما پایا  
غیر پھر گار کھٹنے آج ہم نے اپنا دل ۵ خون کیا ہوا دیکھا، گم کیا ہوا پایا

ہلال درخشاں معلوم، لیکن اس قدر یعنی ہم نے باز ہا ڈھونڈھا، تم نے بار بار پایا  
 شور پندنا صحنے زخم پر نمک چھڑکا  
 آپ سے کوئی پوچھے تم نے کیا سوا پایا  
 ۱۔ ہم نے مدعا پایا... ہم تمہارا مطلب سمجھ گئے۔

اگر کسی کی گمشدہ چیز کسی اور کو مل جاتی ہے تو وہ پھیلنے کے لیے  
 کہتا ہے اگر میں مل گئی تو ہم نہیں دیں گے۔ اگر کسی چیز کو لینے کی نیت ہوتی ہے  
 تو اذراہ شوخی اسے چھپا دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ اگر تمہاری چیز میں مل گئی تو  
 ہم نہیں دیں گے۔ یہی معصومانہ شوخی اس شعر میں ہے کہ محبوب دل اڑا کر  
 عاشق سے کہتا ہے۔ اگر میں تمہارا دل کہیں پڑا ہوا مل گیا تو ہم نہیں دیں گے۔  
 عاشق کہتا ہے کہ میں سمجھ گیا۔ دل تو تمہارے ہی پاس ہے، اگر میرے پاس  
 ہوتا تو میں تمہاری آندھ پوری کر دے کے لیے اسے کہیں ادا دھرا دھر بھینک  
 دیتا اور تم اسے لے لیتے پس اب تم اذراہ شوخی کہہ رہے ہو کہ اگر میں  
 مل گیا تو ہم نہیں دیں گے۔

۲۔ درد کی دوا .. درد زندگی کی دوا یعنی عشق + درد بے دوا ..  
 عشق -

شاعر کا خیال ہے کہ زندگی بغیر عشق کے بدمزہ اور بیکار ہے۔ اگر عشق  
 نہ ہو تو زندگی ایک درد ہے۔ کہتے ہیں کہ جب عشق کا مرض لگا تو زندگی میں  
 لطف آتا۔ کیونکہ غم عشق میں غم دنیا کو بھول گئے۔ گویا ہمیں درد زندگی دوا  
 مل گئی مگر یہ دوا ایسی ہے جس کا کوئی آثار نہیں یعنی عشق درد بے دوا ہے۔  
 شطیبہ یا محبت منتش بر جان یا محبت یا راحت یا دوا یا دوا یا دوا (نظمی)  
 مرجاے عشق خوش سوائے ما لے طیب جملہ علت ٹائے (ماہلانام)

۳۔ دوستدار دشمن .. رقیب کا خیر خواہ + اعتماد دل معلوم .. دل پر بھروسہ نہیں رہا ۔

تم ہمارے نالہائے دل محبوب کہ .. پہنچتے ہیں اور نہ آئیں کچھ اپنا اثر دکھاتی ہیں اس بے اثری سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہمارا دل رقیب کا خیر خواہ ہے ۔ ورنہ ہماری آہ جانگزا اپنا اثر ضرور دکھاتی ہے ۔ اور ہمارے نالے ان تک ضرور پہنچتے ہیں (طباطبائی)

سعید : چونکہ معشوق دشمن کا خیر خواہ ہے ۔ اس لیے دل کو اس پر اعتماد نہیں رہا ۔ یہی وجہ ہے کہ آہ بے اثر ہے اور نالہ نارسا کیونکہ وہ صدفِ دل سے نہیں نکلتے ۔

بیخود : محبوب ہمارا دشمن ہے اور دل اس کا دوست ہے اب ہم دل پر خاک بھروسہ کر سکتے ہیں ۔ اسی لیے اس کے نالہ و آہ میں تاثیر نہیں ۔ دل کی دشمنی کا خوب ثبوت دیا ہے (آئینی ۔ حسرت)

۴۔ سادگی .. بھولاپن + پرکاری .. چالاکی + بیخودی .. بے پروائی .. ہشیاری .. خبرداری ۔

حسیناں جہاں دیکھنے میں بڑے سادہ اور غفلت شعار نظر آتے ہیں ۔ لیکن ان کے بھولے پن پر نہ جانا چاہیے ۔ وہ حقیقتاً بڑے عیار اور ہشیار ہیں ۔ اور ان کی سادگی اور لغافل شکاری محض اس لیے ہے کہ وہ اپنے چاہنے والوں کی جہالت کو آزمائیں اور دیکھیں کہ عاشق کتنے پامال ہیں یا کتنی محبت رکھتے ہیں ۔

حسرت : اہل حسن کی ظاہری سادگی اور بے پروائی سے مطلب یہ ہوتا ہے کہ اپنے مرشد قوں کی جہالت کو آزمائیں اور یہ دیکھیں کہ ان کو سادہ سمجھ کر بار بار اشتیاق

جراثیم گستاخی تو نہیں کرتے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس قسم کی سادگی کو حقیقت پرکاری اور بخود کو ہشیاری بھنا چاہیے (سعید تقریباً ہی)

نہ خود و طباطبائی؛ کیسے پیچیدہ خیال کو کس حسن و خوبی سے بیان کیا ہے نشست الفاظ کی تریف نہیں ہو سکتی عشاق کا دل دیکھنے کے لیے معشوق کا بھولا پن ہوا کرتا ہے۔ درحقیقت یہ بھولا پن خاص ہوشیاری اور عین چالاک کی ہے ۵۔ جب موسم بہار آیا تو غنچے کھلنے لگے۔ ان کو دیکھ کر ہمارا دل پھر خون ہو گیا اور خود فراموشی کا عالم طاری ہو گیا۔ طبی اصول کے مطابق موسم بہار میں تھجید جنون ہو جایا کرتی ہے۔ اسی کی طرف اشارہ ہے (سعید)

حسرت: غنچے کو دیکھ کر ہم کو اپنا دل گم گشتہ درخون شدہ یاد آ گیا کہ اس کی بھڑکی ہی ہیئت تھی (سعید۔ بخود۔ آنسی۔ طباطبائی)

مہسا: غنچہ کھلنا مے زلال بات کرنا یا فتنہ پیدا کرنا اور خون کیا ہوا؟

نئے گشتہ خون اور مبتلائے عشق مطلب لیتے ہیں اور کہتے ہیں۔ سچ پھر ہی فتنہ پیدا ہوا اور ہمارا دل جلا رہا۔

۶۔ اپنی خود فراموشی دکھائی ہے۔ کہتے ہیں ہمیں اپنے دل کا کچر ہل معارف نہیں کہ وہ کہاں گیا اور کیا ہوا۔ لیکن اس قدر ضرور معلوم ہو کہ ہم تم دو تو، نے دل کر جب کبھی اسے ڈھونڈھنے کی کوشش کی تو وہ اکثر تم ہی کو ملا۔ پس ظاہر ہوا کہ میرے دل کو تم نے خاص لگاؤ دیا ہے۔ اس لیے ہمارے دل کا حال یہ کہ تمہیں کو معلوم ہو گا کہ میں تو کچر ہوں۔

۷۔ شور اور نمک میں رعایت نفلی ہے۔ پسند۔ نصیحت۔ نمک چھڑکا .. تکلیف دی + آپ .. یعنی ناصح، بطور طنز استعمال کیا ہے۔

ناصر کی نصیحتوں نے میرے زخموں پر نمک کا کام کیا۔ یعنی ان کے منہ

فنانے سے میرے دل کو سخت تکلیف دہنچی۔ کوئی آپ سے ذرا دریافت کرے کہ کسی کو تکلیف پہنچا کر آپ کو کیا لطف حاصل ہوا (سجید) طباطبائی مصنف نے مرزہ کو قافیہ کیا اور ہائے محنتی کو الف سے بدلایا۔ اردو کہنے والے اس قافیہ کو جائز سمجھتے ہیں۔ لیکن فارسی والے مرزہ اور اردو کا قافیہ نہیں کرتے۔ وہ ہائے محنتی کو کبھی حرف ردی ہونے کے قابل نہیں جانتے۔

آجی: شود پند سے نمک چھڑکنا قابل داد ہے۔ نمک۔ شور۔ مرزہ وغیرہ میں تناسب الفاظ ہے، نمک چھڑکنے سے لطف اٹھانا مراد ہے (یخود)

۱۔ دل مرا سوزِ نہاں سے بے محابا جل گیا ۱۔ آتش خاموش کے مانند گویا جل گیا  
دل میں ذوق وصل آیا دیارتک باقی نہیں ۲۔ آگ بس گھر میں لگی ایسی کہ جو تھا جل گیا  
میں عدم سے بھی پرے ہو بورہ غافل بار ۳۔ میری آہ آتشیں سے بال عینا جل گیا  
عز من بیچے جو ہر اندیشہ کی گرمی کہاں ۴۔ کچھ خیال آیا تھا وحشت کا کہ صحرایا جل گیا  
دل نہیں تجھ کو دکھاتا دردِ داغوں کی بہار ۵۔ اس چراغاں کا کھل گیا کارِ قریا جل گیا  
میں نہیں اور افسردگی کی آرزو غالب کر دل  
دیکھ کر طرزِ تپاک اہل دُنیا جل گیا

۱۔ سوزِ نہاں.. سوزِ دل ۱۔ آتشِ عشق + بے محابا.. بے خوف۔  
آتش خاموش۔ وہ آگ جو نظر نہ آئے۔ لیکن اندر ہی اندر سلگتی رہے۔ غفلت۔  
رعایات قابلِ داد ہیں۔

میرا دل آتشِ عشق سے جو میرے دل کے اندر چپکے چپکے سلگ رہی تھی  
جل کر دکھ ہو گیا ہے اور اس طریقہ سے جلا کر آگ لگنے کی کسی کو خبر تک نہ ہوئی۔

۲۔ آگ .. آتش عشق + گھر خانہ دل ۔

عشق کے آغاز میں میرے خانہ دل میں ہر وقت یاد کی یاد اور شوق و وصل کے خیالات موجزن رہتے تھے۔ لیکن عشق کی آگ نے بھرا کر خانہ دل اس طرح پھرنک ڈالا کہ اب نہ تو ذوق و وصل باقی ہے اور نہ یاد دوست انسان کی فطرت ہے کہ جب وہ انتہا درجہ مایوس اور ناامید ہوتا ہے تو کوئی امید اور توقع باقی نہیں رہتی۔

سہا: عشق کے اس مقام کی طرف اشارہ ہے۔ جب امید و یاس وصل و ہجر یا محبوب غرضیکہ کسی جذبے کا احساس باقی نہیں رہتا اور یہ وہ مقام حیرت و عالم فراموشی ہے کہ اس کے بعد انا المحبوب اور انا الحق کی کیفیت طرہی ہوتی ہے۔

طباہ بائی: یعنی رشک۔ لی آگ ایسی تھی کہ معشوق کو دل سے بھلا دیا اور اس کا غیر سے ملنا دیکھ کر ذوق و وصل جاتا رہا۔ گھر سے دل اور آگ سے رشک رقیب مراد ہے۔

۳۔ اسے غافل میں عدم کے مقام سے آگے نکل گیا ہوں ورنہ جب میرا مقام عدم میں تھا تو جب بھی وہاں میں نے آہ آتشیں چسپی اُس کی آگ سے عتقا کے پر مل گئے۔ شعر میں خوبی یہ ہے کہ عتقا ایک عدم پرندہ ہے۔ گویا وہ مقام عدم میں رہتا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ جب میں اس مقام میں تھا تو میری آہ آتشیں سے عتقا کے پر مل جاتے تھے۔ یعنی فنا فی عدم ہو جانے پر بھی میری آہ میں اس قدر گرمی تھی۔ بقول حسرت اپنی نیستی نے بیان میں مبالغہ کیا ہے۔

سہا: پہلا میری آہ کا اثر یہ تھا کہ اس سے بال عتقا ملتا تھا۔ اور اب

تو بالِ عنقا بھی نہیں جلتا، گویا پہلے اگر اتنی تاثیر تھی تو اب وہ بھی نہ رہی۔ اور میری بے اثری اور بے ثباتی اور نیستی اس حد تک پہنچ گئی کہ عدم سے بھی گزر گئی ہے یا جب میں عدم میں تھا تو میری آہ آتشیں سے بالِ عنقا ملت تھا اور اب بالِ عنقا جلنا بالفاظِ دیگر یہ کہ آہ آتشیں میں کوئی تاثیر نہ تھی۔

بیخود: میں نے ابتدائے تعلیم قنایں شہرِ عنقا کو مٹا دیا تھا جس کو معدوم ہونے کی ایک سب سے زیادہ دلیل سمجھا جاتا ہے غافل سے مراد وہ لوگ ہیں جو ترقیاتِ انسانی کو نہیں سمجھ سکتے۔

طبا طبائی: یہ کہنے سے کہ میں عدم سے بھی باہر ہوں یہ حاصل ہوتا ہے کہ میں نہ موجود ہوں نہ معدوم ہوں اور نقیضیں مجھ سے مرتفع ہیں۔ شاید ایسے ہی اشعار پر دلی دالے کہا کرتے تھے کہ غالب بے معنی شعر کہتے ہیں۔ \* پرے، لکھنؤ میں متروک ہے لیکن دلی میں بولا جاتا ہے۔

۴۔ عرض کیجئے.. ظاہر یا بیان کیجئے، جو ہر اندیشہ، سوچنے کا جوہر میں اپنی طبیعت کی گرمی کا کیونکر اظہار کروں۔ میں یوں سمجھ لو کہ میں نے حسن و حشمتِ صحرَا کا خیال کیا تھا کہ اس میں بھی آگ لگ اُٹھی۔ ظاہر ہے اگر وہاں پہنچ جاتے تو قیامت ہی برپا ہو جاتی۔

طبا طبائی: یہ مبالغہ غیر عادی ہے کہ طبیعت میں ایسی گرمی ہو جس چیز کا خیال آئے وہ چیز جل جلے۔ عرض کو لوگ جوہر کے ضلع کا لفظ سمجھتے ہیں لیکن جوہر کے مناسبات میں سے عرض بہ تحریک ہے نہ بسکون۔

۵۔ کارِ فرما.. حاکم یعنی دل +

داغوں کو چراغوں سے تشبیہ دی ہے چراغوں.. اظہارِ مسرت میں بہت سے چراغ روشن کرنا۔

قدیم زمانے میں طرم کے سر میں چند گہرے زخم ڈال کر ان میں  
شمعیں لگا کر روشن کر دیئے تھے۔

افسردگی جلنا اور داغ وغیرہ مناسب الفاظ ہیں۔ میرے سینے پر جو  
داغ ہیں۔ تم ان کو کیا دیکھتے ہو۔ اگر میرا دل جو اس چراغاں یا داغوں کی بہار  
کا کارفرما تھا۔ سوڑ عشق سے جل نہ جاتا تو پھر تمہیں اس چراغاں کی کیفیت  
دکھانا۔ اسی لکھتے ہیں۔ دل میں اتنے داغ تھے کہ اب دل مٹ گیا اور نگائے  
دل چند داغ باقی رہ گئے۔

۶۔ طرزِ تپاک .. یعنی ظاہری تپاک اور محبت۔

اے غالب اب میں ہوں اور افسوہ دلی کی آرزو ہے یعنی شنگل  
اور زندہ دلی سے میں متنفر ہوں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ میرا دل اہل دنیا  
کے ظاہری تپاک اور باطنی نفاق سے جل کر خاک ہو گیا ہے۔  
اسی، اس شعر میں نکتہ یہ ہے کہ جب دل جل گیا ہے۔ تو اب  
آرزوگی کی آرزو ہے۔ کیونکہ جلنے کے بعد افسردگی پیدا ہوتی ہے۔

۵

شوق ہر رنگ رقیب سر و سلاں نکلا ۱ قیس تصویر کے پرش میں بھی عریان نکلا  
زخم نے داؤد نہ دی تنگی دل کی یارب ۲ تیر بھی سینہ پسل سے پراقتشاں نکلا  
بوسے گل نالہ دل دو چرخ محفل ۳ جو تری بزم سے نکلا وہ پریشاں نکلا  
دل حسرت زدہ تھا باندہ لذت درد ۴ کام یاروں کا بقدر لب دندان نکلا  
اے نو آموز فنا ہمت دشوار پسند ۵ سخت مشکل ہے کہ یہ کام بھی آسان نکلا  
دل میں بھر گری نے اک شور اٹھایا غالب  
آہ جو قطرہ نہ نکلا تھا سلاطونان نکلا



۱۔ شوق .. عشق + ہر رنگ .. ہر طرح سے + رقیب .. دشمن +  
 سرسaman - آرائش - تکلفات - الفاظ مناسب ہیں - عشق جس رنگ  
 میں بھی ہو وہ تکلفات اور ساز و سامان کا دشمن ہے - محضوں کی تصویر دیکھیے  
 اس کو عشق تھا - اس لیے اس کی تصویر ہمیشہ عریاں ہی کھینچی جاتی ہے -  
 یہ خود : رنگ عشق ایسا واقع ہوا ہے کہ قیس کو تصویر کے لباس میں  
 بھی عریاں رکھا - رنگ تصویر بھی قیس کی عریانی کا پردہ نہ بن سکا - ہر رنگ  
 کے معنی عشق میں، جنوں میں، عریانی میں، تصویر کے رنگ میں، الغرض ہر رنگ  
 میں عشق دشمن ناموس ہی رہا اور مرزا صاحب نے بھی اسے عریاں ہی دکھایا -  
 طباطبائی : ہر رنگ محاورہ نہیں، ہر طرح ہونا چاہیے، تناسب لفظی  
 کے لیے محاورہ چھوڑ دینا مناسب نہیں -

۲۔ پرافشاں .. پھڑپھڑاتا ہوا، بیتاب، یہ لفظ تیر کے مناسب ہیں -  
 غالب : زخم تیر کی توہین بہ سبب ایک زخمہ مہنے کے اور تلوار کے  
 زخم کی تحسین بہ سبب ایک طاق سا کھل جانے کے ہوتی ہے، تیر کی دل  
 کی داد کیا دیتا - وہ تو ننگی دل سے گھبرا کر پرافشاں اور سرسایمہ نکل گیا -  
 یہ خود : رشک دل نے تیر کی غفلت سے سینے کو بجا دیا اور وہ اس طرح  
 کہ دل نے سینے کے رشک سے جس میں یار کا تیر چوک کر جا لگا تھا جان  
 دے دی، اب تیر یار نے دیکھا کہ دل عاشق بغیر زخم کے مر گیا - میری  
 ضرورت باقی نہیں رہی - ترک تعلق کر کے سینے سے نکل گیا - تنگ دلی سے  
 رشک کے عربی معنی مقصود ہیں اور پرافشاں دن کے معنی ترک تعلق کر دینا -

آسی : تنگ دل رنجیدہ کو کہتے ہیں - یہاں لفظ کے معنی کا فائدہ اٹھایا  
 ہے - یعنی میرا دل تنگ تھا اور اس میں زخم فراخ - مگر اسی زخم نے میری تنگدلی

کے باوجود اتنا بڑا زخم کھایا۔ اور یہی سلوک میرے ساتھ تیر نے کیا کہ وہ  
پر افشاں میرے دل سے نکلا۔ یعنی تیر کو ایسے موقع پر پر افشاں نہ کرنی چاہیے  
تھی بلکہ میری تنگ دلی پر نگاہ رکھنی چاہیے تھی (طباطبائی)

۳۔ بوسے گل، نالہ دل (آہ) دردِ حیران و غیرہ میں پریشانی کی  
خاصیت ہے مرزا صاحب نے ان کی پریشانی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے  
کہا۔ چاہے پھولوں کی ہلک ہو کہ اس کو تو پسند کرتا ہے، اور خواہ نالہ دل  
جھوٹ یا شمع محفل کا دھواں ہو۔ غرض جو بھی تیری محفل میں جالتا ہے وہ وہاں  
سے پریشان ہو کر نکلتا ہے اور یہ تیری بیدارگری کا ثبوت ہے (سعدی سمی)  
طباطبائی: تیری بزم سے نکلنا پریشانی کا باعث ہے۔

بیخود: یہ سب چیزیں پریشان ہونے کی خاصیت رکھتی ہیں۔ شاعر  
ان پر رشک کرتا اور کہتا ہے کہ ان کی پریشانی کا باعث ہوا نہیں ہے۔

بلکہ یہ بھی تجھ پر عاشق ہو کر تیری بزم سے نکلتی ہیں۔ اس لیے پریشان ہیں۔  
۴۔ باندہ .. دسترخوان + بقدر .. قابلیت کے مطابق۔ کام بطلب۔

میرے حسرت زدہ دل کے دسترخوان پر لذت درد کے کھانے چنے ہوئے، صفحہ  
میرے دوستوں نے اپنے اپنے لب و دندان کی قسمت کے مطابق میرے  
دسترخوان درد سے درد کا ذائقہ چکھ لیا۔ گویا ہر شخص بقدر استعداد متاثر ہوا۔  
(سعدی و حسرت)

بیخود و طباطبائی: میرے دسترخوان پر آتب درد کی کمی نہ تھی۔ لیکن  
یادیں کہ ان کی قابلیت کے موافق حصہ ملا۔

آسی: بقدر لب و دندان کے معنی کم کے ہیں یعنی وہ دست میرے باندہ درد  
پر ہونٹ ہی کاٹتے رہے۔ بہت کم غم کھایا۔

۵۔ نو آموز.. ہمتی + ہمت دشوار پسند.. میری ہمت دشواریوں کو پسند کرتی ہے + یہ کام.. یعنی دس فنا۔

اے میری مشکل پسند ہمت فنا کے مدارج جو نہایت مشکل سمجھے جاتے ہیں تو ابتدائے تعلیم ہی میں آسانی سے سیکھ گئی۔ گویا فنا کے مقامات طے کرنے میں تجھے کوئی دقت پیش نہ آئی۔ چونکہ ہمت دشوار ہیں کو پسند کرتی ہے۔ اس لیے اب سخت مشکل آپڑی ہے کہ میں کونسا مشکل اس کے لیے تجویز کروں۔ گویا ہمت دشوار پسند کے لیے کوئی فنا سے زیادہ مشکل کلام چاہیے مطلب یہ کہ ہم سمجھتے تھے جان دینا بہت مشکل کام ہے مگر افسوس ہے کہ وہ بھی آسان نکلا۔

۶۔ طوفان۔ قطرو۔ شور متناسب الفاظ ہیں۔ اے غالب میرے دل میں پھر گریہ کا ایک طوفان بٹھا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہلی گریہ و زاری میں جو قطرہ باقی رہ گیا تھا وہ طوفان ثابت ہوا۔ (اسی سہا۔ سعید) بہ بخود: پہلی بار تو میں نے اس جوش کو اس قدر ضبط کیا تھا کہ دریائے گریہ کا ایک قطرہ بھی آنکھ سے نہ نکلنے دیا۔ افسوس ہے اب اُس نے طوفان کی صورت اختیار کر لی۔ یعنی رفتہ رفتہ عشق نے ظاہر ہو جانے کا سامان پیدا کر لیا۔

طبا طبائخ: (۱) گریہ پر میرا ضبط ایسا غالب تھا کہ میں اُسے قطرہ سے کمتر سمجھتا تھا اب وہ طوفان بن کر مجھ پر غالب آگیا۔ ۲۔ میرے ہم خیال۔

دھکی میں مر گیا جو نہ اب نبرد تھا ۱ عشق نبرد پیشہ طلبکار مرد تھا

تھا زندگی میں مرگ کا کھٹکا لگا ہوا ۲ اُڑنے سے پیشتر بھی مرانگ تھا  
 ۳ ایف نغمائے وفا کر رہا تھا میں ۴ مجموعہ خیال ابھی فرد فرد تھا  
 دل تا جگر کے ساحل دیباچے خوب آج اب ۵ اس رہنمائی میں جاوے گل آگے گرد تھا  
 جاتی ہے کوئی کشمکش اندوہ عشق کی ۶ دل بھی اگر گیا تو وہی دل کا درد تھا  
 احباب چارہ سازی و حشت نہ کر سکے ۷ زنداں میں رہی خیال بیاہاں نورد تھا  
 ۸ لاپٹ بے کفن اسد خستہ جاں کی ہے

حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

۱۔ باب نبرد... قابل جنگ، لاپٹ میدان بہادر، عشق نبرد پیش  
 ... عشق جو مرد میدان (بہادر) کا طالب ہوتا ہے۔

جو شخص کہ میدان عشق میں نبرد آزمائی کرنے کے قابل نہ تھا وہ عشق کی  
 ایک دھکی سے مر گیا یعنی عشق کی تاب نہ لا سکا۔ بات یہ ہے کہ عشق نبرد پیش  
 ہے۔ نہ اس مرد میدان عاشق کو پسند کرتا ہے جو عشق کی مصیبتوں کو برداشت  
 کر سکتا ہے، اگر عاشق میں ہمت مردانہ نہ ہو تو مصیبت کا خوف عشق کو  
 باطل کر دیتا ہے۔

بیخود: ”دھکی میں مر گیا“ فریاد کی طرف اشارہ ہے، اور یہ کہ ہم نے  
 دھکی میں آکر فریاد کی طرح جان نہیں دی بلکہ مصائب کا ہمیشہ مردانگی کے  
 ساتھ مقابلہ کیا۔

۲۔ موت کا کھٹکا... موت کا خوف، اُڑنے سے پیشتر۔ رنگ  
 اُڑنے سے پہلے یعنی وقت مرگ + قاعدہ یہ ہے کہ انسان دنیا کے لہو لعب  
 میں موت کو بھول جاتا ہے۔ لیکن شاعر کہتا ہے مجھے سروقت موت کا احسا  
 تھا اس لیے میرا رنگ پہلے ہی سے زرد ہو گیا تھا۔ گویا جانکنی کے وقت

موت کے خوف سے میرا رنگ زرد نہیں ہوا تھا۔ بقول بیخود۔ میں نے اپنے آپ کو فنا ہونے سے پیشتر فنا کر دیا تھا۔ اس بیان کا لطف کچھ اہل تشویش ہی اٹھا سکتے ہیں۔ اس زمین میں ایسا بلند شعر کہنا مرزا ہی جیسے سلم الثبوت اور ماہر فن کا کام تھا۔

۳۔ ابھی فرد فرد تھا۔ میں ابھی نا تجربہ کار تھا۔ وفا.. عشق۔ میرے خیالات عشقیہ ابھی پختہ نہ ہوئے تھے۔ گویا میں مکتب عشق میں ابھی مبتدی ہی تھا کہ میں نے عشق کی کتابیں باقاعدہ تالیف کرنی شروع کر دی تھیں مطلب یہ ہے کہ ابتدائے عشق میں میری کیفیت پختہ کار عاشقوں کی سی تھی۔

بیخود: ابتدائے عشق میں جبکہ میں وفاداری کے متعلق نسخوں کی تالیف کر کے ادویہ و دفا کے خواص و مزاج قائم کر رہا تھا مجھ پر تم کا آغاز ہو گیا اور میری دفا کے نسخے ناتمام رہ گئے۔

۴۔ دل تا جگر.. دل سے لے کر جگر تک + آگے گرد تھا.. کسی زمانے میں گرد تھا + رہ گذر.. دل سے جگر تک۔

بے دل سے لے کر جگر تک خون ہی خون ہے۔ یعنی میرا دل جگر خون ہو گیا ہے اور ساحل دریائے خون کا منظر پیش کرتا ہے۔ لیکن کبھی ان مقامات پر وہ کیفیت آد رہا میں تھیں کہ ان کے سامنے جلوہ گل بھی ہیج نہ رہا بقول طباطبائی کسی زمانے میں ہم بھی دل شگفتہ و رنگین رکھتے تھے۔ مگر اب خاطر افسردہ و غمگین رہتے ہیں۔

بیخود۔ انقلاب زمانہ کی بس قدر سچی اور پراثر تصویر کھینچی ہے۔

۵۔ غم عشق کی کشمکش اور منیبت سے عاشق کو کبھی خلاصی نہیں ہوتی۔

اگر دل جس کی بدولت عاشق کش کش میں مبتلا ہوتا ہے چلا جائے تو پھر بھی اس مصیبت سے نجات نہیں ہوتی۔ کیونکہ دل کے جاتے رہنے کا غم پیدا ہو جاتا ہے۔ حسرت نے میر کا یہ شعر مند میں پیش کیا ہے۔  
 غم رہا جب تک کہ دم میں دم رہا۔ دل کے جانے کا نہایت غم رہا۔  
 اسی : دل کے درد سے مراد دل کے مرٹ جانے کا درد ہے ورنہ اگر دل کا درد یعنی دل میں درد کہیں گے تو شعر بے معنی ہو جائے گا۔ دل نہیں ہے اور دل میں درد ہے۔ یعنی چہ ؟

۶۔ چادرہ سازی .. علاج + وحشت .. وحشتِ عشق + بیابانِ قیود .. آوارہ وحشت -

احباب نے میری وحشت کم کرنے کے لیے مجھے قید خانہ میں بند کر دیا۔ تاکہ میں جنگلوں میں مارا مارا نہ پھروں اور جوش جنوں (عشق) زیادہ نہ بڑھے، اگرچہ میں زندان میں تھا لیکن میرا خیال اسی طرح بیابانِ قیود میں مصروف تھا۔ اس لیے ان کا علاج بھی کامیاب نہ ہو سکا۔  
 مجھے اسیر کریں یا میری زباں کاٹیں مرے خیال کو بیڑی پہنا نہیں سکتے۔  
 ۷۔ یہ بے کفن لاش اس قدر خستہ جان کی ہے، خدا مغفرت کو بے عجب آزاد مرد تھا کہ اس کی لاش بھی بے کفن پڑی ہے۔ وہ جب تک زندہ رہا تحفاتی سے آزاد رہا اور اب مرکز بھی گود کفن کی قیود سے آزاد ہے بقول بیخود جلاء دعا یتیم نے عجب لطف پیدا کر دیا ہے۔

اسی : آزاد مرد سے فائدہ اٹھا کر لاش کو بے کفن کیا ہے اور یہ محاورہ نہایت بر محل ہوا ہے۔

شمارِ سنجہ مرغوبِ بُتِ مشکل پسند آیا ۱ تماثلے بیک کف بُردنِ صد دل پسند آیا

بیاض بیدلی نو میدی جاوید آساں ہے ۲ کشائش کو ہمارا عقدہ مشکل پسند آیا  
 ہوا سیر گل آئینہ بے مرئی قاتل ۳ کہ اندازِ نگوں غلطی دین پسند آیا  
 جہاں تختہ الماس ارمغانِ داغِ جگر پر یہ  
 مہار کباد اسد غنوارِ جانِ درد مند آیا

۱۔ شمارِ سچہ .. تبسّیح کے دانوں کو شمار کرنا۔ تبسّیح میں سودا لے ہوتے  
 ہیں + مرغوب آیا .. پسند آیا + بہت مشکل پسند .. وہ محبوب جسے مشکل  
 پسند ہوں + بہ یک کفہ برونِ صددل .. ایک جھپٹے میں سودا اڑالینا۔  
 میرے مشکل پسند محبوب کو تبسّیح پڑھنا اس لیے پسند ہے کہ اس  
 میں اس کی حسبِ خواہش ایک ہی دہریں سو سودا اڑالینے کی مشابہت  
 پائی جاتی ہے۔

اسی : اس شعر میں تعقید ہے کہ ظاہرہ ایسے مضمون کو کوہِ کندن و کاہ  
 برآوردن سے زیادہ وقت نہیں دی جاسکتی۔ بہت کی صفت مشکل پسند اس  
 واسطے رکھی ہے کہ تبسّیح بہت کے لیے ایک مشکل اور غیر معتاد فعل ہے طرزِ ادا  
 میں بے تکلفی اور سندش میں حقیقت ہے۔

۲۔ بیاض بیدلی .. ناامیدی کی بدولت + ناامیدی جاوید ہمیشہ  
 کی ناکامی۔

پے در پے یابیوں اور ناکامیوں سے ہم بالکل ناامید اور بیدل ہو گئے  
 ہیں۔ اس بیدلی کی بدولت دوا می ناامیدی کا برداشت کر لینا ہمارے لیے  
 معمولی سی بات ہے۔ قاعدہ ہے کہ جب انسان بالکل یابوس ہو جاتا ہے تو  
 پھر بڑی سے بڑی ناکامیابی بھی اس کے دل پر کوئی اثر نہیں کرتی۔  
 اور کشائش کو ہمارا ”عقدہ مشکل“ ”پسند آگیا۔ اگر اُسے ہمارا

”عقدہ مشکل“ پسند نہ ہوتا تو اس کو سلجھایا جاتا یعنی اب کشائش نہ ہوگی۔  
 طباطبائی یعنی دنیا کی طرف سے جو بے دلی دے دماغی ہم کو ہے۔ اس کی  
 بدولت صدمہ نو میدی دیاس کا اٹھالینا ہم کو سہل ہے، ہمیں دنیا پر خود  
 رغبت نہیں ہے۔ کثود کار کی امید ہو تو کیا اور نا امید ہو جائے تو کیا۔ پہلے  
 معصوم کا مطلب یہ ہے کہ ہمارا عقدہ مشکل کشائش کو پسند آگیا ہے یعنی  
 اب کبھی اس کی کشائش نہ ہوگی۔ اس سبب سے کہ کشائش کو اس کا عقدہ ہی  
 رہنا پسند ہے اور پسند اس سبب سے ہے کہ ہمیں پروا نہیں۔ پھر ایسی  
 بے نیازی کشائش کو کیوں نہ پسند گئے (سعیہ)

حسرت: کشائش نے اپنا عمل کرنے کے لیے ہمارے عقدہ مشکل  
 (نو میدی جاوید) کو پسند کیا اور ہماری مشکل آسان ہو گئی۔ اس طور پر کہ ہم  
 کو دنیا کی جانب سے جو بے دلی پیدا ہو گئی ہے۔ اس کے سبب سے صدمہ  
 نو میدی جاوید کا برداشت کرنا آسان ہو گیا ہے۔ کیونکہ غایت بے دلی کی  
 حالت میں امید و نا امید کیساں ہو جاتی ہے۔

بہ خود: جب ہم نے یہ سمجھ لیا کہ ہمارا عقدہ دشوار لایمحل ہے تو امید  
 عقدہ کشائی اُسٹھ کرنا امید کی صورت میں ہمیشہ کو تسکین خاطر  
 حاصل ہو گئی۔

آسی: (۱) فکر کشائش نے ہمارے دل کو جو بصورت عقدہ ہے پسند  
 کیا اور اس کو لے لیا اور ہم سے ہمیشہ کے واسطے جدا کر دیا (۲)  
 میرے ہم خیال۔

۳۔ ہوا .. شوق + آئینہ .. (ظہار بے مہری .. شگری .. بخوں  
 غلطیدن .. خون میں تر پنا ..



ستم شعار محبوب کا بارغ میں سیر گل سے لطف اندوز ہونا۔ اس کی بے مہری اور ستم شکاری کا ثبوت ہے۔ کیونکہ وہ سیر گل کے لیے بارغ میں نہیں جاتا۔ بلکہ اُسے بسملوں کو خون میں لوٹتے ہوئے دیکھنے کا شوق ہے اور یہ تلاش اسے بارغ میں دیکھنے کا خوب موقع ملتا ہے۔ جہاں سُرخ سُرخ پھول شلوں سے گر کر اور ہوا سے اُڑ کر ادھر ادھر رُلتے پھرتے ہیں اور بسمل بخول غنچیدن کا نظارہ پیش کرتے ہیں۔ تشبیہات نہایت عمدہ ہیں۔ رنگ گل سے خون اور پھولوں کا ہوا سے ہلنا؛ بسمل کا خون میں لوٹنا وغیرہ الفاظ بھی مناسب اور قابلِ تعریف ہیں۔

۴۔ جراحت .. زخم + الماس .. ہیرا + ارمغان .. تحفہ + ہدیہ .. تحفہ + غنچوار جان درد مند .. عشق۔

اسے اسد مبارک ہوا، تمھاری درد مند جان کا غنچوار (عشق) آیا ہے اور تمھارے لیے جراحت، الماس اور داغ جگر کے تحفے تحائف لایا ہے، عاشق کے لیے یہ چیزیں تحفہ اس لیے ہیں کہ اسے درد اور کرب پیدا کرنے والی چیزیں مرغوب ہوتی ہیں، الماس کی صفت یہ ہے کہ اس سے دل و جگر زخمی ہو جاتے ہیں اور اگر ہیرے کا سفوف زخم پر لگ جائے تو زخم میں بے حد تکلیف ہوتی ہے۔ بقول حسرت ایسے ہدیوں پر مبارکباد دے کر اپنی ایزدوستی کا اظہار کیا ہے۔

بیخود: (۱) میرا غنچوار جو دوست کو سمجھانے کے لیے گیا تھا کہ وہ مجھ سے ملے وہ تحفے لے کر آیا۔ یعنی خود ہی عاشق ہو گیا (۲) میرے ہم خیال طباطبائی (۱) میرے ہم خیال (۲) غنچوار سے ناصح مراد ہے اور مبارکباد تشنچ کی راہ سے ہے۔

اسی : غمخوار سے مراد نا صبح لے کر فلتے ہیں۔ نا صبح کے یہ مخفف یعنی گفتگو میرے لیے رنج وہ ثابت ہوگی۔

۸۔

دہریں نقش و فادہ تسلی نہ ہوا ۱ ہے یہ وہ لفظ کہ شرمندہ معنی نہ ہوا  
سبزہ خط سے ترا کا کل سرکش نہ ہوا ۲ یہ زمرہ بھی حریف دم افعی نہ ہوا  
میں نے چاہا تھا کہ اندوہ و فادہ سے چھوٹوں ۳ وہ شکر مرے مرنے پہ بھی راضی نہ ہوا  
دل گزرو گاؤ خیال سے و ساغر ہی سہی ۴ گر نفس جاوہ سرمز دل تقویٰ نہ ہوا  
ہوں تیرے وعدہ نہ کرنے میں بھی راضی کہ بھی ۵ گوش منت کش گلیا نگ تسلی نہ ہوا  
کس سے محرومی قسمت کی شکایت کیجے ۶ ہم نے چاہا تھا کہ مرعاش سودہ بھی نہ ہوا  
مرگیا صد مہ یک جنبش لب سے غالب ۷ نا توانی سے حریف دم عینے نہ ہوا  
۱۔ دنیا میں لفظ وفا استعمال تو بہت کیا جاتا ہے لیکن کبھی اصلی معنوں

استعمال نہیں ہوتا۔ ظاہر ہے اس بے معنی استعمال اور خالی ذکر و فادہ سے عاشق صادق کی تسلی خاطر نہیں ہو سکتی اس لیے یہ وہ لفظ ہے کہ جس کو کبھی اپنے معافی کا شرمندہ احسان نہ ہونا پڑا۔ شاعر کا مقصود یہ ہے کہ جب دنیا میں اصلی و فانیوں تو صرف نقش و فادہ سے تسلی خاطر کیڑ نہ ہو سکتی ہے۔

یہ بخود : جو لوگ وفاداری سے نقش و فادہ قائم کرتے ہیں، وہ اپنا وقت بیکار ضائع کرتے ہیں۔ اس لیے نقش و فادہ اہل وفا کے لیے موجب تسلی خاطر نہیں ہوتا۔ ہمیشہ اہل وفا دنیا کے دستور کے مطابق جفا کے مستحق قرار دیے جاتے ہیں۔ شاعر مصرعہ ثانی سے اپنے دل کو تسلی دیتا ہے۔

طبہا طبائی : لوگ دنیا میں وفا کر کے تسلی چاہتے ہیں۔ جب وفا کر کے تسلی نہ ہو تو لفظ و فادہ معنی رہ گیا۔ حاصل یہ کہ وفاداری عشاق بے معنی بات ہے۔

۲۔ کاکل سرکش .. لہرائی ہوئی یا بے قابو زلف۔ زلف کو افنی سے تشبیہ دی ہے + مہرۂ خط .. آغاز خط۔ زمرہ سے تشبیہ دی ہے + زمرہ .. ایک قسم کا سبز قیمتی پتھر ہے جسے دیکھ کر سانپ اندھا ہو جاتا ہے حریف .. مقابل۔

تیرا زمرہ بن سبزۂ خط افنی پر کچھ اثر نہیں کرتا۔ اس کے اثر سے تیری سانپوں جیسی زلفوں کی ایذا رسانی ختم ہو جاتی چاہیے تھی۔ مطلب یہ ہے کہ باوجود خط نکل آنے کے تیری زلفوں کی دلکشی اور حسن میں کوئی کمی نہیں آئی۔

۳۔ اندوہ وفا .. غم وفا۔

میں نے چاہا تھا کہ میں مرجلاؤں تاکہ مجھے وفاداری کے رنج و غم سے نجات مل جائے۔ لیکن افسوس کہ وہ یاد شکر میرے مرجلنے پر بھی راضی نہ ہوا کیونکہ اسے مجھ جیسا وفا شعار کوئی اور عاشق نظر نہ آتا تھا اور میری وفاداری دیکھے کہ میں نے یہ قسم بھی بطیب خاطر برداشت کر لیا۔ سقید۔ بخود۔ حیا طبعانی کا حسن ظن ہے کہ معشوق کو اپنی رسوائی اور بدنامی کے اندیشے سے میرا مر جانا بھی گوارا نہیں۔

لفظی اور معنوی خوبیاں اس شعر میں بہت ہیں۔ کثرتِ اندوہ، علاج میں حساسانگی، اس پر بھی دل آزاری و جفا کاری، اور اس حالت میں معشوق کی مرضی پر شاکر رہنا۔

۴۔ گزر گاہ .. راستہ + نفس .. سانس + جاوہ .. راستہ + تقویٰ .. پرہیز گاری۔

اگر میرا سانس منزل پرہیز گاری کا راستہ نہ بنا تو کچھ مضائقہ نہیں۔ یعنی اگر میں مستحق اور پرہیز گار نہ ہوتا تو نہ سہی۔ میرا دل جام و شراب کی گزر گاہ

تو ہے ، چلو میں نہ رہی سہی کچھ نہ کچھ تو ہوں۔ بقول بیت خود۔ رندی اور پرہیزگاری کو برابر تصور کیا گیا ہے۔

۵۔ منت کش .. ممنون ، گلبانگ .. دلکش آواز۔

میں ترے وعدہ وصل نہ کرنے سے بھی خوش ہوں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر تو وعدہ وصل کرتا تو میرے دل کو اس سے تسلی جوتی اور میرے کان وعدہ وصل کی آواز کے ممنون ہوتے۔ خدا کا شکر ہے کہ تو نے کبھی وعدہ نہ کیا اور میرے کان وعدہ کی تسلی بخش آواز کے کبھی ممنون نہ ہوئے۔

۶۔ ہم اپنی بد نصیبی اور محروم قسمتی کی کس سے شکایت کریں۔ وہ تو حد سے گزر گئی ہے۔ ہماری آخری خواہش یہ تھی کہ ہم مرجائیں لیکن قسمت کی محرومی دیکھے کہ ہمیں موت بھی نہ آئی۔ موت ایسی چیر ہے جو اکثر بن مانگے بل جاتی ہے لیکن ہم اس سے بھی محروم رہے۔

۷۔ جنبش لب .. حرکت لب + حرایت .. بدمقابل + وہم عیسیٰ .. حضرت عیسیٰ قم باذن اللہ کہہ کر مردوں کو زندہ کر دیتے تھے۔

غالب اس قدر شجاعت و ناقص تھا کہ وہ عیسیٰ کی جنبش لب کا صدمہ بھی برداشت نہ کر سکا۔ عیسیٰ نے قم باذن اللہ کہنے کے لیے اپنے ہونٹوں کو حرکت دی۔ گویا زندہ کرنے کے کلمات ادا بھی نہ کر پائے تھے کہ غالب مر گیا اور حضرت عیسیٰ جو اس کو زندہ کرنے آئے تھے وہی اس کی موت کا باعث ہو گئے (سب متفق)

آسی (۱) میرے ہم خیال (۲) اپنا لب ہلایا تھا کہ دعا کریں ، اسی میں چل بسا (۳) عیسیٰ کو بولنے کی نوبت ہی نہ آئی تھی (۴) عیسیٰ کو بلانے کے لیے جو لب ہلاتے اسی میں خاتمہ ہو گیا۔

۹

ستائش گر ہے زہد اس قدحِ باغِ رضواں کا ۱ وہ اک گلہ مست ہے ہم بخودوں کھطاق نسیاں کا  
 بیاں کیا کیجئے بیدلو کا دھڑلے مرچاں کا ۲ کہ ہر اک قطرہ غول دانہ ہے تسبیح مرہاں کا  
 نہ آئی مسطوتِ قاتل بھی مانع میرے نالوں کا ۳ لیلا اتوں میں جو تنکا مواریشہ نیستان کا  
 دکھاؤں گا ماشاوی اگر فرصت زمانے نے ۴ مرا ہر داغ دل اک تخم ہے سرچہ لہان کا  
 کیا آئینہ خان کا وہ نقشہ تیرے جلوے نے ۵ کہے جو پر تو غور شید عالم شبہ نتاں کا  
 مری تعمیر میں مضمر ہے اک صورتِ خرابی کی ۶ بیوٹی برقِ خرمن کا ہے خون گرم ہنساں کا  
 اٹکا ہے گھر میں ہر سو سبزہ ویرانیِ تماشہ کر ۷ مارا اب کھودنے پگھاس گئے ہے میرے دیاں کا  
 خموشی میں نہاں جس گشتہ لاکھن آندوئیں ہیں ۸ چراغِ مودہ ہوں میں سبزیاں گورِ غرباں کا  
 ہنوز اک پر تو نقشِ خیالِ یار باقی ہے ۹ دلِ افسوہ گویا جھوٹ ہے یوسف کے زنداں کا  
 بغل میں غم کی آج آپ سوئے ہیں کہیں نہ ۱۰ سبب کیا خواب میں اگر تبسم ہائے پنہاں کا  
 نہیں معلوم کس کس کا لہو پانی ہوا ہو گا ۱۱ قیامت ہے سرشک اکودہ ہونا تیری مرچاں کا  
 نظر میں ہے ہماری جلوہ راہِ فنا غالب ۱۲ کر یہ شیرازہ ہے عالم کے اجڑے پریشاں کا  
 ۱۔ ستائش گر .. مدارح + بارغِ رضواں .. بارغِ جنت + طاقِ نسیاں ..  
 وہ طاق جس میں کوئی چیز رکھ کر بھول جائیں۔ بالائے طاق رکھنا یعنی ترک کرنا۔  
 طاقِ نسیاں پر رکھنا اور بھی زیادہ مبالغہ پیدا کرتا ہے۔ بہشت کو مختصراً گلہ مستہ کے  
 ساتھ تشبیہ دی ہے۔ لطف یہ ہے کہ گلہ مستہ سجاوٹ کے لیے طاق ہی پر رکھا جاتا  
 ہے۔ تشبیہ با نکل اچھوتی ہے۔ طباطبائی کہتے ہیں۔ اس شعر میں معنوی خوبی نہیں۔  
 حسن بیان و بیل سے تعلق ہے۔

زہد جس بارغِ جنت کی تو اس قدر تعریفیں کرتا ہے وہ ہم جیسے بخودوں کے  
 طاقِ نسیاں کا ایک گلہ مستہ ہے۔ گویا ہمارے نزدیک جنت کی تو قیر کچھ بھی نہیں

ہم قرآنے طاق نسیاں میں رکھ کر بھول جاتے ہیں۔ بقول آسی بہشت کی تحقیر اسی کے مناسب لفظ گلہ ستہ سے کی گئی ہے اور پھر بھی اس کو باعثِ ذریت قرار دیا گیا ہے۔ چونکہ خود کو بخود کہا ہے۔ اس لیے اس کو طاق نسیاں پر رکھا ہے۔

حسرت ہم بخودی کے ایسے خوشگوار عالم میں ہیں جس کے مقابلہ میں ہم نے جنت کو بھی فراموش کر دیا ہے۔

۲۔ مژگاں .. پلکیں۔ مژگاں کو سوئی سے تشبیہ دی ہے۔ کاوش مژگاں .. یعنی چھیدنا + مرجان .. مونگا۔ سرخ رنگ کا ہوتا ہے۔ اس کو قطرۂ خون سے تشبیہ دی ہے۔ مرجان حبیب میں ڈالا جاتا ہے۔

میں مژگانِ یار کی کاوشیں کیا بیان کروں۔ ان کی کاوشوں سے میرا ہر قطرۂ خون حبیبِ مرجان کا دانہ بن گیا ہے یعنی میرے قطراتِ خون کو مژگانِ یار نے دانہِ مرجان کی طرح چھید ڈالا ہے۔ ظاہر ہے ہر قطرۂ خون کو چھیدنا بڑا کاوش کا کام ہے۔

سہا: قطراتِ خون دانے ہوتے ہیں اور مژگانِ رشتہ، جن سے ایک حبیب تیار ہو گئی ہے۔

بخود: مژگانِ یار کی کاوش نے قطرۂ خون آنسو بنا دیا۔ جنھوں نے مسلسل جمع ہو کر حبیبِ مرجان کی صورت اختیار کر لی ہے۔

۳۔ سطوت .. رعب + نیستان .. وہ مقام جہاں نے آگتی ہے اور نے میں سے نالہ نکلتا ہے + دانتوں میں تنکا لیتا .. اظہارِ عجز کرنا + ہواریشہ نیستان کا .. نے (رمانسری) بن گیا +

قاتلِ محبوب کا رعب بھی میرے نالوں کو نہ روک سکا۔ ان کی بارِ غبِ شخصیت

کو تسلیم اور اپنی عاجزی کا اظہار کرنے کے لیے جو تنکائی میں نے، امتوں میں لیا تھا وہ نے بن گیا اور نالے کرنے لگا۔

آئینی، تنکائیستاں کا ریشہ بن گیا۔ یعنی اُس نے مینکڑوں نے پیدا کر دیں جس سے نالہ کشی اور بھی بڑھ گئی۔

۴۔ سرو چرخاں .. چراغوں کو ایسے طریقے سے رکھنا کہ سرو کی صورت پیدا ہو جائے + تخم .. بیج + تماشا .. سیر۔

اگر مجھے زمانے نے صلت دی تو میں تم کو ثابت کر کے دکھاؤں گا کہ میرے دل کا ہر داغ سرو چرخاں کا بیج ہے۔ یعنی ہر داغ دل سے سرو چرخاں پیدا ہو جائے گا۔ بالفاظ دیگر ہر داغ دل سے اتنی شریاری ہوگی کہ بہت سے سرو چرخاں نظر آئیں گے۔

آسی بہت اچھا شعر ہے۔ باریکی یہ ہے کہ میرا عشق روز افزوں ہے۔  
”دی اگر فرصت زمانے نے مے باؤسی کا اظہار ہوتا ہے۔“

۵۔ آئینہ خانہ .. شیش محل جس مکان میں ہر طرف آئینے ہی آئینے ہوں۔  
شبنتاں .. وہ مقام جہاں اوس پٹی ہو جس طرح آفتاب کے سامنے شبنتاں نہیں ٹھہر سکتی اسی طرح آئینہ خانہ تیرے جلوہ کی تاب نہ لاسکا۔ جب تو نے آئینہ خانہ میں اپنا جلوہ دکھایا تو ہر آئینہ شبنتاں کی طرح پانی ہو کر بہ گیا۔

سہا: (۱) ہم خیال (۲) بر تو خورشید سے شبنتاں کا ہر قطرہ جگ اٹھتا ہے۔  
اسی طرح تیرے جلوہ سے آئینہ خانہ جگ اٹھا (۳) آئینہ کی جلا ماند پڑ گئی۔  
سجید سہا کے دوسرے معنی بھی لکھتے ہیں۔

آسی: تیرے جلوے نے آئینہ خانہ کا وہ نقشہ بنا دیا جو دھوپ شبنتاں کا بنا رہتی ہے۔ بعض حکما کا قول ہے کہ شبنتاں آفتاب سے پیدا ہوتی ہے اور آفتاب ہی

اس کو جذب کر لیتا ہے یعنی آئینہ خانہ تیرے جلوے کی تاب نہ لاسکا۔

۶۔ مضمضہ .. پوشیدہ .. تعمیر .. بنانا، مراد بقا، خرابی .. تخریب .. فنا + بیہوشی .. اصل دواہ ہر شے + خون گرم .. سرگرم .. سرگرمی، کوشش۔

اس شعر میں شاعر نے ایک مسئلہ طب سے استفادہ کیا ہے، اطلبہ

کہتے ہیں کہ حرارت غریزی باعث زندگی انسان ہے، خون تحلیل ہو کر حرارت غریزی میں تبدیل ہوتا ہے۔ پھر یہی حرارت غریزی خون کو تحلیل کرتی ہے۔

تاکہ دوسرے قوی کے لیے غذا بہم پہنچے۔ غرض وہ نتیجہ تحلیل خون بھی ہے اور

خود بھی خون کو تحلیل کرتی ہے اور دونوں عملوں کے قائلوں سے ہستی انسان قائم

رہتی ہے۔ اسی کو شاعر کہتا ہے کہ میری تعمیر میں مضمضہ اک صورت خرابی ہے

”یعنی میں وہ دہقان ہوں جس کی سرگرمی خود اسی کے خرم کے لیے برق کا کلام

کرتی ہے (خرم کو جلاتی ہے) گویا میرا وہ دہی میری فنا کی دلیل ہے کہ اس میں

فنا ہونے کی قابلیت قدرت نے پوشیدہ رکھی ہے۔

سعید : دہقان کا خون گرم باعث خرابی ہے (پیدائش خرمی) حاصل بجلی

کا بیہوشی ہے۔ یعنی فنا خود اس کی فنا کا باعث ہے۔ کیونکہ نہ خرم پیدا ہوتا نہ

بجلی گرتی۔ خون کو بہ لحاظ حدت برق سے تشبیہ دی ہے۔

۷۔ اُگاہے سبزہ .. اگر گھر وریں گھاس اُگ آئے تو دیرانی کا پیش خیمہ

بکھا جاتا ہے + تماشا کر .. سیر دیکھ۔ تماشا کر دن۔

۱۔ میرے گھر کی دیرانی قیلا خط فرمائیے کہ ہر طرف گھاس اُگ آئی ہے

اور میرا دہقان جو غیر لوگوں کو اندر آنے سے روکنے کے لیے نوکر رکھا گیا اغواہ اب

گھاس نوجوتا پھرتا ہے۔ بچا را گھاس نہ نوچے تو اور کیا کرے۔ دیرانی کی وجہ سے

گھر میں تو کوئی آتا نہیں۔ اس کو اپنی نوکری کی ٹکڑے اس لیے اسباب دیرانی دوا



کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس قسم کی گھاس سبڑہ بیگانہ کہلاتی ہے۔ گویا  
دوبان اس کو بیگانہ سمجھ کر نکالتا پھرتا ہے۔

.. بخود، اگر دیوانی کو مخاطب کیا جائے تو لطف سے خالی نہیں۔ اسی  
سبڑہ بیگانہ کے معنی پنج میں نہیں لاتے اور اس کے بغیر شعر میں شعریت  
پیدا نہیں ہوتی۔

۸۔ خون گشتہ .. خون شدہ، وہ آندوئیں جن کا خون ہو گیا ہو یعنی پوری  
نہ ہوئی ہوں، چراغ مردہ .. بجھا ہوا چراغ + بے زبان .. چراغ کی ٹوک زبان  
سے تشبیہ دیتے ہیں۔ اس لیے مجھے ہوئے چراغ کو زبان کہا ہے۔

میری خاموشی میں لاکھوں خون گشتہ آندوئیں پوشیدہ ہیں گویا میں گود غریباں  
کا بچا ہوا چراغ ہوں یعنی میری بے زبانی گود غریباں کے مجھے ہوئے چراغ کی طرح  
لاکھوں خون گشتہ آندوئیں کی دلیل ہے۔ (سب متفق)

مجھے ہوئے چراغ کو بے زبان آدمی اور خون گشتہ آندوئیں کو گود غریباں کے  
کے ساتھ مشابہت دینا نہایت خوب ہے۔

مستحید، گود غریباں میں مجھے ہوئے چراغ کو دیکھ کر یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ  
معلوم مدفونین کی (جو کہ اس قدر میس ہیں کہ ان کی قبروں پر کوئی چراغ جلانے والا  
بھی نہیں) کیسی کیسی آندوئیں کا خون ہوا ہو گا۔ بقول اسی مضمون نہایت حسرتناک  
الفاظ میں ادا ہوا ہے۔

۹۔ پرتو .. عکس + ہنوز .. ابھی، اس لفظ سے ظاہر ہے کہ خیال جاتا  
رہا ہے۔ لیکن اس کا پرتو باقی ہے جس کی وجہ سے دل کے تنگ و تنایک جھرو میں  
کچھ روشنی باقی ہے۔ دل افسردہ .. خانہ دل جس میں (خیال یا رے نکل جانے سے)  
افسردگی طاری ہے۔ جھرو .. تنگ و تنایک کو ٹھٹھری، گویا افسردگی سے جھڑا زندہ

بن گیا ہے۔ حجرہ یوسف۔ جس میں یوسف کو قید کیا گیا تھا۔ وہ نہایت تنگ و تناریک تھا لیکن اُن کے حُسن کے نور سے وہ متحد ہو گیا تھا۔ پر تو خیال یار کو حضرت یوسف کے پر تو حُسن سے اور اپنے اُلی افسردہ کو حجرہ زندان یوسف سے تشبیہ دی ہے۔

میں ابھی اپنے محبوب کو بالکل نہیں بھولا۔ اب تک خیال یار کا عکس دل میں باقی ہے اور فقط اس پر تو سے میرا افسردہ دل حضرت یوسف کا حجرہ زندان بن گیا ہے۔ کہتے ہیں حضرت یوسف کے نور حُسن سے تنگ و تناریک حجرہ بقدر نور بن گیا تھا۔

سقیفہ حضرت یوسف کا پر تو ان کے آزاد ہونے کے بعد بھی زندان میں رہ گیا تھا۔ اسی طرح حجرہ دل میں پر تو خیال یار باقی ہے۔ آئسی، ہنوز سے معلوم ہوتا ہے کہ عاشق نے خود خیال یار کو رخصت نہیں کیا بلکہ وہ افسردگی دل سے جاتا رہا، جو تہم ہٹے محبوب کا نتیجہ تھی افسردگی کے معنی ٹھٹھڑ جانا اور سکڑ جانا ہے۔ اس لیے دل میں جگہ باقی نہ رہی۔ افسردہ ہونے سے حجرہ کی مشابہت بہت ہے۔

۱۰۔ تبسم ہٹے پنہاں .. زیر لب مسکراہٹ، جس کا اثر محض ہونٹوں پر ظاہر ہو۔ تبسم حجاب آمیز۔

عاشق نے محبوب کو خواب میں تبسم ہٹے پنہاں کہنے دیکھا ہے اور وہ اس خواب سے اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ محبوب آج رقیب کی بغل میں سو رہا ہے اسی وجہ سے وہ خواب میں حجاب آمیز تبسم کرتا ہوا دکھائی دیا ہے ورنہ وہ ستم شعار میرے خواب میں آتا اور تبسم ہٹے پنہاں کرتا، غیر ممکن ہے (حجاب آمیز مسکراہٹ۔ وصل کا پتہ دے رہی ہے)

یہ خود۔ طباطبائی: تو رقیب کی بغل میں سویا ہوا ہے اور تیری محراب آمیز  
مسکراہٹ مجھے خواب میں نظر آرہی ہے۔

۱۱۔ لہو پانی ہونا:۔ رونا۔ خیال ہے کہ خون پانی ہو کر آنسو کی صورت اختیار  
کرتا ہے + قیامت ہے .. انتہائی مصیبت ہے + سرشک آلود ہونا ..  
آنکھوں میں آنسو ڈھڑکتا۔

خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ تیری آنکھوں میں آنسو ڈھیلے سے کتنے  
عشاق کا لہو پانی ہو کر آنکھوں کے راستے بہ گیا ہوگا۔ یعنی انھیں کس قدر تکلیف  
پہنچی ہوگی۔ تیری آنکھوں میں آنسو آجانا تیرے چاہنے والوں کے لیے قیامت  
سے کم نہیں۔

سجیدہ (۱) تیرے غم میں معلوم نہیں کتنے حویاں نصیبوں کا خون جگر آنسو  
بن کر آنکھ کے راستے نکلا ہوگا۔ تب کیسے تیری آنکھیں سرشک آلود ہوتی ہیں۔  
(۲) میرے ہم خیال۔

یہ خود: کس کس عاشق کا لہو پانی کی طرح تو نے بہایا ہوگا۔ ابدانِ مکیلموں  
کی یاد تجھ کو زلزلہ رہی ہے۔

طباطبائی: مرگاہِ معشوق جو ہمیشہ عشاق کے دل و جگر میں کھٹکا کرتی ہیں  
اس کا آنسو ہی آنسو ہے جو عشاق کے دل میں پیدا ہو کر آنکھوں کی طرف جایا  
چاہتے ہیں وہ تیری مزہ پر آنسو ہوتا اس کی علامت ہے کہ عشاق کا لہو پانی  
لیک ہو گیا۔

حسرت: تیری جھلک کس کس کا لہو پانی ہوا ہوگا۔ جس کی ندامت کے  
باعث تیری آنکھیں سرشک آلود ہیں (۲) میرے ہم خیال۔

۱۲: لفظ عشق کے .. بھولا نہیں ہوں ابریش نظر ہے + چادہ .. راستہ۔

شیرادہ۔ مجز بندی، اجزا کو اکٹھا سی دینا + اجزاء نمٹنے پر لیٹان ...  
بکھرے ہوئے مجز۔

اسے غالب جاوہ راہ فنا ہر وقت میری آنکھوں کے سامنے ہے گویا  
اسے میں کبھی نہیں بھولتا۔ کیونکہ میرا عقیدہ یہ ہے کہ دُنیا کے اجزاء پریشانی  
رشتہ فانی میں منسلک ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ دُنیا کی تمام چیزیں چلے ان میں کتنا  
ہی تباہی اور اختلاف کیوں نہ ہو، فنا ہو کر ایک ہو جاتی ہیں۔  
گویا رشتہ فانی میں تہلہ اوراق عالم ٹپٹے ہوئے ہیں۔

۱۰

نہ ہو گا یک بیابان ماندگی سے ذوق کم میرا ۱۔ حباب موجز رفتار ہے نقش قدم میرا  
محبت تخی محن سے لیکن اب یہ بیدار غمی ہے ۲۔ کھجور بوٹے لگی سے ناک میں آتا ہے دم میرا  
۱۔ یک بیابان ماندگی .. اتنی تھکان جو ایک بیابان کی آوازی سے پیدا ہو  
یعنی بہت زیادہ تھکان + ذوق .. ذوق صحرائی + حباب .. بیل، موج .. موج +  
دھڑکے کو موج اور نقش قدم کو حباب سے تشبیہ دی ہے۔ کثرت ماندگی سے بھی  
بھی میرا ذوق صحرائی کم نہ ہو گا۔ کیونکہ میرا نقش قدم موجز رفتار کا حباب ہے۔ موج  
اور حباب کا ذوقِ روانی کسی صورت میں کم نہیں ہوتا بلکہ موج جس قدر آگے بڑھتی ہے  
حباب پیدا ہوتے چلے جاتے ہیں۔ پھر میں جاتے ہیں اور موج کے ساتھ ساتھ  
بہتے ہیں، اسی طرح میری کثرت ماندگی صحرائی میں مانع نہیں ہو سکتی بلکہ میں کثرت ماندگی  
کے باوجود آگے بڑھتا چلا جاؤں گا۔

بیخود، جس طرح موج آب آگے بہنے کی غرض سے ابھرتی ہے اسی طرح میرا  
نقش قدم آگے بڑھنے کا شوق رکھتا ہے۔  
۲۔ بے دماغی .. بیزاری۔ نفرت + ناک میں دم آنا .. بیزار ہونا تنگ

ہونا + یہ محاورہ خوب بر محل ہوتا ہے۔

ایک زمانہ تھا کہ مجھ کو عمر سے بہت دلچسپی تھی لیکن اب یہ حالت ہو گئی ہے کہ بوسے گل سے بھی میرا دل بیزار ہے اور میں اس سے گھبراتا ہوں۔ بتقاہا مئے فطرت انسانی اکثر اوقات بایوسی اور افسردگی کی وجہ سے مرغوب اور دل پسند چیزوں سے بھی نفرت و بیزاری ہوتی ہے۔

سعید: فقر عشق سے یہ بے دماغی پیدا ہو جاتی ہے۔

بیخود: انقلاب زمانہ سے محبت نے نفرت کی صورت اختیار کر لی ہے۔

۱۱

سرتاپا دہن عشق و ناگزیر الفت ہستی ۱۔ عجلت برق کی گنتا ہوں اور افسوس حاصل کا۔  
بقدر طرف ہے ساقی خمار نشہ کامی بھی ۲ جو تو دیا ہے تو میں تجیاناہ ہوں ساحل کا  
۱۔ سرتاپا دہن عشق .. ہمہ تن مبتلائے عشق + ناگزیر .. مجبور .. ناچار + ناگزیر  
الفت ہستی .. جان کو عزیز رکھنے پر مجبور ہوں + حاصل .. خرمن، انجلم + عشق کو  
برق اور ہستی کو خرمن سے تشبیہ دی ہے۔

میں سرتاپا دہن عشق ہوں۔ یعنی مبتلائے عشق ہوں بگر لطف یہ ہے کہ  
پھر بھی اپنی جان کو عزیز رکھنے پر قدرتاً مجبور ہوں۔ پس میری مثال اس شخص کی سی  
ہے، جو برق کی پرستش کرتا ہے مگر جب برق اس کے خرمن پر گر کر زمین کو جلا ڈالتی  
ہے۔ تو پھر اس کے جل جانے کا افسوس بھی کرتا ہے۔

حسرت: میں طاعت گزار ہوں برق عشق کا اور طالب ہوں فنا کا لیکن ساتھ  
ہی اس کے چونکہ الفت ہستی فطرت انسانی میں داخل ہے اس لیے جان بھی عزیز  
ہے پس میں حاصل یعنی ہستی کا افسوس کرتا ہوں جس سے میرے کمال شوق فنا میں  
کسی قدر قص بھی نمودار ہے۔ مختصر یہ کہ میں موت کا طلبگار ہوں اور اپنی ایسی زندگی

پراسوس کرتا ہوں جس پر موت کو ترجیح ہے۔

۲۔ بقدر ظرف.. حوصلے کے مطابق.. تشنہ کامی.. سیاسی + خمار.. نشہ کا آثار + خمیازہ.. جمائی.. نشہ اُترنے کی نشانی.. جب نشہ ٹوٹتا ہے تو آدمی بار بار جمائیاں اور انگڑائیاں لیتا ہے۔ ساحل کی کچی کو انگڑائی کی صورت میں دکھایا ہے۔ اسے سلق ہر شخص کو بقدر حوصلہ تشنہ کامی ہوا کرتی ہے مگر میرا ظرف بہت بڑا ہے۔ حد یہ ہے کہ دریائے شراب بھی مجھے سیر نہیں کر سکتا پس یوں سمجھ لے۔ اگر تو دریائے شراب ہے تو میں اس دریا سے شراب کا ساحل ہوں اور ساحل کی یہ خاصیت ہے کہ باوجود نوب کی و فیاضی و ریا کے وہ کبھی سیر نہیں ہوتا بلکہ ٹیڑھا ہو ہو کر انگڑائیاں ہی لپکا کرتا ہے کہ اُس کا نشہ ٹوٹ رہا ہے اور اسے شراب کی ضرورت ہے۔ اس لیے اگر تُو بہ افراط شراب پلا سکتا ہے تو میں بھی ساحل ہوں، گویا میرا ظرف تیری دریا دلی کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہے۔ (۲)۔ بایہ کہ جس قدر تیرا حوصلہ شراب پلانے میں بڑھا ہوا ہے اُسی قدر میرا ظرف بھی بڑا ہے۔ اُسی نے پہلے معنی لکھے ہیں اور باقی شارحین دوسرے معنی لکھتے ہیں۔

۱۲

محم نہیں ہے تو ہی تو ہائے ناز کا ۱ یاں ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے سارا کا رنگ شکستہ صبح بہارِ نظارہ ہے ۲ یہ وقت ہے شگفتن گلہائے ناز کا تو اور سوئے غیر نظر ہائے تیسر تیز ۳ میں اور دکھ تری مزہ ہائے ناز کا صرف ہے مضبوط آہ میں میرا و گر نہ میں ۴ طعم ہوں ایک ہی نفس جا نگداز کا میں بسکہ جوشِ بادہ سے شیشے چھل ہے ۵ ہر گوشہ بساط ہے سر شیشہ باز کا کاوش کا دل کرے ہے تھا صفا کہ ہے ہنوز ۶ ناخن پہ قرصِ اس گروہ نیم باز کا

تاراج کاوش غنیم بھراں ہوا افسردہ  
میدنہ کہ تھا دھندلے گھر ہلے راز کا

۱۔ محرم .. دافقت + توا .. آواز + پردہ .. پردہ ساز۔ جس میں سے  
نغمہ پیدا ہوتا ہے + ساز .. آواز موسیقی + حجاب .. پردہ + پردہ کو ساز کے  
ساتھ مناسبت لفظی ہے۔

اے شخص چونکہ تو راز کے نغموں سے نا آشنا ہے اس لیے تو نغمہ حقیقت  
کو نہیں پہچان سکتا۔ اگر تو چشم حقیقت میں سے دیکھے تو تجھ کو ہر چیز پردہ ساز  
کی طرح نغمہ خیز اور اسرار غیبی کو ظاہر کرنے والی دکھائی دے۔ لیکن چونکہ تو نغمہ راز  
سے نا بلند ہے اس لیے پردہ ساز تیری آنکھوں کے سامنے پردے (لاٹ) کا  
کام دیتا ہے لہذا تو اس سے لطفت اندوز نہیں ہو سکتا۔

۲۔ رنگ شکستہ .. اُٹا ہوا رنگ + صبح ہمار .. موسم ہمار میں صبح کے  
وقت پھول کھلتے ہیں اور اسی وقت خیابان جہاں انگڑائیاں لیٹے ہوئے اُٹھتے  
ہیں نیز جب سو کر اُٹھتے ہیں تو نیند کے خمار سے طبیعت سُست اور رنگ  
پھیکا پڑ جاتا ہے۔ سُستی دُور ہو جانے کے بعد طبیعت شگفتہ ہوتی ہے۔ یہ نظر  
غالب نے دوسرے مصرعے میں پیش کیا ہے۔

کہتے ہیں جب محبوب خوابِ ناز سے اُٹھتا ہے تو اُس کا اُڑا ہوا رنگ  
صبح ہمار کے رنگ اُڑنے کا منتظر پیش کرتا ہے۔ یہی وہ وقت ہے جس وقت  
ایک طرف کلیاں کھلتی ہے اور دوسری طرف معشوقوں کے گلہائے ناز شگفتہ  
ہوتے ہیں یعنی مسکراتے ہوئے بیدار ہوتے ہیں۔

سعیقہ: (۱) عاشق کا رنگ شگفتہ دیدنی ہے اور چونکہ اے معشوق یہ تیری وجہ  
سے ہے۔ اس لئے تجھے اپنے اندازِ محبوبی کو برسرِ کار لانا چاہیے۔

بنیخورد، میرا اٹا ہوا رنگ میرے دوست کی صبح بہار نظارہ ہے اور وہ  
یہی وقت تو ہے جب اس کے گلہائے ناز کھلا کوٹتے ہیں۔ اے معشوق صبح کے  
وقت میرے منہ پر ہوا تیاں اُٹتی ہوئی دیکھ کر تو بھی اپنے ناز دا نواز کے پھول  
کھلانے میں مصروف ناز و انداز ہو جا۔

اسی : نظارہ معشوق نے میرا رنگ اڑا دیا ہے اور وہ رنگ پریدہ پیش  
صبح بہار اور پھولوں کا کھلنا لازم و ملزوم ہیں اور وہ پھول ناز معشوق کے  
پھول ہیں یعنی معشوق جب اپنے نظارہ سے میرا رنگ اڑاتا ہوا دیکھے گا تو  
اُس کو اپنے حُسن اور پر ناز ہو گا۔ اُستہی۔ طباطبائی کے ہم خیال ہیں۔ طباطبائی  
نے اس قدر اور لکھا ہے کہ میرے منہ پر ہوا تیاں اُڑتے ہوئے دیکھ کر  
وہ سر گرم ناز ہو گا۔ یعنی میرا رنگ اڑ جانا وہ صبح ہے جس میں گلہائے ناز  
شگفتہ ہوں گے۔

حسرت : شب وصل کی صبح کو محبوب کا رنگ شکستہ ”صبح بہار نظارہ“  
ہے۔ یعنی اس کی دلپذیری قابل دید ہے۔ اس لیے گلہائے ناز کے شگفتہ ہونے  
کا یہی خاص وقت ہے۔

۴ : صرف .. فائدہ .. طعم .. لقمہ + نفس جانگداز .. جان کو  
پھلادینے والی آہ۔

آہ کو ضبط کرنے میں میرا ہی فائدہ ہے۔ ورنہ ایک ہی آہ جانگداز میرا  
خاتمہ کر دے۔

طباطبائی : اپنی ناقوانی و نقاہت اور اپنی آہ کی شدت و حدت کا بیان  
مقصود ہے۔

۵ : نظر ہائے تیز تیز۔ غضب آلود نکاحیں + مڑھائے دراز۔۔۔



لمبی لمبی پلکیں۔

تو غضب آلود نظروں سے غیر کو دیکھتا ہے اور مجھے تکلیف ہوتی ہے۔  
کہ تیری مرہ ہائے دراز کا غیر پر کچھ اثر نہیں ہوتا۔ اس طرح دیکھنے سے تیری  
مرہ گان دراز کو مفت میں تکلیف ہوتی ہے اور اس تکلیف سے میرا دل کڑھتا  
ہے۔ مطلب یہ ہے کہ خشم آلود نگاہوں سے بھی تو مجھ کو دیکھ۔

سہا: مرہ ہائے تیز تیز.. الفت بھری نظریں۔ تیری نازک مرہ گان  
کو رقیب کے پتھر جیسے دل کے چھیدنے میں تکلیف ہوتی ہوگی ان کے لیے تو  
میرے جیسا نرم دل چاہیے۔

بیخود: جو لطف و عنایت کی نگاہیں تو غیر پر کرتا ہے۔ ان سے میرے دل  
میں رشک و حسد پیدا ہوتا ہے اور اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ تیرا عشق و رشک  
کی برجھیاں میرے دل میں چھبھتا ہے۔

آئسی: تو غیروں کو تیز نگاہ سے دیکھتا ہے اور اس سے میرے اوپر  
برجھیاں چلتی ہیں یا ہر وقت تیری پلکوں کے عشق کا دکھ اٹھاتا ہوں اور تو غیروں  
کو دیکھتا ہے۔ ہائے علامت جمع ہے، بطور کلمہ تاسف بالکل غلط ہے طباطبائی  
: دونوں صورتوں کو صحیح بتاتے ہیں۔

۵۱۔ بساط.. فرش + شیشہ باز.. بیخود۔ شجہہ باز بوتل کو اچھالنے  
ہیں پھر اس کو اپنے جسم پر لیتے ہیں اور اس طرح ناچتے ہیں کہ بوتل جسم پر پھرتی رہتی  
ہے اور زمین پر گرنے نہیں پاتی۔

طباطبائی: مرہ شجہہ باز اس کو کہتے ہیں جو شجہہ دکھاتے وقت ہاتھوں  
کو اور سر کو ہلاتا ہے۔

آئسی: ہندوستان کے نٹ اور کٹھک برتن میں پانی بھر کر سر پر رکھ کر ناچتے

ہیں اور وہ گرنے نہیں پاتا۔

شراب میں اس قدر جوش پیدا ہوا ہے کہ شیشے خود بخود گردش میں آ گئے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے فرش کا ہر گوشہ شیشہ باز کا سر ہے کہ اس پر شراب کے لبریز شیشے گردش رقص کر رہے ہیں۔ محفل سے نوشی کا نقشہ بہت خوب کھینچا ہے۔

۶۔ کاوش .. کریدنا، کھودنا، گرم نیم باز .. آدھی کھلی ہوئی گرمہ۔ دل کو گرم سے تشبیہ دی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ گرمہ دل کو پہلے تھوڑا بہت کھولا جا چکا ہے۔

میرا دل جو تنگی و گرفتاری محنت سے گرم ہو کر رہ گیا ہے۔ ناخن پر کاوش کے اس طرح تقاضے کر رہا ہے کہ اس گرمہ کو بالکل کھول ڈال۔ نیم باز نہ رہنے دے۔ یعنی مزید کاوش کر۔ ان تقاضوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ناخن ابھی اس کا مقروض ہے۔

آئیں: (۱) میرے ہم خیال (۲) گرفتاری سے اگرچہ دل گرم ہو کر رہ گیا۔ لیکن کاوش سے باز نہیں آتا اور میں برابر اس کو ناخن سے کھوسے جاتا ہوں۔ (۳) دل میں جو ابھی تھوڑا سا زخم ہے اس کو اور بڑھانا چاہتا ہے۔

یہ خود: یار کی گرمہ بند قبا ہم سے آدھی کھل سکی۔ اس جرم میں ہمارا دل ہم سے کاوش کا تقاضا کر رہا ہے اور ناخن پر ابھی تک گرمہ کا فرصتہ باقی ہے۔ بہتر ہے کہ ہم اپنے دل کو اس ناخن سے کہ جس سے بند قبا پورا نہ کھل سکا کرید کر زخمی کر لیں۔ اس سے زیادہ اس ناکامی کا بدلہ اور کیا ہو سکتا ہے۔

۷۔ تاراج کرنا .. برباد کرنا۔ لوٹنا، دھینسہ .. پوشیدہ خوانہ، غم بھراں .. غم جدائی۔

اسد کا وہ سینہ جس میں کہ گہرائی راز محفوظ تھے۔ کاوش غم بھریں نے  
 لوٹ لیا یعنی غم جدائی نے اسے کھود کھود کر نکال لیا اور برباد کر دیا۔ اسی اور  
 طباطبائی کہتے ہیں۔ اس بیان سے یہ مقصود ہے کہ غم نے رسوا کر دیا۔

۱۳

بزم شامہنشاہ میں اشعار کا دفتر کھلا ۱ رکھیو یارب یہ در گنجینہ جو ہر کھلا  
 شب ہوتی پھر انجم رخشندہ کا منتظر کھلا ۲ اس تکلف کے گویا تکلف کا در کھلا  
 گرچہ ہوں دیوانہ پر کچل دھت کا کھلاؤں کیا ۳ آستیں میں دشت پنہاں ہاتھ میں شتر کھلا  
 گونہ بھوں میں کی باتیں نہ ہوں اُس کا بھید ۴ پر یہ کیا کم ہے کہ تجھ سے وہ پری ہیکر کھلا  
 ہے خیال حسن میں حسن عمل کا سا خیال ۵ غلغلہ کا آگ در ہے میری گور کے اندر کھلا  
 منہ نہ کھلے رہے وہ عالم کہ وہ کیا ہی نہیں ۶ زلف سے بڑھ کر نقاب اُس شوخ کے در کھلا  
 در پر رہنے کو کہا اور کہہ کے کیسا پھر گیا ۷ جتنے عرصے میں مرا اپنا ہوا بست کھلا  
 کیوں اندھیری ہے شب غم ہے بلاؤں کا نفل ۸ آج تو ہری کو ہے گا دیدہ اختر کھلا  
 کیا ہوں غرہت میں خوش جیم موجود کھلا ۹ نام لانا ہے وطن سے نامہ بر اکثر کھلا  
 اُن کی اُمت میں ہوں میں میرے میں کیوں کام بند

۱۰ واسطے جس شہ کے غالب گنبد ہے کھلا

۱۔ اشعار کا دفتر کھلا۔ مشاعرہ جاری ہو گیا۔ گنجینہ گوہر۔ مراد بزم شعرا  
 یا محفل شمشاد، ان مشاعروں کی طرف اشارہ ہے جو قلمِ محفل میں ہوا کرتے تھے۔  
 ۲۔ شاد شاہ کے مذاق سخن اور مجمع شعرا کے لحاظ سے بزم شمشاد کو گنجینہ گوہر کہا ہے۔  
 رکھیو در کھلا۔ آباد رکھیو۔

شمشاد کی محفل میں پھر شعرا اپنا اپنا کلام پڑھ رہے ہیں۔ اس مشاعرے  
 کی تجدید سے مسرور ہو کر وہ عالم گنتے ہیں کہ یارب اس محفل کو ہر جن کو ہمیشہ آباد رکھنا۔

طیاطباتی، بنیم شاہی جو گنجینہ گوہر ہے تو محض اس سبب سے کہ میرے  
اشعار کا دہاں دفتر کھلا ہے اور یہ دعا ہے کہ الٹی اس در کو آبلور کھ ادر اس  
کا فیض جاری رکھ۔

۲۔ انجم رخشندہ، چمکتے ہوئے ستارے، منظر، سماں، تکلف ..  
شان، بتکدہ .. بُت خانہ میں چراغ روشن ہوتے ہیں۔ ستاروں کو چراغ سے  
تشبیہ دی ہے یا ستارے ہی بتوں سے مشابہ ہیں۔

رات ہو گئی چمکنے والے ستارے نکل آئے اور یہ ستارے اس تکلف اور  
شان سے برآمد ہوئے جیسے بتکدے کا دروازہ کھلتا ہے۔ بتکدے یا کسی  
معبد کا دروازہ جس شان سے کھولا جاتا ہے۔ وہ ظاہر ہے مطلب صرف اس قدر  
ہے کہ رات ہوئی اور ستارے بڑی آن بان سے نمودار ہو گئے۔

یہ بخود: رات ہو گئی۔ بنیم سخن منعقد ہونے کا وقت آگیا۔ (انجم رخشندہ) (اشعار)  
کا منظر کھل گیا اور وہ (اشعار) ایسے آماستہ ہیں کہ معلوم ہوتا ہے۔ ڈھلے ہوئے  
بُت سامنے رکھ دیئے ہیں۔ جو مُنہ سے بول رہے ہیں۔

۳۔ دشتہ پنہاں .. خنجر چھپا ہوا، لشتر، جنوں کو دُور کرنے کے لیے  
لشتر سے فصد کھولی جاتی ہے + دوست .. دوست نما دشمن۔

اگرچہ میں دیوانہ ہوں پھر بھی میں دوست نما دشمن کو خوب پہچانتا ہوں۔ اس  
لیے اس کے دھوکے میں نہیں آتا۔ میں سمجھتا ہوں۔ اس نے مجھے دکھانے کے  
لیے ہاتھ میں لشتر لے رکھا ہے تاکہ میں سمجھوں کہ میرے جنوں کا علاج فصد کھول  
کر ناپاہتا ہے لیکن درحقیقت اس کا ارادہ مجھے قتل کرنے کا ہے اور اس نے اپنی  
استین میں خنجر چھپا رکھا ہے کہ اس بہانے سے موقع پاتے ہی مجھے قتل کر ڈالے۔  
مطلب یہ ہے کہ میں فریب سے جان دینا نہیں چاہتا۔ باوجود دیرانہ ہونے کے

ظاہری دوست اور پوشیدہ دشمن کو پہچانتا ہوں۔

۴۔ بھید پانا .. راز کو جاننا + وہ پری پسیر کھلا .. بے تکلف ہو گیا +  
 اگرچہ میرے لیے یہ نہایت تکلیف دہ ہے کہ میں اس کی باتیں نہیں سمجھ سکتا  
 اور اس کا راز نہیں پاسکتا۔ پھر بھی یہ کونسی کم خوشی کی بات ہے کہ وہ پری دکن  
 محبوب محمد سے بے تکلف ہو گیا ہے۔ آئندہ خود بخود مجھے راز دہاری کا موقع  
 مل جائے گا۔

۵۔ حسنِ عمل .. نیک کام کرنا + خیالِ حسن .. تصورِ معشوق۔

مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ اعمالِ نیک کی بدولت نیک لوگوں کی قبریں ہیں  
 جنت کے دروازے کھل جاتے ہیں اور وہ عذابِ قبر سے محفوظ رہتے ہیں۔ خیالِ حسن  
 یعنی تصورِ محبوب بھی حسنِ عمل کا ہم پایہ ہے۔ کیونکہ خیالِ حسن سے میری قبر میں جنت  
 کا دروازہ کھل گیا ہے۔ گویا حسنِ یار کے تصور کی بدولت میں عذابِ قبر سے محفوظ  
 ہوں۔ اور عذابِ قبر سے وہی لوگ بچ سکتے ہیں جو دنیا میں نیک کام کرتے ہیں۔  
 لہذا خیالِ حسنِ حسنِ عمل ہوا۔

سہا۔ حسرت۔ طباطبائی: تصورِ چہرہٴ معشوق سے قبر میں باغِ بہشت  
 دکھائی دے رہا ہے۔ کیونکہ اس کے چہرے میں باغ کی سی رنگینی ہے تو گویا  
 تصورِ حسن اور حسنِ عمل کا ایک ہی ثمرہ ہے۔

بیخود: میں حسنِ یارِ معشوق حقیقی کے تصور میں ایسا محو ہو گیا ہوں کہ اس  
 کو حسنِ عمل (عبادت) خیال کرتا ہوں اور اس خیال کی بدولت میری قبر میں جنت  
 کی کھڑکی کھل گئی ہے۔ یعنی میری بخشش ہو گئی ہے۔

آئسی: (۱) میرے ہم خیال (۲) میں عشق کی بدولت دنیا کے جھگڑوں سے  
 علیحدہ اور ہمیشہ ظلم و ستم سہتا رہا۔ اب مرنے کے بعد بھی وہی خیال ہے تو آئسی

وہ بات سے خیالِ حُسنِ حُسنِ عمل بن گیا اور اسی کا یہ بدل ہے۔

۶۔ ہے وہ عالم .. وہ کیفیت + مٹہ پر کھلنا .. زیب دینا + نقاب .. پرمدہ - نمازِ قدیم میں نقاب مٹ کر بولا جاتا تھا۔ اب دہلی والے موٹے بولتے ہیں۔

گورے گورے چہرے پر کالی کالی زلفیں بہت بھلی معلوم ہوتی ہیں لیکن غالب اپنے محبوب کی تعریف اس طرح کرتے ہیں کہ باوجود چہرے پر نقاب ہونے کے اس کے حُسن کا وہ عالم ہے کہ ہم نے کبھی دیکھا ہی نہیں۔ سبحان اللہ۔ اس شوخ کے چہرے پر نقاب زلفوں سے بھی زیادہ خوبصورت معلوم ہوتی ہے۔ دیکھا ہی نہیں اور مٹہ پر کھلا کے معنوں نے شعریں جنتِ لور حُسن پیدا کر دیا ہے۔ بیخود: معشوق حقیقی کا حُسن دلفریب باوجود اس قدر بردوں کے جو ظہور تجلیاتِ قلب عشق پر کر رہا ہے اس کی صفت بیان نہیں ہو سکتی۔

۷۔ کمالِ ہر بانی سے اس نے مجھ سے کہا کہ تم کو میرے در پر بڑے پہننے کی اجازت ہے۔ یہ سُن کر میں نے اپنا پٹا ہٹا بستر کھولنا شروع کیا۔ لیکن اس کی شوخی دیکھتے جتنی دیر میں میں نے پٹا ہٹا بستر کھولا یعنی بہت ہی جلدی، وہ اپنے الفاظ سے چکر گیا اور مجھے پھر اپنا بستر لپیٹنا پڑا۔ اپنی خانہ بدوشی۔ محبوب کی وعدہ خلافی اور تلون مزاجی اور اس کی شوخی اور ستم طریقہ کا خوب پُر لطف نقشہ کھینچا ہے۔

۸۔ شبِ غم .. شبِ ہجر + بلاؤں کا نزول .. مصیبتیں نازل ہونا۔ اختر .. ستارہ۔

آج شبِ غم تاریک کیوں ہے؟ اس کا سبب یہ ہے کہ آسمان سے مصیبتیں زمین پر نازل ہو رہی ہیں اور تاروں نے اُن کے اُترنے کا تماشا

دیکھنے کے لیے اپنی آنکھیں آسمان کی طرف کر لی ہیں۔ اسی لیے روئے زمین پر تار کی چھائی ہوتی ہے۔ شب غم کی تار کی اور بلاؤں کے نازل سے گھبرا کر کہتے ہیں کہ کیا آج ستاروں کی آنکھیں آسمان کی طرف دیکھتی ہیں گی اور سطح زمین کو زمینی روشنی سے منور نہیں کریں گی۔ یعنی کیا یہ بلائیں ساری رات نازل ہوتی ہیں گی اور تارے تمام رات ان کے تماشے میں محو رہیں گے۔

در بخود: اگر روشنی ہوتی اور میں ان بلاؤں کو آسمان سے اترتے ہوئے دیکھ سکتا تو شاید کچھ اپنی حفاظت کی تدبیر کرتا۔

اسی: مصنف اعتراضاً لکھتا ہے کہ شب غم اس قدر تاریک کیوں ہے حالانکہ آج بلائیں نازل ہو رہی ہیں اور دیدہ اختر نخست بھی ادھر ہی کو کھلا رہے گا۔ جس سے تاریکی نہ ہونا چاہیے۔ کیوں ازراہ اعتراض ہے کہ بطریق سوال۔

۹۔ غربت .. مسافری + حوادث .. آفات ارضی و سماوی۔ مراد خبر مرگ + نامہ کھلا .. دستور تھا کہ جس خط میں کسی عزیز کی خبر مرگ ہوتی تھی اسے کھلا ہوا ہی روانہ کرتے تھے۔

میں مسافری میں کیسے خوش رہ سکتا ہوں جبکہ حادثات کا یہ عالم ہے کہ وطن سے جو خط آتا ہے وہ اکثر کھلا ہوا ہوتا ہے۔ یعنی اس میں کسی اند کسی عزیز کی موت کی خبر درج ہوتی ہے۔ اتنی دوسرے معنی پر لکھتے ہیں کہ میرے عزیزان و دوست مجھے کھلے ہوئے خط بھیجتے ہیں یعنی مجھے رازداری کے قابل نہیں سمجھتے۔

۱۰۔ اُمنت میں ہوں .. پیرو ہوں + کام بند ہیں .. ناکامیاب باہوں ہیں + گنبد بے در .. یعنی آسمان۔ شب معراج سے کہنا یہ ہے کہ

جب رسول مقبول عرش پر تشریف لے گئے تو آسمان اُن کے لئے کھل گئے۔  
اے غالب میرے کام کیونکر بند ہو سکتے ہیں۔ میں تو اس کی اُمت ہوں  
ہوں جس کے لیے آسمان کابلے درگنبد کھل گیا تھا۔ گویا میری کامیابی  
حضرت رسول کی اُمت میں ہونے کی وجہ سے یقینی ہے۔

۱۲۷

شب کہ برق سفید دل سے نہرو ابراب تھا ۱ شعلہ جوالہ ہر اک حلقہ گرداب تھا  
داں کہ محکم کو عذیباش تھا غناں گیرام ۲ گریہ سے ہاں پمبہ بالش کفِ سبلاں تھا  
داں خود آرائی کو تھا سوتی پروئے کا خیال ۳ یاں ہجوم اشک میں تازگہ نایاب تھا  
جلوئے گل نے کیا تھا داں چراغاں آب جو ۴ یاں رواں مہ گاہِ چشم تہ سے خونِ ناب تھا  
یاں سر پر رشیدیہ بخوانی سے تھا دیوار جو ۵ داں وہ فرق نازِ محو بالش کخواب تھا  
یاں لُحس کرتا تھا روشن شمع بزمِ بخودی ۶ جلوئے گل داں بساطِ صحبتِ احباب تھا  
فرش سے تارِ شاں طفلان تھا صبحِ رنگ کا ۷ یاں از میں سے آسمان تک سو ختن کا باب تھا  
۸ ناگہاں اس رنگ سے خوشابہ ٹپکلے لگا

دل کہ ذوقِ کاوشِ ناخنی سے لذتِ باب تھا

۱۔ برق سوز دل .. تپشِ قلب کی بجلی + نہرو آب تھا .. پتہ پانی ہو گیا  
تھا یعنی سخت ہیبت زدہ تھا۔ شعلہ جوالہ .. گردش کرنے والا شعلہ شعلہ بند  
گرداب .. بھنور۔

رات کو میرے دل کی گرمی اور ہیبت سے ابر کا پتہ پانی پانی ہو گیا تھا اور  
اس پانی میں جو بھنور پڑتے تھے وہ میرے دل کی تاثیر سے شدہ ہائے لہذاں  
معلوم ہوتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ شب بھر میں پانی اور آگ کا ایک طوفان  
اُٹھ رہا تھا۔



۲۔ کرم .. کرم کرنے۔ یعنی تشریف لانے + عنان گیر .. مالچ + خرام .. چلنا یعنی تشریف لانا + پنبہ بالاش .. تکیہ کی روٹی + کف سیلاب .. سیلاب کے جھاگ۔

ادھر ان کو میرے گھر تشریف لانے میں بارش کا عذر تھا اور ادھر میری یہ حالت تھی کہ ان کے انتظار میں تکتے پر سر رکھے اس طرح دور ہاتھ کاٹنے سے آنسوؤں کے دریا بہ گئے تھے اور میرے تکتے کی روٹی اس سیلاب میں کف سیلاب معلوم ہوتی تھی۔

مستعیدہ (۱) معشوق نے بارش کا تو بہانہ کیا لیکن میری حالت کو نہ دیکھا۔ جو اس کے ذہن سے زار ہو رہی تھی۔ اس لیے ان کو آنا ملتوی نہ کرنا چاہیے تھا آہستی (۲) میرے ہم خیال (۳) کف سیلاب تکیہ کی روٹی تھی۔ یعنی روٹی کا تکیہ بہا بہا پھرتا تھا (۴) سیل میں اس قدر جھاگ تھے کہ روٹی معلوم ہوتی تھی۔

۳۔ خود آرائی .. بناؤ سنگار، آرائش + موتی پرونا .. بہت زیادہ آرائش کرنا + تارنگہ نایاب تھا .. دکھائی نہ دیتا تھا۔

وہ تو اپنی آرائش اور بناؤ سنگار میں موتی پرور ہے ہتھے یعنی حد درجہ مصروف تھے اور ادھر انتظار میں ہماری یہ حالت تھی کہ بولتے بولتے کثرت گریہ کے باعث نظر بھی نہ آتا تھا۔ یعنی ہم نے تارنگہ میں اتنے دُرُنگ پر دھڑکتے تھے کہ تارنگہ بالکل چھپ گیا تھا۔

اس شعر میں تشبیہ نہیں دی گئی بلکہ دو تشابہ چیزوں کا ذکر کر دیا ہے جو کمال فی ہے۔ اس کے علاوہ دوسری خوبی یہ ہے کہ جو کچھ محبوب کر رہا ہے وہی عاشق بھی کر رہا ہے۔ عاشق کی اشکباری اور معشوق کی خود آرائی کی تصویر

خوب کھینچی ہے۔

۴۔ بارغ میں سُرخ سُرخ پھول اس کثرت سے تھے کہ ان کے عکس نے آبجو میں چراغاں کر دیا تھا لیکن یہاں ہمارا یہ حال تھا کہ اشکبار آنکھوں سے خالص خون کے نالے بہے چلے جاتے تھے، گویا آبجو کے مقابلہ میں چشم تر تھی اور شاتھائے گل کے جواب میں چکوں پر لہو کی بوندیں۔ قطراتِ اشک انگلیں کی گل سے تشبیہ بہت خوب ہے۔

۵۔ سرِ سُرخ شور .. سرِ شوریدہ، پیراز سودا + بے خوابی .. نیند نہ آنا، دیوارِ جو .. (سرِ گلزار کے لیے) دیوارِ ڈھونڈھتا تھا + فرقِ ناز .. سرِ غرورِ بالش .. تکیہ + کم خواب .. ایک قسم کا قیمتی کپڑا۔

نیند نہ آنے کی وجہ سے میرا پیراز سودا سرِ دیوار کی تلاش میں تھا کہ اس سے ٹکریں مار کر بیہوش ہو جائے اور ادھر محبوب اپنا سرِ ناز کم خواب کے تکیہ پر رکھے۔ کمالِ ناز سے محو خواب تھا۔ یہ خوابی اور کُ خواب کی رعایت خوب ہے۔

۶۔ نفس .. آہ + بساط .. فرش + احباب .. احبابِ محبوب یعنی قریب، ادھر ہماری بزمِ بے غدی میں ہماری آہ کی شمع روشن تھی اور ادھر محبوب کی محفل میں ان کے احباب کے لیے پھولوں کا فرش بچھا ہوا تھا۔ یعنی ہماری یہ حالت کہ صدمہٴ فراق سے ہم بے خود ہو رہے تھے اور ادھر محبوب رقیبوں کے مجلس میں عیش اُڑا رہا تھا۔

۷۔ فرش سے تاعرش .. زمین سے آسمان تک، طوفان .. کثرتِ ہولناکی، موجِ رنگ .. عیش و عشرت + سوختن کا یاب .. سوختن کی پوری گدائی۔  
لُن کی محفل میں فرش سے لے کر عرش تک عیش و نشاط کا ایک طوفان ٹھاٹھیں مار رہا تھا اور یہاں محض جلنا ہی جلنا ہے۔

آسی و طباطبائی : (۱) دوسرا پہلو یہ بھی نکلتا ہے کہ یہاں کا زمین واسٹا  
آگ لگا دینے کے قابل تھا۔

۸۔ اس رنگ سے .. اس طرح سے، غزل کی طرف اشارہ ہے +  
خوننابہ .. خالص خون، یعنی درخیز اشعار + کاوش ناخن .. کاوش غم +  
لذت یاب .. لذت کش -

یکایک میرا دل جو کاوش غم سے لذت یاب ہو چکا تھا، اس طرح سے یعنی  
اشعار ذیل کی صورت میں خوننابہ ٹپکانے لگا۔ گریز کا بالکل نرالا طعنے ہے۔

## ۱۵

نالہ دل میں شب انداز اثر نایاب تھا ۱ تھا پسند بزم وصل غیر گو بیتاب تھا  
مقدم سدا بجا دل کیا نشاط آہنگ ہے ۲ خانہ عاشق نگر ساز صدائے آب تھا  
ناز میں ایام خاکستر نشینی کیا کہوں ۳ پہلوئے اندیشہ وقف بستر سنجاب تھا  
کچھ نہ کی اپنے جنون نارسا نے دہریاں ۴ ذرہ ذرہ نگویش خورشیدِ عالمتاب تھا  
آج کیوں پروا نہیں اپنے اسیروں کی تجھے ۵ کل تلک تیرا بھی دل ہر وقت کا یاب تھا  
یاد کردہ دن کہ ہر اک حلقہ تیرے دم کا ۶ انتظار صید میں اک دیدہ بیخواب تھا  
میں نے روکاراں غالب کو وگرتے دیکھتے

اُس کے سیلِ گریہ میں گردِ دل کھ سبلا ب تھا

۱۔ انداز اثر .. اثر + نایاب .. مفقود + پسند .. کالادانہ جو نظر بد کو  
دور کرنے کے لیے جلاتے ہیں۔

رات کو میرے نالہ دل میں بالکل اثر نہ تھا۔ وہ اگرچہ سخت بیتاب تھا۔ لیکن میں  
کی بیتابی اور جلنا بزم وصل غیر کو نظر بد سے بچانے کے لیے کانٹے دانے کا کام  
دے رہا تھا۔ گویا میری بیتابی اور تپش دل کا اثر اٹا تھا۔

۲۔ مقدم سیلاب .. آمد سیلاب .. نشاط آہنگ .. خوش .. مسرور .. ساز صدائے آب .. جل ترنگ .. چینی کے ساتھ پیالوں میں پانی بھر کر کڑی سے انہیں بچھلتے ہیں۔

سیلاب کے آنے سے میرا دل بہت ہی مسرور تھا کیونکہ اس کی آمد سے خانہ بربادی اور کھلی تباہی کی توقع رہا نہ تھی۔ اس تماشے کے پونا ہونے کی خوشی میں صدائے آب اور مکان کے دریا بوند ہونے کی آواز سے ایسا معنوم ہوتا تھا۔ جیسے میرا گھر جلتی رنگ کا ساز تھا۔ ”صدائے آب“ اور ”آہنگ“ سے شعر میں خوب لطف پیدا ہو گیا ہے مطلب یہ ہے کہ عاشق اپنی بربادی سے مسرور ہوتے ہیں۔ صدائے آب اور مکان کی دریا بوندی سے جو آواز پیدا ہوتی ہے۔ اس میں اس کو جل ترنگ کے نعروں کا لطف آتا ہے۔

۳۔ نازش .. فخر + خاکستر نشینی .. خاک نشینی، بربادی + اندیشہ .. خیال + سنجاب .. ایک جاوہر ہے جس کی کھال کے پوستیں، بنائے جاتے ہیں اور رنگ اس کا خاکی ہوتا ہے۔ یہ پوستیں بہت قیمت پاتے ہیں ہم رنگی سے بستر سنجاب اور خاکستر نشینی میں رعایت پیدا ہو گئی۔

میں جن ایام میں خاک نشین تھا۔ اس زمانہ میں قناعت کی بدولت خالی نشینی پر مجھ کو جس قدر غرور و غناہ بیان نہیں کر سکتا۔ یوں سمجھو کہ میرے پلوٹے خیال کو بستر مرگ پر بستر سنجاب کی سی راحت ملتی تھی۔ اس بیان سے اپنی قناعت اور مشکل پسندی کا اظہار مقصود ہے اور یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ خاک نشینی میں انسان کبر و غرور سے خالی نہیں رہتا۔

طباطبائی: میں خاک نشین تھا مگر میرا دل قناعت کے فخر و ناز کے سبب فرش سنجاب پر لوٹ رہا تھا۔

آئیں: خاک نشینی کے ایام کا فخر و ناز کیا بیان کروں کہ اس زمانہ میں ہر وقت یہ خیال رہتا تھا کہ کبھی ہم بھی بستر قائم و منجاب پر تھکا اور اس طرح سے خیال عیش نصف عیش بنا ہوا تھا مگر افسوس کہ اب وہ زمانہ نہ رہا۔ یہ معنی اندیشے کے لفظ سے پیدا ہوئے ہیں۔

۴۔ کچھ نہ کی .. کچھ نہ کیا۔ محروم رکھا، جنون نارسا۔ عشق ناقص یا بے اثر + روکش .. مقابل۔

افسوس کہ میرے عشق ناقص نے مجھے اکتسابِ تابندگی سے محروم رکھا اور نہ یہاں تو خاک کا ہر ذرہ بے مقدار ہونے کے آفتابِ عالمتاب کا دمِ مقابل تھا۔ اگر ہمارا عشق یاوری کرتا تو ہم باوجود ذرہ بے مقدار ہونے کے آفتابِ عالمتاب کی طرح جھکتے، یعنی عشق نارسا کی بدولت ہم خاک کے معمولی ذرہ سے بھی کمتر رہے یا یہ کہ اگر عشق ہم کو جلا کر خاک کر دیتا تو ہماری خاک کا ہر ذرہ آفتابِ عالمتاب کا ہم پایہ بن جاتا۔

طبا طبیلٹی و بیخود: جنون نارسا (عشق ناقص) نے ہم کو اکتسابِ فیض و تجلیاتِ افکار الہی و اتحادِ معشوق سے محروم رکھا، ورنہ دنیا کا ہر ذرہ اکتسابِ نور سے رشک آفتاب بنا ہوا تھا۔

آسی: (۱) میرے جنون نے نارسائی کی اور حد جنون کو نہ پہنچ سکا ورنہ جنون کے مقام کا ہر ذرہ رشکِ خورشید تھا (۲) جس مقام پر جنون پہنچ چکا تھا۔ اس مقام کا ہر ذرہ روکش آفتاب تھا۔

۵۔ باب .. کتاب کا ایک حصہ۔ دروازہ۔ سرچشمہ۔

پتہ نہیں آج کیا بات ہے کہ تجھے اپنے امیروں (عاشقوں کی پروا نہیں ورنہ کل تک تو اس قدر بے پروا نہ تھا بلکہ تیرا دل سرورِ فنا کا سرچشمہ تھا اور

تو ان کا خاص طور پر خیال رکھتا تھا۔

بخود نے باب کے معنی دروازے کے لیے ہیں۔ اسی کو باب پر اعتراض ہے کہ یہ آندوں میں مستعمل نہیں۔ خالص فارسی ہے۔

۶۔ صید .. شکار + دام .. جال + دیدہ بخواب .. کھلی ہوئی آنکھ۔ حلقہ دام کو دیدہ بخواب سے تشبیہ دی ہے اور وجہ تشبیہ ہے کہ چشم بے خواب حلقہ دام کی طرح کھلی رہتی ہے۔ بہت خوب تشبیہ ہے تو ان ایام کو ذرا یاد کر، جب تیرے دام کا ہر حلقہ شکار کے انتظار میں چشم بخواب کی طرح کھلا رہتا تھا۔ یعنی تو ہر وقت عشاق کا خیال رکھتا تھا کہ میں کس طرح اور کیوں کر ان کو اپنے دام میں پھنساؤں۔

۷۔ کف سیلاب .. وہ جھاگ جو طوفان خیز پانی میں تیرتے پھرتے ہیں + سیل گریہ .. طوفان اشک۔

میں نے رات غالب کو رونے نہ دیا۔ اگر وہ روتا تو پھر تم دیکھتے کہ اس کے سیلاب گریہ میں آسمان کف سیلاب کی طرح تیزتا پھرتا گویا اس کی اشکباری سے اس قدر طوفان آتا کہ آسمان کو بھی جھاگ کی طرح ہسا لے جاتا۔ سیل گریہ آسمان تک پہنچ جاتا اور اس کے تھپیڑوں سے آسمان کف سیلاب کی طرح ہتا۔

۱۶

ایک ایک قطرے کا مجھے دینا پر احباب ۱ خون جگمگہ دعیت مرگاہ یار تھا  
اب نہیں ہوں اور باتر یک شرارند ۲ توڑا جو تونے آئینہ تمثال وار تھا  
گلیوں میں میری لاش کو کھینچے پھر دکھ میں ۳ جاندا دہ ہوا تے سر رکندار تھا  
موج شرب دشت وفا کا نہ پوچھ حال ۴ ہر قدہ مثل جوہر تیغ اب دار تھا

کم جلتے تھے ہم بھی غمِ عشق کو پر آب ۵ دیکھا تو کم ہوئے پر غم روزگار تھا  
۱۔ ودیعت .. امانت - امانت ہمیشہ واپس کرنی پڑتی ہے + جڑ بننا  
پڑا حساب .. یعنی آنکھوں سے خون بہانا پڑا۔

حالی : یعنی آنکھوں سے اس قدر خون جاری رہتا ہے کہ گویا جگر میں  
جتنا خون تھا وہ مرثکان یار کی امانت تھی اور اس لیے اس کے ایک ایک قطرے  
کا حساب اسی طرح دینا پڑے گا۔ جس طرح امانت کا حساب دینا پڑتا ہے۔  
بقول سعید سوائے مرثکان یار کی خلش کے کسی اور کی محبت میں خون جگر  
آنکھوں سے بھال نہیں کیا جاسکتا۔

آسی نے دوسرا مفہوم یہ لکھا ہے :- حساب لینے میں غضب پایا  
جاتا ہے یا حساب اس وقت دینا پڑتا ہے جب کوئی بد نظمی ہوتی ہے میں  
میں قرار دی میں بہت سے سا خون بہا چکا تھا مگر اس کے بعد بھی اس کی یاد مرثہ کی  
کاوش اور محبت نے مجھے چین نہ لینے دیا اور جس قدر میں خون بوجھا تھا اتنا  
ہی پھر خون ٹلایا۔ اس احتساب میں مجھے بڑی مصیبت کا سامنا کرنا پڑا۔  
یہ شعر بطریقِ افسوس تھا۔

۲۔ ایک شہر آرزو .. وہ شہر جس میں آرزوئیں آبلو ہوں یہ یعنی  
بے حد آرزوئیں + آئینہ شمال وار .. وہ آبدار آئینہ جس میں عکس نظر  
آتے ہیں یعنی میرادل۔

تو نے میرے دل کے آبدار آئینے کو توڑ ڈالا۔ اس میں تو آرزوؤں کا ایک  
شہر آباد تھا، تو نے اسے توڑ کر میری ہزاروں آرزوؤں کا خون کر دیا۔ اس لیے  
اب میں ہوں اور ایک شہر آرزو یعنی شمال وار کی بربادی کا ماتم ہے۔ بقول  
حسرت، تو نے ایک دکھنی کر کے میری ہزاروں آرزوؤں کا خون کر دیا۔

سعید: تو نے میرے دل کے آئینہ کو جس میں تیری صورت نظر آتی تھی توڑ ڈالا تو میری سینکڑوں تماؤں کا خون ہو گیا۔

بیخود: تو نے آئینہ اس حالت میں توڑا جب تو اس میں اپنا منہ دیکھ رہا تھا۔ گویا تو تماشا ہی تھا اور میں یہ موقع غنیمت جان کر تجھ کو دیکھ رہا تھا۔ میرے دل میں ہزاروں تماشاں اور آرزوئیں جوش مار رہی تھیں۔ تیرے غور و خوض نے یہ گوارا نہ کیا کہ اپنا ثانی دیکھتا۔ تو نے آئینہ توڑ ڈالا اور اس کے ٹوٹ جانے سے میری تمام آرزوئیں خاک میں مل گئیں۔ گویا آرزوؤں کا ایک شہر تیرے آئینہ توڑنے سے برباد ہو گیا۔

طباطبائی: آئینہ میں ایک ہی عکس نظر آتا ہے۔ لیکن جب اسے توڑ ڈالا تو ہر ٹکڑے میں وہی پورا عکس دکھائی دیتا ہے۔ یہاں ہر عکس کو دیکھ کر ایک ایک آرزو کا خون ہوتا ہے۔ غرضیکہ جس آئینہ میں معشوق کے عکس و مثال کا جلوہ تھا۔ اس کے ٹوٹنے سے ایک شہر آرزوؤں کا خون ہو گیا ہے۔ اسی اس شرح کو غلط قرار دیتے ہیں۔

۳۔ جانداہ .. کشتہ + ہوا .. آرزو۔ جب میں زندہ تھا تو مجھے کوہ گردی کا بہت شوق تھا اور یہی شوق میری موت کا باعث ہوا۔ اس لیے میری لاش کو اب گلی کوہ میں گھینچے پھر دتا کہ مرنے کے بعد بھی میری آرزو پوری ہوتی رہے۔

طباطبائی: ہوا کے معنی آرزو اور رہگذر سے مراد رہگذر معشوق ہے۔ سعید: چونکہ میں نے سر رہگذر معشوق کی آرزو میں جان دی ہے۔ اس لیے میری نفس کو گلیوں میں گھینچے پھر دتا کہ اسی طرح میری آرزو پوری ہو جائے۔ بیخود نے طباطبائی کی شرح پر یہ اضافہ کیا ہے کہ اس طرح رفتہ رفتہ لوگ



میری نقش کو معشوق کی گلی میں لے جائیں گے اور میرا مدعا حاصل ہو جائے گا۔

اسی : مجھے بڑا شوق تھا کہ سڑکوں اور شاہراہوں کی ہوا کھانا پھرو جیسا کہ اکثر امراء شام کو ہوا خدی کے لیے نکلتے ہیں۔ اس لیے مرنے کے بعد مجھے یہ سزا دو کہ میری لاش کو چل میں کھینچے پھرو اور اس طرح سے میری نازک داغی اور شوق کو لوگوں پر ظاہر کر کے دُنیا سے ناپائدار اور اس کے شوقوں سے عبرت دلاؤ کہ کبھی یہ ایسا نازک داغ تھا، اب اتنا عجیب ہے یا یہ کہ میری حالت زندگی میں بھی مجنوں کی تھی بعد مرگ بھی وہی ہو۔ اُسی جاندادہ کی جگہ دلدادہ لکھتے ہیں۔ ان کا خیال ہے، ہمارے معنی آرزو نہیں لینے چاہئیں۔ کیونکہ دلدادہ کے معنی آرزو مند ہیں۔ اس طرح سے دلدادہ بیکار ہو جاتا ہے۔

۴۔ سراب .. ایک خاص قسم کی ریت ہے۔ جو دُور سے پانی معلوم ہوتی ہے۔ پیاسا اس کی طرف جاتا ہے۔ پانی کی اُمید میں بڑھتا چلا جاتا ہے اور آخر کار پیاس سے ہلاک ہو جاتا ہے + جو ہر تیغ .. تلوار کے خطوط۔

مجھ سے دشت و فاکا مال نہ پوچھو۔ وہ تو صبح سراب کی طرح ہلک ہے اور پیاس سے (دفا پرست) کو دھوکا دے کر ہلاک کر دیتا ہے یوں سمجھ لو کہ دشت و فاکا ہر ذرہ جو ہر تیغ کی طرح اُبار ہے، بھلا دشت و فاکا میں گامزن ہو کر کوئی کہاں تک بچ سکتا ہے مطلب یہ ہے کہ وفا جان لیے بغیر نہیں رہتی۔

اُسی (۱) محیال (۲) مجھے اپنی وفا سے کیا کیا امیدیں تھیں۔ یعنی جذب کی توقع اور معشوق کی جانب سے بھی وفا کی اُمید۔ مگر وہ سراب نکلا اور میری وفا بیکار ہی اور سردست وفا کے ذرہ ذرہ نے مجھے قتل کر دیا۔

۵ (۱) نا تجربہ کاری کی وجہ سے غم عشق کو ہم کچھ کم خیال کرتے تھے لیکن جب

حقیقتاً عشق میں کمی ہوئی تو دنیا کی تمام آفتوں نے گھیر لیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ دنیا کی تمام آفتیں اور آفتِ عشق برابر ہے (۲) عشق دنیا کے غموں سے کہیں زیادہ ہے کہ عشق کے مقابلے میں کوئی اور آفت نہیں آتی۔ بخود طباطبائی نے آخری مضمون لکھا ہے۔ اور سعید و آسی نے دونوں مضمون۔ بہر حال آخری مضمون بہتر ہے۔

۱۷

بسکہ دشوار ہے ہر کام کا آسان ہونا ۱ آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا  
گرہ چاہے ہے خلیا مرے کاشلے کی ۲ دو دیوار سے ٹپکے ہے بیا بیاں ہونا  
داٹے دیوانگی مشوق کہ ہر دم مجھ کو ۳ آپ جانا ادھر، اور آپ ہی جہاں ہونا  
جلوہ از بسکہ تفضائلے نگہ کرتا ہے ۴ جوہر آئینہ بھی، چلم ہے مڑ گل ہونا  
عشرتِ قتل گر اہل تناسست پوچھ ۵ عیدِ نظارہ ہے شمشیر کا عریاں ہونا  
لے گئے خاک میں ہم داغِ تنہاے نشاط ۶ تو ہو، اور آپ بصدنگ گلستاں ہونا  
عشرتِ پارہ دل زخمِ تمنا کھانا ۷ لذتِ ریش جگر غرق نمکداں ہونا  
کی مرے قتل کے بعد اُس نے بخت سے توبہ ۸ مات اس زود پشیاں، کا پشیمان ہونا  
حیف اُس چار گرہ کپڑے کی قسمت غالب  
جس کی قسمت میں ہو عاشق کا گرہیل ہونا

۱۔ انسان ہونا۔ حقیقی صفات انسانی پیدا کرنا۔ بسکہ بہت زیادہ  
حالی: ہادی النظر میں یہ ایک معمولی بات معلوم ہوتی ہے مگر غور سے دیکھو  
جائے، تو بالکل اچھوتا خیال ہے۔ دعوئے یہ ہے کہ دنیا میں آسان سے آسان  
کام بھی دشوار ہے اور دہل یہ ہے کہ آدمی جو عین انسان ہے اس کا بھی عین  
انسان بننا مشکل ہے۔ یہ منطقی استدلال نہیں ہے بلکہ شاعرانہ استدلال ہے

جس سے بہتر ایک شاعر استدلال نہیں کر سکتا۔  
 آسمی: چونکہ ہر کام کا آسان ہونا مشکل ہے۔ لہذا ہر آدمی بھی آدمی  
 نہیں کہا جاسکتا۔

طبا طبائی: کمال انسانیت کے مرتبہ پہ پہنچنا سہل نہیں ہے۔  
 ۲۔ خربانی .. دیرانی، بریادی + کاشانہ .. جھوٹپڑا + درو دیوار سے ٹپکنا  
 .. ظاہر ہونا + بیابان .. بالکل ویران + الفاظ بہت ہی مناسب لائے ہیں۔  
 میری گریہ و زاری کا مدعا یہ ہے کہ میرا گھر ویران ہو جائے۔ چنانچہ اس  
 گریہ و زاری کے اثر سے میرے گھر کے در و دیوار سے ویرانی ٹپکتی ہے جس سے  
 ظاہر ہوتا ہے کہ یہ گھر اس نحوست سے کوئی دن میں بالکل ویران ہو جائے گا۔  
 ۳۔ دائے .. افسوس + دیوانگی شوق .. جنون عشق + ادھر مشرق  
 کی طرف۔

مجھ کو اپنے عشق کے دیوانہ پن پر افسوس آتا ہے کہ اس کے تقاضے سے  
 میں بار بار تیری طرف جاتا ہوں اور پھر آپ ہی آپ جیران و پریشان ہوتا ہوں  
 کہ میں یہاں کیوں آیا۔ کیونکہ رسائی وہاں تک ممکن نہیں۔ بقول آسمی یہ شوق تھا۔  
 یعنی جنون تھا کہ تیرے کوچے میں ہزار بار گئے اور ہزار بار آئے۔

طبا طبائی: ہر دم یعنی ہر مرتبہ سانس لینے سے میں اس مبداء حیات و  
 وجود کی طرف دوڑتا ہوں اور اپنی نارسائی سے جیران ہو کر رہ جاتا ہوں۔  
 یہ بخود: بار بار معشوق حقیقی کا مشتاق جمال ہو کر اپنی غدی سے گزر جاتا  
 ہوں اور نارسائی کی وجہ سے جیران ہو کر سوچتا رہ جاتا ہوں کہ میں کہاں اور اس  
 کا دیدار کہاں۔

۴۔ جلوہ .. حسن یار + تقاضائے نگہ .. تقاضائے دید + جو ہر آئینہ

آئینہ فولادی مراد ہے۔

وہ خطوط جو مستقل کرتے وقت پڑتے ہیں۔ مرثگان آئینہ بنا چاہئے ہیں۔ چونکہ یار کا جلوہ حسن بہت ہی زیادہ تقاضائے دید کرتا ہے اس لیے اس کے حکم کی تعمیل میں آئینہ آنکھ اور اس کے جوہر (خطوط) پلکیں بن جانا چاہئے ہیں۔ آئینہ کو آنکھ اور اس کے جوہر کو مرثگان سے تشبیہ دی ہے۔

سہا و سعید، مرثگان ہوتا ہے آنکھ بننا مراد ہے۔ یعنی جوہر آئینہ شوق تماشا میں یہ چاہتا ہے کہ مرثگان (آنکھ) بن جائے۔

آئینہ: (۱) چونکہ اس کا جلوہ ہر ایک سے تقاضائے نگہ کرتا ہے جب آئینہ میں اس کا عکس پڑا تو اس کے جوہر میں یہ خاصیت پیدا ہو گئی کہ وہ مرثگان بننے لگا یا اس کے جلوہ کے اثر سے مرثگان بن گیا (۲) ہم خیال۔

۵۔ عشرت .. مسرت + اہل تمنا .. عشاق + عید نظارہ .. نظارہ کی عید۔ قتل گاہ میں عشاق کی خوشیوں کا حال نہ بوجھ + وہ قتل گاہ میں شمشیر یار کو عریاں دیکھ کر شوق شہادت سے بہت زیادہ مسرور ہو گئے۔ جیسے انہوں نے عید کا چاند دیکھ لیا اور ان کے لیے عید نظارہ آگئی مصنف کا کمال یہ ہے کہ خیال خود بہ خود شمشیر اور ہلال کی تشبیہ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔

طبا طبائی: لفظ ہلال شکی ذوق سے نہ اسکا اور شعر کا مطلب نامام رہا۔ مطلب یہ ہے کہ عشاق کو شمشیر عریاں دیکھ کر ایسی مسرت حاصل ہوئی کہ ہلال عید کا نظارہ دکھائی دیا۔ آئینہ کہتے ہیں عید نظارہ ترکیب منقول ہے مصنف نظارہ ہلال عید کہنا چاہتا تھا۔

۶۔ خاک .. قبر + لے گئے داغ تمنا .. آرزو پوری نہ ہوئی۔ خسو لے گئے + بصد رنگ گلستاں ہونا .. ہر طرح سے تم باغ کی طرح

شاداب رہو۔

افسوس ہم تو دُنیل سے نامراد گئے اور درِغ آرزو اپنے دل میں لے گئے۔  
اب خدا کرے تم ہمیشہ خوش و خرم رہو اور باغ کی طرح پھولو پھلو۔ حسرت و  
سعیقہ لکھتے ہیں کہ یہ معشوق پر طرز ہے۔ طباطبائی کہتے ہیں باغ باغ ہونا  
محاورہ ہے۔ گلستان ہونا غالب کا تصرف ہے۔

۷۔ عشرت .. عیش، راحت + پارہٴ دل .. دل کا ٹکڑا یعنی دل +  
زخمِ نسا کھانا .. آرزو پوری نہ ہونا۔ زخمِ معنی رنج + ریشِ جگر .. زخمِ جگر +  
غرقِ نمکدان .. زخم پر نمک چھڑکنے سے تکلیف ہوتی ہے۔ غرقِ نمکدان ہونے  
سے انتہائی تکلیف مراد ہے۔

ناکامی اور محرومی کا زخم کھانا دل کے لیے عینِ راحت ہے اور زخمِ جگر کا  
نمکدان میں غرق ہو جانا اس کے لیے انتہائی لذت کا باعث۔ مطلب یہ ہے کہ  
عشاقِ اینداوہ مست ہوتے ہیں۔

سہاویہ بخود پارہٴ دل سے دل کا ہر ٹکڑا مراد لیتے ہیں۔

۸۔ زودِ پشیمان .. جلدِ پشیمان ہو جانے والا۔

اُس نے مجھے قتل کرنے کے بعد ظلم سے توبہ کر لی۔ ہاٹے وہ جلدِ پشیمان  
ہو جانے والا کس قدر جلدِ پشیمان ہوا ہے۔ کاش اس نے قتل کرنے سے پہلے  
ظلم سے توبہ کی ہوتی، اب توبہ کرنے سے کیا فائدہ؟ زودِ پشیمان کے طرز یہ  
استعمال سے خوب لطف پیدا ہو گیا ہے۔

طباطبائی، لہو دیکھتے ہی رحم آگیا کہ میں نے یہ کیا کیا، نہ غصہ آتے دیر لگی اُو  
نہ پشیمان ہوتے۔ ممکن ہے زودِ پشیمان طرز سے کہا ہو۔ یعنی جب کامِ اختیار سے  
باہر ہو چکا اس وقت رحم آیا۔ کیا جلدِ پشیمان ہوا (بخود)

آہستی : پہلا مضمون وہی ہے جو میں نے لکھا ہے دوسرا مضمون یہ پیدا کیا ہے۔ میں تو قتل ہو چکی چکا تھا اب رقیبوں کی بادی آئی تو اس نے بہت جلد پشیمان ہو کر قتل کرنے سے توبہ کر لی ۔

۹۔ اس چار گزہ کپڑے کی قسمت پر اخوس ہے جو بد قسمتی سے عاشق کا گریبان بن گیا۔ کیونکہ وہ جنون عشق کے ہاتھوں ہمیشہ تار تار رہے گا۔ وصل میں معشوق اذراہ شوخی چاک کر دیگا اور پھر میں عاشق خود اس کی دھجیاں اڑا دے گا۔ آب حیات میں لکھلکے کہ جب غالب قمار بازی کے جرم میں قید تھے تو کپڑے اس قدر میلے ہو گئے کہ جوشیں پر لگیں جس دن قید سے چھوٹے۔ مگر تہ پھاڑ کر وہیں پھینک دیا اور اس موقع پر یہ شعر پڑھے۔  
حسرت : شر تو بہت خوب ہے لیکن دونوں مصرعوں میں تکرار نے بے لطفی پیدا کر دی ہے۔

## ۱۸

شب خام و شوق ساقی رختیخیز اندازہ تھا ۱ تا محیط بادہ صورت خانہ خمیازہ تھا  
ایک قدم وحشتِ قدس دفترِ مکان کھلا ۲ چادہ اجڑے دو عالم دشت کا شیرازہ  
مارع وحشت خرامیہ لے لی کون ہے ۳ خانہ بختیو صحرا گردے دروازہ تھا  
پوچھ مت رسوائی اندازہ استغنائے سن ۴ دست مہرینِ خنار من غارہ تھا  
ناز دل نے دیئے اوراقِ بخت دل بیلو ۵ یادگارِ نالہ اک دیوانی بے شیرازہ تھا  
۱۔ خمار .. نشہ کا آثار + شوق ساقی .. انتظار ساقی + رختیخیز اندازہ ..  
قیامت کی مانند + محیط بادہ .. خط سائزہ جہاں تک شراب ہو + خمیازہ .. اُٹلائی۔  
صورتِ خانہ .. جنگدہ ۔

رات کو ساقی کے شوق انتظار میں قیامت کی سی کیفیت پیدا ہو گئی تھی ۔۔

کیفیت اس قدر بڑھی تھی کہ شراب بھی میری طرح خار کی وجہ سے شیشے میں انگڑائیاں لینے لگی تھی اور اس طرح سے ایک جتکدہ خمیازہ یعنی انگڑائیوں کے بتھانے کا منظر پیدا ہو گیا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ ہر شے ساقی کی آمد کی منتظر رہتا تھا۔ انتظار کی کوفت سے انگڑائیاں لے رہی تھی۔ شراب کے جوش کو انگڑائی سے تشبیہ دینا نا در خیال ہے۔ سعید اس شعر کو محل قرار دیتے ہیں۔ بخود لکھتے ہیں کہ انگڑائی لینے میں ہاتھ ملند ہو کر آپس میں مل جاتے ہیں۔ یہی شکل رنجیز کی ہے۔ ظاہر ہے یہ تشریح مزید وضاحت چاہتی ہے۔

طباطبائی: رات کو میرے شوق نے قیامت برپا کر رکھی تھی اور شوق میں بے لطفی و بے مزگی جو تھی اس وجہ سے اسے خار سے تشبیہ دی اور سماں سے لے کر دریاے مادہ تک میرے خمیازہ کا صورت خانہ بنا ہوا تھا یعنی میں نے خار میں ایسی ایسی لمبی انگڑائیاں لیں، جن کی درازی محیط مادہ تک پہنچی۔ غرض یہ ہے کہ انگڑائی لینے میں جو ہاتھ پاؤں پھیلتے تھے وہ گویا شراب کو ڈھونڈتے تھے (اسی)

۲۔ ایک قدم وحشت .. تھوڑی سی وحشت + دفتر امکان .. دنیا + جادہ .. راستہ + دو عالم وحشت .. وحشت دو عالم، کثرت ویرانی۔  
تھوڑی سی وحشت سے دفتر امکان کی کل حقیقت مجھے معلوم ہو گئی۔ گویا جادہ وحشت وحشت دو عالم کے اجنا کا شیرازہ تھا کہ اس میں عالم تھا و فنا دونوں منسلک تھے۔ مدعا یہ ہے کہ بغیر وحشت و عشق کے حقائق دو عالم معلوم نہیں ہوتے۔

طباطبائی: ممکنات نے اپنے مبداء سے ایک ذرا سی وحشت و فراق جو کہ دو عالم امکان موجود ہو گیا اور اس وحشت کا ایک قدم جس جادہ پر پڑا۔ گویا وہ

اوراق و دودھ دشت کا شیرازہ تھا، اس سبب سے کہ وحشت میں قدم جب لٹھے گا۔ دشت ہی کی طرف اٹھے گا اور عارف کی نظر میں تمام عالم امکان پہنچ ہے۔ بعد عالم دشت کی ترکیب میں مصطفیٰ نے دشت کی مقدار کا پیمانہ عالم کو بنایا ہے۔

۳۔ مانع .. روکنے والا + وحشت خرامی .. دیوانہ وار پھرتا + صحراگرد .. جنگلوں میں پھرنے والا + خانہ بے دروازہ .. یعنی صحرا۔

مجنوں کا گھر تو بے دروازہ تھا یعنی وہ جنگل میں رہتا تھا کسی کو اس تک پہنچنے میں روک ٹوک نہ تھی۔ پھر معلوم نہیں کیوں ایسی متقاضئے وحشت مجنوں تک نہ پہنچ سکی اور کون سی چیز اس کی ملاقات میں مانع ہوئی۔ طباطبائی لکھتے ہیں کہ صحرا گرد مجنوں کی صفت ڈال کر اس کے گھر کا پتہ دیا ہے۔

یہ بخود: ایسی کئی مرتبہ محل میں سوار ہو کر مجنوں کے پاس گئی۔ لیکن ساربان کی غمازی اور پاس عصمت کے خوف سے نہ ملی مرزا صاحب اسی قصے کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

آسی: مجنوں ایسے گھر میں قید تھا جس میں کوئی دروازہ نہ تھا اور اس وجہ سے وہ کہیں آ جا نہیں سکتا تھا۔ مگر ایسے جس کے گھر میں دروازہ تھا وہ وحشت خرامی کر سکتی تھی۔ اس کو کون مانع تھا۔ اس پر جذب جنوں کا اثر ہونا چاہیے تھا۔

۴۔ رسوائی .. بدنامی + استغنا .. بے احتیاج۔ بے نیاز + مرمون منون + حنا .. ہندی + غارہ .. گلگونہ۔

حسن کی بے نیازی کی شان یہ ہونی چاہیے تھی کہ وہ غارہ اور حنا سے بے نیاز ہوتا، پس جو ہاتھوں میں ہندی اور رخساروں پر غارہ ملا لیا ہے۔



اس سے استغنائے حسن ثابت نہیں ہوتا بلکہ ان چیزوں کا استعمال حسن کے  
انداز استغنائے رسوائی اور بدنامی کا موجب ہے کیونکہ ہاتھ مندی کا اور  
تھکار غارہ کا مرہونِ منت ہے اور زیربازی احسان استغنائے رسوائی کا باعث  
۵۔ اوراقِ نختِ دل .. یعنی دل کے ٹکڑے اُن کو ورقوں سے تعبیر  
کیا ہے۔ ببادِ دامن .. پریشان و برباد کرنا۔ بے شیرازہ .. ورقِ ورق پریشا۔  
میرے نالہ دل نے اوراقِ دل کو پریشان و برباد کر دیا۔ افسوس کہ یہی  
منتشر دیوان میرے نالے کی یادگار تھا۔ گویا دل ایک دیوان تھا اور نختِ دل  
اُس کے اوراقِ منتشر تھے۔ جن کو آخر کار نالہ دل نے پریشان کر کے برباد کر دیا۔  
آسی و طباطبائی پارہ ہائے دل کو اوراق سے پھر اوراق کو دیوان بے شیرازہ  
سے تشبیہ دی اور نالہ کو شاعرِ فرض کیا ہے جس نے اپنی یادگار کو آپ  
برباد کر دیا۔

یہ بخود: مضامینِ عالی (دل کے ٹکڑے) جو نالہ مول کی صورت میں زبان سے  
نکلے تھے۔ ان کو میرے جوشِ طبع نے اوراقِ دل بنا کر دیوان میں اڑایا یعنی میرے  
اچھوتے خیالات کو عالم میں پھیلادیا۔ اب جو میں نے خیال کر کے دیکھا تو یادگار  
نالہ ایک دیوان ہے شیرازہ تھا یعنی موجودہ دیوان۔

۱۹

دوست غمخواری میں میری سعی فرمائینگے کیا ۱ زخم کے پھرنے تک ناخن نہ بڑھائینگے کیا؟  
بے نیازی حد سے گزری بندہ پرور کب تک ۲ ہم کہینگے حالِ دل اور آپ فرمائینگے کیا؟  
حضرتِ ناصح گراں دینِ دل فرس راہ ۳ کوئی مجھ کو یہ تو بھادو کہ سمجھائیں گے کیا؟  
آج داں تیغ و کفنِ باندہ سے مجھے جاتا ہوں میں ۴ غد میرے قتل کرنے میں وہ اب لائینگے کیا؟  
گر کیا واضح نے ہم کو قید اچھائیوں سے ۵ یہ جونِ عشق کے انداز چھپ جائینگے کیا؟

خانہ زاد زلف ہیں زنجیر سے بھائیٹنے کیوں ؟ ہیں گرفتار و فانی نعل سے گھبرائیں گے کیا؟  
 ہے اب اس معمورہ میں قحطِ انجمِ گفتِ اسد  
 ہم نے یہ مانا کہ دلی میں رہیں کھائیٹنے کیا؟  
 ۱۔ ٹنخواری .. علاجِ معالجہ + سعی .. کوشش۔

میرے دکھ کے علاجِ معالجہ میں میرے احباب کی کوشش کامیاب نہیں  
 ہو سکتی۔ فرض کیا انہوں نے یہ سوچتے ہوئے کہ میں زخم کو نوچ نہ سکوں، میرے  
 ناخن کاٹ دیئے اور زخمِ دل پر مرہم لگا دیا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ جب تک یہ زخم  
 بھرے گا کیا میرے ناخن نہ بڑھ آئیں گے اور کیا میں دوبارہ زخم کو نہیں نوچ سکوں گا  
 مطلب یہ ہے کہ ناخن بڑھ آنے پر میں زخم کو پھر خراب کر دوں گا اور اس طرح ان کی  
 کوششیں بیکار نتائج ہو جائیں گی۔ اپنی ابتلاطی کا اظہار کیا ہے۔

۲۔ بے نیازی .. بے توجہی بے پرواہی + حد سے گزری .. حد سے زیادہ  
 ہو گئی + کیا .. یعنی کیا کہا۔

بندہ پروردِ آپ کی بے نیازی بہت ہی زیادہ ہو گئی۔ آخر یہ سلسلہ کتنا تک  
 جاری رہے گا کہ ہم تو اپنا حال دلِ سنائے جائیٹنے اور آپ باہر کے جائیٹنے کہ  
 کیا کیا۔ کیا کہا۔ یعنی آپ کب تک تجاہلِ عارفانہ فرمائیں گے۔

بہجود: کیا سے دو معنی پیدا ہوتے ہیں (۱) استغناء یعنی تجاہلِ عارفانہ۔  
 (۲) طنز یعنی تو نے جو کچھ کہا جھوٹ کہا۔

۳۔ دیدہ و دلِ فرشِ راہ .. یعنی بسرو چشم۔ شوق سے، میری سر  
 آنکھوں پر تشریف لائیں۔

حضرت ناہج اگر تشریف لاتے ہیں تو شوق سے تشریف لائیں۔ میں انی  
 کے راستے میں دیدہ و دل بچھاؤں گا۔ گویا ان کا پرتپاک خیر مقدم کروں گا۔ لیکن

خدا کوئی مجھے یہ بات سمجھا دے کہ وہ مجھے کیا سمجھائیں گے مطلب یہ ہے کہ میرا جذبہ عشق پند و نصیحت سے فرو نہیں ہو سکتا۔ گویا محبت کے معاملہ میں بے اختیار ہوجکا ہوں۔ اس لئے ان کی نصیحت سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔  
 بیخود: اذراہ شوخی پہلے مصرع میں حضرت ناصح کا پرتپاک خیر مقدم ہے اور دوسرے میں ان کی فحاشی کو اس حقارت سے بیان کیا جاتا ہے کہ وہ مجھے کیا سمجھا سکتے ہیں۔ یعنی ان کی ہستی ہی کیا ہے؟

۴۔ کفن باندھنا۔۔ شہادت کے لئے تیار ہو جانا + عذر۔۔ بہانہ۔  
 آج میں قاتل کے پاس سر پر کفن باندھ کر اور تلوار لے کر جاتا ہوں۔ جب میرے پاس کفن بھی ہوگا اور تلوار بھی ہوگی۔ تو پھر وہ قتل کرنے میں کوئی بہانہ نہیں کر سکیں گے کہ قتل کرنے کو تلوار نہیں ہے یا کفن نہیں ہے بقول بیخود: کفن باندھنے سے یہ لطف پیدا ہو گیا ہے کہ مجھ سے بڑھ کر اور کون سرفروش ہو سکتا ہے۔

۵۔ اگر ناصح نے ہمارا جنون عشق کم کرنے کے لئے ہم کو قید کر دیا ہے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ کیا اس طرح قید کرنے سے جنون عشق جتناڑ سکتا مطلب یہ ہے کہ قید و بند سے جنون عشق دور نہیں ہو سکتا۔ ظاہر ہے کہ قید و بند و شمت نوردی کو روک سکتا ہے۔ لیکن انداز جنون عشق کو نہیں روک سکتا۔ بیخود: ناصح کسی کو قید نہیں کرتا۔ اس کے بار بار سمجھانے اور مجبور کر کے پاس بٹھانے کو قید سے تعمیر کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ناصح کے سامنے بھی اپنے خیال میں مستغرق رہتے ہیں۔

۶۔ خانہ نداد۔۔ غلام + گرفتار و قاف۔ پابند و قاف۔  
 ہم شروع ہی سے زلف کے خانہ نداد غلام ہیں۔ اس لئے ہم زنجیروں سے

نہیں بھاگ سکتے اور ہم قید سے یوں نہیں گھبرا سکتے کہ پابند و فانی ہیں۔ یعنی جو شخص خانہ زاد زلف اور پابند و فانی ہو اس کے لئے زنجیر و زنداں باعثِ فراد پریشانی نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ اس قسم کے مصائب اٹھانے کا عاشق پہلے ہی سے عادی ہوتا ہے۔ نیز زنجیر و زنداں عاشق کے نزدیک الفت زلف اور وفادار کا انجام ہیں۔ پھر ان سے گھبرا کیا؟

۷۔ معمورہ .. بستی - آبادی، یعنی دہلی، غم الفت .. غم عشق۔

دہلی میں اب غم الفت کا بھی کال پر ڈگیا ہے۔ مصیبت یہ ہے کہ ہماری غذا ہی غم الفت ہے۔ اگر اب ہم اس بستی میں رہے تو پھر کیا کھائیں گے یعنی بھوک مر جائیں گے اس لیے اب ایسی جگہ چلے جہاں غم الفت بہ افراط ملے یعنی عشق کرنے کے لئے محبوب بکثرت ہوں۔

اسی: قطا ایک وہاں ہے یعنی اگر معشوق نہیں تو دیگر عزیز و اقارب کا غم بھی کھانے کو نہیں ملتا۔ گویا الفت سے محض عشق نہیں بلکہ باہمی تعلقات مراد ہیں۔ تنہا کا بھی تقریباً یہی خیال ہے۔

۲۰

یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصال یاد ہوتا ۱ اگر اور جیتے رہتے، یہی انتظار ہوتا  
ترسے وعدے پر جتنے ہم تو یہ جان چھوٹ ۲ کہ خوشی سے مرز جاتے اگر اعتبار ہوتا  
تری ناز کی سے جانا کہ بندھا تھا عہدِ دوا ۳ کبھی تو نہ توڑ سکتا، اگر استوار ہوتا  
کوئی میرے دل سے پوچھے اتنے شیریں کس کو ۴ یہ غفلت کہاں سے ہوتی جو فکر کے پار ہوتا  
کہاں کی دوستی ہے کہ بنے میں مت نصیح ۵ کوئی چاہ ساز ہوتا، کوئی غمگسار ہوتا  
رگ سنگ سے ٹپکتا، وہ لہو کہ پھر نہ تھمتا ۶ جسے غم سمجھ رہے ہو، یہ اگر شرار ہوتا  
غم اگر چہ جان گسل ہے، پہ کہاں بچیں کدال ۷ غم عشق گر نہ ہوتا غم روزگار ہوتا

کون کس سے میں کہ کیا ہے شبِ غم ہی لا ۸ مجھے کیا بُرا تھا مرنے اگر ایک بار ہوتا  
 ہنسنے کے ہم جو سما ہوئے کیوں نہ غرقِ دریا ۹ نہ کسی جتان اٹھتا نہ کہیں مرنے ار ہوتا  
 اُسے کون دیکھ سکا کہ لگانے ہے وہ یکتا ۱۰ جو دھن کی بڑھی ہوتی تو کہیں دو چار ہوتا  
 یہ مسائلِ تصوف یہ ترا بیانِ غالب  
 تجھے ہم ولی سمجھتے، بحر نہ بادہ خوار ہوتا ۱۱

۱۔ ہماری تقدیر یہی میں نہ تھا کہ ہم وصلِ یار سے لطف اندوز ہوتے اگر ہم  
 مرنے جاتے یعنی جیتے رہتے تو ہم کو وصلِ یار کا مزید انتظار کرنا پڑتا چونکہ انتظارِ موت  
 سے زیادہ تکلیف دہ ہے اس لیے اچھا ہی ہوا کہ ہم مر گئے اور انتظارِ وصلِ یار کی تکلیف  
 سے نجات پاس گئے۔

۲۔ خیال یہ ہے کہ عاشق کے ملے وعدہ وصلِ انتہائی خوشی کا باعث ہے  
 اور اس سے عاشقِ صداوق کو شادی مرگ ہو جانا چاہیے۔ کہتے ہیں ہم تیرے وعدہ  
 وصل پر بھی اگر زندہ رہے تو تجھے یہ سمجھنا چاہیے کہ ہم نے تیرے وعدہ وصل کو جھوٹ جانا  
 اگر ہم اسے جھوٹ نہ جانتے تو یقیناً شادی مرگ ہو جاتے۔

آگے آئی: (۱) ہم تیرے وعدہ کرنے سے جنے تو نے یہ سمجھ کر جھوٹ جانا کہ اگر  
 ہمارے وعدہ کا اعتبار ہوتا تو تجھے شادی مرگ ہو جاتی (۲) متفق  
 طباطبائی (۱) ہم نے جو یہ کہا کہ فقط وعدہ وصل سن کے ہم مرنے سے بچ گئے  
 تو تم نے جھوٹ جانا (۲) ہم خیال۔

۳۔ ناز کی .. نزاکت + لودا .. کمزور + استوار .. مضبوط + جانا ..  
 ہم نے جانا۔

ہم نے تمہاری نزاکت سے جان لیا کہ تم نے لودا + عمدہ باندھا ہے اگر وہ  
 مضبوط ہوتا تو تم جیسے نازک شخص سے ہرگز ٹوٹ نہ سکتا۔ کس خوبصورتی سے

معتشوق کو عہد شکنی کے الزام سے بچا کر اپنے دل کو تسلی دی ہے۔

۴۔ تیر نیم کش .. وہ تیر جس کو آدھی کمان کھینچ کر یعنی آہستہ سے چھوڑ دیا جائے۔ مراد تیر مڑگان جسے کمان چٹم سے پورے پورے نہیں۔ نیم دا چٹم سے چھوڑا گیا ہے + خلسہ .. چھین۔

وہ تیر مڑگلں جو تیر نے کمال بنے پروائی کے ساتھ نیم کش کمان چٹم سے میرے جگر پر مارا ہے۔ اس کی کیفیت میرے دل سے دریافت کر کے۔ یعنی مجھے اس سے بہت ہی لطف حاصل ہوا ہے۔ اگر تو اسے پورے زور سے چھوڑتا تو وہ جگر کے پار ہو جاتا اور اس طرح میں لذتِ غمش سے محروم رہ جاتا۔ مطلب یہ ہے کہ کام تام ہونے میں لطف نہیں۔ خلس میں زیادہ لطف ہے۔ اس لئے تیر نیم کش کی تعریف کی ہے۔

بیخود: مشتوق تیر نیم کش سے شرماتا ہے اور مرزا صاحب اس کی تعریف کر کے شرمندگی دور کرتے ہیں۔

طباطبائی: جو کا ڈاؤ وزن سے ساقط ہے اور یہ درست بلکہ فصیح ہے لیکن اس کے ساقط ہو جانے سے دو جیم جمع ہو گئے اور تنا فرسید ہو گیا یہ خوبی مضمون ہے کہ ایسی باتوں کا کوئی خیال نہیں کرتا۔

۵۔ قاعدہ ہے۔ عشق میں نصیحتیں بُری معلوم ہوتی ہیں کہتے ہیں کسی دوستی ہے کہ دوست نصیحتیں کرتے ہیں۔ اگر وہ حقیقتاً میرے سچے دوست تھے تو نصیحتوں سے انہیں میرا دماغ پریشان کرنے کی بجائے میرے دکھ کا علاج کرنا چاہیے تھا۔ ظاہر ہے، ہمدِ عشق کا علاج وصلِ محبوب ہے۔

۶۔ رگِ سنگ .. پتھر میں جو لکیریں ہوتی ہیں ان کو رگِ سنگ کہتے ہیں۔ وہ لہو .. خونِ بکثرت۔

پتھر میں شرارے پوشیدہ ہیں کہتے ہیں کہ اگر شرارہ سنگ شرارہ غم کی طرح ہوتا تو رنگ سنگ سے اس قدر لمبو جلدی ہوتا کہ پھر کسی طرح بند نہ ہوتا۔ یعنی غم ایسی چیز ہے کہ پتھر بھی اسے برداشت نہ کرتا۔ یہ ہمارا ہی جگر ہے کہ ہم غم کو چھپائے ہوئے ہیں۔ اگر یہ پتھر میں ہوتا تو اس میں سے بھی لمبو جلدی ہو جاتا اور ایسا لمبو جلدی ہوتا کہ وہ کسی طرح نہ ٹھمتا۔

۷۔ جاں گسل .. جان کو گھلانے والا۔ شاعر کا خیال ہے کہ انسان کا دل رنج و غم کا مرکز ہے۔ اس لئے دل بھی اس سے خالی نہیں ہوتا۔

اگرچہ غم جان کو گھلانے والا ہے۔ لیکن دل کی ایذا دہستی کی وجہ سے کوئی اس سے بچ نہیں سکتا۔ اس لئے اگر غم عشق ہمارے دل میں نہ ہوتا تو پھر اس کی جگہ غم روزگار ہوتا۔ بہر حال ہمیں غم عشق غنیمت ہے۔ کیونکہ اگر یہ نہ ہوتا تو ہم دنیا بھر کے بے شمار غموں میں مبتلا ہوتے۔ اب تو صرف ایک غم عشق ہے۔

۸۔ میں کس سے کہوں کہ شب غم کیا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ شب غم بہت ہی بڑی مصیبت ہے۔ اس میں انسان بار بار موت کی تکلیف اٹھاتا ہے۔ اور پھر بھی نہیں مرتا۔ اگر میں ایک مرتبہ مرجانا تو مجھے اس عذاب سے نجات مل جاتی۔ شب غم کے مصائب کو موت سے زیادہ بتایا ہے۔ جملہ شاعریں اس شعر کو حد تکسین سے باہر لاتے ہیں۔

۹۔ ہم زندگی میں تو عشق کی بدولت بدنام ہی تھے، مرنے کے بعد بھی ہم رسوا ہوئے۔ کیونکہ نہ تو کوئی ہمارا جنازہ اٹھانے والا تھا اور نہ کسی کو مزار بنانے کا خیال تھا اور یہ ہماری رسوائی کی آخری حد تھی اس سے تو بہتر یہ تھا کہ ہم دنیا میں غرق ہو جاتے کہ جنازہ اٹھانے اور مزار بنانے کے تکلفات سے ہماری رسوائی نہ ہوتی اور ہماری رسوائی اور نیکی کی کاؤں کاں خبر نہ ہوتی بمقتضائے عشق صادق

نشان مزار کو بھی باعث رسوائی قرار دیا ہے۔

۱۰۔ یگانہ ویکتا .. خدائے واحد و بے مثال + دوئی کی بو .. دوئی کا

شائبہ + دو چار ہوتا .. دکھائی دیتا۔

خدائے بے مثال یگانہ و واحد ہے۔ اس لیے اسے کوئی نہیں دیکھ سکتا۔  
اگر اس میں ذرا سی دوئی ہوتی تو کہیں نہ کہیں وہ ضرور دکھائی دیتا۔

سہما : دیکھنے میں وہی چیزیں آ سکتی ہیں جو ابعادِ شلا، زمان، مکان اور  
اشارات میں مقید ہوں۔ لیس کشیدہ شنی

آسی : لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلُفَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا۔ یعنی اگر آسمان  
زمین سوائے خدا کے چند خدا ہوتے تو ضرور فساد ہوتا۔ چونکہ طبیعتیں  
بااختیارات، مجتمع نہیں ہو سکتیں۔ اگر وہ صلح کرنے کی کوشش کریں تو صلح  
نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ صلح دو برابر والوں میں نہیں ہو سکتی۔ ایک غالب ہوگا  
اور دوسرا مغلوب ہوگا جو مغلوب ہوگا وہ خدا نہیں۔

۱۱۔ اے غالب تصوف کے ذہنی مسائل کو تو نے اس خوبی سے بیان کیا  
ہے۔ یہ ایسے مسائل ہیں اگر تو بادہ خوار نہ ہوتا تو ہم تجھے ولی کہتے۔ کہتے ہیں  
جب بادشاہ نے یہ مقطع سنا تو فرمایا کہ کبھی ہم تو جب بھی ایسا نہ سمجھتے مرنے  
نے کہا۔ حضور تو اب بھی ایسا ہی سمجھتے ہیں۔ مگر یہ اس لیے ارشاد ہوا ہے  
کہ میں اپنی ولایت پر مغرور نہ ہو جاؤں۔

۲۱

ہوس کو ہے نشاط کار کیا کیا ۱ نہ ہو مرنے کا جینے کا مزا کیا  
تجاہل پیشگی سے مدعا کیا ۲ کہاں تک اے سراپا ناز کیا کیا  
نواز شہائے بیجا دیکھتا ہوں ۳ شکایت ہلے رنگیں کا گھلا کیا



نگاہ بے محابا چاہتا ہوں ۴ تغافلے تمگیں آدا کیا  
 فردغ شعلہ خس یک نفس ہے ۵ ہوس کو پاس ناموس وفا کیا  
 نفس موج محیط بخود سی ہے ۶ تعنا غلبائے ساقی کا گلا کیا  
 دماغ عطیرہ سیرا ہن نہیں ہے ۷ غیم آوارگی ہائے صبا کیا  
 دل ہر قطرہ ہے ساز انا البحر ۸ ہم اس کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا  
 محابا کیا ہے میں ضامن، ادھر دیکھ ۹ شہید ان نگہ کا خوں بہا کیا  
 سن اے غارت گرجن وفا سن ۱۰ شکست قیمت دل کی صدا کیا  
 کیا کس نے جگر داری کا دعویٰ ۱۱ شکیب خاطر عاشق بھلا کیا  
 یہ قاتل وعدہ صبر آزمایوں ۱۲ یہ کافر فتنہ طاقت رہا کیا

ہائے جاں ہے غالب اس کی ہر بات

عبارت کیا، اشارت کیا، ادا کیا

۱۔ نشاط .. اُنگ + نشاط کار .. کام کرنے کی اُنگ + کیا کیا

.. کس قدر زیادہ -

حالی: دنیا میں جو کچھ چل پہل ہے، وہ صرف اس یقین کی بدولت  
 ہے کہ یہاں رہنے کا زمانہ بہت مختصر ہے۔ یہ انسان کی ایک طبعی خصلت  
 معلوم ہوتی ہے کہ جس قدر فرصت قلیل ہوتی ہے۔ وہ اسی قدر زیادہ سرگرمی  
 سے کام کو سرانجام کرتا ہے اور جس قدر زیادہ مہلت ملتی ہے اسی قدر کام  
 میں تاخیر اور سہل انگاری زیادہ کرتا ہے پس اگر موت نہ آیا کرتی اور ابد الابد  
 تک زندہ رہنا ہوتا تو جینے میں کوئی مزا نہ آتا۔ کیونکہ نہ تو یہ جوش و سرگرمی  
 ہوتی اور نہ دنیا میں یہ چل پہل نظر آتی (سجید، حسرت، بخود)

طباطباتی: رقیب ابوالموس کی ہوس کو نشاط کا رد لطف وصل نگار

حاصل ہے، اب ہمارے جیسے کامرا کیا رہا۔ ہوس سے مراد محبت رقیب  
 لیتے ہیں وہ دنیا میں انسان کو ہوا دہوس سے رہائی نہیں۔ اگر مرنا نہ ہوتا  
 تو اس طرح کے جیسے میں کچھ مرنا نہ تھا۔ یعنی حاصل زندگی مرنا ہے۔  
 ۲۔ تجاہل پیشگی .. جان بوجھ کر انجان بننا کیا؟ کیا؟ .. بار بار  
 کیا کیا کہنا جیسے کچھ سمجھے نہیں۔

تم جان بوجھ کر انجان بنے جاتے ہو اور بار بار کیا کیا کہتے ہو، آخر تمہارا  
 اس سے مطلب کیا ہے۔ اے معشوق سراپا ناز، میری ہر بات پر کیا؟ کیا؟  
 کب تک کہے جاؤ گے۔ یعنی کب تک تجاہل عافانہ سے مجھے ٹالتے دو گے  
 اور میری بات نہ سمجھو گے۔

۳۔ نواز شہلے بچا .. بے محل مہربانیاں رقیب پر شکایتیں  
 رنگین .. محبت بھری شکایتیں۔

آپ جو اغیار پر بے محل مہربانیاں کرتے ہیں تو ان کو دیکھ کر میں اندھا  
 محبت آپ سے شکایتیں کرتا ہوں۔ آپ مجھ سے ان رنگین شکایتوں کا  
 گلہ کیوں کرتے ہیں۔ ع کرم ہاے تو مارا کرد گستاخ۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے  
 کہ جب تم رقیب پر مہربانیاں صرف کرتے ہو تو میری شکایتوں کا کیوں بُرا  
 مانتے اور ان کا گلہ کیوں کرتے ہو۔

آہی : (۱) ہم خیال (۲) میں آپ کی نوازشیں جو غیروں پر ہوتی ہیں؛ دیکھتا  
 ہوں، غور و خوض ممت ہوتا ہوں۔ پھر اس حال میں اگر آپ میری شکایتیں رنگین  
 الفاظ میں سُنتے ہیں تو آپ ان کا گلہ کیا کرتے ہیں۔

سہما : آپ کے التفات غیر متوقع کی خوشی میں بھلا میں گزشتہ بے مہربانیوں  
 کی کیا شکایت کروں۔

۴۔ نگارہ بے حجابا .. بے تکلف و بے حجاب + تغافل تمکیں آزما .. چشم پوشی جو عاشق کا صبر آزمائے کے لئے کی جائے ۔

میں چاہتا ہوں کہ تم میری طرف سے بے تکلفانہ اور بے حجابانہ دیکھو۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ تم میرے صبر کا امتحان لینے کے لئے تغافل اور چشم پوشی سے کام لیتے ہو۔ آخر یہ کیوں؟ یاد رہے اس طرح میرا جام صبر ہرگز نہیں چھلک سکتا۔ میری طرف دیکھو تاکہ میں بیتاب ہو کر نرپا اٹھوں۔

۵۔ فروغ .. روشنی + شعلہ خس .. وہ شعلہ جو تنکا جلنے سے اُٹھتا ہے۔ فدا ہی بجھ جاتا ہے + یک نفس .. پل بھر، بہت تھوڑی دیر + ہوس .. اہل ہوس یعنی ہوس پرست رقیب۔

اہل ہوس کی محبت شعلہ خس کی طرح ہے کہ دم بھر سے زیادہ قائم نہیں رہ سکتی۔ بھلا ایسے لوگوں کو ناموس و فاکا کیا پاس ہو سکتا ہے یعنی رقیب کی محبت دو چار دن کی ہے۔ اس پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیے۔ یہ لوگ دنا کی لالچ نہیں رکھ سکتے۔

۶۔ نفس .. سانس + محیط بخودی .. بحر بخودی + تغافل ٹٹے ساتی .. ساتی کا شراب نہ پلانا۔

جذبہ عشق کی وجہ سے ہمارا سانس دریاٹے بخودی کی موج ہے یعنی ہر سانس کے ساتھ ہم بخود دست ہو جاتے۔ ساتی ہماری طرف سے تغافل کرتا ہے اور اس شراب نہیں پلاتا تو ہم کو اس کی تغافل شعاریوں کی کیا شکا ہو سکتی ہے۔ شراب سے اصل مقصد بخود ہو جانا ہے اور ہم پہلے سے مست ہیں۔ پھر ساتی کا کچل کیا؟

حسرت و طباطبائی : صورت ہی دیکھ کر مست ہو جاتے ہیں۔ وہ

شرابِ ندوے تو کیا شکایت۔

بیخود: (۱) ہم مست المست ہیں (۲) ہم اپنے حال میں مست ہیں۔  
ہمیں دُنیا کے ہست و بود کا کیا غم۔  
سجید میرے اور حسرت کے ہم خیال ہیں۔

۷۔ دماغ نہیں .. برداشت نہیں۔ پسند نہیں + عطرِ پیراہن ..  
خوشبوئے لباسِ یار۔

اگر صبا پیراہنِ یار کی خوشبو کو چاندوں طرف پریشان کرتی پھرتی ہے۔ تو  
ہمیں اس کا کیا غم ہے۔ غم تو اس وقت ہوتا جب ہم اس سے لطف اندوز  
ہو سکتے یعنی ہم اسے سونگھ سکتے۔

بیخود: ہم بوسے یار کو سونگھنے والے ہیں۔ ہمارا دماغ عطرِ پیراہنِ یار  
کی خوشبو جس پر غیروں نے عطر ملا ہے پسند نہیں کرتا، صبا اگر کوچہ رقیب  
سے عطرِ پیراہن کی خوشبو لے کر آئی ہے تو ہم اس کو کیا کریں۔ آداری کا لفظ بتا رہا ہے  
کہ صبا کوچہ رقیب سے آئی ہے۔

طبیبِ طبائی و اُسی: اگر مجھے پیراہن کے بسانے کا دماغ ہوتا تو صبا کی  
آداری کا غم ہوتا کہ یہ بوسے گل کو پریشان کیوں کرتی پھرتی ہے۔ اگر یہ مجھ جیسی ہوتی تو  
میرے پیراہن بسانے کے کام آتی۔ جب مجھے پیراہن بسانے کا دماغ ہی  
نہیں ہے تو صبا کی اس حرکت کا کیا غم کروں۔ گویا جسے ہوس دُنیا نہ ہو اسے  
بیوقوفی دُنیا کا کیا غم۔

۸۔ دل ہر قطرہ .. ہر قطرہ کا دل + ساز .. باجہ + انا البحر ..  
میں دیا ہوں۔

ہر قطرہ کا دل ساز انا البحر ہے یعنی ہر قطرے کے ساز دل سے انا البحر

کا نغمہ نکل رہا ہے۔ اگرچہ قطرہ بہت چھوٹا ہے۔ لیکن جب دریا میں ملتا ہے تو دریا بن جاتا ہے۔ اس لئے ہر ایک قطرہ دریا ہونے کا دعویٰ دار ہے بالکل اسی طرح ہم بھی اگرچہ جزو ضعیف ہیں لیکن انا الحق (میں خدا ہوں) کے مدعی ہیں۔ ہماری شان ملاحظہ ہو کہ قطرہ کی طرح ہمیں بھی اپنے مبداء کے ساتھ عینیت کا دعویٰ ہے۔ کیونکہ ہم بھی اسی بھجریکراں (مستی خدا) کے جز ہیں۔

۱۔ محایا .. خوف + صنامن .. ذمہ دار + خوں بہا .. فدیہ

قیمتِ خون ۔

تو بے خوف و خطر میری طرف دیکھ، میں ذمہ دار ہوں۔ اگر میں شہید نہ ہوتا تو تجھ سے میرا خون بہا کوئی طلب نہ کرے گا۔ کیونکہ شہیدانِ شہادہ کا کوئی خون بہا نہیں ہوا کرتا۔ ”ادھر دیکھ“ نے شر کو بلند کر دیا ہے یعنی قتل بھی کر اور سن بھی۔

۱۱۔ غارتِ گرجنس وفا .. با وفا عاشقوں کو برباد کرنے والا، مراد معشوق۔ شکستِ قیمتِ دل .. دل کی قیمت گھٹانا، دل کے توڑنے کی آواز ہو سکتی ہے۔ لیکن قیمتِ دل کے توڑنے میں کوئی صدا نہیں ہوتی۔

اے غارتِ گرجنس وفا ذرا سن اور خود سے سن کہ قیمتِ دل توڑنے میں کوئی آواز نہیں ہوتی۔ اس لئے تو دل کو نہ توڑ۔ یعنی میرے دل کی بے قدری نہ کر۔ کیونکہ اس کے توڑنے سے کوئی آواز پیدا نہ ہوگی۔ جو تیری سامنے نوازی کا باعث بنے (حسرت ہم خیال)

طباطبائی : (۱) توجہ یہ کہتا ہے کہ ہمیں شکستِ دل کی خبر نہیں۔ تو کہیں شکستِ دل میں آواز ہوتی ہے جو تجھے سنائی دیتی۔ شکست کو شکستِ قیمتِ دل

سے تعبیر کر کے جنس و غارت اس کے مناسبات ذکر کیے ہیں (۲) شکست دل کی صدا تجھے اچھی معلوم ہوتی ہے تو دل شکستی کے جاؤ دے سنے جا، بھلا دل کی صدا اور صدائے شکست دل کی کیا حقیقت ہے، جو تامل کیے (مسجد)

دیخو: جنس و غارت میرے دل میں تھی وہ گویا قیمت دل تھی یعنی میرا دل اسی وجہ سے قیمتی تھا کہ اس میں جنس و غارت تھی۔ تو نے دل توڑ کر اسے غارت کر دیا۔ تو اب میری سُن اور بکھر گئے ہوں کہ میری بات سُن۔ شکست دل کی صدا نالہ ہوا کرتا ہے۔ جس سے ٹوڑتا ہے اور سُننا نہیں چاہتا تو خوف نہ کر کہ تو نے دل نہیں توڑا۔ بلکہ قیمت دل توڑی۔ قیمت دل کی شکستی میں کوئی صدا پیدا نہیں ہوتی یہ صورت میں تجھے ڈرنا نہیں چاہیے۔

آہستی: اے صدائے شکست قیمت دل کے شائق سُن مگر شکست قیمت دل میں صدا کہاں ہوتی ہے۔ سُن سے دو معنی پیدا ہوتے ہیں کہ امیر کا بات سُن یا شکست قیمت دل کی صدا سُن، جسے تو سُن نہیں سکتا۔ بعض شخصوں میں بجائے قیمت کے شیشہ دیکھا گیا ہے اور وہ زیادہ اچھا معلوم ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں سُن بطور طنز ہو گا (۲) ہم خیال طباطبائی۔

۱۱۔ جگر داری .. استقلال۔ صبر۔ شکیب۔ صبر و خاطر .. دل۔

میں نے کب و دعویٰ کیا ہے کہ تمہارے بغیر مجھے چین آجائے گا۔ بھلا عاشق کا یہ دعویٰ کتنا حقیقت ہی کیا رکھتا ہے۔ تم میرے صبر و استقلال کو ایک اشارے سے غارت کر سکتے ہو۔ جگر داری کا دعویٰ کرنے سے جو تمہیں غلط فہمی ہو گئی ہے اس کی بنا پر تم مجھے زیادہ مے چین نہ کرو۔

۱۲۔ یہ قاتل .. اے قاتل .. ختمہ طاقت رہا .. طاقت کو زائل

کرنے والا ختم۔

اسے قاتل معشوق تو یہ صبر آنا وعدہ کیوں کرتا ہے۔ تیرے نزدیک یہ معمولی سی بات ہے لیکن میرے لئے یہ صبر آزماء وعدہ فتنہ طاقت رہا ہے۔  
 العاطل کی نشست سے شعر میں یہ خوبی پیدا ہو گئی ہے کہ قاتل کو صبر آزماء کی صفت بھی قرار دے سکتے ہیں۔ یہ بخوبی یہی معنی لئے ہیں اور کافر کو بھی فتنہ طاقت رہا کی صفت قرار دیا ہے۔

۱۳۔ کیا عبارت (العاطل) کیا اشارہ کیا کنایہ کیا ناز و انداز عرض محبوب کی ہر بات میرے لئے بلائے جان و سخت مصیبت ہے۔ جب جذبہ معشوق تیرا ہوتا ہے تو محبوب کی ہر بات دل میں بھجان و بے قراری پیدا کر دیتی ہے۔

## ۲۲

در خور قہر و غضب جب کوئی ہم سا نہ ہو، ۱ پھر غلط کیا ہے کہ ہم سا کوئی پیدا نہ ہوا  
 ہنسکی میں بھی وہ آزاد و خود ہیں کہ ہم ۲ اُسے پھر آئے در کعبہ اگر وہ نہ ہوا  
 سب کی مقبول ہے دھنئے تری یکسانی کا ۳ دو برو کوئی بہت آئینہ سیما نہ ہوا  
 کم نہیں، ناز میں ہمنامی چشمِ خوباں ۴ تیرا بیمار ہوا کیا ہے اگر اچھا نہ ہوا  
 سینہ کا داغ ہے وہ نالہ کہ لب تک نہ گیا ۵ خاک کا مذاق ہے وہ قطرہ کہ دریائے نہ ہوا  
 نام کا میرے ہے وہ دکھ کہ کسی کو نہ ملا ۶ کام میں میرے ہے وہ فتنہ کہ برپا نہ ہوا  
 ہر بن ہوئے دم ذکر نہ لپکے خون تاب ۷ حمزہ کا فتنہ ہوا عشق کا چرچا نہ ہوا  
 قطرہ میں دھلے دکھائی دے اندھن میں کل ۸ کھیل لڑکوں کا ہوا دیدہ بینا نہ ہوا  
 تھی خبر گرم کہ غالب کے اڑیٹے پڑے  
 دیکھئے ہم بھی گئے تھے پہ تماشا نہ ہوا ۹

۱۔ در خور.. قابل + قہر و غضب.. عتاب + محسا.. ہم جیسا۔

جب محبوب صرف ہمیں کہ قابل قہر و غضب سمجھتا ہے تو پھر اگر ہم یہ

کہیں کہ ہم جیسا کوئی اودی پیدا نہیں ہوا تو اس میں کوئی غلط بیانی ہے مطلب یہ ہے کہ ہمارا یہ دعوے صحیح ہے کہ آفت زندگی میں ہم لاشانی ہیں۔

۲۔ بندگی .. عبادت + آزادہ .. مرد آزاد منش + خود بین .. وہ شخص جو اپنی بات کا پتلا ہو اور دوسروں کی بات کو اپنی بات سے کم سمجھے +  
۱۰ .. کھلا۔

باوجود بندگی و بیچارگی کے میری آزادہ روی اور خود بینی کا یہ عالم ہے کہ اگر خانہ کعبہ کے دروازہ کو بند پانا ہوں تو واپس چلا آتا ہوں۔ یعنی میں کٹدی کھٹکھٹا کر دروازہ کھلواتا اپنی شان آزادی اور خود بینی کے خلاف سمجھتا ہوں۔ جب میری حالت یہ ہے تو بھلا پھر میں کسی اور کے سامنے کیوں جھکوں گا۔ ندرت بیان اسے کہتے ہیں کہ اپنی خود بینی اور آزادی کے پردے میں کعبہ کی عظمت کا پہلو بھی نکل آیا کہ وہ ایسی بارگاہ ہے جس کا دروازہ کبھی بند نہیں ہوتا۔

۳۔ بُت آئینہ سیما .. وہ محبوب جس کی پیشانی آئینہ کی طرح روشن ہو + روبرو .. درمقابل۔

تیری یکتائی اور عظیم الشانی کا دعویٰ تمام محبوبان جہاں تسلیم کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی نام نہاد آئینہ سیما محبوب تیرے سامنے نہیں آتا اور تیرا مقابلہ نہیں کرتا چونکہ آئینہ میں آئینہ دیکھنے والے کا عکس نظر آتا ہے اس لیے آئینہ سیما کی صفت بُت کے ساتھ نہایت خوب ہے۔

ستار: دُنیا کا کوئی حسین تیرا درمقابل نہیں ہو سکتا بلکہ سب کے حسن میں تیرا ہی جلال پر تو فکس ہے اور یہی انعکاس تیرے دعوے یکتائی کی مقبولیت عامہ ہے۔



آئینہ سیما : تودہ بے نظیر کہ تیری بیکتائی کوئی نہ مٹا سکا اور کوئی آئینہ سیما  
معتشق تیرا بڑا مقابل پیدا نہ کر سکا۔ جب آئینہ مقابل ہوتا ہے تو بڑا مقابل  
پیدا ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ مسئلہ یہاں ٹوٹ گیا۔ آئینہ سیما جس میں عکس یعنی  
بڑا مقابل پیدا ہو جانے کا پورا احتمال تھا۔ وہ بھی کوئی مقابل پیدا نہ کر سکا۔  
وحدت وجود کی طرف اشارہ ہے۔

۴۔ نازش .. فخر + ہمنامی چشمِ خوباں .. چشمِ خوباں کو شعرِ چشمِ بیا  
کہتے ہیں اور عاشق بھی بیمار کہلاتا ہے۔ یہی ہمنامی ہے۔

عاشق بھی بیمار ہے اور تیری آنکھیں بھی بیمار ہیں۔ جب دونوں بیمار  
کہلائے تو ہمنام ہوئے۔ پس اگر تیرا بیمار اچھا نہ ہوا تو کچھ مصائب نہیں  
کیونکہ اس کے لیے یہی فخر کافی ہے کہ وہ تیری چشم کا ہمنام ہے۔ بقول اسی  
اس شعر میں انتہائی حسرت ہے۔ عاشق اپنی بدترین حالت کو معشوق  
کی ایک چیز سے ہمنام پا کر اسی پر صبر و یکہ ناز کرتا ہے۔

۵۔ سینہ کا داغ ہے .. دھتہ ہے، ننگ ہے + خاک کا لائق  
ہے .. رائیگاں جاتا ہے۔

جو قطرہ دریا میں مل کر دریا نہیں بن جاتا وہ رائیگاں جاتا ہے اور جو قطرہ  
زمین پر گر جاتا ہے وہ زمین میں جذب ہو کر فنا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح وہ  
نالہ جو دل ہی میں رہ جاتا ہے اور لب تک نہیں آتا، وہ سینے میں داغ  
بن کر پوشیدہ ہو جاتا ہے (۲) اگر داغ کے معنی ننگ و غار کے لیے جائیں  
تو پھر مطلب یہ ہو گا کہ جو نالہ لب تک نہیں آتا اور ضبط کیا جاتا ہے وہ  
جو عشق پر بدنامی کا دھتہ لگا جاتا ہے اور وہ قطرہ جو زمین پر گر جاتا ہے۔ زمین  
جذب ہو کر فنا ہو جاتا ہے۔ گویا اسے دریا بننے کا موقع نہیں ملتا۔

طبا طبائی اور آنتی پیلے معنی لکھتے ہیں اور بخود حسرت معید  
دوسرے معنی۔

۶۔ میرے نام کا .. میرے حقے کا + کام .. کاروبار۔

میرے حقے میں وہ دُکھ اور مصیبتیں آئی ہیں جو دنیا میں کسی پر نازل نہیں  
ہوئیں اور میرے کاروبار میں اس قسم کے فتنے پیدا ہوئے ہیں جو دنیا میں  
کبھی اُٹھے ہی نہیں۔ جو مصیبتیں اور فتنے عام طور پر پیش آتے ہیں ان کا  
تدارک تو ہو سکتا ہے۔ لیکن نئی نئی تکلیفوں اور فتنوں کا کوئی علاج نہیں،  
ظاہر ہے جب روز ایک نئی مصیبت نازل ہوگی تو اس کی روک تھام  
کیسے ہو سکتی ہے لیکن یہاں حالت یہ ہے کہ ایک آفت سے دم لینے کی  
نوبت نہیں آئی کہ دوسری آدھکتی ہے اور وہ بھی ایسی کہ کبھی دیکھی نہ تھی۔

۷۔ مہن مو .. بال کی جڑ + دیم ذکر .. بیان کرتے وقت .. حمزہ کا قصہ  
.. حضرت حمزہ کی کہانیاں علاقہ واقعہ ہیں۔ دل پر کوئی اثر نہیں کرتیں۔ لوگ  
دلچسپی کے لئے سنتے ہیں۔

یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ قصہ عشق لوگ داستانِ امیر حمزہ کی طرح  
دلچسپی سے سنیں اسے سن کر روئیں روئیں سے غورناپ ٹپکنا چاہئے۔ اگر  
ایسا نہ ہو تو پھر یہ سمجھ لو کہ وہ داستانِ امیر حمزہ ہے عشق کا فسانہ نہیں ہے۔

۸۔ دیدہ بیتا .. نگاہ عارف + دجلہ .. مراد دریا۔

نگاہ عارف کو قطرہ میں دریا اور جزو میں گل کا تماشہ نظر آتا ہے۔ دیدہ بیندگوں  
کا کہیں نہیں ہے کہ اسے قطرے میں دریا اور جزو میں گل نہ دکھائی دے۔  
مطلب یہ ہے کہ دیدہ بینا کو لازمی طور پر جزو میں گل کا تماشہ نظر آتا ہے۔

۹۔ مخفی خبر گرم .. زبان تو خاص و عام تھا + اڑیٹے پر زے ..

سخت سزا دی جائے گی۔ تماشہ نہ ہوا۔۔ یعنی سزا نہ دی گئی۔

یہ بات عام طور پر مشہور تھی کہ آج غالب کو اتنی سزا دی جائے گی کہ اُس کے پیرے اڑ جائیں گے۔ چنانچہ ہم بھی یہ تماشہ دیکھنے کے لئے گئے لیکن افسوس کہ یہ تماشہ نہ ہوا۔ یعنی غالب کو بار بار کمر اس کے پیرے نہ اڑائے گئے۔ اس بیان سے مقصود یہ ہے کہ ہماری دسواں اور مصیبت کو لوگ تماشہ سمجھتے ہیں۔ معشوق کا استغنا بھی دکھایا ہے کہ پیرے اڑانے اور قتل کر دینے کا وعدہ کر کے پھر گیا۔ بخود لکھتے ہیں کہ اس سزا سے امتحان عشق لینا منظور تھا اور ایسا کرنے سے عاشق امتحان عشق میں بغیر انجمن و بیٹے کامیاب ہو گیا۔

## ۲۳

اسد ہم وہ جنوں جلال گشتے سرواں میں ۱ کہ ہے سر پنجہ مرزگان آہو پشت خار اپنا  
۱۔ جنوں جلال ۱۱ وحشی آوارہ + پشت خار مر وہ آلہ خار دار جس سے فقر پشت کھایا کرتے ہیں اور ہر وقت اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔

اسد ہم ایسے وحشی اور بے سرو سامان فقیروں میں کہ ہمارے پاس پشت خار بھی نہیں ہے جو فقیروں کے پاس عام طور پر ہوا کرتا ہے۔ اس لئے ہم پشت خار کا کام سر پنجہ مرزگان آہو سے لیتے ہیں (۲) عالم وحشت میں ہم آہو سے بھی آگے نکل گئے ہیں۔ آہو ہمارے پیچھے ہوتا ہے۔ اس لئے پنجہ مرزگان آہو میں پشت خار کا کام دیتا ہے۔

حسرت : پنجہ مرزگان کو پشت خار قرار دے کر اپنی نہایت وحشت کا اظہار کیا ہے اور بس۔

طبا طبائی : اسد اور آہو کا تعاقب تو ظاہر ہے۔ جنوں جلال ہونے سے

۱۔ اشارہ ہے کہ آہو بھی میرے پیچھے رہ جاتا ہے۔ پشت خار سے پیچھے کھلتے ہیں۔ لگدا لفظ پشت خار کی مناسبت کے لئے ہے بے سرو پا کھنٹے سے یہ مقصود ہے کہ پشت خار تک میرے پاس نہیں۔ اگر ہے تو مرگان آہو ہے۔ پنجر میں اور مرگان میں اور پشت خار میں وجہ شبہ ظاہر ہے۔ یعنی تینوں کی شکل ایک سی ہے۔ مرگان کو پہلے پہلے سے تشبیہ دی۔ پھر پنجر کو پشت خار سے۔

۲۲

پے بند کرم تحفہ شرم نارسائی کا ۱۔ بخون غلیظہ صدنگ دھنے پارسائی کا نہ جو حین تماشہ دوست دسوا میرانی کا ۲۔ بہ خمر صد نظر ثابت ہے دعویٰ پارسائی کا زکوۃ حسن شے اے جلوہ پیش کردہ کسا ۳۔ چراغ خانہ شورش ہو کا سہ گدائی کا دلا جان کر بے جرم قاتل تیری گدائی پر ۴۔ رہا ناسد خون بے گنہ حق آشنائی کا قتائے زباں محو سپاس میرانی ہے ۵۔ شا جس سے تعلقنا شکوہ میرانی پائی کا ہم ہی اک بات ہے جو یاں نفساں نکلتی ہے ۶۔ چمن کا جلوہ باعث ہے مری رنگیں لوائی کا وہاں ہر بہت پیغامہ بخور تجھیں سوائی ۷۔ عدم تک ہو فاجر چاہے تیری ہو فانی کا نہ دے لئے کو اتنا طول غالب مختصر لکھتے

۸۔ کہ حسرت سنجی ہوں عرض ستمائے جلدائی کا

۱۔ پے بند کرم۔ بخشش الہی کو نذر کر دینے کے لئے + شرم نارسائی .. بارگاہ الہی سے دُور رہنے کی شرم + بخون غلیظہ .. خون شہ + صد رنگ .. سوطر ح سے۔

بخشش الہی کو نذر کرنے کے واسطے ہمارے پاس صرف شرم نارسائی کا تحفہ ہے۔ یعنی یہ تحفہ وہ دعویٰ پارسائی ہے جس کا سینکڑوں قسم کے گناہوں

کے ہاتھوں غن ہو چکا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میری سوبار کی ٹوٹی ہوئی توبہ کو میری مشرم پارسانی درگاہ النبی میں عفو و معذرت کے لئے پیش کرتی ہے۔  
 مہتاب! رنگ کے معنی شوق کے بھی آتے ہیں اس سے زندگی وسیہ کاری بھی مراد ہو سکتی ہے۔

۲۔ حسن تماشا دوست .. نمائش پسند حسن + رسوا بیوفائی کا .. بیوفائی کی وجہ سے بدنام + ٹھہر صد نظر .. سو نظروں کی ٹہر۔  
 محبوب کے نمائش پسند ہونے کی وجہ سے اس پر آوارگی اور بے وفائی کا الزام لگا کر اس کو بدنام نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ اس کی تماشہ دوستی سے اس کی پارسانی ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ سو نظروں جو اس پر پڑتی ہیں وہ حقیقتاً سو ٹھہروں کی ایک مہر ہے جو اس کے دھوئے پارسانی کی تصدیق کرتی ہے۔

طباطبائی نے دوسرا پہلو وطن کا نکالا ہے لیکن اچھا معلوم نہیں ہوتا۔  
 کہتے ہیں۔ تماشہ دوست ہو کر اور اختیار سے تاک جھانک کر کے پارسانی کی ڈخیانت و بیوفائی کی بدنامی سے کہاں بچ سکتے ہو۔

بیخود: ہر جگہ اور ہر چیز میں دوست کے حسن کا جلوہ ہے، پھر بھی وہ کہیں موجود نہیں۔ کسی جگہ قیام نہیں کرتا۔ بایں ہمہ اس پر بے وفائی کا الزام بھی عائد نہیں ہو سکتا۔ دیکھنے والوں کی سینکڑوں نگاہیں اس مضمون پر مہر میں کرتی ہیں کہ ہم اس کے پمڑے تک بھی رسائی نہیں کر سکے اور یہ پارسانی کی حد ہے۔ پھر دھوئے پارسانی میں کس کو کلام ہو سکتا ہے۔

۳۔ زکوٰۃ .. مال کا چالیسواں حصہ جو ہر سال خیرات کیا جاتا جلوہ مفیش .. محبوب + مہر آسا .. مانند آفتاب۔

اسے محبوب تو اپنے حسن کی زکوٰۃ دے۔ تاکہ اس کی تابش سے فقیر (عشق)

کا کاسہ گدائی ایسا چراغ بن جائے جو سو دج کی طرح اس کے گھر کو روشن کر دے۔  
 یہ خود و طباطبائی: کاسہ گدائی دل سے استعارہ ہے یعنی بے جلوہ گاہ  
 بینش میرے کشکول کو زکوۃ عوفیہ دے کر روشن کر دے کہ اس فقیر کے لیے  
 وہ چراغ ہو جائے اور آفتاب کی طرح شبِ تار کی جہالت کو دن  
 کر دے (سہا)

آسی: (۱) ہم خیال (۲) جلوہ بینش سے خیال ہوتا ہے کہ کاسہ گدائی  
 کا استعارہ آنکھوں سے ہے۔ یعنی اسے جلوہ بینش تو اپنا جلوہ دکھا کر  
 میری آنکھوں کو روشن کر دے۔ خذ استعارہ ہے دل سے یعنی تو اگر تیرا جلوہ  
 آنکھوں میں سما جائے تو میرا دل اس نور سے منور ہو جائے حسرت بھی صوبہ بڑا  
 سے چشمِ مشتاق کو روشن کرنا مراد دیتے ہیں۔

۴۔ حالی: تو نے ایک مشتاقِ قتل کو بے جرم سمجھ کر اس لیے قتل نہیں  
 کیا کہ خون بے گناہ اپنی گردن پر نہ لے۔ مگر اس صورت میں تیری گزین  
 پر سجائے خون بے گناہ کے حقِ آشنائی رہ گیا۔ گریا حقِ آشنائی یہ تھا  
 کہ تو مجھ کو قتل کر ڈالنا۔

۵۔ سپاس.. تشکر.. بے دست و پائی.. مجبوری یعنی بے زبانی۔  
 زبان کی تنابے زبانی کے شکریہ میں محو ہے کہ اس کی بدولت  
 بے دست و پائی کے شکوہ کا تقاضا مٹ گیا۔ مطلب یہ ہے زبان کی تناب  
 تھی کہ بے دست و پائی کی شکایت کی جائے۔ لیکن بے زبانی کی وجہ سے یہ  
 شکایت نہ کر سکی۔ اس لئے وہ اب بے زبانی کا شکریہ ادا کر رہی ہے کہ شکوہ  
 بے دست و پائی سے اس کی جان بچ گئی۔

حسرت: زبان کی تناب متقاضی تھی کہ بے دست و پائی کی شکایت کی جائے

لیکن چونکہ مجھ کو بے زبان دیکھ کر ان کو خود بخود رحم آگیا۔ اس لیے تنائے زبان  
بے زبانی کا شکریہ ادا کر رہی ہے۔ کیونکہ بے زبانی ہی کے سبب سے شکوہ  
بیدست و پائی کی ضرورت باقی نہ رہی اور ان کو عرض حال و شکایت کے بغیر  
ہی رحم آگیا (سچید نے دوسرا مفہوم ہی لکھا ہے)

بوجود: میری تمنا یہ تھی کہ میں تجھ سے ایسی زبان مانگوں جس کی مدد سے  
تیری درگاہ میں عرض حال کر سکوں۔ مگر اس درخواست سے پہلے میری زبان  
محسپاس بے زبانی ہو گئی یعنی مجھ کو زبان نہ ملنے کا یہ فائدہ پہنچا کہ میں تیری  
بارگاہ میں شکوہ بے دست و پائی (بے مسوسا مانی) پیش نہ کر سکا اور اس  
سے یہ فائدہ ہوا کہ مجھ کو بجائے زبان شکایت کے درجہ تسلیم عطا ہو گیا۔  
۶۔ نفس .. سانس + نگہمت گل .. خوشبو + معطر خوا + چمن کا  
جلوہ .. فصل بہاری + رنگیں لوائی .. خوش الحانی۔

میرے نفس اور نگہمت گل میں کوئی خاص فرق نہیں۔ کیونکہ ان دونوں  
کی علت جلوہ گل (فصل بہاری) ہے۔ یعنی ادھر بہار آئی اور نگہمت گل اڑتی  
شروع ہوئی اور ادھر میری رنگیں لوائی شروع ہوئی۔ مطلب یہ ہے۔ میرا  
نفس نگہمت گل سے کم نہیں ہے۔

۷۔ پیغام جو .. طعنہ زن + زنجیر رسوائی .. سلسلہ بدنامی بہت  
زیادہ بدنامی۔ دہن کی شکل حلقہ زنجیر کی سی ہوتی ہے۔ اس لئے بہت سے  
دہن مل کر ایک زنجیر بن گئی۔ معشوق کے دہن کو شعرا عدم کہتے ہیں۔ لہذا  
دہن معشوق پر بے وفائی کا ذکر آنے سے بے وفائی کا چرچا عدم تک پہنچا۔  
اے بیوفا تیری بیوفائی کا ذکر ہر طعنہ زن معشوق کے منہ پر ہے اور  
اس طرح سے طعنہ زن معشوق کے دہنوں کے حلقوں سے ایک رسوائی

کی زنجیر بن گئی ہے اور چونکہ دہریہ معشوق عدم ہے۔ اس لئے یہ سلسلہ رسوائی عدم تک جا پہنچا ہے۔ یعنی تو اپنی بیوفائی کی وجہ سے نہ صرف مشقوں میں ہر نام ہے بلکہ تیری رسوائی بہت دُور تک پہنچی ہے۔

۸۔ اے غالب تو اپنے خط کو زیادہ طول نہ دے۔ فقط اتنا مختصر کر کے لکھ دے کہ میں تیرے سامنے ستم ہائے جدائی بیان کرنے کی حسرت اپنے دل میں رکھتا ہوں۔ مختصر لکھنے سے خود بخود ظاہر ہو جائیگا کہ ستم تائے جدائی اتنے زیادہ ہیں کہ میں انہیں احاطہ تحریر میں نہیں لاسکتا۔

## ۲۵

گر نہ اندوہ شبِ فرقتِ بیاں ہو جائیگا ۱ بے تکلف و ارج مہ مُردہاں ہو جائیگا  
زہرہ گرا ایسا ہی شامِ دھرمیں تولے آب ۲ پر تو متاب سیلِ جانناں ہو جائیگا  
لے تولی سونے میں اُس کے پاؤں کا بوسہ مگر ۳ ایسی باتوں سے وہ کافر بدگماں ہو جائیگا  
دل کو ہم صرف وفا بچھے تھے کیا معلوم تھا ۴ یعنی پہلے ہی نذیر امتحاں ہو جائیگا  
سب کے دل میں ہے جگہ تیری جو تو لافنی تھا ۵ مجھ بچہ گویا اک نہانہ مہراں ہو جائیگا  
گر نگاہِ کرم فرماتی رہی تسلیم ضبط ۶ شعلہ جس میں جیسے خوں دگیں نہاں ہو جائیگا  
بارغ میں مجھ کو نہ لکھا 'وندہ میوے مال پر' ۷ ہر گل تو ایک چشمِ خوں خشاں ہو جائیگا  
دلے گریسا ترا انصافِ محشر میں نہ ہو ۸ اب تک تو یہ توقع ہے کہ داں ہو جائیگا  
فائدہ کیا سوچ آخر تو بھی دانا ہے اسد

۹ دوستی ناداں کی ہے! جی کا زیاں ہو جائیگا

۱۔ اندوہ .. رنج و غم + داغِ ماہ .. چاند کا داغ + مُردہاں .. مرغاوشی۔

داغ کی مشابہت مُردے کا ہے۔

اگر شبِ ہجر کا غم جدائی میں بیان نہ کر سکوں تو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ چاند کا



دارغ میرے دہن کے لئے مہر خوشی بن گیا۔

بیخود: خُردہاں ہو جائیگا۔ یعنی جس طرح ہاند کے دارغ کو سارا زمانہ دیکھتا ہے اسی طرح تہااری جلدائی کی تکلیفوں کا حال لوگوں پر ہل جائے گا۔ گویا میری خوشی زبانِ یں کر افشائے نازِ محبت کر دے گی اور تم بدنام ہو جاؤ گے اس سے بہتر یہ ہے کہ تم میری نصیبت کا حال سن لو تا کہ غمِ دل کا بوجھ ہلکا ہو جائے اور ناز چھا رہے۔

۲۔ زہرہ آب ہوتا۔ پتہ پانی ہونا، بہت زیادہ دہشت و غم + پرتو جہتاب .. چاندنی + میل .. طوفانِ آب + خامان .. گھر۔ اگر شبِ جدائی کی دہشت سے پتہ پانی ہوتا ہے تو کیا تعجب ہے کہ چاندنی کا پتہ بھی پانی ہو جائے اور وہ میرے گھر کے لیے سببِ اب بن جائے مطلب یہ ہے کہ چاندنی جس کا مہرِ لطف پیدا کرتا ہے شبِ ہجر میں میری بربادی کا موجب بن جائیگی۔

۳۔ محبوب بے خبر ہٹا سو رہا ہے۔ اُس وقت میں اُس کے پاؤں کا بوسہ بہت آسانی سے لے سکتا ہوں۔ لیکن یہ خیال مار لے کہ کہیں جگ اٹھا تو وہ بدگماں ہو جائیگا اور یہ سمجھنے لگے گا کہ میری محبت بے لوث نہیں ہے۔ حسرت نے "سوئے میں" سے یہ مفہوم پیدا کیا ہے کہ اگر محبوب میرے خواب میں آئے اور میں اس کے پاؤں کا بوسہ لے لوں تو وہ بدگماں ہو کر خواب میں بھی آنا چھوڑ دے گا۔

۴۔ صرف وفا .. جو وفاداری کی تمام حملات کے لئے کافی ہو + نذرِ امتحان ہو جائیگا .. یعنی امتحان ہی میں ختم ہو جائیگا۔ ہم تو یہ سمجھتے تھے کہ ہمارا دل تمام عمر کی عشق بازی اور وفاداری کے

لے کافی ہوگا۔ لیکن ہمیں یہ معلوم نہ تھا کہ صرف پہلے امتحان کے دوران ہی میں اس کا خاتمہ ہو جائیگا۔

۵۔ دل میں جگہ ہونا.. محبت کرنا۔

چونکہ تجھ کو سبھی پیارا کرتے ہیں اور ہر شخص کے دل میں تیری قدر ہے، اس لیے اگر تو مجھ سے خوش ہو جائیگا تو تیری محبت کی بدولت کل زمانہ مجھ پر مہربان ہو جائے گا۔ شاید معشوق کو خدا مان کر یہ کہنا چاہتے ہیں کہ خدا مہربان تو سب مہربان۔

۶۔ نگاہ کرم.. نظر عتاب + خس.. تنکا۔

اگر تیری نظر عتاب اسی طرح مجھ کو ضبط محبت کی تعلیم دیتی ہی تو تیری نظر عتاب کے خوف سے خون رگوں کے اندر اس طرح پوشیدہ ہو جائیگا جیسے شعلہ خس میں پتیاں ہو جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب ضبط کی وجہ سے خون فشانی نہ ہو سکے گی تو آخر کار آتش عتاب کی گرمی سے رگوں میں خون خشک ہو جائے گا یا جل جائے گا۔

۷۔ حال.. حال ناز + گل ترا اور چشم خوں فشاں میں بوجہ دگ تری حسین مشابہت ہے۔

میرا حال ایسا خوب ہے کہ ہر ایک کو میرے حال ناز پر دونا آتا ہے، اس لیے تو مجھے بارغ میں نہ لے جا۔ اگر تو مجھے غم میں لے جائیگا تو میری حالت ناز دیکھ کر گھٹوں کی آنکھوں سے خون کے آنسو ٹپکنے لگیں گے اور اس طرح سیریلڈ سے تجھے بجائے فرحت کے حزن و ملال ہوگا۔

۸۔ میں اس امید پر جی.. ہا ہوں اور تیرے ظلم برداشت کر رہا ہوں کہ قیامت کے دن میرا اور تیرا انصاف ہو جائیگا اور مجھے میری مظلومی کی

۵۔ دل جائے گی۔ اگر روزِ حشر بھی میرے ساتھ انصاف نہ ہو تو بہت افسوس ہے۔

۹۔ اے اسد تو عقلمند ہے۔ ذرا سوچ تو سہی۔ تجھے نادان کی دوستی سے کیا فائدہ ہو سکتا ہے۔ مثل مشہور ہے۔ ”نادان کی دوستی اور بی کاذبان“ بقول یہ بخود اس طریقے سے دل کو فریب دے کر عشق سے باز رکھنا چاہتے ہیں اور یہ بات عشق کے اختیار سے باہر ہے کہ وہ جان کے خوف سے عشق کو ترک کر دے۔

۲۶

دردِ منت کش دوا نہ ہوا ۱ میں نہ اچھا ہوا، بُرا نہ ہوا  
جمع کرتے ہو کیوں رقیبوں کو ۲ اک تماشہ ہوا، گلا نہ ہوا  
ہم کہاں قسمت آدھانے جاؤں ۳ تو ہی جب صخر آدھا نہ ہوا  
کتنے شیریں ہیں تیرے لب کہ رقیب ۴ گالیاں کھا کے بد مزہ نہ ہوا  
ہے خبر گرم آن کے آنے کی ۵ آج ہی گھر میں بوریانہ ہوا  
کیا وہ غرور کی خدائی تھی ۶ بندگی میں مر بھلا نہ ہوا  
جان دی، دی ہوئی اسی کی نفی ۷ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا  
زخم گر دب گیا، لہو نہ تھا ۸ کام گر رُک گیا روا نہ ہوا  
رہزنی ہے کہ دلستانی ہے ۹ لے کے دل دلستان روا نہ ہوا  
کچھ تو پڑھئے کہ لوگ کہتے ہیں  
آج غالب غزل سرا نہ ہوا

۱۔ منت کش .. احسان مند۔ ممنون .. پہچانہ ہوا۔۔ صحتیاب  
نہ ہو + بُرا نہ ہوا .. اچھا ہوا۔

اگر تیں دوا سے صحت یاب نہ ہوا تو کوئی ہرج کنہات نہیں بلکہ یہ  
اچھا ہی ہوا کیونکہ میرا درد دوا کے احسان سے نچ گیا۔ مطلب یہ ہے  
کہ میرا درد بھی غیور ہے۔ اسے دوا کا احسان لینا منظور نہیں۔

۲۔ قاعدہ ہے کہ چار آدمیوں کو جمع کر کے جھگڑا چکایا کرتے ہیں۔  
تاکہ وہ انصاف کریں۔ لیکن شاعر کو رشک اجازت نہیں دیتا کہ اور لوگ  
عاشق و معشوق کی گلہ مندیاں سنیں۔ اس لئے معشوق سے کہتا ہے تم  
گلہ کرنے کے لئے رقیبوں کو کیوں جمع کرتے ہو۔ یہ گلہ ہے یا تماشہ۔ اُسی  
گلہ مند عاشق کو قرار دے کر کہتے ہیں کہ گلہ کرتا ہوں الخ

۳۔ جب تم ہی نے قتل کر کے ہماری آرزو سے قتل پودی نہ کی تو پھر  
ہم اپنے مقدر کو آزمائے کے لئے اور کہاں جاؤں۔ یعنی یہ آرزو کیوں نہ  
پودی نہیں ہو سکتی۔

۴۔ تمہارا بھول میں کتنی شیرینی ہے کہ رقیب کو تم نے گالیاں  
دیں۔ گالیاں تلخ ہوتی ہیں۔ چونکہ وہ تمہارے بھول سے نکلیں اس لئے وہ  
بھی شیریں ہو گئیں۔ یہی وجہ ہے کہ رقیب باوجود اس کے کہ لذتِ عشق  
سے محروم تھا۔ پھر بھی وہ تمہاری گالیاں سن کر ناراض (بے مزہ) نہ تھا۔  
مزہ۔ شیریں مناسب الفاظ ہیں۔ جو بلا ارادہ صرف ہو گئے ہیں۔

۵۔ آج ان کے تشریف لانے کی خبر مشہور ہے۔ لیکن ہماری  
بے سوسامانی کا یہ عالم ہے کہ آج ہمارے گھر میں بویا بھی نہیں جو اس  
پران کو بٹھا سکتے۔ ایک طرف ان کے آنے کی خوشی ہے اور دوسری طرف  
لے سوسامانی کا ناتہ ہے۔ طباطبائی مضمون کو شست کہتے ہیں۔ اُسی  
رکبک کہہ کر جن بیان کی تعریف کرتے ہیں۔

۶۔ حالی : میری بندگی کیا غرور کی خدائی تھی کہ اس سے مجھ کو سوائے نقصان کے کوئی فائدہ نہ پہنچا۔ یہاں بندگی سے مراد عبادت نہیں بلکہ عبودیت ہے۔ بندگی پر غرور کی خدائی کا اطلاق کرنا بالکل نئی بات ہے۔ طباطبائی کہتے ہیں کہ غرور حسن کی طرف اشارہ ہے۔  
سہما و آسما : خدا جس کی میں نے عبادت کی، کیا وہ غرور تھا اور کیا اس کی خدائی غرور کی خدائی تھی کہ میرا بھلا نہ ہوا۔

۷۔ حق .. (۱) سچ (۲) فرض ۔

اگر ہم نے راہ حق میں جان دی تو کون سا کمال کیا۔ جان اسی کی دی ہوئی تھی ہمارے پاس تو فقط ایک امانت تھی۔ ہم نے واپس کر دی۔ امانت کے واپس کرنے میں کون سا احسان یا ایثار ہے اس لئے سچ بات تو یہ ہے کہ ہم فرض حق ادا نہیں کر سکے۔ یعنی جان دینا کوئی بڑی بات نہیں بلکہ انسان بے اور بہت سے فرض ہیں۔ جن کا ادا کرنا واجب ہے۔

۸۔ ہمارا زخم جب باندھ دیا گیا تو پھر بھی لمبہ جاری رہا۔ حالانکہ زخم کو دبا دینے سے لمبو ختم جانا چاہیے تھا اس کے برخلاف اگر ہمارا کام رُک گیا تو پھر جل نہ سکا۔ حالانکہ قاعدے کے مطابق ہونا یہ چاہئے تھا کہ جس طرح کام رُک جائے پر دوا نہیں ہوتا۔ اسی طرح زخم دبا جانے سے لمبو بھی دوا نہ ہوتا۔ ظاہر یہ کرنا چاہتے ہیں کہ جو بات میرے حق میں مفید ہوتی ہے۔ وہ ہمیشہ الٹی پیش آتی ہے۔ اپنی برعکس اور تقدیر کی دگرگونی کا اظہار نہایت عمدہ پیرائے میں کیا ہے۔

۹۔ رہزنی .. راستے میں لوٹنا عدلستانی .. دل لینا۔

انہوں نے راہ چلتے میرا دل چھین لیا۔ بتلائیے کہ یہ رہزنی ہے یا عدلستانی

یعنی قاعدہ یہ چاہتا تھا کہ دل لینے کے لئے وہ انداز و ناز دکھائے لیکن وہ تو ہرزوں کی طرح ٹوٹ کر چلتے ہوئے لب ڈھونڈھتے پھرے کہ کون تھا اور کہاں گیا؟

اُسی و طباطبائی: قافیہ معمول کے غیب نے شعر کو بھٹا کر دیا ہے  
بیخود کہتے ہیں کہ قافیہ نے اور لطف پیدا کر دیا ہے۔

۱۔ بیخود کا بیان ہے کہ قلعہ میں کسی شہزادہ کے مکان پر مشاعرہ ہوا تھا غالب نے طرح میں غزل نہ لکھی۔ جب اصرار بالفی حاکم پہنچ گیا تو بغیر طرح غزل پڑھ دی۔ مقطع پہلے سے اس مضمون کا کہ لیا تھا جیسا کہ مقطع کے مضمون سے ظاہر ہے واللہ اعلم۔

۲۷

گلہ ہے شوق کو دل میں بھی تنگی ہا کا ۱ گھر میں محو ہوا اضطراب دیا کا  
یہ جانتا ہوں کہ تو اور پارسچ مکتوب ۲ مگر ستم زدہ ہوں ذوق خامہ فرسا کا  
خانے پائے خزاں ہے بہار اگر ہے ہی ۳ دوام کلفتِ خاطر ہے عیش دنیا کا  
نغم فراق میں تلکلیف سیر بارغ نہ دو ۴ مجھے دماغ نہیں خندہ ہاتھ بجا کا  
ہنوز محرمی حسن کو تڑستا ہوں ۵ کہ سے ہر بن ہو کام چشم بینا کا  
دل اس کو پہلے ہی ناز واداسے دے بیٹھے ۶ ہمیں دماغ کہاں سخن کے تقاضا کا  
نہ کہہ کہ گریہ بمقدار حسرت دل سے ۷ مری نگاہ میں ہے جمع خرچ صبا کا  
فلک کو دیکھ کے کرتا ہوں اس کو یاد

جہاں میں اس کی ہے انداز کار فرما کا

۱۔ اضطراب شوق اس قدر زیادہ ہے کہ وہ دل میں بھی نہیں سما سکتا۔  
حالانکہ دل میں اس قدر وسعت ہے کہ اس میں دونوں جہاں بہت آسانی سے سما سکتے

ہیں۔ اس قدر فراخی اور وسعت کے باوجود شوق کو تنگدلی کی شکایت سے اور یہ شکایت بجا معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ اضطراب شوق کو ضرورت کے مطابق جگہ ملنے سے اس کا جوش اضطراب ٹھنڈا پڑ گیا۔ گویا دریا کا اضطراب موتی میں سما گیا اہل میں موتی کی آب کو دیکھ کر شاعر کا دماغ اس باریک خیال کی طرف متوجہ ہوا اور اُس نے گوہر کو دل اور اضطراب شوق کو اضطراب دریا سے تشبیہ دے کر لطیف معنی پہیل کیے۔

۲۔ پاسخ مکتوب .. خط کا جواب + ستم زدہ .. مجبور + ذوق خامہ فرسا .. کھنے کا شوق ..

یہ بات تو میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تو میرے خط کا جواب ہرگز نہیں دینا۔ لیکن میں کیا کروں کہ خامہ فرسائی کا شوق مجھے مجبور کرتا ہے اس لیے میں تجھے برابر خط لکھتا جاتا ہوں۔ گویا میں ذوق خامہ فرسا کا ستم زدہ ہوں اور ستم زدہ قابلِ رحم ہوتا ہے اس لئے پہلے در پہلے خط پہنچنے پر ناراض نہ ہو۔

۳۔ خنائے پائے خزاں .. خزاں کے پاؤں کی مندی۔ بہار کو بوجہ رنگینی کہا ہے + دوام .. ہمیشہ + کلفت خاطر .. ملال دل۔

اگر بہار کچھ چیز ہے تو سمجھ لیجئے کہ وہ خزاں کے پاؤں کی خنا ہے۔ بہار افس کا مشاہدہ ہے کہ خنائی رنگینی اور دل فریبی چند روز میں زائل ہو جاتی ہے اور پھر خزاں ہی کا دور دورہ رہتا ہے۔ اسی طرح دُنیا کا عیش بھی عارضی اور ناپائدار ہے اور ہمیشہ اس کا انجام کلفت خاطر اور رنجِ دلی کا باعث ہے مطلب یہ ہے کہ دُنیا میں عیش : نشاط کا زمانہ قلیل اور مصیبت کا عرصہ طویل ہوتا ہے۔

۴۔ دماغ نہیں .. پسند نہیں + خندہ ہائے بیجا .. خندہ گل کو خندہ بیجا کہنے کی یہ وجہ ہے کہ کچھ سمجھ کر یا ارادہ تعجب نہیں ہنستا۔ اس لئے اس کا

خندہ بے محل اور بیجا ہے۔

میں غمِ فراق میں مبتلا ہوں۔ اس لئے مجھ کو سیرِ باغ کے لیے مجبور نہ کرو۔  
حالتِ رخ و غم میں مجھے پھولوں کی بیجا ہنسی پسند نہیں۔ گویا میں گلوں کے  
خندہ ہائے بیجا کی تاب نہیں لاسکتا۔

۵۔ محرمی .. رازِ داری + بن مو .. بال جڑ۔

اگرچہ میرے ہر ایک روشنی کی جڑ چشمِ بینا کا کام کر رہی ہے۔ پھر بھی میں  
حسنِ اذلی کے دیدار سے محروم ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ باوجود ہمہ تن چشمِ شوق  
اور چشمِ بینا بن جانے کے میں حقیقت کے راز سے واقف نہیں ہو سکا۔  
علیٰ طباطبائی: ہر بن کو کو چشمِ بینا کہنے کی وجہ یہ ہے کہ جب ہر شے  
آئینہ ظہورِ قدرت و صفت ہے تو اس میں بن مو بھی داخل ہے۔ یعنی  
ہر بن اس طرح حکمت و صفت کو دکھا رہی ہے۔ جس طرح کوئی آنکھ سے  
دیکھ لیتا ہے۔

۶۔ دماغ کہاں .. برداشت یا تاب نہیں + قافیہ کی مجبوری سے

”تقاضا کا“ باندھ دیا ہے ورنہ ”تقاضے کا“ فیض ابدست ہے۔

میشتر اس کے کہ وہ ناز و انداز دکھاتے اور اس طریقے سے دل  
مانگنے کا تقاضا کرتے۔ ہم نے اپنا دل پہلے ہی ان کو دیا اور تقاضے کی نوبت  
نہ آنے دی کیونکہ ہمیں حسن کے تقاضے کی تاب نہیں رہی (طباطبائی)  
آسی: مصنف کا مطلب یہ ہے کہ ادا و ناز حسن کو ہم دل نہ دیتے تو  
حسن ہم سے دل لینے کا تقاضا کرتا مگر ہم نے اسے گوارا نہ کیا اور تقاضے کی  
نوبت نہ آنے دی (سجید)

۷۔ یہ نہ سمجھو کہ میرا دانا میری جہتِ دل کے برابر ہے، بلکہ میری



حسرتِ دل میرے گریہ سے بہت زیادہ ہے۔ اس لئے کثرتِ اشکِ فشانِ  
 سے اس کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ میری آنکھوں سے دیا سے اشکِ عالمی  
 ہے لیکن وہ بھی میری حسرتِ دل کے برابر نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ حسرتِ  
 دل زیادہ ہے اور مقدارِ گریہ سے اس کا اندازہ ممکن نہیں۔ بیخود نے معشوق کو  
 اور اُسی نے ہمد کو منادیٰ قرار دیا ہے۔

اُسی (۱)، ہم خیال (۲) میں اس قدر چکا ہوں کہ اتنی مجھے حسرت بھی  
 نہ تھی (۳) میری حسرت اتنی گوانیا یہ نہ تھی جتنی مجھے بدنا پڑا۔

۸۔ اس کو.. معشوق کو.. اس کی.. فلک کی.. کار فرما.. معشوق + ستم شعار۔  
 جب میں مظلومی کی حالت میں آسمان کو دیکھتا ہوں تو مجھ کو اپنا معشوق یاد  
 آ جاتا ہے کیونکہ فلک کی جھاکاری میں مجھے اپنے معشوق کی کار فرمائی کی جھلک نظر  
 آتی ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ معشوق ہی باقی جو روحِ جفا ہے اور اسی نے فلک  
 کو جھاکاری کا حکم دیا ہے (اُسی)

بیخود: فلک کو دیکھ کر خدا یاد آ جاتا ہے۔ اس لئے آسمان جس قدر ظلم و ستم  
 مجھ پر کرتا ہے وہ سب اسی کے حکم سے ہیں۔ بغیر حکمِ الہی کے آسمان کچھ  
 نہیں کر سکتا۔

سجید: ظلمِ فلک کو دیکھ کر مجھ کو اپنا معشوق یاد آتا ہے۔ کیونکہ  
 وہ بھی ایسا ہی ظالم ہے۔

## ۲۸

قطرے بسکہ حیرت سے نفس پر دوڑھا ۱ خطِ جامِ مے سراسر رشتہ گہر پڑھا  
 اعتبارِ عشق کی خانہ خرابی دیکھنا ۲ غیرے کی آہ لیکن وہ خفا مجھ پر پڑھا  
 ۱۔ غالب: خیال تو دقیقِ نظم کیا گیا ہے۔ لیکن لطف زیادہ نہیں۔

قطرہ جو ٹپکنے میں بے اختیار ہے افراط حیرت سے ٹپکنا بھول گیا۔ برابر بوندیں  
تتم کر رہ گئیں تو پیلے کا خط اس جالے کی صورت بن گیا جس میں موتی پرشے  
گئے ہوں۔ (سقیدہ: بخود و سہا)

طیبا طبائی لکھتے ہیں۔ حیرت کی شگرف کاری کا اظہار مقصود ہے لیکن  
یہ حیرت حزن ساقی کو دیکھ کر پیدا ہوتی ہے یحییٰ بن یوسف کے ذہن میں رہ گیا۔  
حسرت: جب ساغرے لب یار سے ملا تو قطرہ ہائے بے بغرط حیرت  
منجھ ہو کر گویا گوہر بن گئے اور خط جام رشتہ گوہر کے مانند ہو گیا۔  
آئشی: قطرہ کے کام حیران کرنا ہے اور وہ حیرت نفس پرورد اور روح پرورد  
ہے۔ خط جام کے کو اس کی روح پروردی نے گوشہ گوہر بنا دیا ہے۔ اس سے  
نقطہ روح شراب مقصود ہے۔

۲۔ ان کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ سوائے میرے کوئی اور  
آہ و نالہ نہیں کرنا۔ گویا ان کو میرے عشق کا اعتبار ہو گیا ہے۔ لیکن یہی اعتبار  
میری تباہی کا باعث ہے۔ وہ اس طرح سے کہ اگر کسی رقیب آہ و فرباد  
کرے تو محبوب مجھ سے کہ یہ میرا ہی کام ہے۔ اس لئے وہ مجھ پر خفا  
ہوتا ہے (طیبا طبائی۔ سہا۔ بخود)

سقید میرے ہم خیال ہیں۔ مگر غانہ خرابی کی مزید تشریح یہ لکھتے ہیں کہ  
غانہ خرابی یا تو اس لئے ہے کہ کوئی کہے اور کوئی بھرے یا اس لئے  
کہ رقیب سمجھا کہ معشوق مجھ سے ناراض ہے اور اس سے خوش۔

آئشی (۱) ہم خیال (۲) چونکہ اُسے میرے عشق کا اعتبار ہو گیا ہے۔  
اس وجہ سے وہ غیر کی ہر تکلیف کو میرے عشق کا نتیجہ سمجھتا ہے اور مجھ پر  
خفا ہوتا ہے۔ میرے اعتبار عشق سے غیر کو تکلیف پہنچنے کی متعدد وجوہ

ہو سکتی ہیں۔ مثلاً غیر محو کو اپنا حریف سمجھ کر تکلیف اٹھاتا ہے یا میرا عشق صادق  
اپنا کوئی حریف دیکھنا نہیں چاہتا۔ اس لئے غیر کو تکلیف پہنچاتا ہے اور  
ماسوائے معشوق سب کو فنا کرنا چاہتا ہے (ظاہر ہے یہ مفہوم تاویلی ہے  
اور اصل مقصد سے بہت دور پہنچ گیا ہے)

۲۹

جب بتقریب سفر یار نے محل بلرھا ۱ تیش شوق نے ہر ذرہ پہ اک دل باندھا  
اہل بیخ نے بیخ کدہ شوخی ناز ۲ جوہر آئینہ کو طوطی بسمل باندھا  
یاس دامید نے یک غریبہ میدان لگا ۳ عجز ہمت نے طلسم دل سائبی باندھا  
بندھے تشنگی ذوق کے مضروب غالب  
گرچہ دل کھول کے دیا کو بھی ساحل باندھا

۱۔ محل .. اونٹ کا کچادہ -

جب میری محبوب نے سفر کرنے کے لئے محل نیار کی تو میری تیش شوق  
نے ریت کے ہر ذرے پر ایک دل باندھ دیا تاکہ محل یار میرے دل پر قدم  
رکھتی ہوئی جائے۔ ذرہ کی تابش سے فائدہ اٹھا کر اس کو دل مشطرب قرار دیا  
ہے اور یار کے وقت سفر اپنے دل کی بیچینی دکھائی ہے۔

بیخود میرے ہم خیال ہیں۔ مزید تشریح غور طلب ہے کہتے ہیں: ہمارا  
شوق ہمیں اس کے ساتھ جانا چاہتا تھا۔ اس بیخود کی حالت میں سدا کی  
کے چلنے میں جو ذرات گرد و غبار کی صورت میں بلند ہو گئے تھے، ہم سمجھتے تھے  
کہ ہر ذرہ پر ایک دل باندھا ہوا ہے۔ ورنہ ذرہ میں یہ تڑپ کہاں -

آکسی، جب یار نے سفر کے لئے محل باندھا تو میرا دل بیقرار ہوا اور  
محل کے ہر ذرہ یا عام ذرہ پر شوق نے ایک دل باندھ دیا اور محل کے

ساتھ بچھ دیا۔ یعنی ذات محل میرے دل تپاں تھے۔ دتہ کی چمک اور دل کی  
پیش کا عالم یکساں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس کے محل کے ساتھ دل تپاں  
بھی رخصت ہوا۔

۲۔ اہل پیش .. اہل نظر، دیکھنے والے + حیرت کدہ .. مراد آئینہ۔  
عکس یار کی وجہ سے آئینہ کو حیرت کدہ کہا ہے + جوہر آئینہ .. فولادی آئینہ  
کے جوہر سبز ہوتے ہیں اور پہلو کی طرف سے دیکھنے میں جوہر سبز متحرک  
معلوم ہوتے ہیں۔ شوخی ناز کی وجہ سے اسے طوطی بسن سے مشابہہ کیا ہے۔  
اہل نظر نے فولادی آئینہ کے سبز متحرک جوہر کو طوطی بسن قرار دیا ہے  
جو کہ معشوق کی شوخی ناز کو دیکھ کر تڑپ رہی ہے۔ گویا فولادی آئینہ ایک  
حیرت کدہ ہے۔ جہاں یار کی شوخی ناز سے اس کے سبز جوہر طوطی بسن  
کی مانند تڑپ رہے ہیں۔ بقول حسرت اس میں نازک اشارہ یہ ہے کہ ناز زیادہ  
کی شوخی ارباب یار کی حیرت کدہ اضطراب سے بدل دیا کرتی ہے۔

۳۔ عربدہ .. جنگ + میدان مانگنا .. جنگ طلب کرنا، عجز  
.. پست ہمتی۔ دل سائل کو ایک طلسم اور میدان عربدہ کو یاس و امید  
قرار دیا ہے لہذا اس طلسم کو پست ہمتی کا بانی۔  
میری پست ہمتی نے میرے دل کو ایک میدان طلسم بنا رکھا ہے۔  
جس میں یاس و امید میں جنگ ہو رہی ہے اور یہ دونوں ایک دوسرے پر  
غالب آنا چاہتی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ پست ہمتی امید و بیم کی جنگ میں مبتلا  
کر دیتی ہے۔

صرف اسی یہ معنی لکھ کر کہتے ہیں کہ سوال کرنا بہت بُرا ہے اور یہ  
پست ہمتوں کا کام ہے۔ جس سے دل طلسم امید و بیم بن جاتا ہے باقی

شارحین متفق ہیں۔

۴۔ ذوق سے مراد ذوق سخن + ساحل .. ساحل کی تشنگی مشہور ہے۔  
وہ دریا سے ہم آغوشی۔ کہ باوجود پیاسہ اور خشک رہتا ہے + دل بھول  
.. مبالغہ سے + اچھی طرح۔

اے غالب ہم نے اتنا مبالغہ کیا کہ دریا کو بھی ساحل بنا دیا۔ لیکن  
میرے ذوق سخن کی تشنگی ملاحظہ ہو کہ پھر بھی ذوق سخن کی تشنگی کا مفہون  
ادانہ ہو سکا۔

۳۔

میں اور بزم سے سے یوں تشنہ کلاموں ۱ گریں نے کی تھی توبہ، ساقی کو کیا ہوا تھا  
ہے ایک تیر جس میں دونوں جھپٹے پڑے ہیں وہ دن گئے کہ اپنا دل سے جگہ جدا تھا  
وراندگی میں غالب کچھ بن پڑے توازن  
جب رشتہ بے گر، تھا ناخن گر کشتا تھا

۱۔ تشنہ کام .. پیاسا + محروم +

بڑے تعجب اور افسوس کی بات ہے کہ مجھ جیسا میخوار بزم سے نوشی سے  
بغیر بے چلا آئے۔ فرعن کیا کہ میں نے بے نوشی سے توبہ کر لی تھی، اس لئے میں  
نے شراب نہ پائی۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ساقی کو کیا ہو گیا تھا کہ اُس نے مجھے  
زہر دتی نہ پلائی۔ شراب خوردوں کا قاعدہ ہے کہ وہ ہر دوستی دوسروں کو بلانے  
کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن وہاں ایسا نہ ہوا۔ اس لئے اس واقعہ کو یا تو بد قسمتی  
سمجھئے یا ساقی کی ناراضی اور بے توجہی کا نتیجہ۔

۲۔ تیر: تیر نظر۔

وہ نہانہ گیا جب دل اپنی جگہ پر آرام سے تھا اور جگہ اپنے مقام پر،

اب تو ان کے ایک تیر نظر نے دونوں کو چھید کر زخمی کر دیا ہے۔

۳۔ در ماندگی .. مصیبت .. رشتہ .. تاگا + در ماندگی کو گرہ اور تدبیر کو ناخن گرہ کشا سے استعارہ کیا ہے۔

جب ہم مشکلات اور مصائب سے چھٹکارے میں پہنچنے پہنچنے کو اس وقت ہم میں وہ چھٹکارے کے کھولنے والے مصائب کے طور پر کرنے کی ہمت اور تدبیر سوچنے کی قوت موجود نہیں لیکن یہودیہ نہیں رہی۔ اب ہم مصائب میں مبتلا ہیں۔ ایسی حالت میں پھر بن پڑے اور مشکلات کا دفعیہ ہو سکے تو بات ہے۔ قاعدہ ہے جب انسان مصیبتوں میں پھنس جاتا ہے تو اس کی عقل اور ہمت کچھ کام نہیں کرتی۔

۳۱

گھر ہمارا جو نہ روتے بھی تو دیراں ہوتا : بھرا گزر بھر نہ ہوتا تو بیا باں ہوتا  
تنگی دل کا رکھ کیا، یہ وہ کافر دل ہے کہ اگر تنگ نہ ہوتا تو پشیمان ہوتا

بعد یک عمر و درع، بار تو دیتا بارے

کاش رضواں ہی دیر بار کا دیاں ہوتا

۱۔ ہمارا گھر کثرت گریہ سے دیراں ہو گیا ہے۔ خیال یہ ہے کہ اگر ہم نہ روتے تو ہمارا گھر برباد نہ ہوتا۔ لیکن یہ کیسے ممکن ہے کہ دیراں دیراں نہ ہوتا تو اس کی جگہ یقیناً بیا باں ہوتا۔ گویا اگر بھلا گھر رونے سے دیراں نہ ہوتا تو پھر کوئی اور آفت آتی۔ غرض دیرانی کسی صورت نہ ملتی اور بد نصیبی کسی طرح ضرور ظاہر ہوتی۔

۲۔ میں اپنی تنگی دل کی کیا شکایت کروں۔ یہ کہ سخت دل ایسا بُرا واقع ہوا ہے کہ ہر صدمہ میں اُس کا مصیبتوں میں مبتلا رہنا لازمی ہے۔ اگر یہ تنگ رہتا ہے مصائب نہ ہوتا تو پھر پریشان ہوتا یعنی

اس کی دانشگری پریشانی کے درجہ کو پہنچ جاتی۔ اس لئے اس کی تنگی اور پریشانی ہمارے لئے برابر ہے۔

۳۔ ورع .. پرہیزگاری + بار .. جگہ، اجازت، داخلہ + رضوان .. بہشت کا دربان۔

ہم نے تمام عمر محبوب کی پرستش میں بسر کر دی۔ لیکن اس کا دربان اس سخت گیر ہے کہ وہ اب بھی ہمیں یار کے مکان میں جانے کی اجازت نہیں دیتا۔ کاشکہ اس کا دربان رضوان ہوتا۔ جو ایک عمر عبادت میں گزارنے کے بعد بہشت میں تو داخل ہونے دیتا۔ مطلب یہ ہے کہ رضوان حسبِ عادت ہماری پرستش کا خیال کر کے ہم کو ضرور اندر جانے دیتا۔

۳۲

۱۔ نہ تھا کچھ تو خدا تھا کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا ۱۔ ڈوبیا مجھ کو ہونے نے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا  
ہوا جب علم سے یوں بھی تو غم کیا سر کھٹکنے کا ۲۔ نہ ہوتا اگر جذباتی سے تو زانو پمدھرا ہوتا  
ہوئی مدت کہ غالب مر گیا پر یاد آتا ہے  
وہ ہر اک بات پر گستاخ کہ یوں ہوتا تو کیا ہوتا

۱۔ حالی: بالکل نئی طرح سے نیستی کو ہستی پر ترجیح دی ہے اور ایک عجیب توقع پر معدوم محض ہونے کی تمنا کی ہے۔ پہلے مصرعے کے معنی تو ظاہر دوسرے مصرعے سے بظاہر یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اگر میں نہ ہوتا تو دیکھنا چاہیے کہ میں کیا ہوتا۔ مطلب یہ ہے کہ خدا ہوتا۔ کیونکہ پہلے مصرعے میں بیان ہو چکا ہے کہ اگر کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا (سعید)

طباطبائی: صوفیہ کے مذاق میں کہا ہے۔ میں کچھ نہ تھا تو خدا تھا اور کچھ ہو کر میں اپنے مبداء سے متاثر ہو گیا اور اس مبداء فیض سے

علیحدہ ہو جانا میرے حق میں بُرا ہوا (سب متفق)

۲۔ زانو پر دھرا ہونا .. جب انسانی نگین ہوتا ہے تو سر زانو پر رکھ کر خاموش بیٹھ جاتا ہے۔

میں کثرتِ آلام سے بالکل بچس ہو گیا ہوں اور مجھے اپنے سر تک کا ہوش نہیں رہا۔ میرا سر کٹ گیا ہے۔ لیکن مجھے بخودی کی وجہ سے اس کا احساس تک نہیں ہوا۔ اگر میرا سر تن سے جدا نہ ہوتا تو بھی کثرتِ غم سے بچس و حرکتِ نافرمدھرا ہوتا، اس لئے سر کے کٹ جانے سے کوئی فرق نہیں پڑا، پھر مجھے سر کے کٹ جانے کا غم کیوں ہو۔

۳۔ اگرچہ غالب کو مرے ہوئے ایک مُت ہو گئی ہے۔ مگر وہ اب تک یاد آتا ہے کہ وہ ہر بات پر کمال بے پروائی سے تحقیر اُکھا کرتا تھا کہ یوں ہو جاتا تو کیا ہوتا یعنی کچھ نہ ہوتا (آسی، طباطبائی۔ بخود)

سعید: اس کی بحث و تحقیق کی عادت بار بار یاد آتی ہے۔  
سُہا: وہ ہر باتِ ادیان و تناسک کا اظہار کرتا تھا یعنی یوں ہوتا تو کیسا لطیف ہوتا۔

۳۲

ایک قدرہ زمیں نہیں بیکار بلخ کا ۱ یاں زادہ بھی فقیہ ہے لالہ کے داغ کا  
بے مے کے ہے طاقتِ آشوبِ آگہی ۲ تمسخر ہے بحرِ حوصلہ نے خطایا غ کا  
بیس کے کاروبار پہ ہیں خندے ٹنگے ۳ کہتے ہیں جس کو عشقِ خلل ہے دماغ کا  
تازہ نہیں ہے نشہِ فکرِ سخن مجھے ۴ تریا کی قدیم ہوں دودِ چرخ کا  
سوارِ بندِ عشق سے آزاد ہونے ۵ پر کیا کریں کہ دل ہی عدو ہے فرخ کا  
بے خونِ دل ہے چشم میں موجِ نگرِ غیا ۶ یہ میگدہ خراب ہے مے کے سُراغ کا



## باغ شگفتہ تیرا بساط نشاطِ دل ابر بہارِ خمکہ کس کے دماغ کا

۱۔ جادو .. راستہ ، بٹیا ، قتیلہ .. بتی + داغ .. چراغ سے  
استفادہ ہے۔ بہار سے باغ میں سبزہ و گل کی اتنی فراوانی ہے کہ زمین  
کا ایک ذرہ بھی بے کار نہیں رہا۔ یعنی ہر جگہ گل و سبزہ نمودار ہے۔  
یہاں تک کہ باغ کی روشیں جن پر بہار کا کوئی اثر نہیں ہوا کرتا اثر بہار سے  
چراغ لالہ کی بتیاں معلوم ہوتی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ روشِ باغ بھی باعثِ  
فروغِ باغ ہے اور اس کو لالہ کے ساتھ وہی مناسبت ہے جو قتیلہ و  
چراغ میں ہوتی ہے وحسرت ، سہا ، سعید)

آگسی و طباطبائی : (۱) ہم خیال (۲) داغ سے اگر زخم مراد ہیں تو قتیلہ  
وہ بتی ہے جو زخم میں رکھتے ہیں۔ اس صورت میں کثرتِ نشوونما کا اظہار  
ہے۔ کہ جادو ایسا باریک پڑ گیا ہے جیسے لالہ لالہ ہوتی ہے اور داغ لالہ  
کی تخصیص اس لئے ہے کہ کثرتِ گل ہائے رنگین سبزی پر دلالت  
کرے (بیوقوف)

۲۔ آشوب .. مصیبت + آگہی .. ہوشیاری ، افکار و نیاوی +  
عجز .. حوصلہ .. پست ہمتی + ایاغ .. جامِ شراب .. جس پر شراب  
ناچنے کے لئے خطوط کھینچے ہوئے ہوں۔

کہتے ہیں۔ جامِ حمید پر بھی ایسے ہی خطوط تھے چونکہ مصائب و شدائد  
دنیاوی کو برداشت کرنے سے حوصلہ عاجز ہے۔ اس لئے اُس نے آگہی و  
ہوشیاری پر خطِ ایاغ کھینچ دیا ہے۔ یعنی شراب پنی کر آگاہی کو صفحہٴ دل پر سے  
کاٹ دیا ہے تاکہ مستی اور غفلت سے احساسِ ہوشیاری و آگہی جاتا رہے۔

(اسی طباطبائی)

سعیہ: شراب نوشی کے بغیر افکار و نبوی سے نجات نہیں مل سکتی۔ لیکن یہاں ساقی نے ایسی پست بہتی سے کام لیا کہ جام پر بھی خط کھینچ دیا۔ یعنی پورا ایک پیالہ بھی شراب نہ دی۔ بلکہ خط مقررہ تک بھر دی۔ اگرچہ ضرورت زیادہ تھی۔ حسرت: آگاہی کو آشوب قرار دیا۔ جس کی برداشت کے لئے میگزین کا لازم ٹھہری اور ظاہر ہے اس غم کے لئے ایک ساغر سے کیا کام چلتا ہے۔ خصوصاً ایسی حالت میں کہ ساغر بھی لبریز نہ ہو بلکہ صرف خط ساغر تک ہو۔ بے خود: عموماً حوصلہ کی وجہ سے ہم نے ساغر پر نشان بنا دیتے ہیں شراب ناپ کر پیتے ہیں اور مقدار و دن بدن بڑھاتے جلتے ہیں اور آشوب الہی کی طاقت برداشت بقدر افزائش مقلد شراب رفتہ رفتہ پیدا ہو جاتی ہے یعنی ذکر و اشغال کی مشق و صہارت دن بدن زیادہ کھتے جاتے ہیں۔

۳۔ بیل گلوں کے عشق میں دیوانی ہو رہی ہے اور پھول اس پر مہنس رہے ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے جس چیز کو عشق کہتے ہیں وہ اصل میں صلہ دلغ ہے کیونکہ دیوانوں پر ہی لوگوں کو مہنسی آیا کرتی ہے طباطبائی کہتے ہیں کہ حالِ ناز کی جگہ کار و بار اس لئے استعمال کیا ہے کہ کارِ مہنسی ذراعت اور بار یعنی ٹہر ہے۔ یہ گل سے مناسب رہتا ہے۔ طباطبائی کو ہمیشہ ایسی ہی سوجھتی ہے۔

۴۔ تریبا کی قدیم۔ پُرانا افیونی + دودِ چیراغ۔ چیراغ کا دھواں۔ چند باز چیراغ کی نو کے ذریعہ سے افیون کا دھواں نال سے پیتے ہیں اور شعراء اکثر رات کو چیراغ کے سامنے بیٹھ کر مشقِ سخن کرتے ہیں۔

نشہ فکرِ سخن کی لت مجھے کچھ نمی نہیں پرانی بلکہ مدتوں سے دودِ چیراغ کے سامنے بیٹھ کر فکرِ سخن کرتا ہوں ظاہر ہے دودِ مہنسی فکرِ سخن اور چیراغ سے

کلام روشن کا استعارہ کیا ہے۔

۵۔ بند .. قید + عدد .. دشمن + فراغ .. آزادی۔

ہم عقل کی مضبوطی سے بہت دفعہ آزاد ہوئے مگر کیا کریں۔ ہمارا دل ہی فارغ البال رہنا نہیں چاہتا۔ گویا ہماری آزادی کا دشمن ہے۔ جب تک بقاء ہوتے ہیں وہ پھر بندِ عشق میں گرفتار کر دیتا ہے۔ یہ خود لکھے ہیں۔ عشق سے دنیا کی محبت اور بندِ عشق سے اس میں بھنسا ہوا ہونا مراد ہے۔ یعنی دنیا میں بغیر شغل و فکر آدمی رہ ہی نہیں سکتا۔

۶۔ میکدہ .. مراد آنکھ + ہے .. یعنی خون دل + خراب .. دیران + سراغ۔ تلاش + موج .. تارِ نظر، بینائی۔

اگر میری آنکھوں سے خون دل آنسو بہ کر نہیں بہتا تو موج نگاہ (بینائی) کے بدلے میری آنکھوں میں غبار اٹھنے لگتا ہے۔ یعنی مجھے کم نظر آتا ہے اور یہ کیفیت میرے لئے سخت تکلیف کا باعث ہے۔ کتنا یہ چاہتے ہیں کہ یہ میکدہ (چشم) شراب (خون دل) کی جستجو میں خاک بسرا غبار آلود ہے۔ ظاہر ہے بغیر شراب کے میکدہ میں خاک ہی اڑتی ہے یعنی دیران ہوتا ہے۔ میکدے کے لئے خواب کا لفظ پر لطف ہے۔

۷۔ بارغ شگفتہ .. سرسبز و شاداب + بساط .. فرش + نشاط .. سرور + خمکدہ .. میخانہ۔

اب رہا میری مستی و نشاط کا باعث نہیں ہو سکتا۔ وہ کسی اور کے دماغ کا خملہ ہوگا۔ یعنی وہ کوئی اور لوگ ہوں گے جو اب بہار سے سرور و خوش ہوتے ہوں گے۔ میرے سرورِ دل کا باعث تو تیرے حسن کا شگفتہ بارغ ہے۔ اس کے علاوہ کوئی چیز میرے دل و دماغ کے لئے مستی کا باعث نہیں

ہو سکتی (حسرت، سنجید، بخود)  
 طباطبائی: جب گفتگوی بارغ سے مجھے نشاط پیدا ہوتا ہے تو خیال کرتا  
 ہے کہ ابر بہار جس نے ساغر کو شراب رنگ و بو سے لبریز کر دیا۔ کس کے  
 دماغ کا میکدہ ہوا۔ ابر بہار بھی تیرے ہی دماغ میں نشہ پیدا کرنے کے لئے  
 ایک نمکدہ ہے۔ بساط و نشاط میں تجھیں خطی ہے۔ اسی نچو و نون مفہوم  
 لکھتے ہیں۔

۳۴

وہ مری چین جیسے غم بہناں سمجھا ۱ راز مکتوب بہ بے ربطی عنوان سمجھا  
 یک الف بیش نہیں صیقل آئینہ منو ۲ چاک کرتا ہوں میں جبکہ کہ گریباں سمجھا  
 شرح اسباب گرفتاری خاطر است پوچھ ۳ اس قدر رنگ بھادل کہ میں زنداں سمجھا  
 بدگمانی نے نہ کچا ہائے سرگرم خرام ۴ رخ پہ ہر قطرہ عرق دیدہ جیراں سمجھا  
 عمر سے اپنے یہ جانا کہ وہ بدخو ہوگا ۵ نبضِ خس سے پیش شعلہ سوزاں سمجھا  
 سفر عشق میں کی صدف نے راحت طلبی ۶ ہر قدم سائے کو میں اپنے شہستان سمجھا  
 تھا گریزاں سڑا یا رے دل تا دم مرگ ۷ دفع میکان قضا اس قدر آساں سمجھا  
 دل دیا جان کے کیوں اس کو وہ ذوار  
 غلطی کی کہ جو کافر کو مسلمان سمجھا

۱۔ چین جیسے۔ تیوری + غم بہناں .. رجش دل + عنوان ..  
 سُرخ، پتہ + راز مکتوب .. خط کا مضمون + چین جیسے کی تشبیہ  
 بے ربطی عنوان سے ہے اور غم بہناں کا استعارہ راز مکتوب سے ہے۔

میری تیوریوں سے اس نے میرے غم بہناں کو بھانپ لیا۔ گویا عنوان  
 کی بے ربطی سے وہ خط کے مضمون کو سمجھ گیا یا اس نے میری چین جیسے

سے میرے غم پہناں کا اس طرح پتہ لگا لیا جس طرح پتہ کی بے ربطگی سے  
خط کا مضمون معلوم ہو جاتا ہے۔

۲۔ غالب: پہلے یہ سمجھنا چاہئے کہ آئینہ فولاد کے آئینہ سے ہے،  
جودہ جلی آئینوں میں جوہر کیاں اور ان کو صیقل کون کرتا ہے۔ فولاد کی جس چیز کو صیقل  
کرو گے بے شبہ پہلے ایک لکیر پڑے گی۔ اس کو الف صیقل کہتے ہیں جب  
یہ مقدمہ معلوم ہوا تو اب اس کے مضمون کو سمجھئے ع  
چاک کرتا ہوں میں جب سے کہ گریباں سمجھا

یعنی ابتداءً بن تیرے مشق جنوں ہے۔ اب تک کمال فن حاصل  
نہیں ہوا۔ آئینہ تمام صفات نہیں ہو گیا۔ بس وہی ایک لکیر صیقل کی موجود  
ہے۔ چاک کی صفت بھی الف کی سی ہوتی ہے اور چاک آثار جنوں میں  
ہے (اردوئے معلّے)

آسی اور طباطبائی "بیش نہیں" پر اعتراض کرتے ہیں کہ یہ فارسی  
کا ترجمہ ہے۔ لیکن غالب ان چیزوں سے بے نیاز ہیں۔

۳۔ شرح:۔ کھولنا، لفظ تنگ کی مناسبت سے لائے ہیں۔ گرفتاری  
خاطر۔ گرفتاری دل۔ گرفتاری زنداں کی رعایت ملحوظ رہے۔

میری گرفتاری دل کی تفصیل مجھ سے دریافت نہ کرو۔ یوں سمجھ لو کہ میرا  
مصائب و آلام سے اس قدر تنگ ہوا کہ میں اس کو زنداں سمجھنے لگا ہوں۔ بظن  
یہ ہے کہ زنداں تنگ ہوتا ہے۔

۴۔ نہ چاہا۔ گوارا نہ کیا۔ قطرۂ عرق۔ (خاکِ اضافت) پسینہ  
کی بوند + دیدہ حیراں یعنی چشمِ رقیب۔

میری بدگمانی نے گوارا نہ کیا کہ وہ بخوارام رہے۔ کیونکہ چلنے سے اس

کے ماتھے پر جو پسینہ آجاتا ہے وہ مجھے دیدہ حیران و چشم رقیب معلوم ہوتا ہے  
اور میرا ہشک یہ گوارا نہیں کرتا کہ رقیب کی چشم حیران اس کے ماتھے پر  
جم جلے (طباطبائی - پیچود - حسرت)

سہا - آنکھی اور سجد: میرا معشوق مجھ سے اتنا بدگمان ہے کہ  
گرم خرام ہونا بھی گوارا نہیں کرتا - کیونکہ وہ اپنے ہر قطرہ عرق کو میسر  
دیدہ حیران سمجھتا ہے -

۵ - اپنے عجز کو خوش - خس کو رگ نبض اور یار کی بدغوثی کو شعلہ سوزاں سے  
دی ہے - فرماتے ہیں - میں نے اپنا عجز دیکھ کر یہ اندازہ کر لیا کہ معشوق یقیناً  
بدخوا اور تند مزاج ہوگا - گویا میں نے تنکے کی نبض دیکھ کر پیش شعلہ معلوم  
کر لی ہے اور اس نتیجہ پر پہنچ گیا کہ اس کی بدغوثی کے مقابلہ میں میرا عجز میری  
ہلاکت اور تباہی کا باعث ہوگا - جب اپنے آپ کو ٹھکا بکھے اور معشوق کو شعلہ  
سوزاں تو نتیجہ یقیناً یہی نکلا کہ معشوق کی آتش غضب انہیں اسی طرح  
جلا کر خاک کر دی گئی - جس طرح شعلہ گھاس پھوس کو جلا دیتا ہے -

۶ - شبستان .. رات بسر کرنے کی جگہ، منزل -

سفر عشق میں جب تھکان بڑھ گئی تو ضعف و کمزوری نے آرام کرنے پر  
مجبور کیا - چونکہ سفر عشق میں آرام کرنے کے لئے کوئی منزل تو ہوتی نہیں، اس  
لئے میں ہر قدم پر اپنے سایہ کو دیکھ کر یہی سمجھا کہ رات ہو گئی ہے اور منزل  
آگئی ہے - مطلب یہ ہے کہ انتہائی ناکامی اور بایوسی کے عالم میں انسان یاں  
اور ناامیدی ہی کو اپنا غمگسار اور مددگار سمجھتا ہے -

۷ - مرزاگان یار کو پیکان قضا قرار دیا ہے جس سے بچنا ناممکن ہے میرا  
دل مرتے دم تک مرزاگان یار سے بچنے کی کوشش کرتا رہا - لیکن آخر نہ بچ سکا -

مردگان یار سے گریز کرنا میری نادانی تھی۔ کیونکہ وہ تیر قضا تھا اور اس سے بچنا ناممکن تھا۔ تعجب کی بات ہے کہ دل نے اس ناممکن کام کو اس قدر آسان سمجھ رکھا تھا اور مرثکان یار کی زد سے بچنے کے لئے متواتر کوششیں کرتا تھا۔

۸۔ کافر میں ایسا م ہے کہتے ہیں۔ اے اسد تم نے اس بی وفا کو وفادار سمجھ کر کیوں اپنا دل دے دیا۔ یہ تمہاری غلطی تھی کہ تم نے ایک کافر کو مسلمان سمجھ لیا اور یہ سمجھتے ہوئے کہ وفاداری شرط اسلام ہے تم نے اپنا دل اس کے حوالے کر دیا۔ یا یہ کہ اس کو وفادار سمجھنا ایسی ہی غلطی ہے جیسے کسی کافر کو مسلمان سمجھ لینا۔

## ۳۵

- |                              |   |                              |
|------------------------------|---|------------------------------|
| پھر مجھے دیدہ تر یاد آیا     | ۱ | دل جگر تشنہ فریاد آیا        |
| دم لیا تھا نہ قیامت نے ہنوا  | ۲ | پھر ترا وقت سفر یاد آیا      |
| سادگی ہائے تمنا یعنی         | ۳ | پھر وہ نیرنگ نظر یاد آیا     |
| عذردہ اماندگی نے حسرت دل     | ۴ | نالہ کرتا تھا جگر یاد آیا    |
| زندگی یوں بھی گزر ہی جاتی    | ۵ | کیوں ترا راہ گزیر یاد آیا    |
| کیا ہی رضاں سے لڑائی ہوگی    | ۶ | گھر ترا خلد میں گریہ یاد آیا |
| آہ وہ جبرائیل فریاد کہاں     | ۷ | دل سے تنگ آ کے جگر یاد آیا   |
| پھر ترے کوچہ کو جاتا ہے خیال | ۸ | دل گم گشتہ مگر یاد آیا       |
| کوئی دیرانی سی دیرانی ہے     | ۹ | دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا   |

میں نے مجنوں پہ لڑکپن میں اسد

سنگ اٹھایا تھا کہ سر یاد آیا

۱- دیدہ تر .. چشم اشک آلود + تشنہ فریاد آیا .. آرزو مند فریاد ہوا۔  
 آیا فارسی محاورے کا ترجمہ ہے - آرزو میں مروج نہیں۔

آج مجھے پھر اپنی چشم اشک آلود یاد آگئی اور نتیجے کے طور پر میرا دل دگر  
 فریاد کا آرزو مند ہو گیا کہ پھر وہی گریہ و زاری کی لذت حاصل کرے (سجیدہ  
 حسرت۔ بیخود) بعض لوگ دیدہ تر سے معشوق کی چشم تر مراد لیتے ہیں۔ یعنی  
 مجھے معشوق کی چشم تر یاد آئی اور اس کی وجہ سے میرا دل دگر آرزو مند  
 فریاد ہوا۔

طباطبائی! آتھی: دل جگر تشنہ فریاد ہوا تو مجھے دیدہ تر یاد آ گیا کہ یہ  
 تشنگی رونے ہی سے بجھے گی۔

۲- دم لینا .. ٹھننا۔ سکون ہونا + قیامت .. اضطراب + بھینسی۔  
 حالی: دوست کو فرست کرتے وقت جو دردناک کیفیت دہری تھی۔  
 اور جو اس کے چلے جانے کے بعد رہ کر یاد آتی ہے اس میں جو کبھی کبھی دھڑکا  
 ہو جاتا ہے اس کو قیامت کے دم لینے سے تعبیر کیا ہے "مطلب یہ ہے  
 کہ تیرے چلے جانے کے بعد ابھی میرا دل سکون پذیر نہ ہوا تھا کہ تیرا وقت سفر  
 یاد آ گیا اور پھر دل میں وہی طلاطم پیدا ہو گیا۔

۳- سادگی .. نادانی + تمنا .. آرزوئے وصل + نیرنگ نظر۔  
 محبوب پُرفن۔ پہلے مصرعہ میں دیکھو مخدوف ہے۔

ذرا میری تمنا کی سادگی اور نادانی ملاحظہ ہو کہ مجھے پھر وہی محبوب  
 پُرفن یاد آ رہا ہے۔ جس کی نیرنگ نظری نے میری زندگی تباہ کر دی۔ سادگی  
 یہی ہے کہ معلوم ہے اس سے تمنا پوری نہیں ہو سکتی، پھر بھی اس کی  
 طرٹ ڈھلے جاتے ہیں۔



۴۔ واما ندگی... بے بسی، مجبوری، "واما ندگی" کے بعد قبول کرنا محض ہے۔  
دل کی حسرت ہے کہ نالہ کیا جائے۔ اس لئے کہتے ہیں کہ اسے حسرتِ دل  
میری بے بسی اور مجبوری کا عند قبول کر۔ میں آہ و نالہ کرنے کے لئے آمادہ تھا مگر  
مجھے اپنا جگر تختہ یاد آگیا۔ کیونکہ اگر میں نالہ کرتا تو میرا جگر شق ہو جاتا۔ اس لئے  
میں نے نالہ نہ کیا۔

۵۔ ہماری زندگی کسی نہ کسی طرح گزر رہی جاتی، ہمیں تیری گندہ بیکار یاد  
آئی۔ کیونکہ تیری رہگزر میں بھی کامگاری اور مراد مندی ممکن نہیں۔ اس لئے  
اس کا یاد آنا فضول ہے۔ (حسرت)

آجی و سعید؛ تیرا رہ گزر کیوں یاد آیا کہ اس کو یاد کر کے ہم مر گئے،  
طباطبائی نے اس قدر اور کچھ ہے اور یہ بات ابھی ہوئی کہ میں زندگی سے  
بیزار تھا لیکن اس کے یاد آنے سے ایسا اندوہ و قلق ہوا کہ شک نہ یاد  
آ رہا ہوتا تو زندگی کسی نہ کسی طرح کٹ ہی جاتی ہے۔

۶۔ رضوان... دروغہ بہشت۔ کیا ہی لڑائی ہوگی... خوب لڑائی ہوگی۔  
جب جنت میں مجھے تیرا گھر یاد آئے گا اور میں اس کی تعریف کروں گا تو رضوان  
کہے گا بہشت ابھی ہے۔ میں کہوں گا تیرا گھر بہت ہے۔ اس بعد کہیں رضوان  
سے خوب لڑائی ہوگی۔

طباطبائی نے دوسرے معنی یہ لکھے ہیں کہ میں خلد سے نکل کر یار  
کے گھر کی طرف جانا چاہوں گا اور رضوان مجھے روکے گا۔ اس طرح خوب  
لڑائی ہوگی (بیخود)

۷۔ پہلے جس قدر فریاد کی جراثیم سرے دل میں تھیں وہ اب نہیں رہی دل  
کی بے جراثیمی اور کم طاقی سے تنگ آ کر میں اپنے جگر کو یاد کرتا ہوں جس میں

کبھی فریاد کرنے کی طاقت دل سے بہت زیادہ تھی۔ لیکن اخوس کہ اب ہنگامیں بھی وہ طاقت فریاد نہیں رہی مطلب یہ ہے کہ اگر جگر سلامت تو اس خوب نالے کرتا۔

۸۔ دل گم گشتہ .. کھویا تھا دل۔ مگر.. شاید۔

میرا خیال مجھے پھر تیری گلی کی طرف بھا رہا ہے۔ شاید وہ کھوئے ہوئے دل کو اُدھر ڈھونڈنے چلا ہے کیونکہ تیرے کوچے ہی میں دل کے کھوئے جانے کا احتمال ہے۔

۹۔ حالی: اس شعر سے جو معنی تو متبادر ہوتے ہیں۔ وہ یہ ہیں کہ جس دشت میں ہم ہیں وہ اس قند ویران ہے کہ اس کو دیکھ کر گھریا داتا ہے یعنی خوف معلوم ہوتا ہے مگر ذرا غور کرنے کے بعد اس سے یہ معنی نکلتے ہیں کہ ہم تو اپنے گھر ہی کو سمجھتے تھے کہ ایسی دیرانی کہیں نہ ہوگی۔ مگر دشت بھی اس قند ویران ہے کہ اس کو دیکھ کر گھر کی دیوانی یاد آتی ہے۔

۱۰۔ عام طور پر دیوانوں کو بچے پتھر مارا کرتے ہیں۔ کہتے ہیں بچپن میں میں نے مجنوں کو مارنے کے لئے پتھر اٹھایا تھا کہ دفعۃً مجھے اپنا سر یاد آ گیا۔ یعنی یہ خیال آیا کہ ممکن ہے کبھی میں بھی دیوانہ ہو جاؤں اور لڑکے مجھے پتھر ماریں۔ اس لئے میں نے پتھر نہ مارا۔ طباطبائی اور آسٹی لکھتے ہیں۔ یہ سوچ کر پتھر اپنے ہی سر پر مار لیا ظاہر ہے اس مفہوم میں لطف نہیں۔

۳۶

ہوئی: اخیر تو کچھ باعث تاخیر بھی تھا ۱۔ آپ آتے تھے مگر کوئی عزاں گیر بھی تھا تم سے یہ جلت تھے اپنی تباہی کا گلہ ۲۔ اس میں کچھ شائبہ خوبی تقدیر بھی تھا تو مجھے بھول گیا ہو تو پتہ بتلا دوں ۳۔ نبھی خراسان میں تو ہے کوئی پتہ بھی تھا

قید میں ہے تب چشم کو دہی زلف کی یاد ۴ ہاں کچھ اک منج گواہدای زنجیر بھی تھا  
 بجلی اک کوئی گئی آنکھوں کے آگے تو کیا ۵ بات کرتے کریں لب تشنہ تفریح بھی تھا  
 پوسٹ اس کو کہوں اور کچھ نہ کہے خیر ہوئی ۶ گر بگڑ بیٹھے تو میں لائق تعزیر بھی تھا  
 دیکھ کر خیر کو ہوئیوں نہ کلیجہ ٹھنڈا ۷ نالہ کرتا تھا لوے طالب تاثیر بھی تھا  
 پیشے میں عیب نہیں رکھنے نہ فرماؤ کو نام ۸ ہم ہی آشفتنہ سرور میں وہ جو امیر بھی تھا  
 ہم تھے مرنے کو کڑے پاس نہ آیا تھی ۹ آخر اس شوق کے ترکش میں کوئی تیرتی تھا  
 پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے لکھ پڑنا حق ۱۰ آدمی کوئی ہمارا دم سخرہ بھی تھا  
 ریت کے تہیں اُستانیں ہو غالب  
 کہتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی امیر بھی تھا

۱۔ عنان گیر .. روکنے والا۔  
 یار کو آنے میں دیر ہو گئی ہے، کہتے ہیں کہ شاید آپ کو کسی (رقیب) نے روک لیا تھا۔ ورنہ دیر سے آنے کا کیا سبب ہے؟  
 ۲۔ خوبی تقدیر .. مراد تقدیر کی بُرائی، بطور طنز کہا ہے۔  
 میری تباہی اور بربادی کے باعث تم نہیں ہو میں تم سے یونہی اپنی تباہی کی شکایت کیا کرتا ہوں اصل میں یہ خرابیاں مجھے میری تقدیر ہی میں لکھی تھیں۔

۳۔ فزاک .. شکار بند + پٹخیر .. شکار۔  
 اگر تم مجھے بھول گئے ہو تو آؤ میں تمہیں اپنا اتا پتہ بتلا دوں۔ بھلا یاد کرو۔  
 ابھی تم شکار کر رہے اپنے شکار: بیش کچھ بانہ حاتھ میں ہیں وہی شکار ہوں۔  
 ۴۔ وحشی .. دیوانہ مجتہد۔

تیرے دیوانہ اُھنت کو قید کی حالت میں بھی تیری زلف کی یاد ہر دم رہتی

ہے اور اس کے ساتھ یہ بھی یاد آیا کرتا ہے کہ کچھ تھوڑی سی تکلیف زنجیر کی گرا نیاری کی بھی تھی۔ یاد زلف کے مقابلے میں قید زنجیر کو حقیر ظاہر کیا ہے۔ تاکہ زلف کی گرا نیاری ظاہر ہو۔

۵۔ لب تشنہ .. آرزو مند۔

نم بھلی کی طرح میری آنکھوں کے سامنے آئے اور ایک دم چھپ گئے گویا میں اچھی طرح دیکھ بھی نہ سکا۔ بھلا اس طرح سے میری کیا تسلی ہو سکتی ہے۔ تمہیں چاہیے تھا کہ اطمینان سے آتے۔ جی بھر کے درشن دیتے اور بات چیت کرتے۔ ۶۔ یوسف .. یوسف اگرچہ حسن میں بی مثال تھے لیکن بازار میں غلام ہو کر بچے تھے + لائق تعزیر .. قابل سزا۔

میں نے انہیں یوسف کہہ دیا یعنی غلام سے تشبیہ دے دی۔ لیکن خیریت یہ ہوئی کہ انہوں نے کچھ نہ کہا۔ اگر وہ اس بات پر ناراض ہو جاتے تو بجا تھا اور حقیقتاً میں اس غلطی پر میں سزا پانے کے قابل تھا۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ اس کا حسن یوسف سے زیادہ ہے۔ یعنی میں نے اسے اس سے کمتر تشبیہ دی۔ اس لئے میں قابل سزا تھا۔

۷۔ غیر کو دیکھ کر میرا کلیجہ کیوں نہ ٹھنڈا ہو۔ کیونکہ ایک قوہ نالرد زاری کرتا تھا اور اس کے ساتھ ہی وہ اپنے نالوں میں اثر کا بھی طالب تھا۔ مطلب ہے کہ وہ بھی میری طرح نامراد تھا۔ اگر وہ طالب تاثیر نہ ہوتا تو اس کی مراد مندی ثابت تھی۔ جس سے مجھے تکلیف ہوتی۔

تینخوہ: غیر کو دیکھ کر میرا کلیجہ ٹھنڈا کیوں نہ ہو۔ اس لئے کہ میں نالے کرتا تھا اور اپنے نالوں سے تاثیر کا طالب تھا۔ یعنی مجھ پر میرے نالوں کا کچھ اثر ظاہر نہ ہوا تھا۔ اب غیر کو بُری حالت میں دیکھ کر میں سمجھ گیا کہ یہ میری ہی

فریاد کا اثر ہے۔

۸۔ جواں میر .. جواں مرگ + آشفۃ سمر .. عاشق پریشان حال +  
نام رکھنا .. عیب رکھنا۔

پیشہ میں کوئی عیب نہیں ہے۔ انکاسب جیب اللہ اس لئے  
یہ کہہ فریاد پر نام نہ رکھے کہ کوہ کنی اس کا پیشہ تھا۔ اس کے علاوہ یہ کام اس  
نے اپنے محبوب کی تنہا پوری کرنے کے لئے اختیار کیا تھا۔ حقیقتاً وہ جوان مرگ  
بھی ہم جیسا عاشق پیشہ تھا۔ اس لئے اس کو ہم اپنی جماعت سے خارج نہیں  
کر سکتے (تمام متفق) بخود کہتے کہ ہم بھی عاشق پیشہ ہیں اور تیر بھی عشق پیشہ تھا۔  
۹۔ ہم مرنے کے لئے تیار کھڑے تھے۔ اگر یا نے ہم کو پاس آکر قتل کرنا

گوارا نہ کیا تو کیا مضائقہ ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا اس کے ترکش میں کوئی  
تیر بھی نہ تھا کہ میں دوری سے مار دیا ہوتا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر پاس آئے میں کسرت  
تھی تو دور سے تیر چلا کر قتل کرنے میں کیا پس و پیش تھی۔

۱۰۔ فرشتوں .. کراما کا تہمین جواں انسان کے اعمال قلب بند کرتے ہیں۔

قاعدہ ہے۔ جب تک فریقین حاضر نہ ہوں۔ اس وقت تک کسی مقدمہ کا  
فیصلہ نہیں کیا جاتا۔ لیکن غالب کہتے ہیں۔ خدا کی عدالت کا قانون بھی عجیب  
ہے۔ جو کچھ کراما کا تہمین لکھ دیتے ہیں، وہی کافی سمجھا جاتا ہے اور فریق ثانی  
کی طرف سے صفائی کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی۔ مطلب یہ ہے کہ ہمیں سزا دینے  
کے لئے مٹھن فرشتوں کی تحریر کا کافی نہیں ہے بلکہ ہمارا بھی کوئی دلیل یا گواہ  
وغیرہ ہونا چاہئے اور میں صفائی پیش کرنے کا موقع ملنا چاہئے۔

۱۱۔ ریختہ .. اردو کی شاعری + میر .. میر تقی میر۔ اردو شاعری کے

مسلم الثبوت استاد۔

غالب اُردو شاعری کے قلم ہی اُستاد نہیں ہو۔ کہتے ہو اگلے زمانے میں کوئی میر بھی تھے جو اُردو شاعری کے اُستاد کہلاتے تھے اپنے آپ کو میر کا ہم پلہ بتانا چاہتے ہیں۔ طرزِ ادا خوب ہے۔

۳۷

لب خشک در تشنگی مُردگان کا ۱ زیارت کہہ ہوں دل آلودگان کا  
ہمہ نا امیدی، ہمہ بدگمانی ۲ میں دل ہوں، فریب و فاختہ دگان کا  
۱۔ تشنگی .. شدتِ آرزو و شوق سے استعارہ ہے + در تشنگی مردگان  
.. وہ لوگ جو آرزو و شوق میں مر گئے + مصرعہ ادلی "میں ہوں" محذوف  
ہے۔ لب خشک .. تشنہ، آلودہ مند، دل آلودگان .. محرومِ قسمت، محتاق۔  
میں ان لوگوں کا لب خشک ہوں، جو آرزوئے شوق کی تشنگی میں مر گئے  
اور میں ان لوگوں کی زیارت گاہ ہوں جو دل آلودہ اور محرومِ قسمت ہیں۔  
مطلب یہ ہے میرا رتبہ ان سے بلند ہے۔ اس لئے ان لوگوں کی زیارت گاہ  
ان مقام آلودہ ہوں۔

۲۔ ہمہ نا امیدی، ہمہ بدگمانی .. سرتا سرنا امیدی اور بدگمانی کی آتش  
فریب و فاختہ دگان .. وفا کا فریب کھائے ہوئے لوگ + میں دل ہوں ..  
سراپا بدگمانی بن گیا ہوں۔

۳۸

تو دوست کسی کا بھی سنگم نہ ہوا تھا ۱ اویں پہ ہے وہ ظلم کہ مجھ پر نہ ہوا تھا  
چھوڑا میرے تختب کی طرح دستِ فضل نے ۲ خورشید مہنوز اس کے برابر نہ ہوا تھا  
توفیق یا ادارہ اہمیت ہے ازل سے ۳ آنکھوں میں ہے وہ قطرہ جو گہر نہ ہوا تھا  
جب تک کہ نہ دیکھا تھا قدیر کا عالم ۴ میں معتقدِ فتنہ، محشر نہ ہوا تھا

میں سادہ دل آلودگی یا بے خوشی کو ۵ یعنی سبق شوق مکدر نہ ہوا تھا  
 دریائے معاصی تنگ آتی سے جھٹک ۶ میرا سر زمین بھی ابھی تر نہ ہوا تھا  
 جاری تھی استدرار جگہ کے کھیل  
 آشکدہ جاگیر سمت در نہ ہوا تھا

۱۔ اے ستمگر تو آج تک کسی کا دوست نہیں بنا۔ تیرا ظلم صرف مجھ  
 تک محدود نہیں، تو نے اوروں پر اتنے زیادہ ظلم کئے ہیں جو مجھ پر نہیں کئے۔  
 دوسرے لطیف معنی یہ ہیں کہ میں سمجھتا تھا تو صرف مجھ پر ہی ظلم کرتا ہے اور  
 رقیب ان سے محروم ہیں۔ لیکن معلوم ہوا کہ تو نے رقیبوں پر بھی ظلم کر رہا ہے اور  
 زیادہ ظلم کئے اور مجھے ان سے محروم رکھا۔ رشک کا بالکل نیا دھنگ ہے  
 شرکتِ غیر ظلم میں بھی گوارا نہیں۔ یہ مفہوم بھی پیدا ہوتا ہے کہ مجھ پر  
 ظلم نہ کرنا پر بنائے دوستی نہیں ہے بلکہ غیریت کا سبب ہے۔

۲۔ ماہِ خشب .. مصنوعی چاند جسے حکیم ابن عطار (مفتی) نے چند  
 دواقل سے تیار کیا تھا۔ وہ چاند چاہِ خشب سے نکلتا تھا۔ اس کی روشنی  
 چار فرسنگ سے زیادہ دور نہ جاتی تھی۔ وہ اصلی چاند سے کم روشن تھا۔ آخر کار  
 دو مہینے بعد شوق ہو گیا۔ برابر نہ ہوا .. ناقص رہا + اس کے معشوق کے۔  
 ہنوز خورشید میرے محبوب کے حسن و جمال کے برابر نہ ہوا تھا یعنی

ماہِ خشب کی طرح ادھوا اور ناقص تھا کہ دستِ قدرت نے اسے اس طرح  
 چھوڑ دیا جس طرح حکیم ابن عطار نے ماہِ خشب کو ناقص دیکھ کر ترک کر دیا  
 تھا۔ طلب یہ ہے کہ سورجِ حُسنِ معشوق کے مقابلے میں ناقص ہے۔

۳۔ عالی: دعوت یہ ہے کہ جس قدر ہمت عالی ہوتی ہے اسی کے موافق  
 اس کی تائیدِ غیب سے ہوتی ہے اور ثبوت یہ ہے کہ قطرۂ اشک جس کو آنکھوں میں

جگہ ملی ہے۔ اگر اس کی ہمت جبکہ وہ دریا میں تھا۔ موتی بننے پر قانع ہو جاتی۔  
تو اس کو جیسا کہ ظاہر ہے یہ دو جہتی آنکھوں میں جگہ ملنے کا حاصل نہ ہوتا۔  
(یادگارِ غالب) بلکہ وہ کا قتل یا گلے ہی تک پہنچ کر رہ جاتا۔

۴۔ قیامت کو قیامت سے تشبیہ دی ہے۔ جب تک میں نے قریار  
کو نہ دیکھا تھا میں قیامت کا معتقد نہ ہوا تھا۔ لیکن جب سے میں نے قریار  
کو دیکھا ہے مجھے قیامت پر یقین ہو گیا ہے گویا یار کی خوشخبری سے مجھے  
فتنہ قیامت کا اندازہ ہو گیا ہے۔

۵۔ میری سادہ دلی ملاحظہ فرمائیے کہ میں یار کے تجزیہ ہو جانے سے  
خوش ہوں کیونکہ اس حالت میں مجھے سبق شوق دہرانے کا مزید موقع ملتا ہے۔  
مطلب یہ ہے اگر یار تجزیہ نہ ہوتا تو مجھے اہم شوق کا مزید موقع نہ ملتا۔  
محبت و عشق کے نکلے شکوہوں میں جو لطف ہے۔ اہل دل اس سے بے تحاشی طرح  
واقف ہیں۔ اسی لئے شاعر اس موقع پر بھی خوش ہے۔

۶۔ دریائے معاصی .. گناہوں کا دریا + تنک آبی .. پانی کم ہونا +  
ترد امن .. گناہگار +

حالی، ”گناہ کرنے میں ہمارا حوصلہ اتنا فراخ ہے کہ باوجودیکہ دریائے  
معاصی خشک ہو گیا۔ گل میں ہمارے دامن کا پتہ تک نہیں بھیگا۔“  
مطلب یہ ہے کہ میں نے اتنے زیادہ گناہ کئے کہ گناہ ختم ہو گئے۔ لیکن پھر  
بھی میرا دل سیر نہیں ہوا۔

۷۔ سمندر .. ایک کیرا ہے، اگر آگ بہت مدت تک روشن رہے  
تو اس میں پیدا ہو جاتا ہے اور آگ سے باہر نکلتے ہی مرجاتا ہے۔ اپنا سمندر سے  
اور داغ کا تشککہ سے مقابلہ کر کے داغ کو ترجیح دی ہے۔



اسے اسد میں داغ جگر سے اس وقت سے تحصیل (آتش مزاجی) کر رہا ہوں  
جبکہ آشکھ میں جہاں ہر وقت آگ روشن رہتی ہے۔ سمندر پیدا بھی نہ ہوا تھا۔

۳۹

شب کہ مجلس فرود غلویت ناموں نمٹا ۱ رشتہ ہر شمع غبار کسوت ناموں نمٹا  
مشید عاشق سے کوسوں تک جڑا گئی ہے ۲ کس قدر یارب ہلاک حسرت پاؤں تھا  
حاصل الفت نہ دیکھا جز شکست آرزو ۳ دل بدل پیوستہ گویا یک لبِ افسوس تھا  
کیا کہل بہار بی غم کی فراغت کا بیان ۴ جو کہ کھلیا خون دل بے منت کی بوس ستا  
۱۔ مجلس افروز .. رونق محفل + ناموس .. شرم و حیا۔ عصمت، رشتہ شمع  
.. وہ تاکا جو شمع میں ہوتا ہے۔ ہتی + کسوت .. لباس + فالوس .. فالوس کے پڑنا بچپن  
کپڑا چھادیتے ہیں۔ خار و پیر جن .. فارسی محلوہ ہے +

رات کو جس وقت محبوب نعل ڈال میں بزم افروز تھا تو اس کے سامنے شمعیں اس  
بے چین تھیں کہ معلوم ہوتا تھا۔ ان کے تپاگے رقبیل، کسوت فالوس میں خار پیراں  
کی طرح چب رہے ہیں مطلب یہ ہے کہ نعل ناموس میں شمع کی سرحد کی بھی ناموس کے  
مٹانی تھی۔ اس لئے وہ خود بے چین ہوئی جاتی تھی۔

۲۔ مشید .. شہادت گاہ + ہلاک حسرت پاؤں .. پاؤں کی حالت میں  
مر گیا + کوسوں تک .. دور دور تک۔

جس جگہ عاشق مشید ہوا ہے۔ وہاں دور دور تک ہندی آگ آتی ہے۔  
ہندی کے اُگنے سے ظاہر ہے کہ اس کی پاؤں کی کس قدر حسرت تھی۔ اس میں درد  
ہے کہ اگر جیسے ہی پاؤں کی آند پوری نہ ہوئی تو شاید اس طرح پوری ہو جائے کہ یہ حنا  
محبوب اپنے پاؤں میں لگائے۔

۳۔ حاصل الفت .. نتیجہ محبت + شکست آرزو .. آرزو کا خون ہونا۔

دل بدل چھوڑتے .. دل سے دل ملتا۔

ہم نے محبت کا قہر سوائے آرزوؤں کے خون ہونے کے کچھ اور نہ دیکھا۔ عاشق  
معشوق دونوں کے دل بدل کر لب افسوس کی صورت پیدا کر دیتے ہیں۔ جن سے ہمیشہ  
افسوس ہی کا اظہار ہوتا ہے۔

۴۔ بے منت .. بغیر احسان .. کیسوس .. غذا ہضم ہونے اور خون بننے سے  
پہلے طبع اول میں کیلوس کی شکل اختیار کرتی ہے اور آتش بن جاتی ہے اس کے بعد  
طبع دوم میں کیسوس کی صورت پاکر پانی کی مانند بن جاتی ہے اور خون کی شکل اختیار کرتی ہے  
میں اپنی بیماری غم کی فارغ البالی کا حال کیا بیان کروں میں جو کچھ کھانا ہوتا  
وہ بچلے اس کے کرپے کیلوس بنے اور پھر کیسوس بن کر خون بنے اور خون بن  
جاتی ہے۔ گویا میں غذا نہیں کھانا بلکہ خون دل پیتا ہوں۔

۴۰

آئینہ دیکھ اپنا سامنے لے کے رہ گئے ۱ صاحب کو دل نہ دینے میں کتنا غور تھا  
قاصد کی اپنے ہاتھ سے گردن خرابی ۲ اس کی خطا نہیں ہے یہ میرا قصور تھا  
۱۔ اپنا سامنے لے کے رہ جاتا .. مشر مند ہونا .. دل نہ دینا .. عاشق  
نہ ہوتا۔

معشوق سے کہتے ہیں۔ آپ بہت غریب سے کہا کرتے تھے کہ ہم کسی پر عاشق  
نہیں ہو سکتے۔ لیکن اب وہ غریب کہاں گیا۔ آئینہ میں اپنی شکل دیکھ کر اپنے آپ  
ہی پر عاشق ہو گئے۔ گویا وہ غریب کس آسانی سے ٹوٹ گیا۔  
۳۔ گردن مارتا .. قتل کرنا۔

رشک کی یہ انتہا ہے کہ عاشق معشوق کے ہاتھوں کسی کو قتل ہوتے بھی  
نہیں دیکھ سکتا۔ اس لئے انتہا ہے کہ آپ قاصد کو اپنے ہاتھ سے قتل نہ کریں۔

یہ میرا قصور تھا کہ میں نے اس کے ہاتھ تمہیں نکال بھیجا۔ اس لئے مجھے قتل کیجئے۔

## ۴۱

عرضِ نیازِ عشق کے قابل نہیں رہا ۱ جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا  
 جاتا ہوں داغِ حسرتِ ہستی لئے ہوئے ۲ ہوشِ کشتہ خود محفل نہیں رہا  
 مرنگی اسے دل اور ہی تدبیر کر کہیں ۳ شایانِ دست و بانوئے قاتل نہیں رہا  
 بردے شمشِ جہت و آئینہ باز ہے ۴ یاں اختیارِ ناقص و کامل نہیں رہا  
 واکر دیئے میں شوق نے بندِ نقابِ حجب ۵ غیر از نگاہِ اب کوئی عاشق نہیں رہا  
 گوئیں رہا رہیں ستم ہائے روزگار ۶ لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا  
 دل سے ہولے کشتہ و فاصل گئی کہ داں ۷ حاصل ہوائے حسرتِ حاصل نہیں رہا  
 بیدارِ عشق سے نہیں ڈرتا مگر اسد

جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا

۱۔ عرضِ نیازِ عشق .. عشق کی نیازِ مندی (احتیاج و عاجزی) کا اظہار

ناز تھا .. میرا دعویٰ نیازِ مندی و نیازِ برداری -

اجرو بیوفائی کے صدقوں سے میرا دل اس قابل نہیں رہا کہ وہ عشق سے  
 نیازِ مندی کا دھوکہ کر سکے۔ حق یہ ہے کہ جس دل پر مجھ کو عاجزی اور نیازِ مندی  
 کی وجہ سے غرر حاصل تھا، وہ دل نہیں رہا۔ مطلب یہ ہے کہ ہم عشق کے قابل نہیں  
 رہے کیونکہ اب ہم سے ناز برداریاں نہیں ہو سکتیں۔

۲۔ داغ .. افسوس، آرزو + حسرت .. آرزو + شمع کشتہ .. بجھی ہوئی

شمع + درخورِ محفل .. محفل کے لائق۔ محفل کا ہستی سے استعارہ ہے۔

میں دُنیائے جاتا ہوں اور حسرتِ ہستی کا داغ میرے دل پر ہے۔ یوں مجھ کی بجائے  
 کریں ایک ایسی بجھی ہوئی شمع ہوں جو بجھنے کے بعد محفل میں رکھنے کے قابل نہیں ہی

اور داغ محفل اپنے ساتھ ہی لے گئی۔ لطف یہ ہے کہ شمع جب بجھ جاتی ہے تو اس کی دھندلی دیر تک چمکتی رہتی ہے۔ اس کیفیت کو داغ حسرت سے تمثیل دی ہے۔ نیز یہ خوبی بھی ہے کہ شمع کشتہ کو محفل سے اور مڑوے کو ہریم ہستی سے اٹھاتے ہیں اور دونوں داغ حسرت و ہستی اپنے ساتھ لے جلتے ہیں۔

۳۔ اور ہی .. کوئی بد سری + شایان .. قہل + قاتل .. مراد محبوب ۔ میری حالت اب ایسی خراب ہو گئی ہے کہ وہ مجھے صیدِ زہن خیال کرے گا کہ کسی صورت سے قتل کرنا پسند نہ کرے گا۔ اس لئے اسے دل اب مرنے کی کوئی دوسری تدبیر کرنی چاہئے۔ اسی کہتے ہیں کہ شاعر نے گرا بخانی کا افسانہ کیا ہے اور اس خیال کی تائید شایانِ ہست و باندے قاتل سے ہوتی ہے نظیرِ یہ

آں شکام من کہ ہم لائق بہ کشتہ نیستم      شرمی آید مرنایں کس بکھیلاؤں است  
۴۔ مڑوے شش بہت .. سارے زمانے کے لئے شش بہت یعنی

زمین آسمان اہر شمال و جنوب و مشرق و مغرب + یاں .. مراد خانہ آئینہ + ناقص و کامل .. عارف و عامی ۔

دنیا ایک آئینہ خانہ ہے اور عارف و عامی دونوں اس آئینہ خانہ میں حیران ہیں۔ یعنی اسرا قدرت کسی کی سمجھ میں نہیں آتے (اسی طباطبائی)

۲۔ جس طرح آئینہ قبولِ عکس میں ناقص و کامل کا کچھ امتیاز نہیں کرتا بلکہ ہر چیز کا عکس قبول کر لیتا ہے۔ اسی طرح زمانہ بھی جو مثل آئینہ خانہ ہے ناقص و کامل کا عکس دکھانے میں کوئی امتیاز نہیں کرتا۔ گویا سب کے ساتھ ایک جیسا سلوک کرتا ہے۔ دوسرے طباطبائی اور بخود شش بہت سے عارف کا دل روشن مڑوے کرکتے ہیں کہ دل عارف پر اچھی بُری دونوں کیفیتیں پر نونگن ہوتی ہیں۔

۵۔ وا کر دیئے .. کھول دیئے۔ میرے جذبہ شوق نے حسن کو بالکل

سے نقاب کر دیا ہے۔ سب پردے اٹھ گئے ہیں صرف ایک نگاہ کا پردہ رہ گیا ہے۔ یعنی حسن بے پردا ہے۔ لیکن ہماری نگاہ ہی نہیں دیکھ سکتی گویا اس کے حسن کا جلوہ ظاہری آنکھ نہیں دیکھ سکتی۔ ہاں حشیم دل اگر دوا ہو جائے تو اس کا نظارہ ممکن ہے۔

۶۔ رہیں ستم .. بتلاے مصائب۔ اگرچہ میں ہمیشہ مصائب و مہیا میں مبتلا رہا۔ لیکن پھر بھی میں تجھے کبھی نہیں بھولا۔ مطلب یہ ہے کہ دُنیاوی افلاکات سے ہمارے جذبہ عشق میں کمی نہیں ہوئی۔

۷۔ ہوائے کشتِ وفا .. وفا کی آرزو + دال .. کشتِ وفا میں + حاصل .. پھٹ کے معنی نتیجہ اور دوسرے کے معنی پائی ہوئی چیز۔

میرے دل میں سے آرزوئے وفا ہی مٹ گئی۔ کیونکہ وفا کا نتیجہ سوائے حسرت کے کچھ اور حاصل نہ ہوا۔ مطلب یہ ہے کہ حسرت ہی حاصل وفا ہے۔ اس لئے وفا کی آرزو بھی جاتی رہی۔

۸۔ میں ان تکلیفوں سے نہیں ڈرتا جو عشق میں اٹھانی پڑتی ہیں۔ بلکہ بات یہ ہے کہ دل جو مظالم عشق برداشت کیا کرتا تھا نہیں رہا۔ لہذا جب مصائب عشق برداشت کرنے والا دل نہیں رہا۔ تو اب عشق کے ظلم و ستم کون اٹھائے۔

۲۲

رشتہ کہتا ہے کہ اس کا غیر سے اخلاص حیف ۱ عقل کتنی ہے کہ وہ بے مر کس کا آشنا  
دہ قہہ سا غریب خانہ نہ نیرنگ ہے ۲ گردشِ مجنوں کچھ شکلائے لیل آشنا  
شوق ہے سالن طراز نازش اربابِ عجز ۳ قہہ صحرادستگاہ و قطرہ دریا آشنا  
شکوہ سنج رشتہ ہمد گیر نہ رہنا چاہیے ۴ میرزا نو مونس اور آئینہ تیر آشنا  
میں اور اک آفت کا شکار یہ دل خوشی کہ ہے ۵ عاقبت کا دشمن اور آوارگی کا آشنا

کو کچن نقاش یک نشال شیوس تھا اسد  
سنگ سے سر مار کر ہو دے نہ پیدا آئنا

۱۔ بہب میں اس کو غیرت محبت کرتے ہوئے دیکھتا ہوں تو رشک کی وجہ سے مجھے افسوس ہوتا ہے لیکن تحمل کتنی ہے کہ یہ رشک و افسوس فاضل ہے بھلا وہ بے ہر کسی کا دوست بھی ہو سکتا ہے۔ جس طرح تیرے ساتھ اچھی نے بے وفائی کی ہے اسی طرح غیر کے ساتھ بھی کرے گا۔ اس کی یہ محبت و اخلاص ظاہری ہے کیونکہ قدرت نے محبت کا مادہ اس کی طبیعت میں دو لعلیت ہی نہیں رکھا۔

۲۔ مخانہ نیرنگ .. میں خانہ ظلم مراد انقلاب و گردش ایام۔ گردش آوارگی و چٹشک .. اشارہ چشم۔

جس طرح گردش و آوارگی جنوں چشم بلی کے اشاہوں کی پابند تھی بالکل اسی طرح دنیا کا ہر ذرہ ساغر بخانہ نیرنگ ہے اور نیرنگی عالم کا پابند محض اسی کو اس سے اختلاف ہے کہتے ہیں :- دنیا کا ذرہ ذرہ بوقلمونی اور گردش کے پھانے کا ایک ساغر ہے جو انسان کو بے خود و حیران بنا دیتا ہے جو گردش جنوں کے لئے گردش و تکلیف دہ ہے۔ وہی گردش بلی کی آنکھوں میں بجلی معلوم ہوتی ہے اور ان کو پیاری ہے۔

۳۔ عشق + سامان طراز .. سلمان میا کرنے والا + نازش .. فروناز + ارباب عجز .. عشاق + دانگاہ .. قابلیت، وسعت۔  
عشاق جن کا پیشہ عجز و انکساری ہے اور جو اپنی انکساری کی وجہ سے ذلت اور قہر .. ہمیشہ ہیں۔ عشق ہی ان کے لئے سرمایہ نازش و قہر یا ان کے لئے نازش کا سامان عشق ہی جیسا کرتا ہے۔ کیونکہ عشق ہی کی بدولت ذرہ میں صبر کی وسعت اور قہر میں دریا کی قابلیت پیدا ہو جاتی ہے۔

۴۔ شکوہ منج .. شاکی + حمد یگر .. ایک دوسرے کا۔

بدگمانی کی وجہ سے ہم دونوں کو ایک دوسرے کی شکایت نہیں کرنی چاہئے۔ اس میں بات ہی کوئی ہے۔ نانو میل ہدم و موش ہے۔ یعنی ادھر میں تیرے خیال میں ہر وقت سر بزا نور ہوتا ہوں اور ادھر تیرا رفیق و آشنا آئینہ ہے۔ یعنی تو ہمیشہ نانو پر آئینہ رکھ کر اپنے تئیں دیکھنے میں مصروف رہتا ہے۔ لہذا دونوں کی حالت ایک جیسی ہے۔ پھر شکایت کیسی؟ شعرا آئینہ کو زانو سے تشبیہ دیا کرتے ہیں۔

۵۔ میں ہوں اور میرے پہلو میں ایک وحشی دل ہے جو آفت کا پرکار ہے۔ یہ سلامتی (عافیت) کا دشمن اور آوارگی کا دوست ہے۔ اس لئے مجھ پر جو بھی آفت آئے وہ کم ہے، آفت کا ٹکڑا مماندہ ہے۔

۶۔ کوہکن .. فریاد + تمثال شہر میں .. شہر میں کی تصویر۔

اسے آسہ فریاد تو مجھن شہر میں کی تصویر بنانے والا سنگتراش تھا۔ گویا عاشق صادق نہ تھا اگر وہ عاشق صادق ہوتا تو یہ ناممکن تھا کہ چارے سے مرانا اور محبوب پیدا نہ ہو جاتا۔

و بخود و سبید کا خیال ہے کہ بھلا کیوں پتھر سے سر پھوٹنے سے معشوق پیدا ہوتے ہیں۔

۲۳

ذکر میں ہری دیش کا اور پھر بیان اپنا ۱ بن گیا رقیب آخر جو راہ داں اپنا سے وہ کیوں بہت پیتے بزم غیر میں باب ۲ آج ہی ہوا منظور ان کو امتحان دینا منظر اک بلند ی پر اور ہم بنا سکتے ۳ عرش سے ادھر ہوتا کاش کے مکمل اپنا ہے وہ جو قدر غنیمت منسی میں ثانیں گے ۴ باب ۲ آٹھ ان کا پاس ہوں اپنا در بدل کا صل کب تک کائن ان کو دکھلاؤں ۵ انگلیاں دکھا رہی خامہ غریب کاں دینا

گھٹتے گھٹتے مٹ جاتا آپ نے جٹ بلا ۶۔ تنگ سجدے سے میرے سنگ آتل اپنا  
 تاکرے نہ غمازی کر لیا ہے دشمن کو ۷۔ دوست کی شکایت میں ہم نے ہم زباں اپنا  
 ہم کہاں کے دانستے کس ہنر میں کیلئے  
 بے سبب ہوا غالب دشمن آسماں اپنا

۱۔ ایک تو اُس حرم مجسم کا ذکر اور اس پر میری رنگیں بیانی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ  
 ہمارا راز داں ہی ہمارا رقیب بن گیا (سب شارحین متفق)  
 آسمی: ہمارا راز داں ہمارا رقیب ہو گیا کہ ہمارے معشوق کا ذکر اپنی زبان سے  
 کرتا ہے یعنی ہم کو اتنا رشک ہے کہ اس کا ذکر اور اس کا نام کسی اور کی زبان سے  
 سُنانا نہیں چاہتے۔

۲۔ اس شعر میں افسوس اور شکایت کا اظہار ہے کہتے ہیں کہ محبوب نے  
 بزمِ غیر میں حد سے زیادہ شراب اس لئے پی ہے کہ اس کو یہ اندازہ لگانا مقصود  
 تھا کہ وہ کتنی شراب پی سکتا ہے۔ پھر بطور افسوس کہتے ہیں کہ یہ ہماری بد قسمتی  
 ہے کہ اس کو بزمِ غیر میں آج اپنی عالی ظرفی کا امتحان لینے کی سوجھی بطلب یہ ہے  
 کہ یہ امتحان بے نوشی بجائے بزمِ غیر کے میری مجلس میں ہوتا تو کیا لطف ہوتا۔  
 طباطبائی کہتے ہیں: پی گئے کے مقام پر مصنف نے پیتے باندھ لیا ہے جس  
 سے یہ معنی نکلتے ہیں کہ بھلا بزمِ غیر میں وہ کیوں بہت سی شراب پیتے یہ میری  
 بد قسمتی ہے کہ آج میرے گھر میں آئے تو بہت سی شراب پی گئے۔

۳۔ اس وقت ہمارا مکان عرش پر واقع ہے اور عرش سے زیادہ بلند کوئی او  
 مقام نہیں، اے کاش ہمارا مکان عرش سے نیچے ہوتا پھر ہم عرش کو اپنا منظر  
 بنا لیتے اور اس کی اچھی طرح سیر کرتے، مطلب یہ ہے کہ ہم اپنی حقیقتِ ہمت  
 سے بے خبر ہیں، یا ہوں سمجھئے کہ ہم اور آگے بڑھنا چاہتے تھے۔ لیکن عرش



ہر مکان ہونے سے یہ آرزو پوری نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ عرش عالم ہاں،  
کی آخری حد ہے۔

۴۔ حالی: یعنی خوب ہی ہوا کہ معشوق کے در کا پاساں ہمارا جان پہچان  
نکلا۔ اب ہمارے لئے اس بات کا موقع حاصل ہے کہ وہ جس قدر چاہے ہم کو  
ذلت دے۔ ہم اس کو ہنسی میں ڈالتے ہیں مگر اور یہ ظاہر کرتے رہیں گے کہ یہ  
ہمارا قدیم دشمن ہے اور ہمارا اس کا قدم سے ہی برتاؤ ہے۔

۵۔ میں اپنے درد دل کا حال کب تک لکھے جاؤں، داستانِ درد دل لکھتے  
لکھتے میری انگلیاں زخمی ہو گئی ہیں اور قلم سے خون ٹپکنے لگا ہے۔ اس لئے اب  
لکھا نہیں جاتا۔ لہذا مناسب ہے کہ میں خود ان کے پاس جاؤں اور انہیں اپنی  
حالت دکھاؤں۔ اس طرح سے وہ میری حالت کو سمجھ جائیں گے۔ یاد رہے  
عامہ غونچکانی اور مضمون غونچکاں انگلیوں کے نگار ہونے کے سبب  
سے ہے۔

۶۔ بحث: فنونِ سنگ، شرم۔

اس شرم کی وجہ سے کہ مجھ جیسے سنگ خلق نے آپ کو سنگِ آستان پر  
مجھ سے کئے ہیں۔ آپ نے اپنے سنگِ آستان کو فنونِ تبدیل کیا، کیونکہ  
وہ پتھر تو میرے سنگِ سجدہ سے گھٹتے گھٹتے خود بخود مٹ جاتا، مطلب یہ  
ہے کہ میں اس قدر سجدے کرتا کہ پتھر گھس جاتا۔ اس لئے اُسے تبدیل کرنے  
کی تکلیف آپ نے برداشت کی۔

۷۔ غمازی: چغلی، عین چینی۔

اس خیال کے ماتحت کہ رقیبِ بار کے سامنے جا کر میری یہ چغلی  
نکھلتے کر لیجئے وہ بھی آپ کی شکایت کر رہا تھا، میں نے یار کی شکایت

میں اسے لہنا، مزہ پانی کر لیا ہے۔ اس طریق کار سے مطلب یہ ہے کہ اب وہ یار کے سامنے میری غمازی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ ایسی صورت میں اس پر بھی برابر کا الزام عائد ہوتا ہے۔

۸۔ حالی: آسمان کی دشمنی کے کیا خوب اسباب بتائے ہیں اور اپنی دانائی اور ہنرمندی کس خوبصورتی سے ثابت کی ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ آسمان اس شخص کا دشمن ہوتا ہے جو دانا اور ہنرمند ہو پس چونکہ غالب نے آسمان کو اپنا دشمن بتلایا ہے۔ اس لئے ایک طریقے سے اپنے آپ کو دانا اور ہنرمند جتلاتا ہے۔

۲۴۴

سرمد منبت نظریوں مری قیمت یہ ہے ۱ کہ ربے چشم خریدار پہ احسان میرا  
خصت نالہ مجھے دے کہ مبادا ظالم ۲ تیرے چہرے سے ہو ظاہر غم پنہاں میرا  
۱۔ میں وہ سرمد ہوں جس کی کوئی قیمت نہیں اور اگر اس کی کچھ قیمت ہے تو  
محض یہ ہے کہ چشم خریدار پر میرا احسان رہے مطلب یہ ہے کہ میرے کلام کی  
کوئی قیمت نہیں اور باوجود اس بے قیمتی کے اس کا فیض عام ہے یعنی ہر شخص  
اس سے بصیرت حاصل کر سکتا ہے۔

۲۔ اے دوست مجھے عشق میں رونے کی اجازت دیدے۔ مجھے ڈہے کہ  
کہیں میرے غم پنہاں کا اثر تیرے چہرے پر نمایاں نہ ہو جائے یعنی میری پریشانی  
تیری پیشانی کا موجب ہو۔ مطلب یہ ہے کہ رونے سے میرے دل کی بجز اس نکل  
جائیکی پھر میری بے چینی کا اثر نیچر پر نہیں پڑے گا۔

۲۵

غافل بوجہم ناز خود آتا ہے در نہیاں ۱ بے شانہ صبا نہیں طرز گیاہ کا

بزم قہر سے عیشِ تنانہ رکھ کر رنگ ۲ صیدے زدام جست ہے اس دام گناہ کا  
 رحمت اگر قبول کرے کیا بعید ہے ۳ شرمندگی سے عذر نہ کرنا گناہ کا  
 مقتل کو کس نشاط سے جانا ہوں کہ ہے ۴ ہر گل خیالِ زخم سے دامن نگاہ کا  
 جاں در ہوا ہے یک نگہ گرم ہے اسد  
 پروانہ ہے وکیلِ تیرے دادخواہ کا

۱۔ غافل .. انسانِ غافل + خود آرا .. نازاں + شانہ .. تنگی طرہ گیا  
 .. گھاس + غافل انسان اپنی کاروائی پر نازاں ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ اس کا ہر  
 اچھا فعل اس کی عقل و تدبیر کا نتیجہ ہے۔ لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ دنیا میں ایک  
 طرہ گیاہ (گھاس کا تنکا) بھی ایسا نہیں ہے جس کو صیابناقی سنوارتی نہ ہو مطلب  
 یہ ہے۔ بغیر حکمِ الہی کے پتہ بھی نہیں ملتا اور جو کچھ ہوتا ہے وہ اسی کے حکم سے  
 ہوتا ہے۔ لیکن انسان غفلت کی بدولت اس کو اپنی حسن تدبیر کا نتیجہ خیال کرتا ہے  
 لطفِ الہی کو باوصیائے تشبید دیتی ہے۔

۲۔ بزم قہر .. بزمِ شراب + رنگ .. عیشِ عشرت + صیدے زدام  
 جست .. وہ شکار جو جال میں سے نکل بھاگا + دام گاہ .. شکار گاہ۔  
 بزم سے نوشی سے عیش و عشرت کی تنانہ رکھنی چاہئے کیونکہ عیش ایک  
 ایسا شکار ہے جو اس دام گاہ (محفلِ عیش) سے نکل کر بھاگا ہے اور بھاگنے کا  
 سبب یہ ہے کہ اس نے محفلِ شراب میں رہنا باعثِ تکلیف خیال کیا اور  
 بھاگنے کا سبب یہ ہے کہ عیش و عشرت کو ثبات نہیں۔ اس لئے اس کی تنانہ  
 نہیں رکھنی چاہئے۔

۳۔ کیا بعید ہے .. کیا تعجب ہے۔

میں اپنے گناہوں کی وجہ سے اس قدر شرمندہ ہوں کہ عذر گناہ کی

بھی جرات نہیں کر سکتا۔ کیا عجب ہے کہ رحمتِ کریم اس مشرمنگی کو عندگناہ کے عوض قبول کر لے اور میرے گناہ ماف کر دے۔ یعنی اس کی رحمت سے میری مشرمنگی ہی عندگناہ ہو جائے۔

۴۔ زخم کو گھل سے تشبیہ دی ہے کہتے ہیں۔ میں شوقِ شہادت میں مقتل کی طرف کس طرح خوش خوش چلا ہوں۔ میری نگاہ کا دامن گل ہائے زخم سے بھرا ہوا ہے۔ یعنی شوقِ شہادت میں میری نگاہوں کو زخم بھی پھول دکھائی دیتے ہیں۔

۵۔ ہوا .. خواہش + نگاہِ کریم .. محبت آمیز نظر پر پروانہ .. پتنگا + دادخواہ .. فریادی یعنی اسد۔

اسے محبوب اسد کی جان تیری ایک نگاہِ کریم کی آواز مند ہے اور تیرے اس فریادی (اسد) کا ذیل پروانہ بنا ہے۔ یعنی جس طرح پروانہ شمع کی ایک نگاہِ کریم سے جل کر خاکستر ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اسد بھی تیری نگاہِ کریم سے جل جلنے کا آواز مند ہے۔ پروانے کو ذیل اس لئے بنایا ہے کہ شمع کا عاشق ہے اور جل کر اپنی جان دے دیتا ہے۔

۲۶

جور سے باز آئے پر باز آئیں کیا ۱ کہتے ہیں ہم تجھ کو منہ دکھلائیں کیا  
رات دن گردش میں ہیں سات آسمان ۲ دور ہے گا کچھ نہ کچھ گھبراؤں کیا  
لاگ ہو تو اس کو ہم سمجھیں لگاؤ ۳ جب نہ ہو کچھ بھی تو دھوکا کھائیں کیا  
ہوئے کیوں نامہ بر کے ساتھ ساتھ ۴ یا رب اپنے خط کو ہم پہنچائیں کیا  
موجِ غل سر سے گند ہی کہوں جائے ۵ آستانِ یار سے اٹھ جائیں کیا  
عمر بھر دیکھا کیا مرنے کی راہ ۶ مر گئے پر دیکھئے دکھلائیں کیا

پوچھتے ہیں وہ کہ غالب کون ہے

۱۔ خیال یہ ہے کہ اگر معشوق چاہے کہ ظلم سے باز آجائے تو وہ باز نہیں آسکتا۔ معشوق کہتا ہے کہ اُس نے ظلم کرنا ترک کر دیا۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ وہ ظلم سے ہرگز باز نہیں آیا۔ پہلے اور ظلم تھے۔ اب یہ ظلم ہے کہ وہ مجھے اس مشرمت و نہ بھی نہیں دکھاتا کہ میں نے تجھ پر بہت ظلم کئے ہیں۔ ظاہر ہے عاشق کے لئے یہ بہت بڑا ظلم ہے کہ معشوق اسے اپنی شکل نہ دکھائے۔ اس سلوک سے ثابت ہے کہ ظلم باوجود توبہ کے وہ ظلم سے باز نہیں آیا۔

۲۔ رات دن ساتوں آسمان گردش میں ہیں اور ان کی گردش سے ہمیشہ انقلاب ہوتا رہتا ہے۔ جب خود بخود حالات بدلتے جلتے ہیں تو ہمیں گھبرانے کی کیا ضرورت ہے۔ اسی گردش آسمانی میں ہمارے حالات بھی تبدیل ہو جائیں گے۔ ہمیں فکر تردد کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، مرضی مولیٰ اذہمہ اولیٰ۔ مطلب یہ ہے کہ شاکر رہو جو بہتر ہو گا وہی ہو گا۔

۳۔ حالی : لاگ دشمنی اور لاگ و محبت، یہ مضمون عجب نہیں کہ کسی اور نے بھی باندھا ہو، مگر ہم نے آج تک نہیں دیکھا، اگر باندھا بھی ہو گا تو اس خوبی اور لطافت سے ہرگز نہ باندھا ہو گا۔ مطلب یہ ہے کہ معشوق کو نہ سما ساتھ دشمنی ہے اور نہ دوستی۔ اگر دشمنی بھی ہوتی تو اس لئے کہ اس میں بھی ایک نوع کا تعلق ہوتا ہے۔ ہم اس کو دوستی سمجھتے۔ لیکن جب نہ دوستی ہو اور نہ دشمنی تو پھر کس بات پر دھوکا کھائیں۔ قطع نظر خیال کی عمدگی اور نہایت کے لاگ اور لگاؤ ایسے دو لفظ ہم پہنچائے ہیں جن کا مانعہ و ممانعت متضاد اور یہ ایک عجیب اتفاق ہے جس نے خیال کی خوبی کو دو چند کر دیا۔

۴۔ ہم نے نامہ بر کو خط دیا کہ بار کو پہنچا دے لیکن پتہ نہیں ہمیں کیا

ہو گیا کہ ہم بھی اس کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ اپنی اس محبت پر دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اپنا ہی تو خط ہے۔ کیا ہم اسے خود ہی پہنچا دیں گے۔ یہ تو عجیب سی بات ہے۔ لطف بیان تعریف سے بالا ہے۔ رشک و جنون و محبت کا اظہار کیا ہے۔

۵۔ چلے ہمارے سر سے خون کا دریا کیوں نہ بہ جائے یعنی ہمیں قتل ہی کیوں نہ کر دیا جائے۔ ہم آستان یار پر سے ہرگز نہ اٹھیں گے۔ دوسرے مصرع میں کیا تحفہ کے لئے لائے ہیں یعنی کیا ہم مرے سے ڈر کر آستان یار سے اٹھ جائیں۔

۶۔ عالی: دکھلا میں کیا کامرج خدا کو ٹھہرایا ہے۔ کہتا ہے۔ عمر بھر قیامت کا انتظار کرتا رہا کہ مرجلے پر کچھ راحت مل جائے گی۔ اب تو مر گئے ہیں۔ دیکھئے خدا کیا دکھلاتے ہیں، خوشی ملے گی یا وہی رنج کا رنج۔ اسی کہتے ہیں۔ تمام عمر ہم نے مرنے کی راہ دیکھی۔ اب دیکھئے مرنے کے بعد ہم کیا رنگ دکھلاتے ہیں۔

۷۔ ہم نے اپنی تمام عمر تو ان کے عشق میں گنوا دی، تعجب ہے کہ ان کو ابھی تک یہ بھی معلوم نہ ہوا کہ غالب کون ہے اب کوئی نہیں یہ بتلائے کہ ان کے اس سوال کا ہم کیا جواب دیں۔ نعمت خان عالی ۵

زمر دم یار می پر صد کہ عالی کیست طالع بین  
کہ عمر دم محبت رفت و کار آخر رسید اینجا

۴۷

لطف بے کثافت جلوہ پیدا کر نہیں سکتی ۱ چمن رنگار ہے آئینہ باد بہاری کا  
حریف بخشش دیبا نہیں خود داری مائل ۲ جہاں ساتی ہو تو باطل ہے دعویٰ ہوشیاری کا

۱۔ لطافت .. نزہت - مجردات + کثافت .. مادیت -

قاعدہ ہے کہ لطافت بغیر کثافت کے جلوہ گر نہیں ہوتی۔ یعنی مجردات بغیر مادہ کی آمیزش کے ظاہر نہیں ہوتے۔ مثلاً باد بہاری لطافت ہے اس لئے اس کا جلوہ بھی چمن ہی کے ذریعے نمودار ہوا۔ کتا ہے چمن اپنی مہرزی کی وجہ سے آئینہ باد بہاری کا رنگار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ چمن کی کثافت (رنگار چمن) کے بغیر لطافت باد بہار جلوہ گر نہیں ہو سکی۔ مطلب یہ ہے لطافت و کثافت لازم و ملزوم ہیں۔

۲۔ حریف .. بمقابل + جوشش دریا .. طغیانی -

یعنی ساحل لاکھ اپنے تئیں بچائے مگر جب دریا طغیانی پر آتا ہے تو ساحل محفوظ نہیں رہ سکتا۔ اسی طرح جہاں تو ساقی ہوا، وہاں ہوشیاری کی دعویٰ نہیں۔ یہ شعر حقیقت و مجاز دونوں پر محمول ہو سکتا ہے۔ اپنے آپ کو ساحل اور ساقی کو جوشش دریا سے تشبیہ دی ہے۔

۲۸

عشرتِ قطر ہے دریا میں فنا ہو جانا ۱ درد کا حد سے گزرنا ہے دوا ہو جانا  
تجھ سے قسمت میں مری صورتِ قبلِ ابجد ۲ تھا لکھا بات کے بنت ہی جہا ہو جانا  
دل ہوا کششِ چارہ زحمت میں تمام ۳ مٹ گیا گھسنے میں اس عقدہ کا دوا ہو جانا  
اب جلتے بھی ہیں محروم ہم اللہ اللہ ۴ اس قدر دشمنِ ارباب و نسا ہو جانا  
ضعف سے گریہ میلِ بدم سر ہو ۵ باد آیا ہمیں پانی کا ہوا ہو جانا  
دل سے مٹا تری انگشتِ حنائی کا خیال ۶ ہو گیا گوشت سے ناخن کا جدا ہو جانا  
ہے مجھے ابر بہاری کا برس نہ کھلنا ۷ روتے روتے غمِ فرقت میں فنا ہو جانا  
گر نہیں نکستِ گلِ ذوقِ تماشہ غالب ۸ کیوں ہے گرد و جو بولان صبا ہو جانا

تاکہ تجھ پہ کھٹے اعجاز ہوائے مصقل ۹ دیکھ ہر سات میں سبز آئینہ کا ہو جانا  
 بخت سے جلوہ نکل ذوق تماشہ غالب ۱۰ چشم کو چاہئے ہر رنگ میں : اہو جانا  
 ۱۔ قطر جب دریا میں جا ملتا ہے بظاہر فنا ہو جاتا ہے۔ لیکن حقیقتاً اس  
 کی موت واقع نہیں ہوتی بلکہ وہ مبداء سے جا ملتا ہے اور یہی قطر کے لئے باعث  
 مسرت ہے۔ اسی طرح جب درد حد سے گزر جاتا ہے تو مریض کا خاتمہ کر دیتا  
 ہے۔ فنا ہو کر مریض کے سب دکھ دور ہو جاتے ہیں۔ اور وہ بھی اپنے مبداء <sup>حققتی</sup>  
 سے جا ملتا ہے گویا درد کا حد سے گزرنے ہی اس کے لئے دوا ہو جاتا ہے طلب  
 یہ ہے کہ فنا ہستی کا عین مقصود ہے۔

۲۔ قفل ابجد۔ ایک قسم کا قفل ہے جس پر بہت سے حروف کندہ  
 ہوتے ہیں قفل بنانے والا ایک لفظ مقرر کر دیتا ہے۔ جب ان حروف کی  
 ترتیب سے وہ لفظ ملتا ہے تو قفل فوراً کھل جاتا ہے۔  
 غالب نے اپنی قسمت کو اسی قسم کے قفل سے تشبیہ دی ہے۔ کتا ہے  
 کہ میری قسمت میں یہ لکھا تھا کہ جب قفل ابجد کی طرح بات بن جائے یعنی تجھ سے  
 ملاقات کی تدبیریں بن پڑیں تو مجھ سے تو فرما جدا ہو جائے۔  
 ۳۔ چارۂ زحمت .. تکلیف کو دور کرنے کی تدبیر۔ تمام ہوا .. فنا ہوا +  
 عقدہ .. گرہ۔ دل کو عقدہ سے تشبیہ دی ہے۔

میرادل حاجی کی کشمکش اور علاج کوششوں ہی میں تلم ہو گیا۔ گویا میرادل  
 ایک عقدہ (گرہ) تھا۔ جو کھولنے کی کوشش میں گھس گھس کر رہ گیا۔ اور اس کا  
 کھولنا ناممکن ہو گیا۔ جب گہ کھولنے کی زیادہ کوشش کی جائے تو وہ اور بھی  
 سخت ہو جاتی ہے اور اکثر اوقات زگرہ باقی رہتی ہے نہ دوا، بس یہی کیفیت  
 عاشق کے عقدہ دل کی کشائش کی کشمکش میں ہوتی ہے۔



۴۔ اربابِ وفا.. عشاق + اللہ اللہ.. کلمہ تعجب۔

اللہ اللہ آپ کو اپنے عاشقوں سے کس قدر نفرت ہوئی ہے کہ اب آپ ان پر جفا کرنی بھی گوارا نہیں کرتے۔ پہلے مصرعے سے وہ مفہوم پیدا ہوتے ہیں (۱)، پہلے جفا کرتا تھا لیکن اس نے جب دیکھا کہ اس کی جفائیں بھی ہمیں عزیز ہیں تو جفا بھی ترک کر دی (۲) ایک وہ زمانہ تھا کہ ہم پر جتلیا تھا صرف کی جاتی تھیں اور اب یہ حال ہے کہ ہم جفا سے بھی محروم ہیں۔

۵۔ باور آیا.. یقین آیا + پانی کا ہوا ہو جانا.. اس عمل کو مسئلہ استحالہ عناصر کہتے ہیں۔

اب تک ہم مسئلہ استحالہ عناصر کے قائل نہ تھے گویا یہ نہ ملتے تھے کہ پانی بھی ہوا بن جاتا ہے۔ یعنی ایک عنصر دوسرے عنصر میں تبدیل ہو جاتا ہے مگر اب یہ مسئلہ ہماری سمجھ میں آگیا۔ کیونکہ ہم نے اس کو عملی طور پر دیکھ لیا۔ وہ اس طرح سے کہ جب ہم میں طاقت تھی تو ہم گریہ کیا کرتے تھے۔ لیکن اب ضعف اس قدر بڑھ گیا ہے کہ گریہ نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس کے بدلے اب ہم سرد آہیں بھرتے ہیں یعنی پانی (گریہ) ہوا (آہ) کی صورت اختیار کر لی ہے۔

۶۔ میرے دل میں سے تیری انگشت خانی کا خیال مٹا اتنا ہی مشکل ہے جتنا کہ گوشت سے ناخن کا جدا ہو جانا دشوار ہے مثل مشہور ہے گوشت سے ناخن کبھی جدا نہیں ہوتا۔

۷۔ حالی: یعنی علمِ فرقت میں روتے روتے تمام ہو جانا میرے نزدیک ایک ایسی محوِیات ہے جیسے ابرو بہاری کا برس کر گھلنا یا یہ بالکل تڑالی تشبیہ ہے حسرت، افسوس اور طباطبائی روتے روتے فنا ہو جانے کو باعثِ غیاب کہتے ہیں اور سعید دو نوں مطالب لکھتے ہیں۔

۸۔ نگہت گل .. پھولوں کی خوشبو + گردِ روہِ جولانِ صبا .. صبا کے راستے کی گرد ..

اگر نگہت گل کو تیرے کوپے میں جانے کی آرزو نہیں تو پھر وہ کیوں صبا کے راستے کی گرد بننا پسند کرتی ہے۔ یعنی کیا سبب ہے کہ وہ باو صبا میں مشاغل ہو جاتی ہے۔ نگہت گل کے صبا میں بس جانے سے صاف ظاہر ہے کہ وہ اس کے ساتھ ساتھ ترے کوپے میں جانے کی آرزو رکھتی ہے۔

۹۔ اعجاز .. کرشمہ + ہوا .. آرزو + صیقل .. چلا + چمکا + آئینہ .. مراد فولادی آئینہ جو برسات میں رنگ آلود یعنی سبز ہو جاتا ہے۔

سعیدہ آئینہ فولادی کا سبز (رنگ آلود) ہو جانا ایک کرشمہ ہے جن کی تاویل شاعریوں کرتا ہے۔ ”یہ اس لئے ہے کہ آئینہ کو عیقل پذیر ہونے کی آرزو ہوتی ہے۔“ شاعر کہتا ہے کہ اس کرشمہ آرزو کو دیکھنا کہ آئینہ فولاد کی ہمیشہ بدل جاتی ہے۔

طباطبائی: برسات میں آئینہ فولادی پر رنگ آ جاتا ہے۔ وہ گویا سبز ہے جسے ہوائے صیقل نے پیدا کیا ہے۔ ہوا یعنی خواہش و شوق ہے۔ حاصل یہ ہے کہ شوق وہ چیز ہے کہ فولاد پر بھی اثر کرتا ہے۔

آسی: اگر تو چاہے کہ ہوا یعنی خواہش اور عشق کے اعجاز کو دیکھے تو برسات میں آئینہ فولادی کو دیکھ اس پر رنگ لگ جاتا ہے۔ یہ رنگ محض جذبِ عشق صیقل کی وجہ سے ہے کہ رنگ لگے گا تو صیقل ضرور کی جائے گی۔ اس میں آئینہ کو مشوق و عاشق دونوں کہہ سکتے ہیں۔

حضرت: آج کل اعجاز ہوا یاں تک بڑھا ہوا ہے کہ ہوا (یعنی خواہش) میں بھی دہی تاثیر اور اعجاز پیدا ہو گیا ہے جو اصلی ہوا میں ہوتا ہے [میرے

نزدیک یہ مفہوم سب سے بہتر ہے [   
 بیخود: آئینہ فلاوی پر برسات کی ہوس سے رنگ آجاتا ہے۔ مثال کے   
 کے طور پر فرماتے ہیں کہ صرف بارغ اور صحرا ہی میں ہوا کا اثر ظاہر نہیں ہوتا بلکہ   
 آئینہ فلاذنگ اس سے متاثر ہوتا ہے۔

۱۰۔ جلوۂ گل .. سیرِ گل + ذوق تماشا .. اشتیاق دید + وا ہوجانا   
 .. کھل جانا۔

سیرِ گل (مطالعہ قدرت) سے مذاق دید پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے انسان   
 کی آنکھ کو ہر کیفیت سے لطف اندوز ہونا چاہئے تاکہ شوق مطالعہ کی تربیت   
 ہو سکے۔ مطلب یہ ہے۔ انسان کو چاہئے کہ بارغ جہاں میں ہر رنگ کا لطف   
 اٹھائے تاکہ صانعِ حق تعالیٰ کو پہچان سکے

## ب

۲۹

پھر ہوا وقت کہ ہوا دکشا موجِ شراب ۱ نے بطے کو دل دستِ فنا موجِ شراب   
 پوچھت مت وجہ یہ سستی اور باسب چمن ۲ سایہ تاکہ میں ہوتی ہے ہوا موجِ شراب   
 جو ہوا غرقہ مے بخت سیاہ رکھتا ہے ۳ سے گزرتے یہ بھی ہے بال ہا موجِ شراب   
 ہے یہ برسات وہ موسم کہ عجب کیل ہے اگر ۴ موجِ ہستی کو کرے فیض ہوا موجِ شراب   
 چار موجِ اُٹھتی ہیں طوفانِ غرب سے ہر سو ۵ موجِ گل موجِ شفق موجِ صبا موجِ شراب   
 جس قدر موجِ بناتی ہے جگر کشندہ ناز ۶ سے ہے تسکین بدم آب بقا موجِ شراب   
 بسکہ دھڑے ہے رگ تاکہ میں نوں ہو ہو کر ۷ شہرِ رنگ سے ہے بال کشا موجِ شراب

موج نگل سے چرغل ہے گندگاؤ خیال ۸ ہے قصید میں زبیں جلوہ نما موج شراب  
 نشہ کے ہمدے میں ہے عورتا شائے دماغ ۹ بسکہ رکھتی ہے سر نشوونما موج شراب  
 ایک عالم پر ہیں طوفانی کیفیت فصل ۱۰ موج مبصرہ فوج سے تا موج شراب  
 شرح ہنگامہ مستی ہے زہے موج نگل ۱۱ زمیر قطرہ بدیل ہے خوشاموج شراب  
 ہوشاڑتے ہیں سرے جلوہ نگل دیکھ اسد  
 پھر ہوا وقت کہ ہو بال کشا ہی شراب

۱۔ بال کشا جو .. پر کھولے پردہ از کرے + وقت .. موسم بہار + بطامے  
 .. شراب کی صراحی - بچ کی شکل کی صراحی - ایران کا قلعہ ہے کہ انکورنگ ہرم  
 کے حوضوں میں بھرہ بیتے ہیں، جب آفتاب کی گرمی سے ان کا عرق ٹھنکا شروع ہوتا  
 تو اس وقت انہیں پانی سے روندتے ہیں - اس کے بعد مٹی کی بند صراحیوں ان  
 حوضوں میں ڈال دیئے ہیں - بعد اسی صراحی کو کھتے ہیں - مسامات کے ذریعہ عرق  
 چھن چھن کر صراحیوں میں بھر جاتا ہے + دل و دست تاشا .. تیرنے کی قوت  
 اور حوصلہ -

پھر وہ وقت - یعنی موسم بہار آگیا کہ امواج شراب میں طلاطم پیدا ہو اور  
 موج شراب بطامے (صریحی سے) کو شناوری کی قوت اور حوصلہ سے - یعنی  
 شراب کی صراحی گردش میں آئے، مطلب یہ ہے کہ برسات کا موسم آگیا ہے -  
 اب ساغر مینا گردش میں آنا اور شراب نوشی کا دور شروع ہونا چاہئے  
 (تعبیر - حسرت - طباطباتی)

(کسی) پھر وقت آیا کہ بطامے یعنی صراحی سے جو شکل بطامتی ہے بردار  
 کرے اور بطامے جو شناوری سے کہ دست رکھتا ہے - تیرنے کے لئے شراب  
 کا دریائے موج عنایت کرے -

۲۔ سیبہ مستی... بدستی + ارباب چمن .. درخت، پودے وغیرہ + تاک .. انگور +

چمن کے درختوں اور پودوں کی بدستی کی وجہ نہ پوچھو۔ جب ہوا انگور کی پہلو کے سائے میں سے گزرتی ہے تو اس میں موج شراب کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ پھر اس کے اثر سے ارباب چمن سیبہ مست ہو کر جھومنے لگتے ہیں۔

۳۔ غرقہ مے .. شراب میں ڈوبا ہوا۔ مدہوش + بخت رسا .. خوش قسمت + بال ہما .. ہما کا پر مشور ہے۔ ہما جس کے سر پر سے گزر جائے بادشاہ ہو جاتا ہے۔

کہتے ہیں جو شخص سراب کے دریا میں ڈوب گیا۔ سمجھ لو کہ بہت ہی خوش نصیب ہے کیونکہ اگر مروج شراب سرے سے بھی گزر جائے اگر شراب بالکل ہی مدہوش کر دے تو پھر بھی وہ بہانے کے مایہ کا اثر رکھتی ہے (آسی۔ طباطبائی)

حضرت لکھتے ہیں ”بھی اسے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر شراب کا استعمال بمقدار ہو تو اس کا کیا کہنا۔ لیکن اس کا نشہ حد سے گزر جائے تب بھی وہ بال ہما سے مشابہ ہے۔ معیہ و تجدد ہم خیال ہیں۔ طباطبائی نے دوسرے معنی یہ لکھے ہیں کہ اگر ہم مے کشی کے پیچھے تباہ ہو جائیں جب بھی موج شراب بال ہما سے کم نہیں ہے۔

۴۔ مروج ہستی .. ہستی گردان + فیض ہوا .. تاثیر آب و ہوا۔  
برسات کا موسم وہ موسم ہے کہ اس کی تاثیر سے ہر طرف زندگی کے آثار پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس لئے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ فیض ہوا سے مروج ہستی موج شراب بن جائے۔ حقیقتاً موسم بہار میں قوت غریب ایک قسم کا جوش پیدا ہو جاتا ہے پس اس کی تاثیر سے ہر شے کا متکلیف ہونا بالکل ممکن ہے۔ شاعر اسی تاثیر سے مروج ہستی کو موج شراب میں تبدیل کرنے کا آرزو مند ہے۔

۵۔ چار موج .. چار قسم کی موجیں جن کا ذکر مصرع ثانی میں ہے ، طوفان طرب .. جوش مسرت + موج گل .. یعنی بکثرت پھول + موج شفق .. یعنی آسمان پر شفق کی سرخیاں اُٹنا + موج صبا .. ہوا کے جھونکے + موج شراب .. شراب کا دور یا شراب کی ہنگام اور لپٹیں ۔

جوش انبساط سے ہر طرف چاروں جہتوں میں .. یعنی موج گل ، موج شفق ، اور موج دریا اور موج شراب ، مطلب یہ ہے جوش مسرت ہر طرف پھوٹا پڑتا ہے ۔ تختہ زمین پر رنگ برنگ کے پھول کھلے ہیں ۔ آسمان پر شفق کی سرخیاں اُڑ رہی ہیں ۔ فضا میں صبا اٹھکیلیاں کرتی پھرتی ہے اور باروں میں شراب کا دور چل رہا ہے ۔ جس کی ملک موجوں کی طرح اٹھ رہی ہے ۔

چار موج .. بمعنی گرداب .. دوسرے مصرعے میں پانی کی موجوں کا ذکر بھی موجود ہے ۔ جو مفہوم ادا کیا گیا ہے ۔ اس پر تمام شارحین متفق ۔

۶۔ روح نباتی .. قوت نامیہ + جگر تشنہ .. تشنہ جگر ، شائق + ناز .. لہلہانا ۔ اٹھکیلیاں کرنا + دم .. گھونٹ + آبِ بقا .. آبِ حیات + جس قدر قوت نامیہ ناز و انداز کی شائق ہے یعنی جس قدر سبز و لہلہانا اور اٹھکیلیاں کرنا پسند کرتا ہے ۔ اسی قدر موج شراب آبِ حیات کے دے دے کر اس کو تسکین اور قوت بخشتی ہے ۔ (اسی ، سعید ، حسرت)

طبا طبائی :- بخود ؛ ہم میں شراب سے جو اُنگ اور جوش پیدا ہوتا ہے وہ قوت نامیہ کی حرکت ہے ۔ یعنی شراب قوت نامیہ کے حق میں وہ کام کرتی ہے جو کام کہ بارش نباتات کے حق میں کرتی ہے اور ناز سے یہاں ایندنا مقصود ہے جو کہ لازم فخر و ناز سے اور نشو و نما کے خواص سے ہے ۔

۷۔ رگ تاک .. انکور کی پیل کی رگیں + شہیزہ .. وہ پر جس کی مد سے

ہندے اڑتے ہیں + رنگ .. پتوں کی رنگینی + بال کشا .. پرکھولنا +  
 موج شراب انگور کی پیل میں خون بن کر دوڑ رہی ہے۔ یعنی پتوں وغیرہ  
 میں رنگ بن کر ظاہر ہوتی ہے گویا اس کا دوڑنا پرواز ہے اور اس کی رنگینی پر  
 پرواز کی رنگینی۔ مطلب یہ ہے کہ یہ موج شراب ہی ہے جو ان صورتوں میں  
 ظاہر ہوتی ہے۔

۸۔ موج گل .. موج گل، کثرت گل + زلیں .. بہت زیادہ۔

موج شراب کو موج گل اور جھوم گل کو چراغاں سے مشابہ کیا ہے۔ چونکہ  
 میرے تصورات میں موج شراب بہت ہی زیادہ جلوہ نما ہے اور شراب اپنی  
 رنگینی کے لحاظ سے موج گل سے مشابہت رکھتی ہے اور موج گل چراغاں سے  
 مشابہ ہے۔ اس لئے موج شراب کی بدولت میرے گزرگاہ خیال میں چرنا  
 کی سی بہار پیدا ہوئی ہے۔

۹۔ نشو و نما .. یعنی نشو و نمائے دماغ + سر .. خیال۔ خواہش۔ سر  
 دماغ کی رعایت سے لائے ہیں۔

موج شراب کو دماغ کی نشو و نما کا بہت ہی زیادہ خیال ہے۔ اس لئے  
 وہ نشہ کے پردے (صورت) میں دماغ کی نشو و نما کا معائنہ کر رہی ہے (سجید  
 حسرت، طباطبائی)

بیخود: جس طرح خیال ترقی کرتے کرتے بہت بڑھ جاتا ہے (اسی طرح  
 شراب کا نشہ دماغ میں پہنچ کر بڑھتا رہتا ہے۔

۱۰۔ طوفانی .. جوش و خروش کا اظہار کرنے والے یعنی موج سبز، نوخیز  
 سے لے کر موج شراب تک + فصل .. موسم بہار۔ موج سبز، نوخیز سے  
 لے کر موج شراب تک سب نے تمام عالم میں ایک طوفان اٹھا رکھا ہے۔ یعنی

فصل بہار نے بچہ سبزہ و گل پیدا کئے ہیں، شراب کے دور چل رہے ہیں  
گویا سب مستی کے عالم میں ہیں۔

۱۱۔ شرح .. مفصل بیان۔

موسم گل بھی کیا عجیب چیز ہے۔ لطف یہ ہے موسم گل ہنگامہ ہستی  
کی شرح ہے۔ یعنی بہار کے لطف بھی چند روزہ ہیں۔ اور ہستی بھی چند  
ہے۔ پھر کہتے ہیں موج شراب بھی کیا چیز ہے کہ قطرہ کو دریا سے ملا دیتی  
ہے۔ یعنی انسان کو یہوش کر کے اس کی روح کو مبداء حقیقی سے ملتی کر دیتی ہے  
یہ خود موسم گل کا جوش بتا رہا ہے کہ ہنگامہ ہستی کی گرم بازاری خاص  
میرے ہی دم سے دنیا میں قائم ہے اگر باریں ہنگامہ ہستی کی شرح ہوں اور اسی  
طرح موج شراب دھوئے کر رہی ہے کہ میں قطرہ کو دریا تک پہنچانے میں  
خضر راہ کا حکم رکھتی ہوں۔ یعنی جس طرح قطرہ فنا ہو کر دریا میں جا ملتا ہے  
اسی طرح نشہ شراب روح کو بے خودی کے عالم میں اس کے مرجع تک  
پہنچا دیتا ہے۔

۱۲۔ اے اسد جلوہ گل کو دیکھ کر میرے ہوش اڑے جلتے ہیں۔  
معلوم ہوتا ہے کہ پھر وہ وقت آگیا کہ موج شراب حرکت میں آئے یعنی شراب نشی  
کا دور چلے ممکن ہے ”دیکھ“ امر کا صیغہ ہو، بال اور اڑنے میں مناسبت لفظی ہے

ت

۵۰

افسوس کہ دیدار کا کیا رزق خاک نے ا جن لوگوں کی حتی در خور عقیدہ گہرا انگشت



کافی ہے نشانی تمہے چھلے کا نہ دینا ۲۔ خالی مجھے بھلا کے بوقت سفر انگشت  
 لکھتا ہوں اسد سوزش دل سے جھن گرم ۳۔ تاکہ نہ سکے کوئی مرے حرفِ انگشت  
 ۱۔ دیداں .. جمع ابھج دود کی یعنی کیرے + عقد گہر .. موتیوں کی لڑی +  
 درخور .. قابل لائق۔

افسوس کا مقام ہے۔ جن لوگوں کی انگلیاں سلک گوہر کے قابل تھیں۔  
 آسمان نے آج انہیں کپڑوں کا لائق بنا دیا۔ یعنی آج مرنے کے بعد انہیں  
 کیرے کھا رہے ہیں و طباطبائی، آستی، سہا،

حسرت، سعید: دیدان کی جگہ ”دندان“ متن قرار دیتے ہیں اور  
 فرماتے ہیں، جن لوگوں کی انگلیاں سلک گوہر کے قابل تھیں افسوس کہ فکاک  
 نے انہیں دندان کا لائق بنا دیا۔ یعنی وہ لوگ حسرت سے انگلیاں کاٹ رہے  
 ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ صاحبِ کمال مغسی اور حسرت کی زندگی بسر کرتے ہیں  
 اور نا اہل چین اور آرام کی۔

۲۔ نشانی کا چھلہ دینا مشہور بات ہے، کہتے ہیں تو جب مجھ سے جدا  
 ہو کر سفر میں جا رہا تھا تو تو نے مجھے نشانی کا چھلہ نہ دیا بلکہ بوقت سفر خالی  
 انگلی دکھا دی کہ دیکھو کئے میرے پاس چھلہ نہیں ہے۔ درت میں تجھے چھلہ  
 ضرور دینا۔ اے میرے دوست میرے لئے تیری یہی نشانی کافی ہے کہ  
 کہ تو نے مجھے خالی انگلی دکھا دی۔ خالی انگلی دکھانے سے دو باتیں پیدا ہوتی  
 ہیں اول یہ کہ اُس نے مجھے شوخی سے انگوٹھا دکھا دیا۔ جس کا مطلب یہ ہے  
 کہ چھلہ کوئی نہیں بلتا، مرے گرد۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ میں یہی بات یاد  
 رکھوں گا کہ تو نے مجھے نشانی نہ دی۔

۳۔ سخن گرم .. کلام پر تاثیر، عمدہ کلام + انگشت رکھنا .. حرف رکھنا،

عیب نکالنا۔

مطلب یہ ہے، میں ایسے عمدہ اشعار لکھتا ہوں کہ کوئی شخص میرے کلام میں عیب نہیں نکال سکتا۔ رعایت لفظی سے شعر بلند ہو گیا ہے۔ لفظی مفہوم یہ ہے کہ میرا کلام سوزش دل کے اثر سے اس قدر گرم ہوتا ہے کہ کوئی اس پر انگلی تک نہیں رکھ سکتا۔

### ۵۱

رہاگر کوئی تا قیامت سلامت ۱ پھر اک روز مرتے حضرت سلامت  
جگر کو مرے عشق خونہ نہ مشرب ۲ نکلے ہے خداوند نعمت سلامت  
علی الزعم دشمن شہید وفا ہوں ۳ مبارک مبارک سلامت سلامت  
نہیں گر سرو برگ اور اک مینے  
تماشا ئے نیرنگ صورت سلامت

۱۔ اگر کوئی روز قیامت تک زندہ رہے تو پھر کیا۔ آخر ایک دن تو مرنا ہی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ موت سے بچنا ناممکن ہے۔ اگر کوئی قیامت تک بھی جئے تو پھر بھی اُسے مرنا پڑے گا۔ مشہور ہے کہ قیامت کے دن پہلے سب مر جائیں گے اور پھر زندہ ہونگے۔ بخود کہتے ہیں کہ قیامت کے دن مرنے میں یہ لطف پیدا ہو گیا ہے کہ روز قیامت دوبارہ زندہ ہونے کا دن ہے۔ اس دن کسی شخص کا مرنا لطف سے خالی نہیں۔

۲۔ خوننا بہ مشرب .. خاص خون پینے کا عادی۔  
عشق کا مشرب خون پینا ہے۔ اُس نے میرے خون جگر سے پردہ شش پائی ہے۔ اس احسان کی وجہ سے عشق میرے جگر کو ”خداوند نعمت سلامت“ لکھتا ہے۔ ظاہر ہے یہ القاب ولی نعمت کو ہی لکھا جاتا ہے۔

۳۔ علی الرضیؑ، برخلاف، مقابلے میں + مبارک سلامت ..  
 کلمات مبارک باد -

رقیب (دشمن) شہید و فانی نہیں۔ بلکہ اس کے مقابلے میں میں شہید و فانی ہوں اور محبت میں شہید و فانی ہونا بہت بڑا امتیاز ہے۔ اس امتیاز پر اپنے تئیں مبارک مبارک سلامت سلامت کہہ کر مبارک باد دیتے ہیں۔ اس تبریک اور امتیاز کی وجہ یہ ہے کہ شہید ہونا باعثِ زندگی جاوید ہے۔

۴۔ سرو برگ .. سلمان، قوت + ادراک معنی .. دریافت معنی۔  
 معنی سمجھنا معنی .. حقیقت + صورت .. معنی کی ضد، اجسام ظاہری۔  
 اگر ہم میں رازِ حقیقت دریافت کرنے کی قوت نہیں تو نہ سہی اجسام ظاہری کا مطالعہ ہی ہمارے لئے کافی ہے۔ کیونکہ مجازِ حقیقت کا زینہ ہے۔

۵۲

مُند گشیں کھولتے ہی کھولتے آنکھیں غالب  
 یار لائے مرے بالیں پہ اُسے کس وقت

۱۔ مُند گشیں، بند ہو گئیں، موت آگئی، پر .. مگر + بالیں پہ ..  
 سرانے -

میرے دوست میرے محبوب کو میری بالیں پر کس وقت لائے میں کہیں  
 اُسے ہودی طرح دیکھ بھی نہ سکا۔ میں نے انہیں دیکھنے کے لئے آنکھیں  
 کھولنے کی کوشش کی، لیکن اسی کوشش میں میری آنکھیں ہمیشہ کے لئے بند  
 ہو گئیں۔ مطلب یہ ہے کہ یاروں نے احسان کیا لیکن بے وقت -

۵۳

خطے ہوئے سرد و جوارِ اردو دست ۱ دردمیں کشتہ تھا شاید خطِ خوارِ دست

۱۔ دلِ ناعاقبت اندیش نہی شوق کر ۲۔ کون لا سکتا ہے تابِ جلوہ دیدارِ دوست  
خانہ ویراں سازی حیرت تماشا کیجئے ۳۔ صورتِ نقشِ قدم ہوں رقتہ رقتہ رقا پر دوست  
عشق میں بیدارِ شکابِ غیر نے مارا مجھے ۴۔ کشتہ دشمن ہوں آخر گر چہ تھا بیمارِ دوست  
چشمِ بارش کہ اُس بیدار کا دلشاد ہے ۵۔ دیدہ پُر خوں ہمارا ساغر سرشارِ دوست  
غیر یوں کرتا ہے میری پرش اُس کے ہیں ۶۔ بے تکلف دوست ہو جیسے کوئی غمخوارِ دوست  
تا کہ میں جانوں کہ ہے اس کی رسانیِ دانا ۷۔ مجھ کو دیتا ہے پیامِ وعدہ دیدارِ دوست  
جبکہ میں کرتا ہوں اپنا شکوہِ مصنفِ دماغ ۸۔ سر کر کے ہے وہ حدیثِ رافِ حیرتِ دوست  
چپکے چپکے مجھ کو روئے دیکھ پاتا ہے اگر ۹۔ ہنس کے کہتا ہے بیانِ شوقی گفتارِ دوست  
ہر بانی ہائے دشمن کی شکایت کیجئے ۱۰۔ یا بیاں کیجے سپاسِ لذتِ آزادِ دوست  
یہ غزل اپنی مجھے جی سے پسند آئی ہے آپ

ہے ردیفِ شعر میں غالب نہیں لکھا

۱۔ آدھ خط .. سبزہ آغاز .. بازارِ سرود ہوا .. خریدار کم ہو گئے + دودھ شکر کشتہ  
.. بھیجی ہوئی شمع کا دھواں، علامتِ تیار کی، خطِ یار کی برائی ہے۔

خط کے آنے سے محبوب کے حسن کا بازارِ سرود ہو گیا۔ گویا خطِ زخارِ دوست  
.. بھیجی ہوئی شمع کا دھواں تھا جس کے اُٹھنے ہی اجتہادِ عشاق منتشر ہو گیا۔

۲۔ اے دلِ ناعاقبت اندیش تو اپنے شوقِ دیدار کو ضبط کر، بھلا جلوہ دیدارِ دوست  
کی کوئی تاب لا سکتا ہے، ممکن ہے مصرعہ ثانی میں واقعہ طور کی طرف  
اشارہ ہو کہ موسیقی بھی دیدارِ بار کی تاب نہ لا سکتے تھے۔

۳۔ خانہ ویراں سازی .. گھر کا دیران کرنا اور اجاڑنا + تماشا کیجئے ..  
دیکھئے + رقتہ .. رقتہ، دلدرد شیدا۔

ذرا ملاحظہ فرمائیے حیرت نے میر گھر کس طرح اُجاڑا ہے کہ میں نقشِ قدم

کی رفتار دوست پرشیدا ہوا۔ نقش قدم کی خصوصیت یہ ہے کہ قدم کا نشان زمین پر پڑ جاتا ہے اور وہ چشمِ حسرت کی طرح کھلا رہتا ہے۔ یہ نشان بہت قلیل مدت میں مٹ جاتا ہے۔ غالب انہیں خصوصیات سے استفادہ کیا ہے اور اپنے تئیں بہ اعتبار حیرانی، پامالی، خانہ بربادی اور ناپائنداری نقش قدم سے تشبیہ دی ہے۔

۴۔ میں اگرچہ دوست کا بیمار (عاشق) تھا اور اسی کے عشق کی بیماری میں مجھ کو مرنا چاہئے تھا۔ لیکن انہوں نے میری موت اس طرح سے واقع نہیں ہوئی۔ بلکہ میں رشکِ دشمن کی بیداد سے مرا۔ انہوں نے بھی اس بات کا ہے کہ میں کشتہ بیداد دوست نہ ہو سکا۔ کشتہ بیداد رشکِ دشمن ہوا۔ سقید نے بیدادِ رشک کی مزید تشریح یہ کی ہے کہ مجھ کو اندراہِ رشک یہ گوارا نہ ہو سکا کہ تو دشمن پر ظلم کرے اور مجھ کو اس لطف سے محروم رکھے۔ اس لئے اس رشک سے میں مر گیا۔

۵۔ مصرعہ ثانی میں ”ہے“ محذوف ہے اور یہ اچھا معلوم نہیں ہوتا۔ دیدہ پُر خون کی رعایت سے ”چشمِ مار و دشمن“ اور ”چشمِ مار و دشمن“ کے لحاظ سے ”دلشاد“ لائے ہیں۔ ”چشمِ مار و دشمن“ دلِ ماشاد“ خوشی کے موقع پر بولتے ہیں۔ ساغرِ سرشار.. ساغرِ لبریز۔

اگر اس بیداد کا دل ہماری خوفناکی سے خوش ہے تو ہم بھی خوش ہیں۔ یہ کیا کم ہے کہ ہمارا دیدہ پُر خون دوست کے لئے ساغرِ لبریز ہے۔  
۶۔ یہ قطعہ ہے۔ اس میں دشمن کے برتاؤ کی تصویر کھینچی ہے۔ پریش.. بیمار پُرسی۔ عیادت۔

اس کے ہجر میں رقیب میری اس طرح عیادت کرتا ہے جیسے کوئی بہت بے تکلف دوست کسی دلی دوست کی۔ بیمار پُرسی کیا کرتا ہے۔

۷۔ اور اس پرسش کا اصل مطلب یہ ہے کہ وہ مجھ پر ظاہر کرے کہ اس کی رسانی یا رتک ہے۔ اس لئے مجھے وہ دوست کے وعدہ دہرا اور کا پیغام دیتا ہے۔ گویا وہ دوست بن کر میرے دل کو جلاتا اور آتش لاش کو بھرا کا تا ہے۔

۸۔ سر کرے ہے .. شروع کرتا ہے + حدیث .. بات - اس کی اس قسم کی گفتگو سن کر میں کہتا ہوں۔ ضعف دماغ سے مجھ کو باتیں کرنے کا یارا نہیں۔ لہذا اپنا سلسلہ کلام مختصر کرو۔ یہ سن کر وہ دوست کی زلفِ عنبریں کی گفتگو شروع کر دیتا ہے۔ اگرچہ ضعف دماغ میں خوشبو اچھی نہیں معلوم ہوتی۔ لیکن زلفِ یار کی خوشبو بھلا کیسے بُری معلوم ہو سکتی ہے۔ اس لئے میں اس کو روک بھی نہیں سکتا، اس کی گفتگو جاری رہتی ہے مطلب یہ ہے رقیب کے سامنے دماغ کا عذر بھی نہیں چلتا اور وہ کسی طرح میرا پیچھا نہیں چھوڑتا۔

۹۔ جب رقیب مجھے چمکے چمکے روتا ہوا دیکھتا ہے تو وہ مجھے خوش کرنے کے لئے یار کی شوخی گفتار کا ذکر ہنس ہنس کر شروع کر دیتا ہے (لیکن میرا حال یہ ہے کہ میں رشک سے مرا جاتا ہوں اور دل ہی دل میں کہتا ہوں)

۱۰۔ ایسی حالت میں میں رقیب کی ان مہربانیوں کی شکایت کروں جو وہ میرا دل جلانے کی غرض سے میرے حال پر صرف کرتا ہے یا آزار دوست کی لذت کا شکریہ ادا کروں کہ وہ ان کا اس قدر محرم راز ہو گیا ہے۔ مہربانی طنز استعمال کیا ہے اور شکریہ اس لئے کہ عاشقوں کی آزار رسانی بھی مرغوب ہوتی ہے۔

۱۱۔ مجھے اپنی یہ غول جی سے پسند ہے کیونکہ اس کے ہر شعر کی ردیف میں بار بار ”دوست“ کا لفظ آیا ہے اور دوست مجھے بہت ہی پیارا ہے۔

## ج

۵۲

گلشن میں بندوبست برنگِ دگر ہے آج ۱۔ قمری کا طوق حلقہ بیرونِ در ہے آج  
آتا ہے ایک پارہٴ دل ہر فغاں کے ساتھ ۲۔ تارِ نفس کندِ شکار اثر ہے آج  
اے عافیت کنارہ کر کے انتظامِ حل ۳۔ سیلابِ گریہ در پئے دیوار و در ہے آج  
۱۔ برنگِ دگر .. بطریقِ دیگر + حلقہ بیرونِ در .. یعنی بیرونِ در کی  
زنجیر کا حلقہ مراد وہ شخص جس کو اندر آنے کی اجازت نہ ہو۔

آج باغ میں نئی طرز کا انتظام ہے۔ قمری باغ کا پرندہ ہے۔ لیکن آج اس  
اس کو بھی باغ کے اندر آنے کی اجازت نہیں گویا نئے انتظام کے ماتحت قمری  
کے گلے کا طوق حلقہ بیرونِ در بن گیا ہے (آسمی، سعید، طباطبائی)  
بیخود : حلقہ بیرونِ در سے دواڑہ کی محراب مراد ہے۔ گلشن میں بہار  
آگئی ہے اس لئے دوسرا انتظام کیا گیا ہے۔ حلقہ بیرونِ در یعنی محرابِ در قمری  
کا طوق بن گئی ہے۔ آج جو شخص جہن کی سیر کو آئے گا، قمری کی طرح  
گرفتارِ جہن ہو جائے گا۔

حسرت : ہمارا محبوب سیرِ جہن کو آنے والا ہے۔ اس لئے کسی کو باغ میں  
داخل ہونے کی اجازت نہیں، گلوئے قمری کا طوق حلقہ بیرونِ در بنا ہوا ہے۔

۲۔ آج میری آہ کے ساتھ ایک دل کا ٹکڑا باہر آجاتا ہے۔ خلیلؔ آج ہمارے تارِ نفس (آہ) نے اثر کو شکار کر لیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آج ہماری آہ میں تاثیر پیدا ہوئی ہے (سوائے حسرت تمام متفق)

حسرت: تارِ نفس کی کند نے اثر کو شکار کر لیا ہے۔ یعنی آج ہماری آہ میں اثر پیدا ہوا ہے۔ لیکن اس اثر کا نتیجہ الٹا ہے کہ ہر فقاں کے ساتھ ایک یا دو باہر آتا ہے، یعنی اثر آہ سے دل ٹکڑے ہوا جاتا ہے۔ اثر آہ کے اس گئے نتیجے کے ذکر سے اپنی بدبختی کا اظہار منظور ہے۔

۳۔ کٹارہ کر۔۔ علیحدہ ہو جا + چل۔۔ خست ہو + عافیت۔۔ آرام + راحت + سیلابِ گریہ۔۔ طوفانِ اشک۔

اے آرام و راحت اور اے انتظام اب میرے مکان سے خست ہو جاؤ کیونکہ آج میرے گریہ کا طوفان در و دیوار گرنے کے درپے ہے، مبادا تمہیں بھی نقصان پہنچے۔

## ۵۵

لو ہم مریضِ عشق کے تیمار دار ہیں ۱ اچھا اگر نہ ہو تو مسیحا کا کیا علاج  
۱۔ مسیحا.. معشوق کا کیا علاج.. محاورہ ہے بمعنی سزا۔

دعویٰ یہ ہے کہ مریضِ عشق کسی طرح اچھا نہ ہوگا کہتے ہیں چلو ہم مریضِ عشق کی تیمارداری کرتے ہیں۔ لیکن پہلے یہ بتلا دو کہ اگر ہماری اس تیمارداری اور دیکھ بھال کے باوجود مریضِ عشق اچھا نہ ہوا تو پھر مسیحا کی کیا سزا ہے۔ الفاظ سے ظاہر ہے کہ مسیحا کو یہ شکایت ہے کہ بیمار کی تیمارداری صحیح طریقہ سے نہیں ہوتی۔ اس لئے علاج کامیاب نہیں ہوتا اور تیمار دار ادھر یہ سمجھے ہوئے ہے کہ مریضِ عشق کبھی اچھا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے وہ تیمارداری کا حصہ لیتا ہے اور



ساتھ ہی یہ شرط بھی لگاتا ہے کہ اگر باوجود تیمارداری کے مریض اچھا نہ ہوا تو سیکا کا کیا علاج۔

## ج

۵۵

نفس نہ انجمن آرزو سے باہر کھینچ ۱ اگر شراب نہیں انتظار ساغر کھینچ  
کیا گرمی مسعی تلاش دید نہ پوچھ ۲ بزننگ خار مرے آئینہ سے جہر کھینچ  
تجھے بہانہ راحت ہے انتظارے دل ۳ کیا ہے کس نے اشارہ کہ تار ستر کھینچ  
تری طرف ہے حسرت نظارہ رنگس ۴ بکوری دل چشم رقب ساغر کھینچ  
بر نیم غمزہ ادا کر حق و دیوبند ناز ۵ نیام پردہ زخم جگر سے نچھر کھینچ

مرے قدح میں ہے صبل آتش بننا

بروئے سفر کباب دل سمندر کھینچ

۱۔ مصرعہ اول .. ترک آرزو نہ کر، انتظار کھینچنا .. انتظار کرنا۔

اگر شراب نہیں ہے تو ساغر ہی کا انتظار کر۔ کیونکہ بزم آرزو سے کسی حالت میں بھی سانس باہر نہ لینا چاہئے۔ مطلب یہ ہے کہ ترک آرزو کسی حالت میں بھی درست نہیں۔ دینا بہ امید قائم۔

۲۔ گرمی مسعی تلاش دید .. دیدار یار کی جستجو کی دوڑ دوپ، بزننگ

.. مانند آئینہ .. حسرت دیدار۔

دیدار یار کی جستجو میں میں نے بہت زیادہ دوڑ دوپ کی۔ اس دوڑ دوپ میں میں نے حد سے زیادہ کوششیں صرف کیں اور تکیوں میں اٹھائیں۔ کہتا ہے

ان سرگرمیوں کی کیفیت مجھ سے نہ پوچھو۔ میرے آئینہ حسرت دیدار میں سے جوہر آئینہ کو خاکی طرح نکال کر دیکھ لو۔ تم کو خود ہی معلوم ہو جائیگا کہ یہ گرمی مسمی تلاش دید میں لگے ہیں۔ مطلب یہ ہے۔ حسرت دیدار نے حیران بنایا۔ آئینہ حیران ہوتا ہے اور اس میں جوہر ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس آئینہ میں بجائے جوہر کے کانٹے لگے ہیں۔

نہ خود، میرے آئینہ کمال کی گرمی و مسمی کا حال مجھ سے نہ پوچھو۔ اصل نظر کی تلاش و جستجو میں اتنی تکلیفیں اٹھانی ہیں کہ اب میرے آئینہ کمال کا جوہر میری آنکھوں میں کانٹے کی طرح تنک رہا ہے۔ قدردان کمال کے نشیے سے مایوس ہو کر یہ چاہتا ہوں کہ کوئی شخص ایسا مجھ کو مل جائے جو جوہر کمال کو میرے آئینہ کمال سے کانٹے کی طرح کھینچ لے (سجید)

۳۔ اے دل بستر پر پڑے پڑے انتظار یار کرنا۔ آرام کرنے کا بہانہ ہے۔ یہ انتظار نہیں ہے۔ ذرا یہ تو بتائیے۔ کس نے اشارتاً کہا ہے کہ تو بستر کے ناز اٹھا۔ بستر کے ناز اٹھانا تو راحت طلبی کی علامت ہے۔ اس لئے اٹھا، راحت کو ترک کر۔ ناز بستر سے مختلف مفہوم پیدا ہوتے ہیں۔ مثلاً صحرانوردی کر، جستجوئے معشوق کر، یا اس انتظار کی ابتدا اٹھانے سے مرجانا بہتر ہے۔ (طبا طبائی۔ آئی۔ سجید)

حسرت: اے دل تیری راحت کے لئے میں خواب اور ناز کشی کی بجائے انتظار یار کافی ہے۔

۴۔ اے محبوب تیری طرف زنگں بڑی حسرت بھری نگاہوں سے دیکھ رہی ہے کہ تو کیوں شراب نہیں پیتا۔ تو اس شرم سے شراب نہیں پیتا کہ وہ تجھے دیکھ رہی ہے۔ لے میں تجھے بتاتا ہوں کہ چشم رقیب اور دل رقیب یعنی

چشم و دل نرگس اندھے ہیں۔ اس لئے توبے تکلف شراب پی اور کھاس سے نہ شراب۔ نرگس کو رقیب اس لئے کہا ہے کہ وہ یار کی طرف بحسرت دیکھ رہی ہے چونکہ چشم نرگس دیکھ نہیں سکتی اس لئے اسے گور چشم اور گور دل لکھا، نیز نرگس کو ساغر سے بھی مشابہت ہے (اسی طباطبائی، بیخود)

حسرت: اگر نرگس تیری طرف بڑی حسرت سے دیکھ رہی ہے تو تجھ کو چاہئے کہ باغ میں اس طرح بے تکلف شراب نوشی میں مشغول نہ ہو۔

سعیہ: نرگس جو تیری طرف بڑی حسرت سے دیکھ رہی ہے اس لئے تو میرے اس رقیب کی گوری دل و چشم کی خواہش میں جام شراب پی تا کہ وہ اندھی ہو جائے اور تجھے نظر نہ لگے۔

۵۔ ودیعت .. امانت + نیام .. میان۔ لفظی صنعت یہ ہے کہ اگر ”نیام“ کا الف نکال دیا جائے تو ”نیم“ باقی رہ جاتا ہے۔

میں نے تیرے ناز کے خجر کو پردہ زخم جگر کی نیام میں امانت رکھا۔ اب تو میری اس امانتداری کا حق نیم غمزہ سے ادا کر۔ مطلب یہ ہے کہ میں نے مدتوں تیرے خجر ناز کو اپنے جگر میں بطور امانت رکھا تو اس خجر کو میرے جگر سے نکال لے اور مجھے حق امانتداری ادا کر دے۔ حق امانت میں نیم نکال کر دے کرتے ہیں (حسرت۔ اسی)

طباطبائی: ناز و ادا تجھ میں خدا کی ودیعت ہے۔ اس کا حق ادا کرنے کے لئے ادا کر اور اس طرح خجر ادا کو کھینچ کہ معلوم ہو، پردہ جگر عاشق سے کھینچ لیا رہا ہے یعنی ادا تیغ بے نیام ہے۔ اگر اس کے لئے کوئی نیام ہے تو زخم جگر عاشق ہے۔ طباطبائی کا خیال ہے کہ معنی کا خون ہو گیا ہے۔

سعیہ: (شرح ناشی از رسالہ اردو) تو نے جو خجر جگر میں بھونک دیا ہے۔

اب ناز کا حق ادا کر اور اسے باہر اس طرح کھینچ لے کہ زخم زیادہ کشادہ اور نخی کا خاتمہ رسانی سے ہو جائے۔ خنجر جو ٹکنا۔ غمزہ کابل کی نشان نخی اور اب اس طرح کھینچنا یا پردہ زخم سے نکال لینا نیم غمزہ ہے کہ ناز کا حق ادا کرنے میں جو کسر تھی وہ پوری ہو جائے۔

• بخود: ادا و ناز جو تجھ کو اللہ تعالیٰ نے بخشے ہیں۔ وہ گویا اس کی امانت ہے اس امانت کا حق نیم غمزہ سے ادا کر اگر غمزہ پورا ہو جائیگا تو فوراً عاشق کی جان نکل جائیگی۔ اس لئے تجھ کو لازم ہے کہ نیم غمزہ سے کام لے اور اس کی مثال ایسی ہے کہ اگر زخم جگر میں دار کرنے کے بعد خنجر چھوڑ دیا جائیگا تو بس فوراً جان بچ ہو جائے گا اور اگر دار کرنے کے بعد خنجر زخم میں سے کھینچ لیا جائے گا۔ تو مجروح کے مرنے میں ضرور دیر لگے گی اور شاید جانبر بھی ہو جائے۔ اس لئے نیم غمزے سے کام لینا بہتر ہے۔

۶۔ قدر .. پیادہ مراد دل .. صہبا .. شراب .. آتش پنہاں ..  
آتش عشق .. سفرہ .. دسترخوان .. سمندر .. ایک جانور جو آگ میں پیدا ہوتا ہے + کھینچ .. یعنی چن دے۔

میرے پیلے میں آتش پنہاں ہے۔ اس لئے میرے دسترخوان پر سمندر کے دل کے کباب ہونے چاہئیں۔ مطلب یہ ہے جب شراب آتش پنہاں کی ہے تو اس کے ساتھ کباب بھی سمندر کے دل کے چاہئیں جو آتش گیر ہے۔ نیز دل بھی باطنی شے ہے اور آتش پنہاں بھی۔

۵۷

حسن غمزے کی کشائش سے چٹا میر کہ ۱ بارے آرام سے ہیں اہل جناب میرے بعد

منصب شیفنگی کے کوئی بھی قابل نہ رہا ۲ ہوئی معزولی انداز داد امیرے بعد  
 شمع بجھتی ہے توں میں سے دھواں اٹھتا ہے ۳ شعلہ عشق سیہ پوش ہوا میرے بعد  
 خوں ہے دل فلک میں احوال بتاں پر لینے ۴ اُن کے ناخن ہوتے محتاج خایہ بعد  
 درخورِ غرض نہیں جو ہر بیداد کو جسا ۵ نگہ ناز ہے شہرے سے خایہ بعد  
 ہے جنوں اہل جنوں کے لئے آغوشِ وداع ۶ چاک ہوتا ہے گریباں سے جُدا میرے بعد  
 کون ہوتا ہے خریف میرے موزاکنِ عشق ۷ ہے مکر لب ساقی پہ صلا میرے بعد  
 آئے ہے بیکسی عشق پہ رونا غالب

رکس کے گھر جاٹے گا سیلابِ بلا میرے بعد

۱۔ غمزہ .. چشم و ابرو سے اشارہ کرنا + اہل جفا .. معشوق -  
 جب تک میں زندہ رہا - حُسنِ غمزے کی کشش میں مبتلا رہا - کیونکہ غمزہ ہر وقت  
 حُسن کو اکسااتا تھا کہ عاشق پر دوار کوئے میرے مرنے کے بعد یہ کشش ختم ہو گئی اور  
 معشوق آرام سے ہو گئے مطلب یہ ہے حُسن و غمزہ کی جفا کا بیاں میری زندگی تک  
 تھیں کیونکہ میں ہی اُن کے ناز و انداز اُٹھاتا تھا - اب نہ کوئی مجھ جیسا عاشق صادق  
 ہوگا اور نہ ان کے ظلم و ستم اُٹھائیگا -

۲۔ منصب شیفنگی .. عمدہ عاشق + معزولی .. تعطل -

میرے مرنے کے بعد ایسا کوئی شخص موجود نہیں جو عمدہ عاشق کے قابل  
 ہو۔ اس لئے معشوق کے انداز و ناز بھی تعطل ہو گئے۔ منصب اور معزولی مناسب  
 الفاظ ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جب منصب عاشق نہیں رہا تو انداز و داد جو اس کے  
 لوازمات میں سے ہیں - خود بخود معزول ہو گئے۔ آتشِ مرحوم کا شعر اس سے  
 ہمت بلند ہے ۔

ہو گیا سلسلہِ حرد و محبت برہم نازنین بھول گئے ناز و داد امیرے بعد

۳۔ قاعدہ ہے جب شمع کو بجھاتے ہیں تو اس میں سے دھواں اُٹھتا ہے۔ حقیقتاً وہ دھواں نہیں ہوتا بلکہ وہ شمع کے سوگ میں شعلہ شمع سبب پوش ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جب میرے مرنے سے شعلہ عشق بجھا تو وہ بھی میرے سوگ میں سبب پوش ہو گیا۔ خلاصہً شرعیہ ہے کہ میرے مرنے سے عشق کا خاتمہ ہو گیا اور یہی وجہ اس کے سبب پوش ہونے کی ہوئی۔ سبب لباس سے سوگ کا اظہار ہوتا ہے۔

۴۔ خاک .. قبر + خون ہے دل .. دل غمگین ہے۔

میرا دل قبر میں بھی معشوقوں کے حال پر غمگین ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ میرے مرنے سے اُن کے ناخنِ ہندی کے محتاج ہو گئے ہیں۔ کیونکہ میرنگ میں زندہ تھا تو وہ میرے خوں سے اپنے ہاتھ رنگیں کر لیا کرتے تھے لیکن اب ان کو آرائش کے لئے ہندی لگانی پڑتی ہے (اکسی - بیخود - سعید)

حسرت، طباطبائی: مجھے احوالِ بتاں پر افسوس آتا ہے کہ میرے بعد میرے سوگ میں اُنہوں نے ہندی لگانا چھوڑ دی۔

۵۔ درِ خودِ عرض .. اظہار کے قابل + جوہر .. عرض کی رعایت سے لئے

ہیں + جا .. جگہ۔

میرے مرنے کے بعد جوہر بیداد کو اب کوئی مناسب جگہ اپنے تئیں ظاہر کرنے کے لئے نہیں ملتی یعنی کوئی ایسا شخص نظر نہیں آتا جس پر بیداد کی جلکے۔ اسی لئے اُنہوں نے آنکھوں میں سرمہ لگانا چھوڑ دیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میں ہی اُن کی سُرگیں آنکھوں کے ظلم اُٹھانے والا تھا۔ ممکن ہے اس لئے اُنہوں نے میرے سوگ میں سرمہ لگانا چھوڑ دیا ہو۔

۶۔ آغوش و ذراع .. رخصت ہوتے وقت ہفگیہ رہنا چاہتا ہے گریبان۔

گریباں پھٹتا ہے۔

میرے مرنے کے بعد جنون ہمیشہ کے لئے شخصیت ہونے کو اہل جنوں کے ساتھ آخری مرتبہ ہم آغوش ہو رہا ہے گویا چاک گریباں سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو رہا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دنیا میں رہیم جنوں میرے بعد باقی نہ رہیں گی اور اب کوئی شخص اپنا گریبان چاک نہ کرے گا۔ چاک کا گریبان سے جدا ہونا خوب ہے۔

۷۔ حالی : اس شعر کے ظاہری معنی یہ ہیں کہ جب سے میں مر گیا ہوں مئے مرد انگن عشق کا ساقی یعنی معشوق بار بار صلا دیتا ہے۔ یعنی لوگوں کو شراب عشق کی طرف بلاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میرے بعد شراب عشق کا کوئی خریدار نہیں رہا۔ اس لئے اس کو بار بار صلا دینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ مگر زیادہ غور کیے کے بعد جیسا کہ مرنا خود بیان کرتے تھے۔ اس میں ایک نہایت لطیف معنی پیدا ہوتے ہیں اور وہ یہ ہیں کہ پہلا مصرعہ بھی ساقی کے صلا کے الفاظ ہیں اور اس مصرعہ کو وہ مکر پر ٹھہ رہا ہے۔ ایک دفعہ بلانے کے لہجے میں پڑھتا ہے کون ہوتا ہے حریف مئے مرد انگن عشق ؟ یعنی کوئی ہے جو مئے مرد انگن عشق کا حریف ہو۔ پھر جب اس آواز پر کوئی نہیں آتا تو اس مصرعہ کو بابوسی کے لہجے میں مکر پر پڑھتا ہے کون ہوتا ہے حریف مئے مرد انگن عشق ! یعنی کوئی نہیں ہوتا۔ اس میں لہجہ اور طرز آواز کو بہت دخل ہے کسی کو بلانے کا لہجہ اور سے اور باؤس کا سے چپکے چپکے کہنے کا اور انداز ہے جب اس طرح مصرعہ مذکور کی تکرار کر دے تو قویا یہی معنی ذہن نشین ہو جائیں گے۔

۸۔ تعزیت ۱۰۰ ماتم پریمی۔

میں اس غم سے مرا جانا ہوں کہ میرے مرنے کے بعد دنیا میں کوئی ایسا شخص

بھی نظر نہیں آتا جو مرد وفا کی تعزیت کرنے کا اہل ہو۔ مطلب یہ ہے کہ مرد وفا کا خاتمہ میرے ساتھ ہو جائیگا اور کوئی ان کا رونے والا نہ ہوگا۔ قاعدہ ہے مردے پر رونے کے لئے بہت لوگ جمع ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہاں حالت یہ ہے کہ کوئی تعزیت کا بھی اہل نظر نہیں آتا۔ اس لئے مرد وفا کا مجسمہ اسی غم میں مرا جاتا ہے (بہخود۔ سقید۔ طباطبائی)

طباطبائی، آہستی: میں اس غم سے مرا جاتا ہوں کہ میرے بعد مرد وفا کو میرا پر سا بھی دینے والا کوئی نہیں ہے۔

۹۔ سیلاب بلا ۰۰ یعنی عشق -

غالب مجھ کو عشق کی بے کسی اور تنہائی پر رونا آتا ہے۔ جب میں مراؤں گا تو یہ عشق کس کے گھر جائیگا۔ یعنی کوئی ایسا عاشق نہیں جو میرے بعد عشق کی میزبانی کرے اور اس کی مصیبتیں برداشت کرے۔



۵۸

بلا سے ہیں جو یہ پیش نظر درد دیوار ۱ نگاہ شوق کو ہیں بال و پر درد دیوار  
 و فدا شکر نے کاشلنے کا کیا یہ رنگ ۲ کہ ہو گئے مرے دیوار و دردا درد دیوار  
 نہیں ہے سایہ کہ سن کر فوید مقدم یار ۳ گئے ہیں چند قدم پیشتر، درد دیوار  
 ہوئی ہے اس قدر اتانی سئے جلوہ ۴ کہ مست ہے ترے کوچ میں ہر درد دیوار  
 جو ہے تجھے سر سودائے انتظار تو آ ۵ کہ ہیں دکان متابع نظر درد دیوار  
 ہجوم گریہ کا سامان کب کیا میں نے ۶ کہ گر پرے نہ مرے پاؤں پر درد دیوار



دہ آ رہا مرے ہمسائے میں تو سائے سے ۷ ہوئے قدار درو دیوار پر، درو دیوار  
نظر میں کھٹکے ہے بن تیرے گھر کی آبادی ۸ ہمیشہ روتے ہیں ہم دیکھ کر درو دیوار  
نر پوچھ یہ بخدی میٹھیں مقدم سیلاب ۹ کہ ناچتے ہیں پڑے سرسبز درو دیوار  
نکہہ کسی سے کہ غالب نہیں لٹانے میں

حریف رازِ محبت مگر درو دیوار

۱۔ یہ درو دیوار جو ہماری نگاہ شوق کو تجھ تک پہنچنے سے روکتے ہیں  
ہمیں ان کی کوئی پروا نہیں۔ کیونکہ روکنا تو دکھنا یہ تو الٹا ہماری نگاہ شوق  
کو بال و پر کا کام دیتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ روکاؤٹ اور روک تھام سے  
جذبہ عشق میں اور بھی زیادہ ترقی ہوتی ہے، اس لئے درو دیوار نگاہ شوق  
کے لئے بال و پر ہیں۔

۲۔ وفور .. کثرت + کاشانہ .. جھونپڑی + رنگ .. حالت۔  
کثرت گریہ نے میرے مکان کا یہ حال کر دیا ہے کہ دیوار کو توڑ کر اس  
میں در بنا دیا اور دروازہ کے آگے دیوار گر کر ملیہ کا ڈھیر لگ گیا۔ گویا وہ  
دیوار بن گیا۔ مطلب یہ ہے کہ سیلاب گریہ سے مکان تو بالابو گیا۔ جہاں  
دیوار تھی وہاں دروازہ بن گیا اور جہاں دروازہ تھا وہاں دیوار بن گئی۔

۳۔ زید مقام .. تشریف آوری کی خوشخبری۔  
فرماتے ہیں یہ درو دیوار کا سایہ نہیں ہے بلکہ بار کے آنے کی خوشخبری  
سُن کر درو دیوار مہمان کے استقبال کے لئے چند قدم آگے بڑھ گئے ہیں۔

۴۔ ارزانی .. سستا پن + مے جلوہ .. شراب ویدار۔  
تو نے شراب ویدار کو کس قدر ارزاں کر دیا ہے کہ تیرے کو بچے کے  
درو دیوار تک اس شراب سے مست ہو رہے ہیں، شاید یار کی بے جانی

کا اتم کیا ہے۔

۵۔ سر۔ خیال + سودائے انتظار .. متاع و جنس انتظار

کی خریداری۔

اگر تجھے جنس انتظار کی خریداری منظور ہے تو آ اور دیکھ کہ عشاق نے اپنی نگاہیں درو دیوار پر اس طرح جمائی ہیں کہ درو دیوار متاع نظر کی دکان بن گئی ہیں۔

۶۔ جب کبھی میں نے ہجوم گریہ کا سامان کیا، یعنی دل کھول کر رونے کا بندوبست کیا تو فوراً درو دیوار میرے قدموں پر گر پڑے۔ مطلب یہ ہے کہ میرے رونے کے ارادے میں اس قدر اثر ہے کہ رونے سے پہلے درو دیوار میرے پڑتے ہیں۔ ظاہری مفہوم یہ ہے کہ درو دیوار نے میری منت و مساجت کی لوہے قدموں پر سر رکھ دیا کہ رونا نہیں۔ ورنہ ہم تباہ ہو جائیں گے۔ بہر کیف یہ جو دونوں کا ایک ہے۔

۷۔ جب وہ میرے ہمسائے میں آکر رہا تو میرے درو دیوار کا سایہ اس کے درو دیوار کے سایہ پر فدا ہو گیا۔ چونکہ ایک دیوار کا سایہ دوسری دیوار کے سایہ سے اکرل جاتا ہے، اس لئے یہ لطیف خیال پیدا ہو گیا۔

۸۔ جب کوئی چیز آنکھوں میں کھٹکتی ہے تو آنکھوں میں پانی بہنے لگتا ہے۔ کہتے ہیں تیرے بغیر میرے گھر کی آبادی میری آنکھوں میں کھٹکتی ہے (بڑی معلوم ہوتی ہے) اس لئے ہم ہمیشہ اپنے گھر کے درو دیوار کو دیکھ کر روتے ہیں۔

۹۔ سیلاب کے آنے کی خوشی میں میرے درو دیوار جس قدر بے خود و وارفتہ

ہیں وہ مجھ سے نہ پوچھ۔ بلکہ یوں سمجھ لے کہ درو دیوار کو حال آ جاتا ہے اور

وہ سر بسر ناچتے پھرتے ہیں (استی)

بیخود، سقید، طباطبائی، سیلاب آنے کی خوشی میں میں ایسا بیخود ہو جاتا ہوں کہ درود دیوار کے گرنے کو نقص سمجھتا ہوں۔

۱۰۔ غالب تو اپنا راز محبت کسی سے نہ کہہ کیونکہ دنیا میں راز محبت کوئی نہیں چھپا سکتا اور اگر تو راز محبت اپنے تک محدود نہیں رکھ سکتا تو صرف درود دیوار سے کہہ کیونکہ وہ سن سکتے ہیں۔ لیکن کسی سے کہہ نہیں سکتے۔ ظاہر ہے درود دیوار سے باتیں کرنا پاگل پن کی علامت ہے۔ اس لئے حاصل یہ نکلا کہ راز محبت مُنہ سے نہ نکالا جائے۔

## ۵۹

گھر جب بنا لیا ترے در پر کے بغیر ۱ جلنے کا اب بھی تو نہ مرا گھر کے بغیر  
کہتے ہیں جب رہی نہ بے طاقت سخن ۲ جانوں کسی کے دل کی میں کیونکر کے بغیر  
کام اس سے آپٹے کہ جس کا جہان ۳ لیوے نہ کوئی نام ستم گر کے بغیر  
جی میں ہی کچھ نہیں ہے ہمارے دگر نہ ہم ۴ سر چائے بار ہے نہ رہیں پر کچھ بغیر  
چھوڑو نگاہیں نہ اس بُت کا فر کا بوجہ ۵ چھوڑے نہ خلق کو مجھے کافر کے بغیر  
مقصود ہے ناز و غمزہ فلی گفتگوں کام ۶ چلتا نہیں ہے دشمن و فتنہ کے بغیر  
ہر چند ہو مشاہدہ حق کی گفتگو ۷ بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کے بغیر  
ہزاروں میں تو چاہئے دونا ہوا التفات ۸ سُنتا نہیں ہوں بات کمر کے بغیر  
غالب نہ کر حضور میں تو بار بار عرض

ظاہر ہے تیرا حال سب ان پر کچھ بغیر

۱۔ جب ابھی میں آپ سے اپنے گھر آنے کے لئے کہا کرتا تھا تو آپ کہہ دیتے تھے۔ ہم تیرا گھر جی نہیں جانتے کیونکہ آئیں۔ لیجئے میں نے آپ سے بغیر اجازت

حاصل کئے آپ کے دروازہ پر ہی اپنا گھر بنا لیا ہے۔ فرمائیے اب بھی آپ میرے گھر کو بغیر بتائے نہ جائینگے۔

۲۔ جب تک مجھ میں حال دل بیان کرنے کی قوت تھی، اُس وقت تو کبھی میرا حال پوچھا نہیں، لیکن اب جبکہ مجھ میں بات کرنے کی بھی طاقت نہیں رہی، تو کتنے ہیں کہ میں کسی کے دل کی بات بغیر کئے کیسے جان سکتا ہوں۔ تم بات کرو تو نہ مارا کہ دل کی بات میں پوری کروں۔ بہت ظریفی دکھائی ہے۔

۳۔ نقد پر کی بات ہے، میرا معاملہ اس شخص سے پر ہے جس کا نام کوئی شخص بغیر شکر کے نہیں لیتا۔ یعنی تاسر دُنیا اُسے شکر کرتی ہے۔ ظاہر ہے ایسے ظالم سے کیسے امیدیں ممدی ہوں گی۔

۴۔ ہم جو خاموش ہیں اس کا سبب یہ نہیں ہے کہ ہم کسی سے ڈرتے ہیں بلکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ ہمارے دل ہی میں کوئی بات نہیں۔ اگر ہمارے دل میں کوئی بات ہوتی تو ہم کبھی خاموش نہ رہتے۔ سر جاتا یا رہتا۔ ہم ایسے صاف باطنی ہیں کہ اپنے دل کی بات کئے بغیر کبھی باز نہ آتے۔

ممکن ہے یہ کہنا چاہتے ہوں کہ میں تو صرف معشوق سے محبت ہے اور کوئی آئندہ نہیں۔ ورنہ ہم اپنا مدعا کتنے اور ضرور دیتے۔

۵۔ میں اُس بہت کافر کی پرستش اور عشق ہرگز ترک نہ کروں گا، چاہے خلق خدا مجھے کافر ہی کہیں نہ کہے، ہر شخص خدا کے سوا کسی اور کو پوجتا ہے اسی کو کافر کہتا ہے۔ الفاظ نہایت مناسب ہیں۔

۶۔ ہمارا مقصد اصل غمزدہ و ناز ہے۔ مگر کیا کیا جائے۔ گفتگوئے شاعرانہ میں غمزدہ و ناز کو دشمن و خیر کے بغیر کام نہیں چلتا۔ مطلب یہ ہے کہ شاعری میں تشبیہ اور استعارے کام لے بغیر لطف سخن پیدا نہیں ہوتا۔ گویا ہم ضرورتِ شعری

سے مجبور ہیں۔

۷۔ ہر چند مشاہدہ حق کی گفتگو ہو۔ مگر شاعری میں باد و سانغر کے الفاظ منہ لالنے پڑتے ہیں۔

۸۔ دونا .. دُگنا + التفات .. توجہ۔ نظر عنایت۔

میں بہا ہوں اس لئے آپ کو مجھ پر دو گنی مہربانی اور توجہ کرنی چاہئے کیونکہ جب تک کوئی بات با آواز بلند اور کمرہ کی نہ ملے میں سن ہی نہیں سکتا۔ آپ نادان کیوں ہوتے ہیں۔ یہ بات تو ایسی ہے کہ اس کی وجہ سے مجھ پر دو گنی مہربانی ہونی چاہئے۔

۹۔ غالب تو اپنا حال یاد بار عرض نہ کر، تیرے کے بغیر ہی اُن کو تیری پوری کیفیت معلوم ہے۔ اپنا حال کس خوبی اور صفائی سے بیان کرتے ہیں۔ مگر سب کچھ عرض کرنے کے بعد بھی یہی ظاہر کرتے ہیں کہ کچھ نہیں کہا۔ یہ معنوی خوبی ہے۔

۴۰

کیوں جل گیا نہ تاب رخ یار دیکھ کر ۱  
آتش پرست کہتے ہیں اہل جہاں مجھے ۲  
کیا آہروئے عشق جہاں عام ہو جھٹا ۳  
آتا ہے میرے قتل کو پُر جوش رشک کے ۴  
ثابت ہوا ہے گردنِ مینا پہ خونِ خلق ۵  
داحسرتا کہ یار نے کھینچا ستم سے ہاتھ ۶  
پک جاتے ہیں ہم آپ متارخِ سخن کے ساتھ ۷  
ذنا رہا نہ ہو سجدہ دانہ توڑ ڈال ۸

جلتا ہوں اپنی طاقتِ دیدار دیکھ کر  
سرگرم نہا لہائے مشو بار دیکھ کر  
رکتا ہوں ہم کو بے سبب آزار دیکھ کر  
مردا ہوں اُس کے ہاتھ میں تلوار دیکھ کر  
لرزے ہے موج سے تری وقار دیکھ کر  
ہم کو حریص لذتِ آزار دیکھ کر  
لیکن عیارِ طبع خریدار دیکھ کر  
بہر و چلے ہے راہ کو ہموار دیکھ کر

ان آہوں سے پاؤں کے گھبرا گیا تھا ۹ جی خوش ہوا ہے راہ کو پُر خار دیکھ کر  
کیا برگیاں ہے مجھ سے کہ آئینہ میں سر ۱۰ طوطی کا عکس مجھے ہے زنگار دیکھ کر  
گر فی تھی ہم پر برق بجلی نہ طور پر ۱۱ دیتے ہیں بادہ ظرف قدح خالص دیکھ کر  
سر پھوڑنا وہ غالب شہیدہ حال کا  
یاد آگیا مجھے تری دیوار دیکھ کر

۱۔ جلتا ہوں .. رشک سے شبابِ رُرخ .. جمالِ عالم سوز۔  
میں رُرخِ یار کا جلوہ دیکھ کر کہوں نہ جل گیا۔ مجھے ضرور جل جانا چاہئے  
تھا۔ یہ نہ جلنے کا ہی نتیجہ ہے کہ میں اپنی طاقتِ دیدار کے رشک سے  
جلا جاتا ہوں ۵

لیکن قسمت کہ اپنے آپ پر رشک آجائے ہے میں اسے دیکھوں بجلا کر مجھے لے کر جاوے  
۲۔ نالہ لائے شراب کی وجہ سے اپنے آپ کو آتش پرست سے مشابہ کیا ہے۔  
فرماتے ہیں چونکہ میں شب و روز آتش بارنا لے کرتا ہوں۔ اس لئے عوام مجھے آتش پرست  
کہنے لگے ہیں۔ آتش پرست دن رات اپنی آگ ہی کے خیال میں رہتے ہیں اور  
میری بھی یہی کیفیت ہے۔

۳۔ بے سبب آزار .. بے وجہ ستانے والا۔  
جنا عاشق صادق کا حق ہے لیکن تم ہوس پرستوں پر بھی جھاکتے ہو اور  
یہ خیال نہیں کرتے۔ جنا عاشق صادق ہی کے لئے مخصوص ہونی چاہئے اس لئے  
میں تم سے محبت کرتے ہوئے رنگتا ہوں۔ کیونکہ اس طرح میرے عشق کی آبرو کو نہ  
لگتا ہے مطلب یہ ہے کہ عشق کا لطف اس وقت ہے جب تم اس کی قد بھی کرو  
اور قد یہی ہے کہ جھاکو۔

۴۔ وہ مجھے قتل کرنے آتا ہے۔ اس لئے مجھے بہت خوش ہونا چاہئے تھا

لیکن نہیں، میں اُس کے ہاتھ میں تلوار دیکھ کر جوش رشک سے مرا جاتا ہوں کہ تلوار اتنی خوش قسمت کہاں سے آئی جو اُس کے ہاتھ میں پہنچ گئی۔ گویا وہ خوشی بھی خاک میں مل گئی جو اُس کے ہاتھ سے قتل ہو کر حاصل ہوئی۔ کیونکہ قتل کرنے سے پہلے میں جوش رشک سے مر گیا۔ بخود اور اُنہی نے پُرجوش متن قرار دیا ہے۔

۵۔ خوف کے مارے موج مے تیری رفتار کو دیکھ کر کانپ رہی ہے موج مے کے لڑنے اور کانپنے کی وجہ یہ ہے کہ خون خلق تیری مستند رفتار سے ہوا اور تیری مستی کا باعث تیری مے نوشی ہوئی۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ خون خلق گردن مینا پر ثابت ہوا کیونکہ اسی میں وہ شراب نئی جو خون خلق کا باعث ہوئی پس اسی بنا پر اب شراب صراحی میں لڑ رہی ہے۔

۶۔ وا حسرتا .. افسوس + ہاتھ کھینچنا .. دست بردار ہونا + حریص .. بے حد خواہشمند +

جب یار نے مجھے لذتِ آزار کا بے حد خواہشمند پایا تو افسوس صد افسوس کہ اس نے بجا کاری ترک کر دی۔ یعنی اب ہم جھلسے بھی محروم رہ گئے۔ اب جھلسے بھی ہیں محروم ہم اللہ اللہ اس قدر دشمنِ اربابِ وفا ہو جانا۔ عیار .. کسوٹی + متاع .. جنس + پاک جاتے ہیں .. غلام یا قدردان ہو جاتے ہیں۔

ہم اپنے متاعِ سخن کے خریدار کے ہاتھ پاک جاتے ہیں۔ لیکن شرط یہ ہے کہ خریدار شعر کو پرکھنے والا ہو۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص میرے کلام کی قدر جانتا ہے۔ میں بھی اس کی قدر کرتا ہوں۔

۸۔ بسھ مصد دانہ .. سوداؤں کی تسبیح۔

دانوں کی وجہ سے تبیخ میں نشیب و فراز پیدا ہو جاتا ہے۔ لیکن زنا زہر ہوا ہوتا ہے۔ کیونکہ اس میں دہلے نہیں ہوتے۔ تبیخ و زنا زہر دونوں ایک منزل پر پہنچنے کے دو راستے ہیں۔ لیکن فرق یہ ہے کہ زنا زہر کا راستہ ہمارے اہل تبیخ کی راہ میں سونشیب و فراز ہیں۔ اس لئے ہر مقام پر ہٹھو کر لگتی ہے۔ کہتے ہیں۔ زنا زہر باندھ لے اور سوداؤں والی تبیخ توڑ ڈال۔ کیونکہ مسافر ہمیشہ سیدھے اور صاف راستے ہی پر چلا کرتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ کفر کا راستہ آسان اور صاف ہے۔

۹۔ آبلوں کی طرف اشارہ کیے کہتے ہیں کہ میں ان پاؤں کے آبلوں سے گھبرا گیا تھا۔ لیکن راستوں کو بُرا دیکھ کر جی خوش ہو گیا ہے کہ کانٹے لگے یہ آبلے پھوٹیں گے اور زیادہ تکلیف ہوگی۔ عشق میں انسان اذیت کو پسند کرنے لگتا ہے۔

۱۰۔ میرا دوست مجھ سے کس قدر بدگمان ہو گیا ہے کہ میرے آئینہ دل میں جو زنگ لگا ہے اور جو نتیجہ ہے افسردگی کا وہ اس کو زنگِ فنی خیال نہیں کرتا، بلکہ اذراہِ بدگمانی یہ خیال کرتا ہے کہ یہ کسی طوطی کا عکس ہے جس سے مجھے اس کی بجائے محبت ہو گئی ہے۔ زنگار اور طوطی میں سبزہ کی وجہ سے مشابہت ہے۔ نیز طوطی و آئینہ میں وہی نسبت ہے جو گل و ٹبل میں ہوتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس کو اب یہ بدگمانی ہو گئی ہے کہ میرا عاشق طوطی سے اپنا دل بھلائے لگا ہے۔ آہستہ آہستہ اس کے دل سے میرا عشق جاتا رہیگا۔ اس لئے وہ زنگار آئینہ پر رشک کھاتا ہے۔

۱۱۔ حالی۔ اس شعر میں اس آیت کے معنوں کی طرف اشارہ ہے جس میں ارشاد ہوا ہے کہ ہم نے امانت کو زمین و آسمان اور پہاڑوں کے سامنے



سامنے پیش کیا مگر وہ اس کے متحمل نہ ہوئے اور ڈر گئے اور انسان نے اس کو اٹھا لیا۔ ”میرزا فرید نے ہیں۔“ برقی بجلی کے گرنے کے ہم سخت تھے نہ کہ کوہ طور، اس لئے کہ شراب خورد کا ظرف دیکھ کر اس کے موافق اس کو شراب دی جاتی ہے۔ پس کوہ طور جو مجملہ جمادات کے ہے وہ کیونکر بجلی الہی کا تحمل ہو سکتا ہے۔ یہ خیال مع اس تمثیل کے جو بیان ہوئی ہے بالکل اچھوتا خیال ہے۔

۱۲۔ تیری دیوار دیکھ کر مجھے غالب شوریدہ حال کا سر پھوڑنا یاد آگیا۔ ”شوریدہ حال“ سے سر پھوڑنے کا سبب ظاہر ہے اور لفظ ”وہ“ سے تمام سابقہ واقعات کی تصویر آنکھوں کے سامنے کھنچ جاتی ہے۔

۶۱

لڑنا ہے مراد زحمتِ مہر و خشاں پر ۱ میں ہوں وہ قطرہٴ شبنم جو ہو خارِ بیابان  
 زچھوڑی حضرت یوسف نے باں بھی ڈالئی ۲ سفیدی دیدہ یعقوب کی کچھرتی ہے ندان  
 فنا ظہم دین بخودی ہیں اس زمانے سے ۳ کہ جنوں لام الف کھتا تھا دیوارِ دبستان پر  
 فراغت کس قدر رہتی تھی تشویشِ مرہم سے ۴ ہم مگر صلح کو تھے پارے ہمارے دل مکمل پر  
 نہیں اظہم الفت میں کوئی طواریز آریا ۵ کہ پشتِ چشم سے جس کے نہ ہوتے مہرِ عنوان پر  
 مجھے اب دیکھ کر ابرِ شفق آلودہ یاد آیا ۶ کہ فرقت میں تری آتشِ برستی خمی گشتاں پر  
 بجز پردہٴ شوقِ ناز کیا باقی رہا ہو گا ۷ قیامت اک بہولے تند ہے خاکِ شیدان کا  
 دل لڑنا صح سے غالب کیا ہوا اگر اس شدت کی

ہمارا بھی تو آخر زور چلتا ہے گریباں پر

۱۔ مہر و خشاں .. چلکا ہوا سورج .. زحمت .. تکلیف۔

شبنم کے چکنے کو لڑنے سے تعبیر کیا ہے۔ میں ایک ایسا قطرہٴ شبنم ہوں جو خارِ بیابان کی نوک پر آویزاں ہے۔ آفتاب مجھے جذب کر لینے کے لئے کیسی

کیسی سرگرمیاں دکھا رہا ہے۔ کہاں میں اور کہاں آفتاب، دُک غار پر ہونے کی وجہ سے میری فنا تو ویسے ہی بہت قریب ہے، اس لئے آفتاب کی تکلیف فرمائی پر میرا دل لہزنا ہے کہ وہ اتنی سی بات کے لئے کس قدر کوشش کر رہا ہے۔

۲۔ سفیدی میں ایسا ہے۔ ایک تو آنکھ کی سفیدی یعنی نور۔ دوسرے قلعی۔ جو دیوانوں پر آرائش کے لئے پھیرتے ہیں۔

قید میں تو حضرت یوسف کو خانہ آرائی چھوڑ دینی چاہئے تھا۔ لیکن انہوں نے آرائش کو وہاں بھی ترک نہ کیا۔ یہ حسن کسی حال میں بھی نرک آرائش نہیں کرتا۔ دیکھ لو چشم یعقوب کی سفیدی (آنکھوں کا نور) قید خانے کی دیوانوں پر آرائش کے لئے پھرتی تھی۔

دوسرا مفہوم یہ ہے کہ حضرت یعقوب کی آنکھوں کا نور قید خانے میں حضرت یوسف کو تلاش کرتا تھا۔ کیونکہ وہ حضرت یوسف کے فراق میں روتے روتے اندھے ہو گئے تھے۔ گویا ان کی آنکھوں کا نور آنکھوں سے نکل کر دیوارِ زنداں پر آگیا تھا۔

۳۔ لام الف یعنی لا بمعنی فنا، شاعر نے الف بے کے بدلے یہ حرف انتخاب کئے ہیں۔ جن سے شعر کا مرتبہ بلند ہو گیا ہے۔ میں اس زمانہ سے سبقِ بخودی میں فنا ہوں، جبکہ مجنوں عام بچوں کی طرح مدد سے کی دیوانوں پر لام الف لکھتا پھرتا تھا۔ گویا اس کو ان حروف کے معنی بھی معلوم نہ تھے۔ لیکن میں اس وقت دریں بخودی میں فنا ہو چکا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ مجنوں کے آگے کا بچہ ہے۔

۴۔ اگر میرے پارہ ہائے دل نمک لگانے پر راضی ہو جلتے تو مجھے مرہم تلاش کرنے میں مطلق تشویش نہ ہوتی۔ مطلب یہ ہے۔ نمک سے زخموں کو

محکیم ہوتی ہے لہذا وہ عشاق کو مرغوب ہے اس کے علاوہ عاشق صادق کے لئے مرہم تلاش کرنا باعث عار ہے (تجوید۔ معیہ۔ آسمی)

طباطبائی: (۱) پارہ ہائے دل کو نمک چھڑکنے سے وہ لذت حاصل ہوتی ہے کہ باہم نزاع کرتے ہیں۔ اس سبب سے میں چاہتا ہوں کہ بلا سے میں مرہم لگا لوں اور ان سب کو اس لذت سے محروم کر دوں (۲) ہم خیال۔  
۵۔ طومار۔۔ دفتر + پشت چشم۔۔ کنایہ از غمزہ و اغماض چشم پوشی + اقلیم۔۔ دیار۔

دیار الفت میں کوئی دفتر ناز ایسا نہیں ملے گا۔ جس کے عنوان پر معشوق کے غمزہ و اغماض کی حیرت نہ ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ ادھر دل لیتے ہیں ادھر آنکھیں پھیر لیتے ہیں۔ لفظ عنوان سے ظاہر ہے کہ ابتدا ہی میں ایسی فریب کاری ہوا رکھی جاتی ہے۔

۶۔ مجھے آسمان پر برابر شفق آلودہ دیکھ کر ایک بات یاد آتی ہے اور وہ یہ ہے کہ جب میں محبوب سے جدا تھا تو یہی ابر شفق آلودہ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے تیری فرقت میں آسمان سے گلستان پر آگ برستی تھی۔

۷۔ خیال یہ ہے کہ قیامت کے دن مردے اٹھیں گے۔ فرماتے ہیں نور قیامت تیرے شہیدوں میں سوائے ہر دوز شوق ناز کے اور باقی ہی کیا رہا ہوگا۔ جو قیامت انہیں دوبارہ زندہ کر دے گی۔ ان کے لئے تو قیامت ایک تیز و تند ہوا ہے جو خاک شہیداں کو اور زیادہ پریشان کر دے گی۔ خاک شہیداں کو زیادہ پریشان کرنے کا مفہوم صاف ہے۔ کیونکہ ان کی خاک پہلے ہی سے شوق ناز میں اڑتی پھرتی ہے۔

۸۔ اپنے دل سے کہتے ہیں اگرناصح نے زیادتی کی ہے تو اس سے نہ لڑے۔

”ہمارا بھی تو آخر زور چلتا ہے گریبان پر۔“ اس کو پھاڑ ڈالیں گے۔ کیا گریبان پھاڑنے سے شکین نہ ہوگی؟ ناصح کی شدت کا بدلہ کس طور پر اؤ کس انداز سے لینا چاہتے ہیں اور اس میں مجبوری اور بے بسی کا کیا عہد پہلو نکالے۔ خوب شعر ہے۔

۶۲ ہے بسکہ ہر اک ان کے اشارے میں نشانی اور ۱ کرتے ہیں محبت تو گزرتا ہے کہاں اور  
یاد وہ نہجھے ہیں نہ بچیں گے مری بات ۲ ہے اور دل ان کو جوندے مجھ کو زبان اور  
ایرو سے ہے کیا اس نگہ ناز کو چوند ۳ ہے تیر مقرر مگر اس کی ہے کہاں اور  
تم شہر میں ہو تو ہیں کیا غم جب اٹھیں گے ۴ لے آئیں گے باز اسے جا کر دل جاں اور  
ہر چند بسکہ دست ہوئے بہت شکستی میں ۵ ہم ہیں تو ابھی راہ میں ہیں سنگ گراں اور  
ہے خون جگر جوش میں دل کھول کے روتا ۶ ہوتے جو کئی دیدہ خوبا بہ فشاں اور  
موتا ہوں اس کو اور ہر چند سر اڑ جائے ۷ جلا دے لیکن وہ کسے جائیں کہ ہاں اور  
لوگوں کو ہے خود شیدہا کتاب کا دھوکا ۸ ہر روز دکھاتا ہوں میں اک داغ نہاں اور  
لیتا نہ اگر دل تم میں دیتا کوئی دم چین ۹ کرتا جو نہ مرنے کوئی دن آہ و فشاں اور  
پاتے نہیں جب راہ تو چڑھ جاتے ہیں نالے ۱۰ رکتی ہے مری طبع تو ہوتی ہے دعاں اور  
ہیں اور بھی دنیا میں سخنور بہت اچھے

کہتے ہیں کہ غالب کا ہے انداز بیان اور  
۱۔ چونکہ ہر اشارے میں ایک نئی بات پائی جاتی ہے اس لئے اگر وہ حقیقتاً  
محبت بھی کہتے ہیں تو ہم کو یقین نہیں آتا۔ ہم سہی سمجھتے ہیں کہ یہ سب کچھ فریب ہے۔  
حسرت: یہ گمان ہوتا ہے کہ وہ اظہار محبت اس لئے کرتے ہیں کہ ہماری فریفتگی  
اور عشق کا حال دیا فک کر لیں۔ جب ان کو ہمارے عشق کا یقین ہو جائیگا تو محبت کی بجائے

ناز مشوقانہ شروع کر دیں گے۔

۲۔ وہ میری بات نہ اب تک سمجھیں اور نہ آئندہ امید ہے کہ سمجھیں گے۔  
اے خدا اگر تو میری زبان کو ایسی قوت بیان نہیں دیتا جو انہیں اپنا مدعا سمجھا سکوں تو انہیں کو ایسا دل عنایت کر دے کہ میرا مطلب سمجھ جائیں۔  
(سعید۔ آہی)

طبا طبائی۔ بخود؛ سوال و صل میں کھل کر نہیں کر سکتا اور وہ سادہ  
ولی سے بغیر صاف صاف کہے سمجھ نہیں سکتے اس لئے مدعا مانگتے ہیں۔  
حالی؛ میرزا صاحب نے درپردہ ان لوگوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے جو  
ان کے کلام کو بے سنی یا بعید الفہم کہا کرتے تھے۔

۳۔ پیوند۔ علاقہ۔ تعلق۔ جوڑ۔ مقرر۔ یقیناً + مقرر۔ قرار یا گیا۔  
نگہ ناز کو تیر قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں کمان ابرو کو نگاہ ناز سے کوئی علاقہ  
نہیں ہے۔ نگاہ ناز تیر کو ضرور ہے۔ مگر اس کی کمان ابرو نہیں۔ بلکہ اس کی کمان  
کچھ اور ہی ہے۔

طبا طبائی۔ سعید اور آہی کہتے ہیں کہ بہ حسن کی کمان ہے۔ بخود لکھتے  
ہیں۔ یہ نگاہ ناز کا تیر ولی ارادہ کی کمان سے نشانے پر لگا کرتا ہے۔ اسی لئے  
اس کے زخم مختلف صورتوں کے ہوا کرتے ہیں۔ کہیں وہ خوشی کا پہلو اختیار  
کر کے عاشق کو ترہناتا ہے کہیں غصہ کے پیکان سے قتل کرتا ہے۔ حسرت کا  
خیال ہے کہ یہ کمال دلربائی ہے کہ مثل کمان قضا اس کا نشانہ کبھی خطا نہیں جاتا۔  
سم۔ جب تک تم شہر میں موجود ہو۔ ہمیں دل و جان کا کچھ غم نہیں۔ اگر تم ہمارا  
دل چھین لو گے اور جان لے لو گے تو ہم باز اسے دل و جان اور خبر دیں گے۔  
تمہارے عہد میں دلفروشی اور جاں فروشی کا بازار گرم ہے۔ کیونکہ ہر شخص

دل و جان سے تنگ ہے۔ اس لئے وہ بہت کستے دامن ہمارے ہاتھ دل و جان بچ ڈالے گا۔

۵۔ سبکدست .. مشاق .. ہم .. ہماری ذات یا ہستی۔  
حالی : اس شعر میں سارا زور ”ہم“ کے لفظ پر ہے۔ یعنی جب تک کہ ہماری ہستی باقی ہے۔ اس وقت تک راہ معرفت الہی میں ایک اور سنگ گراں سدراہ ہے پس اگر ہم نے بُت توڑنے میں سبکدستی حاصل کی ہے تو کیا فائدہ۔ یہ برط بھاری بُت یعنی ہماری ہستی تو ابھی موجود ہے۔

۶۔ اس وقت میرا خون جوش مار رہا ہے۔ اے کاش میری بہشت سی آنکھیں ہر عین تویں خوب دلی کھول کر دلیتا اور حسب حسرتِ خونابہ نشانی کرتا مطلب یہ ہے کہ خونابہ نشانی اور خونِ جگر کا جوش کھنڈا کرنے کے لئے دو آنکھیں کافی نہیں ہے

۷۔ نہ کہہ کر یہ بہ اندازِ حسرتِ دل ہے مری نظریں ہے سب جمع خراجِ دہرا کا  
۸۔ ہر چند کہ میرا دل ہی کیوں نہ اڑ جائے لیکن مجھے مطلق پروا نہیں، میں تو اس آواز پر مرتا ہوں کہ وہ جلاد سے بار بار کہتا ہے، ”ہاں اور دار کر“ ہاں ایک اور ہاتھ مار۔

۸۔ میرے سینے میں بہت سے داغ ہیں۔ میں ان داغوں میں سے ایک داغِ نمل کو ہر روز لوگوں کو دکھا دیتا ہوں اور وہ دھوکے سے یہ سمجھتے ہیں کہ یہ آفتابِ عالیا ہے، جو ہر روز افقِ مشرق سے طلوع ہوتا ہے

۹۔ غالب : یہ بہت لطیف تقریر ہے۔ لیتا اور بٹ ہے چین سے، کراہو

سہ آہ و فغاں سے، عربی میں تعقید لفظی اور معنوی دونوں معیوب ہیں۔ فارسی میں

تقصید معنوی عیب اور تعقید لفظی جائز ہے۔ بلکہ فصیح و بلیغ ہے۔ ریختہ تقلید سے فارسی کی۔ حاصل معنی مصرعین یہ ہے کہ اگر دل تمہیں نہ دیتا تو کوئی دم چھوڑتا اور اگر نہ مرنے کو کوئی دل اور آہ و فغاں کرتا۔

۱۰۔ حالی : نالے یعنی ندی نالے، نہ آہ و نالہ، مثال کس قدر مثل لڑکے مطابق ہے اور مضمون کتنا مطابق واقع ہے۔ فی الحقیقت مصیبت اور رنج و تکلیف کے سبب جوں جوں شاعر کی طبیعت رکتی ہے۔ اسی قدر آہ و فغاں ہے۔ خصوصاً جو مضمون اس وقت وہ اپنے حسبِ حال لکھتا ہے وہ نہایت مؤثر اور دیدار انگیز ہوتا ہے۔

۱۱۔ ویسے تو دنیا میں اور بھی شاعر بہت اچھے اچھے ہیں، لیکن یہ بات عام طور پر مشہور ہے کہ غالب کا انداز بیان سب سے اعلیٰ ہے۔

### ۶۳

صفائے حیرت آئینہ ہے سامانِ رنگ آخر ۱۔ تغیر آبِ برجاماندہ کا پاتلے رنگ آخر نہ کی سامانِ عیش و جاہ نے تدبیرِ وحشت کی ۲۔ ہوا جامِ زمرہ بھی مجھے داغِ پلنگِ سر ۱۔ آبِ برجاماندہ ۱۰۰ پانی جو ایک جگہ پر ٹھہر جاتا ہے، آئینہ کو پانی سے اور پانی کی کائی کو رنگِ آئینہ سے تشبیہ دی ہے۔

پانی جو ایک جگہ ٹھہرا ہے۔ اس کا رنگ تبدیل ہو جاتا ہے اور اس پر کائی جم جاتی ہے۔ اسی طرح آئینے کی صفائے حیرت ہی سے آئینے میں رنگِ پیلہ ہو جاتا ہے، اسی طرح وہ لوگ بھی تنہا حال ہوتے ہیں، جن کا آئینہ دل صاف ہوتا ہے اور ان کی روحانی رنگ جاتی ہے۔

۲۔ سامانِ عیش و جاہ سے میری وحشت مزاجی کا علاج نہ ہو سکا۔ بلکہ جامِ زمرہ میں بھی میرے لئے داغِ پشتِ پلنگ بن گیا۔ جس سے میری وحشت

میں مزید اضافہ ہوا۔ جامِ زمردین سامانِ عیش ہے اور درخِ پشتِ پلنگ سببِ وحشت و پریشانی۔

۶۴

جنوں کی دستگیری کس سے ہو، گر ہونہ عریانی ۱ گریبان چاک کا حق ہو گیا ہے میری گردن پر  
برنگ کاغذ آتشِ ندہ نیزنگ سو بیتابی ۲ ہزار آئینہ دل باندھے ہے بال یک تپیدن  
فلک کے ہم کو عیشِ رند کا کیا کیا تھا بند ہے ۳ متاعِ ہمد کو مجھے ہوئے ہیں قرضِ بہرہ پر  
ہم اور وہ بے سبب بچ اُشاہِ جن کر رکھتا ہے ۴ شعلہ ہرے تحتِ نگر کی چشمِ بوند پر  
خاکِ سوئے گر شقائق ہے اپنی حقیقت پر ۵ فروغِ طالعِ فناک ہے موقوفِ لطف پر  
اسدِ بسمل ہے کس انداز کا قاتل سے کہتا ہے

تو مشقِ ناز کر خونِ دو عالم میری گردن پر

۱۔ گریبان چاک .. اضافہ مقلوب، یعنی چاکِ گریبان۔ پھٹا ہوا  
گریبان + حق .. احسان +

عریانی جنوں کی علامت اور اس کی مددگار ہے۔ اس لئے پھٹے ہوئے  
گریبان کا میری گردن پر احسان ہو گیا ہے کیونکہ اسی نے مجھے عریاں کیا ہے اور  
عریاں کر کے میرے جنوں کی دستگیری کی ہے۔ دینہ جنوں کیسے ظاہر ہوتا۔ (آہستہ)۔  
سجید۔ دستِ خود

حسرت و طیاطبائی گریبان کو منادی سمجھے ہیں۔ یعنی اسے گریبان  
چونکہ تو نے عریاں کر کے میرے جنوں کی دستگیری کی ہے۔ اس لئے چاک  
کا میری گردن پر حق ہو گیا ہے۔

۲۔ برنگ .. مثل + نیزنگ .. شعیبہ + بال .. تپیدن .. تڑپنا۔  
میرا شعیبہ بیتابی کاغذ آتشزدہ کی طرح یک بال تپیدن پر ہزار آئینہ دل



باندھتا ہے۔ یعنی جس طرح جلتے ہوئے کاغذ میں سینکڑوں نقاطِ روشن نمودار ہو جلتے ہیں۔ اسی طرح شعبۂ یتابی نے ہزاروں آئینے میرے دل پر باندھ دیئے ہیں جو ایک چمک کے ساتھ چمکنے لگتے ہیں۔ گویا بال یک تمبین کو کاغذِ آتشِ زہ سے اور اس کے روشن نقاط کو ہزاروں سے تعبیر کیا ہے (حسرت بیخود۔ آنسی)

طیبا طبائی: نیزنگ یتابی مثلاً کاغذِ آتشِ زہ ہے کہ دل نے ایک بالِ تمبین پر ہزار ہزار آئینے باندھے ہیں۔ اس شعر میں آئینہ منہر کی تڑپ کو اس شعبہ تشبیہ دی ہے جو کاغذِ آتشِ زہ سے بلند ہو۔

سعید نے سیداشمی کی یہ شرح رسالہ اُردو سے نقل کی ہے۔ یہاں باندھنے سے مراد دھارس باندھنا یا امید دلانا ہے۔ کاغذِ آتشِ زہ میں سکڑنے اور سٹھنے کی جو کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ اس سے یتابی کو تشبیہ دی ہے اور ایسے کاغذ میں جو روشن لفظ نمودار ہو جلتے ہیں ان کی مناسبت سے ہزار آئینہ کا لفظ کہا ہے۔ مگر ان تکلفات کے پردوں میں مطلب یہی معلوم ہوتا ہے کہ تکلیف و بے قراری میں اگر کوئی شے موجب تسکین ہو سکتی ہے تو وہ تڑپنا اور لوٹنا ہے۔

۳۔ عیشِ رفتہ .. زمانہِ ماضی کا عیش + متاعِ بردہ .. لوٹا ہوا مال۔ حالی: یہ مضمون بالکل توقعیات میں سے ہے۔ جو لوگ آسودگی کے بعد مفلس ہو جاتے ہیں وہ ہمیشہ اپنے تئیں مظلوم و ستم رسیدہ و فلکِ دہدہ سمجھا کرتے ہیں اور آخر دم تک اس بات کے متوقع رہتے ہیں کہ ضرور کسی نہ کسی ہمارا انصاف ہوگا اور ہمارا اقبال پھر عود کرے گا (یادگارِ غائب) حاصل یہ ہے کہ انقلابِ آسمانی سے جو زمانہ عیش جاتا رہے پھر اس کے

واپس آنے کی امید فصول ہے۔ اس لئے آسمان سے اس کی بار بار درخواست کرتا ایسا ہی ہے جیسے لٹے ہوئے مال و متاع کو درہزن پر قرعہ خیال کر لینا اور اس کی واپسی کی امید رکھنا۔ بھلا درہزن کہیں مال واپس کیا کرتا ہے۔  
 ہم بے سبب رنج .. بلا وجہ رنجیدہ ہونے والا + آشنا دشمن .. دوستوں کا دشمن۔

ہمارا ایسے محبوب سے پالا پڑا ہے جو بلا وجہ رنجیدہ ہونے والا ہے اور انہی کا دشمن ہے جو اس کی دوستی کا دم بھرتے ہیں۔ نیز وہ ایسا دنگان ہے کہ سو سوچ کی کرن جو دو دن دیواریں سے آتی ہے اسے تارِ نظر سمجھ کر ہشتمِ ندن پر جھانکنے کی تمت لگاتا ہے (حسرت، سعید)  
 طباطبائی - آسی - بخود: روزن میں جو شعلہ آتی ہے، اُسے دیکھ کر مجھ سے لڑتا ہے کہ یہ تیری لگاؤ تھی۔ تو جھانکا ہوگا۔

۵۔ فردِ غ طالع .. خوش قسمتی + خاشاک .. گھاس۔ پھوس + گلخن .. بھاڑ بھٹی۔

اگر تو اپنی حقیقت کو دیکھنے کا مشتاق ہے تو فنا ہو جا کیونکہ گھاس پھوس کا نصیبہ اسی وقت چمکتا ہے جب اُسے بھاڑ میں ڈالا جاتا ہے (جب گھاس پھوس جلتی ہے تو شعلہ اُٹھتا ہے اور وہی اس کا فردِ غ طالع ہے) مطلب یہ ہے کہ فنا فی اللہ ہو کر انوارِ معرفت حاصل کر۔ بغیر فنا ہوئے یہ مرتبہ نہیں مل سکتا۔  
 ۶۔ اسد بھی عجیب قسم کا بسمل ہے۔ وہ قاتل سے کتا ہے کہ تو مشقِ ناز جاری رکھ اور غرنِ ناحق کے خوف سے مشقِ ناز ترک مت کر۔ اگر تجھے یہ خوف

ہے تو غرنِ دو عالم ہم اپنی گردن پر لیتے ہیں۔ اب تو کوئی خوف کی بات نہیں رہی نورِ قیامت تجھ سے باز نہیں ہوگی، نہ یہاں کوئی تیرے خلاف غرن کا دعویٰ کرے گا۔

کیونکہ دونوں جہان کی ذمہ داری ہم نے اپنے سر لے لی ہے۔

۴۵

شکر مصلحت کے ہوں کہ خواہاں تجھ پر عاشق ہیں ۱ شکلف بر طرف مل جائیگا تجھ سارقیب آخر  
خواباں .. حسین + تجھ سارقیب .. وہ حسین جو تجھ پر عاشق ہو۔  
میں جو تیرے ظلم اٹھاتا ہوں تو اس میں بھی ایک مصلحت ہے اور وہ  
یہ ہے کہ تجھ پر بہت سے حسین عاشق ہیں۔ ممکن ہے کہ ان میں سے مجھے کوئی  
تجھ جیسا خوبصورت رقیب مل جائے اور میں اس سے دل لگا لوں۔

۴۶

لازم تھا کہ دیکھو مرا رستا کوئی دن اور ۱ تنہا بگئے کیوں؟ اب رہو تنہا کوئی دن اور  
مٹ جائیگا سرگردن تیرا پتھر نہ گھسے گا ۲ ہوں درپے ترے ناصیب فرسا کوئی دن اور  
آئے ہوکل اور آج ہی کہتے ہو کہ جاؤں ۳ مانا کہ ہمیشہ نہیں، اچھا کوئی دن اور  
جاتے ہوئے کہتے ہو قیامت کو طے لگے ۴ کیا خوب قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور  
ہاں لے خاکب پیرواں تھا ابھی عارف ۵ کیا تیرا بگڑتا جو نہ مرنا کوئی دن اور  
نہ ماہ شب چار دہم تھے مرے گھر کے ۶ پھر گہوں نہ رہا گھر کا وہ نقشہ کوئی دن اور  
تم کون سے ایسے تھے کھرے داد و ستد کے ۷ کرتا ملک الموت تقاضا کوئی دن اور  
مجھ سے تمہیں نفرت سی تیرے لڑائی ۸ پھل کا بھی دیکھا نہ تماشا کوئی دن اور  
گزری نہ بہر حال یہ مدت خوش ناخوش ۹ کرنا تھا جو انرگ گزارا کوئی دن اور  
ناداں ہو جو کہتے ہو کہ کیوں جیتے ہو غالب  
قسمت میں ہے مرنے کی تمنا کوئی دن اور

۱۔ یہ غزل بطور رشید لکھی ہے۔ زمین العابدین خاں عارف مرزا صاحب  
کے سالے تھے اور انہیں بہت عزیز تھے۔ جب انہوں نے عین شباب میں انتقال

کیا تو مرزا صاحب کو سخت صدمہ ہوا۔ اسی غم کا ان اشعار دو خیروں اظہار کیا۔  
 عارف! تم کو چاہئے تھا کہ میرے ساتھ جلتے اور میری روانگی (موت) کا  
 انتظار کرتے۔ تم نے جلنے میں اس قدر جلدی کی۔ لہذا اب تم دوسری گونیاں تنہا  
 رہو۔ نہ تم تنہا جلتے نہ دیاں تمہیں تنہا ہٹا پڑتا۔ اپنے سے پہلے مر جانے پر  
 ناگویب اور تاسف کا ایک نیا ڈھنگ نکالا ہے۔

۲۔ ناصیہ فرسا.. ماتھا گر کرنے والا۔ سر نکرانا بہتھر اور دوسے  
 مراد سنگ مزار اور قبر ہے۔

میری ناصیہ فرسانی اور سر نکرانا تیرے مزار پر چند دن اوست گوا تھئے  
 دنوں یا تو تیرا سنگ مزار گھس جائیگا یا ناصیہ فرسانی سے میرا سر ہی باقی نہ رہیگا۔  
 ۳۔ ابھی کل کی بات ہے کہ تم اس دنیا میں آئے ہو اور آج کہتے ہو کہ میں  
 جاتا ہوں۔ یہ بات ہم منتظر ہیں کہ جانا ضرور ہے اور تم یہاں ہمیشہ نہیں رہ سکتے،  
 لیکن کچھ دن تو اور ٹھہرتے، حاصل یہ کہ مرنے کی ایسی کیا جلدی ہے۔

۴۔ تم (دنیلے) رخصت ہوتے ہوئے کہتے ہو کہ اب ہم قیامت کے  
 دن میں گئے، بہت خوب، کیا قیامت کا کوئی اور دن ہوگا۔ ہمارے لئے  
 تمہاری دعویٰ جلدی سے آج ہی قیامت کا دن ہے۔

۵۔ آسمان سے شکایت کہتے ہیں، اسے فلک پر عارف ابھی جوان  
 اور اس نے باغ جہاں میں آکر کچھ بھی نہ دیکھا۔ اگر وہ کوئی دن اور نہ مرنے کا تیرا  
 کیا بگڑ جاتا۔ الفاظ بہت مناسب اور درد انگیز ہیں۔

۶۔ ماہ شب چار دم.. چودھویں رات کا چاند ماہ کامل۔

اے عارف تم میرے گھر کے چودھویں کے چاند تھے اور چودھویں کے چاند کا  
 قاعدہ یہ ہے کہ وہ تھوڑا تھوڑا ٹھٹ ٹھٹ کر غائب ہوتا ہے۔ پھر کیا وجہ ہے

کہ تم ماہ چار دہم ہوتے ہوئے ایک دم چھپ گئے اور میرے گھر کا وہ نقشہ (روحی) کوئی دن اور کیوں نہ قائم رہا۔

۷۔ داد و ستد .. لیکن دین ۔

تم لین دین کے ایسے کہاں کے کھرے تھے کہ تم نے ملک الموت کے ایک ہی تقاضے میں جان دے دی۔ کچھ دن اسے اور تقاضا کرنے دیتے۔ یعنی کچھ دنوں اور جیتے۔

۸۔ نیر۔ نواب ضیاء الدین احمد خاں نیر غالب کے عزیز شاگرد تھے۔ میں مانتا ہوں کہ مجھ سے تمہیں نفرت تھی اور نیر سے تمہاری لڑائی تھی۔ بھلا بھل نے کیا قصور کیا تھا۔ ان کی بہاریں تو کچھ دنوں اور دیکھی ہوتیں۔ آتھی اور سجدہ لکھتے ہیں کہ مرزا کو نیر سے بہت محبت تھی اور وہ عارف کو گواہ نہیں تھی۔ لیکن ہے اس معاملہ پر نیر و عارف میں کچھ باہم جھگڑا ہو اور یہاں اس کی طرف اشارہ ہو۔

۹۔ اتنی عمر آخر تم نے ریخ و راحت سے گزار ہی دی۔ اے جوانمرد اسی صورت سے کچھ دن اور گزار لیتے۔

۱۰۔ تم لوگ نادان ہو جو یہ کہتے ہو کہ عارف کی جوان موت کے بعد اے غالب تم کہیں زندہ ہو۔ یعنی مر کیوں نہ گئے۔ میرا جواب یہ ہے: میں اس لئے نہیں مرنے کی میری قسمت میں ابھی چند دن مرنے کی تباہی اور لکھی ہے۔ پھر مروں کیونکر؟

]

۶۷

فارغ مجھ نہ جان کہ مانند صبح ہر ا ہے داغ عشق زینت جیب کفن ہنوز

ہے نازِ مفسانِ زرا از دستِ رفتہ پر ۲ ہمں کلفروشِ شوخیِ دارغِ کمن ہنوز  
 میخانہ جگر میں یہاں خاک بھی نہیں ۳ خمیازہ کھینچے ہے بتِ بیدارغِ ہنوز  
 ۱۔ جیبِ کفن کو صبح اور دارغِ عشق کو آفتاب سے تشبیہ دی ہے یہ نہ کہ  
 کہ مرنے کے بعد میں غمِ عشق سے فارغ ہو گیا ہوں۔ مجھے مرنے کے بعد بھی غمِ عشق  
 سے فراغت نہیں بلکہ کسبِ مہر کے مانند دارغِ عشق میری جیبِ کفن کی زینت کا  
 باعث ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ دارغِ عشق میری جیبِ کفن پر اسی صورت سے چلتا ہے  
 جیسے چاکِ گریبانِ صبح میں آفتاب روشن ہوتا ہے۔

طبا طبائی کی تشریح قابلِ خود ہے :- صبح استغادہ ہے شب کے گزر جانے  
 سے اور جیبِ کفن کو بھی گریبانِ صبح سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ مطلب یہی ہے  
 کہ مرنے پر بھی میں عشق سے خالی نہیں ہوں۔

۲۔ زرا از دستِ رفتہ .. وہ شخص جو اپنی دولت کھو بیٹھا ہو۔

جیسے ایک مفسس اپنی کھوئی ہوئی دولت پر ناز کرتا ہے اور کہتا ہے کہ  
 کبھی میں اس قدر دارغِ البال اور امیر تھا۔ اسی طرح میں بھی اپنے داغوائے کمن  
 کو یاد کر کے ناز کیا کرتا ہوں (حسرت۔ یحزود۔ سنجید)

سنجید: جس طریقے سے ایک مفسس اپنی گئی ہوئی دولت پر اور کلفروش اپنے  
 چمکے ہوئے پھولوں پر ناز کرتا ہے۔ اسی طرح میں اپنے دارغِ کمن پر ناز کرتا ہوں۔

طبا طبائی: دارغِ عشق اب نہیں ہے تو میں اس کا تذکرہ ہی کیا کرتا ہوں۔  
 دارغِ کو اشرفی سے اور زوالِ عشق کو دولت از دست رفتہ سے تشبیہ  
 دی ہے۔

۳۔ خاک بھی نہیں .. خون کا ایک قطرہ بھی نہیں + خمیازہ کھینچے  
 ہے .. انگریزیاں لیتا ہے۔ یعنی اور شراب طلب کرتا ہے۔

میرے مے خانہ جگر میں خون کا ایک قطرہ بھی باقی نہیں رہا۔ خاک اڑ رہی ہے۔ لیکن وہ بہت بیدار گریباں تک انگڑائیاں لے رہا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ابھی اسے اور خون پینے کی ضرورت ہے کیونکہ اس کا نشہ پورا نہیں ہوا۔ بہت بیدار فن اس لئے کہا ہے کہ بجائے شراب کے خون پیتا ہے۔

۶۸

حریفِ مطلبِ مشکل نہیں فسونِ نیاز ۱ دعا قبول ہو یا رب کہ عمرِ خضرِ دواز  
نہ ہو بہ ہرزہ بیاباں نور و وہم و جد ۲ ہنوز تیرے تصور میں نشیب و فراز  
وصالِ جلوہ تماشایے پر دماغ کہاں ۳ کہ دیبچے آئینہ انتظار کو پرواز  
ہر ایک ذرہ عاشق ہے آفتابِ ستر ۴ گئی نہ خاک ہوئے پر ہوئے جلوہ نماز  
نہ پوچھ دوستِ میخانہ جنوں غالب  
جہاں یہ کاسہ گردوں ہے ایک خاک انداز

۱۔ حریف .. دوست + فسونِ نیاز .. عجز و نیاز کا جادو، منتر +  
عالی: ایک نئی شوخی ہے جو شاید کسی کو نہ سوجھی ہوگی۔ کہتا ہے کہ کسی  
مشکل مقصد کے حل ہونے میں تو عجز و نیاز کا منتر کچھ کام نہیں دیتا۔ لاجاً  
اب یہی دعا مانگیں گے کہ الٹی خضر کی عمر دراز ہو۔ یعنی ایسی چیز طلب کریں گے  
جو پسے ہی دی جا چکی ہو۔

۲۔ ہرزہ .. بیہودگی + وجود .. مسئلہ وحدت الوجود + وہم ..  
خیال + نشیب و فراز .. بلند و است۔ مراد ناقص۔  
وہم وجود کے بیابان میں تو بیکار ٹھوکر میں نہ کھا، ابھی تیرے تصور  
میں نشیب و فراز ہیں۔ یعنی ہنوز تیرا تصور ناقص ہے اس لئے وہ تیرے  
خیال میں نہیں آسکتا (سجید)

حسرت : بہرہ یعنی بیکار تیرے تصور میں نشیب و فراز ہیں۔ یعنی تیرا تصور نامتام اور ناقص ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وحدت الوجود کا عقیدہ اختیار کرنا چاہئے تاکہ وجودِ اشیا کے متعلق تمام ادبا سے نجات حاصل ہو۔

طباطبائی : وجود سے وجود ماسوی اللہ مراد ہے اور نشیب و فراز کا یہی سبب ہے کہ تو وجود کے لئے مراتب تجھے ہوتے ہیں جس کا مرتبہ اعلیٰ و جوب ہے اور مرتبہ ادنیٰ امکان ہے اور امکان میں بھی قیام بذات و قیام بغیر وجود عرض کے لئے وجود میں پستی و بلندی رکھتا ہے۔ یعنی جاؤ مستقیم یہ ہے کہ ہر شے کا موجود بوجہ اور وجود کے لئے اقسام و نکال کہ یہ راستہ بھیڑ کا ہے۔

بیخود : وجود ماسوی اللہ میں تو بیکار ٹھو کریں کیوں کھانا پھرتا ہے۔ معلوم ہوا ابھی تک تیرے تصور میں نشیب و فراز ہیں۔ اگر ایسا ہے تو ابھی تک تیرا تصور نامتام اور ناقص ہے۔

آستی : مٹھو فیہ وغیرہ پر طنز ہے۔ مطلب یہ کہ تو اپنے دہم میں وحدت وجود یعنی توحید و عرفان کا راستہ طے کرنا چاہتا ہے اور اس میں تو نے مراتب مقبول کئے ہیں کہ پھلے فنا فی الشیخ ہو۔ پھر فنا فی الرسول، پھر فنا فی اللہ و دیگر مقامات کا خیال اگر تیرے دل میں ہے اور تو ان خیالات میں محو ہے تو اس راستے کا طے کرنا ایک فضول اور بیہودہ کام ہے۔ اس صورت سے تو ہرگز منزل مقصود پر نہیں پہنچ سکتا دہم تو نے ماسوی اللہ کا کچھ وجود سمجھ رکھا ہے۔ اسی دہم کے چنگل کو تیرا خیال ظاہر کر رہا ہے اور باوجود اس کے سینکڑوں انقلاب تو اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہے۔ مگر پھر بھی تیری نظر میں نشیب و فراز کی وقعت ہے حالانکہ وجود ماسوی اللہ اور نشیب و فراز کچھ چیز نہیں ہیں۔



اور یہ محض تیرا وہم ہی وہم ہے۔

مولوی مہدی صاحب الزمائلہ اردو : تو وجود ما سوائے اللہ کے وہم میں مبتلا ہو گا۔ جب تک تو یہ سمجھتا رہے گا کہ وجود کی قسمیں اور مراتب ہیں مثلاً وجود اور امکان وغیرہ تو اس وقت تک تیرا خیال ناقص اور نامکمل رہے گا۔ حاصل یہ ہے کہ ایک ہستی واجب کے سوا دوسری ہستی نہ سمجھ (مسجد)

۳۔ جلوہ تماشا .. جلوہ حسن کا تماشا دکھانے والا ہے + دماغ .. طاقت برداشت + پرواز .. آرائش - جلال - صیقل -

یہ بات ہم مانتے ہیں کہ وصال یا جلوہ حسن کا تماشا دکھا دیتا ہے یعنی انتظار کے بعد جلوہ وصل ممکن ہے۔ لیکن یہ طاقت کس میں ہے کہ بیٹھا آئینہ انتظار کو صیقل کیا کرے۔ بالفاظ دیگر انتظار یا کیا کرے۔

۴۔ خاک ہوٹے پر .. یعنی مرکز + ہوٹے جلوہ .. آرزوئے جلوہ۔ مرنے کے بعد بھی عاشق کی آرزوئے جلوہ ناز فنا نہیں ہوئی۔ دیکھ لو اس کی خاک کا ہرزہ آفتاب پرست ہے۔ ذرات آفتاب کی روشنی میں چمکتے ہیں۔ ان کی چمک ہی سے یہ لطیف مضمون سوچا ہے۔

۵۔ خاک انداز .. وہ برتن جس میں کوڑا کرکٹ ڈالتے ہیں بیخود ہو جاتا ہے۔ یعنی مہراٹے جنوں۔

مہراٹے جنوں کی وسعت دریافت نہ کرو۔ یہ سمجھ لو کہ وہاں کاسٹ گروپ کوڑا کرکٹ پھینکنے کا ایک برتن ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مہراٹے جنوں آسمان سے بے اندازہ بڑا ہے گویا آسمان اس کے مقابلہ میں ایک خاک انداز ہے۔

وسعت سعی کرم دیکھ کہ ستراسر خاک ۱ گزرے ہے آبلہ پا ابر گہر بار ہنوز

ایک قلم کاغذ آتش زدہ ہے صفحہ دشت ۲ نقش پایں ہے تپ گرمی رفتار ہنوز  
۱۔ گرم .. سخاوت + سرتا سر خاک .. تمام روئے زمین پر۔

ذرا ابر گرم کی کوشش گرم کی وسعت دیکھ کر وہ باوجود آبلہ پائی کے  
تمام روئے زمین پر گرم باری کرتا ہوا گزرتا ہے۔ قطرات باران کی وجہ سے  
ابر کو آبلہ پاکہ ہے بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ سخی گرم میں ابر کے پاؤں میں چلے  
پرٹ گئے ہیں۔ لیکن پھر بھی وہ سخاوت میں کمی نہیں کرتا۔ حاصل شعر یہ ہے کہ  
گرم سخاوت کرنے میں تکلیف کا احساس نہیں کرتا۔

۲۔ ایک قلم .. یکسر۔ سر بسر + قلم، کاغذ، صفحہ الفاظ وغیرہ  
مناسب الفاظ ہیں۔

میری گرمی رفتار کی تپش میرے نقش پایں ابھی تک اتنی زیادہ باقی  
ہے کہ اس کے اثر سے تمام صفحہ دشت کاغذ آتش زدہ کی طرح جل رہا  
ہے اور بیچ و تاب کھا رہا ہے۔

۷۰

کیونکر اس بُت سے رکھوں جان عزیز ۱ کیا نہیں ہے مجھے ایمان عزیز  
دل سے نکلا پر نہ نکلا دل سے ۲ ہے تیرے تیر کا پیکان عزیز  
تاب لائے ہی بنے گی غالب ۳ واقعہ محنت ہے اور جان عزیز

۱۔ حالی: اس کے ظاہری معنی تو یہ ہیں کہ اگر اس سے جان عزیز رکھوں  
تو وہ ایمان لے لیگا۔ اس لئے جان کو عزیز نہیں رکھتا (ایمان کو عزیز نہ رکھتا  
ہوں) اور دوسرے لطیف معنی یہ ہیں کہ اُس بُت پر جان قربان کرنا عین ایمان  
ہے تو پھر اس سے جان کیونکر عزیز رکھی جاسکتی ہے۔

۲۔ اگرچہ واقعہ یہ ہے کہ تیرے تیر کا پیکان میرے دل سے بھل گیا،

لیکن وہ حقیقت وہ میرے دل سے نہیں نکلا۔ یعنی اس کی محبت ابھی تک دل میں باقی ہے یہی وجہ ہے کہ تیرے تیر کا پیکان مجھے بہت ہی عزیز ہے۔

۲۔ تاب لائے ہی بنے گی .. صبر کرنا ہی پڑے گا۔

غالب اب تو صبر کرنا ہی پڑیگا۔ کیونکہ واقعہ بہت سخت ہے اور اس کی سختی کا تقاضا یہ ہے کہ جان دے دی جائے۔ مگر کیا کیا جائے کہ جان بھی پیار ہے۔ اس لئے اس حادثہ کو برداشت ہی کرنا پڑیگا۔

### ۷۱

نہ گلِ نغمہ ہوں نہ پردہ ساز ۱ میں ہوں اپنی شکست کی آواز  
تو اور آراشِ شمشیرِ خم کا کل ۲ میں اور اندیشہ دائے دور و دراز  
لافِ تکین، فریبِ سادہ دلی ۳ ہم میں اور رازِ ہائے سینہ گداز  
ہوں گرفتارِ الفتِ صیاد ۴ در نہ باقی ہے طاقتِ پرواز  
وہ بھی دن ہو کہ اس ستمگر سے ۵ ناز کھینچوں بجائے حسرتِ ناز  
نہیں دل میں مرے وہ قطرہٴ نو ۶ جس سے مڑ گئی ہوئی نہ ہو گھبرا  
اے تراغزوہ یک قلمِ انگیز ۷ اے ترا ظلم سر بسرا انداز  
تو ہوا جلوہ گر مبارک ہو ۸ ریزشِ سجدہٴ جبینِ نیاز  
مجھ کو بچھا تو کچھ غنیمت نہ ہو ۹ میں غریب اور تو غریب نواز

اسد اللہ خاں تمام ہوا

اے دریغادہ زند شاہد نیاز

۱۔ گلِ نغمہ .. گلہانگ۔

نہ تو میں گلہانگ ہوں اور نہ پردہ ساز ہوں بلکہ میں اپنی شکست کی آواز ہوں۔ جو سراپا درد ہے۔ گویا خوشی کے نغموں سے مجھے کوئی واسطہ

نہیں میری آواز میرے دل کے ٹوٹنے کی آواز ہے۔

۲۔ خیم کا کل .. زلف کا بیج + آرائش .. سنگار + اندیشہ . خیال +  
تو تو اپنی زلفیں بنانے سنوارنے میں مصروف ہے اور ادھر میں  
دور دراز کے دھموں میں محو ہوں۔ سوال یہ ہے کہ یہ اندیشہ ہائے دور دراز  
کیا ہیں۔ حسرت لکھتے ہیں۔ مثلاً یہ اندیشہ ہے کہ تیری آرائش میرے کمالِ محبت  
سے بدگمانی کا باعث ہے۔ یعنی تو یہ سمجھتا ہے کہ مجھے گرفتار وقار کھنے کے لئے  
ہمنواز آرائش ظاہری کی ضرورت باقی ہے۔ حالانکہ میری محبت اس سے مستغنی  
طبا طبائی : دیکھئے اب کون کون عاشق ہوتا ہے یا کس کس عاشق کو یہ  
بناؤ دکھایا جاتا ہے۔

بیخود : دیکھئے کتنے نئے عاشق پیدا ہوتے ہیں اور کس قدر رقیبوں کا  
ہجوم بچ رہتا ہے۔

آسی : یہ آرائش مجھ پر کیا کیا ستم کرے گی۔ یہ آرائش کر کے تو کہاں  
جائے گا وغیرہ وغیرہ۔

۳۔ لاف .. شیخی + تمکین .. وقار، ضبط + سادہ دلی۔ سادہ لوح  
عشق میں تمکین، وقار کی شیخیاں زیب نہیں دیتیں۔ یقیناً یہ ہماری  
سادہ لوحی کے فریب ہیں۔ ورنہ عشق میں کب ممکن ہے کہ کوئی صبر و تمکین کے  
وعدے نبھائے۔ ہمارے سینے میں ایسے سینہ گداازاں بھرے ہوئے ہیں۔  
جن کا چھبانا ناممکن ہے۔ جب یہ راز ظاہر ہو جائیں گے تو لاف تمکین کہاں  
باقی رہے گی (حسرت۔ بیخود۔ سعید)

طبا طبائی : اسے لاف سادہ دلی تیرا وصف تو یہ مشہور ہے کہ تو تمکین  
فریب ہے۔ تو کچھ خبر لے کہ میرے دل میں ایسے راز ہیں جو سینہ گدااز ہیں۔

یعنی انہیں فاش کر دے کہ ان کا بوجھ میرے دل پر سے ہٹ جائے۔  
 حاصل یہ ہے کہ سادہ لوحی سے اپنے ضبط و تمکین کی شکایت ہے اور ظاہر  
 ہے کہ سادہ لوحی کا مقصدی افشائے راز اور تمکین و وقار کی شان اٹھائے گا  
 ہے۔

آئیں: (۱) میرے ہم خیال (۲) ہم خیال طباطبائی (۳) اے لاف تمکین تو نے  
 میری سادہ دلی کا فریب کھایا ہے اور اس پر مطمئن ہے کہ ہمارا حال کسی پر کھل  
 نہیں سکتا۔ حالانکہ ہمارے سینے کے اندر جو راز ہیں وہ ہرگز چھپ نہیں سکتے۔  
 اور وہ سینہ گداز ہیں (۴) ہم کبھی تمکین کی شیخیاں مارتے ہیں اور تمبھی اپنی  
 سادہ لوحی کا لوگوں کو فریب دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ سب ان راز ہائے سینہ گداز  
 کا اثر ہے جو ہمارے سینے میں مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتے ہیں۔ یعنی لوگ  
 ہمارے تمکین کی لاف اور ہماری سادہ دلی کے فریب کے وجوہات سے خوب  
 واقف ہو گئے ہیں (۵) ہماری تمکین کا دعویٰ لاف اور ہماری سادہ لوحی کا  
 ادعا فریب سمجھا گیا ہے اور اس کا سبب راز ہائے سینہ گداز ہیں۔

مکرم امتیاز الدین از رسالہ اردو: کسی جگہ اصافیت نہیں۔ سادہ دل سے  
 یہاں مراد ہے۔ دل کا اثر سے خالی ہونا اور شاعر کہتا ہے کہ ایسے راز ہائے  
 سینہ گداز کے ہوتے ہوئے تمکین کا دعویٰ کیا جائے تو وہ بیہودہ ادعا ہے۔  
 اور اگر دل کو غیر متاثر سمجھا جائے تو یہ بھی غلطی یاد ہو گا ہے (ضمیمہ)

۴۔ میں صبیاد کی محبت میں گرفتار ہوں۔ اس لئے نہیں اڑتا۔ درد مجھ  
 میں ابھی طاقت پروراز موجود ہے۔ طباطبائی دیکھو خود اس سے یہ نتیجہ نکالتے  
 ہیں کہ تعلقات و نیلے اپنا امیر کر لیا ہے۔ درد چاہیں تو آزاد ہو سکتے ہیں۔  
 ۵۔ اب تک میں اس کے ناز اٹھانے کی حسرت اپنے دل میں رکھتا ہوں

خدا وہ دن بھی کرے کہ میں بجائے حسرتِ ناز کے حقیقتاً اس کے ناز اٹھاؤں مٹی  
خدا کرے میری حسرت پوری ہو جائے۔

۶۔ گلبازی .. پھولوں سے کھیلنا۔ گلباز سے مراد مسرور۔ میرے دل  
میں اب ایسا کوئی خون کا قطرہ باقی نہیں رہا، جس سے میری پلکوں نے گلبازی  
نہ کی ہو۔ گویا میرے دل کے تمام قطرات خون سے پلکوں نے گلبازی کی ہے  
یعنی خوشی خوشی ان کو بہایا ہے۔

۷۔ انگیز .. انگیزتق سے امر + انداز .. انداختن سے امر۔

اے کا منادی نازین ہے، پاک قلم .. سرا سر۔

اے نازین تیرا غمزہ سرا سر انگیز ہے یعنی ایک دم زندہ کر دیتا ہے  
اور تیرا ظلم سر بسر انداز ہے یعنی دفعۃً مار ڈالتا ہے گویا تجھ میں زندہ کر دینے  
اور مار ڈالنے کی متضاد صفتیں موجود ہیں۔

۸۔ ربزبش سجدہ .. سجدہ کرنا۔

تو جلوہ افروز ہوا۔ میری جبینِ نیاز کے پے درپے سجدے مبارک  
ہوں۔ طبا آلبائی۔ سعیدہ بخود)

اسی : تو آگیا۔ اب مجھے تیرے لئے بہت سے سجدے کرنا مبارک ہو۔  
۹۔ ”کچھ غضب نہ ہوا“ کثیر المعنی ہے، مثلاً کوئی بے جا بات نہیں مٹی  
شکایت کا اظہار ہے یا طنز ہے بطور تشکر نہیں کیا۔ اگر تو نے مجھ کو دیکھا تو کچھ  
غضب نہ ہوا۔ کیونکہ میں تیری اس مہربانی کا مستحق تھا۔ دُنیا کا قاعدہ۔ یہی  
ہے کہ غریب نواز غریبوں کی خبر گیری کیا کرتے ہیں۔ پس میں غریب ہوں  
اور تو غریب نواز ہے۔ اس لئے اگر تو نے غریب نوازی کی تو اس میں  
کوئی ناکامی ہو گیا۔

۱۔ مقام ہوا .. مرگیا + دریغا .. ہائے افسوس + شاہداد ..  
 معشوق پرست -  
 اسد اللہ خاں مرگیا - ہائے افسوس وہ نہرِ حسن پرست کیا  
 خوب آدمی تھا -

## س

۷۲

۱۔ اے شوق امیری کو نظر آتا ہے ۱ دامِ خلی قفسِ مرغ گرفتار کے پاس  
 جگر تشنہ آزارِ تسلی نہ ہوا ۲ جوئے غنیم نے بہائی بن ہر خارے پاس  
 ۳۔ مند نہیں کہوتے ہی کھوتے آنکھیں ہے ۳ خوب قتائے تم اس عاشق بیمار کے پاس  
 میں بھی رُک رُک کے نہ مرتا بوزیاں کے بدلے ۴ دشن اک تیرسا ہوتا مرے غمخوار کے پاس  
 وہی شیریں جا بیٹھے سیکھی اسے دل ۵ نہ کراٹے ہو مجھے خوابان دل آزار کے پاس  
 دیکھ کر تنجہ کو چن بسکہ نوکرتا ہے ۶ خود کا پوچھنے ہے گل گوشہ دستائے نہیں  
 مرگیا پھوڑ کے سرِ غالب وحشی ہے ہے  
 بیٹھنا اس کا وہ آکر ی دوار کے پاس

۱۔ پرندے پکٹنے کے لئے جال لگا کر اس کے قریب اس جانور کو پہنچے  
 میں بند کر کے رکھ دیتے ہیں، جس کے ہم جنس پرندوں کو جال میں پھنسا کر مامقصد  
 ہوتا ہے۔ جب پنجرے والا پرندہ بولتا ہے: جھگڑ میں سے اس کے ہم جنس پرندے  
 اس کے قریب آ جاتے ہیں اور آتے ہی جال میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ کہتے ہیں  
 اسے ذوقِ امیری تجھ کو مرثدہ ہو کہ تیری آرزو پوری ہوگئی، کیونکہ مرغ گرفتار کے

پاس جو قفس میں بند ہے۔ ایک خالی جال بھی نظر آ رہا ہے۔ اب چلو اور اس میں گرفتار ہو جاؤ۔

۲۔ تشنہ آزار .. آزار کا خواہشمند .. تسلی نہ ہو .. اس کی تسلی نہ ہوئی ہے

نہ تسلی ہو ا دل بے تاب نہ تھا چشم تر سے خون ناب  
میں .. جڑ ۔

بارود اس کے کہ ہم نے ہر کانٹے کی جڑ کے پاس ایک خون کی نہریاں۔  
لیکن پھر بھی ہمارے ایذا و مست جگر کی تسلی نہ ہوئی۔  
سب متفق ہیں کہ یہ خون کی ندیاں صحرا نوردی میں تلووں میں کانٹے چھپنے  
سے رواں ہوئیں ۔

۳۔ تم بچے وقت میرے پاس آئے کہ حسرت دیدار بھی پوری نہ ہو کی میں  
نے تمہیں دیکھنے کے لئے آنکھیں کھولنے کی کوشش کی لیکن آنکھیں کھولتے ہی  
کھولتے ہیٹھ کے لئے بند ہو گئیں۔ اسی مفہوم کو اس طرح بھی ادا کیا ہے ۔  
منڈ گئیں کھولتے ہی کھولتے آنکھیں غالب یار لائے مری بالیں پائے پر کس وقت ؟  
۴۔ دشنہ .. خنجر ۔

غنوار بگے ہر وقت علامت کتا ہے ۔ طعنے دیتا ہے اس لئے ہر وقت میری  
جان پر مبنی رہتی ہے ۔ اگر اس کے پاس زبان طعن کے بدلے ایک تیز خنجر ہوتا تو میں  
اس طرح سدا کسک کر نہ مرنے بلکہ دو بگے ایک دم ہلاک کر دیتا ہے ۔  
آہی : غنوار کو بوجہ غنوار ہونے کے جان دنا پسند کیا ہے ۔ مگر نصیحت اور  
علامت سننا پسند نہیں اور یہ شان کمال عشق ہے ۔

۵۔ دل کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ دہن شیر میں جا بیٹھ یعنی اپنی جان



صحت تریں خطرے میں ڈال دیجئے اور لقمہ اجل بن جائیے۔ لیکن معشوقِ دل آزاد  
کے پاس جا کر بھی کھڑے نہ ہو جئے یعنی دل لگانے سے مرزا بہتر ہے۔ بیٹھنے اور  
کھڑے ہونے کا مقابلہ لطفِ حیر ہے۔  
۶۔ نوکرنا۔ بڑھنا۔ بالیدگی۔

تجھ کو دیکھ کر چین میں اس قدر بالیدگی ہوتی ہے کہ گل تیرے گوشہ دستا  
کے پاس پہنچ جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ معشوق کے دیدار سے ہر شے میں دلولہ شوق  
پیدا ہوتا ہے۔

۷۔ ہائے افسوس کہ غائب وحشی سر بھوڑ کر مر گیا۔ اب ہمیں اس کا تیری دیوار  
کے پاس شوقِ دیدار میں یا سر بھوڑنے کے لئے آکر بیٹھنا یاد آتا ہے۔ ایک  
اھ جگہ کہا ہے۔

سر بھوڑنا وہ غالبِ شہزادہ حال کا یاد آگیا ہے تری دیوار دیکھ کر



۷۳

نہ لبوں کے رخس جوہر طراوتِ سبزۂ خلد سے ۱ لگا دے خدۂ آئینہ میں شئے نگار آتش  
خود رخس سے ہوتی ہے جلِ مشکل عاشق ۲ نہ نیکے شمع کے پاس سے نکالے گردِ خار آتش  
۱۔ رخس جوہر۔ رخس جوہر آئینہ یعنی جوہر آئینہ + طراوت۔ نمی + نگار۔ محبوب  
گردِ رخس جوہر آئینہ سبزۂ خلد سے طراوت حاصل نہ کرے تو یقیناً خار آئینہ  
میں یار کے آتشیں رخ کے عکس سے آگ لگ جائے مطلب یہ ہے۔ شعلہ رخس کا  
اثر سبزۂ خلد کی نمی کی وجہ سے آئینہ کے رخس جوہر کو نہیں جلاتا۔ اگر سبزۂ خلد کی نمی

نہ ہو تو خن جو سہر جل کر خاک ہو جائے۔

۲۔ شمع کی بستی کو خار کہا ہے۔ آتش کو فروغ حسن، شمع کو خلد شمع سے تشبیہ دی ہے۔ اور اس خار کو نکالنے والا شعلہ شمع قرار دیا ہے۔ جب شمع روشن ہوتی ہے تو رشتہ شمع جل جاتا ہے۔ رشتہ شمع پائے شمع میں غار ہے۔ اس کے جلنے سے گویا شمع کے پاؤں میں سے خار نکل جاتا ہے۔ ظاہر ہے خار یا بہت تکلف ہوتا ہے اس کے نکل جانے سے شمع (عاشق) کی مشکل حل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح معشوق کے فروغ حسن سے عاشق کی مشکل حل ہوتی ہے جو شمع کی طرح جلتا ہے۔

## ع

۷۲

جادو رہ خور کو وقتِ شام ہے تارِ شعاع  
چرخِ وا کرتا ہے ماہِ نو سے آغوشِ دل

جادو رہ ... بیٹیا۔ جس سرزمین پر سے لوگ گزرتے ہیں۔ وہاں قدموں کے اثر سے ایک کیر پڑ جاتی ہے۔ اسے ایک بھی کہتے ہیں خور۔ خورشید۔ تارِ شعاع .. وہ سفید خط جو غروب آفتاب کے بعد اور طلوع آفتاب سے پہلے آسمان پر چمکتا ہوا دکھائی دیتا ہے اُس کو قرنی الشمس کہا جاتا ہے۔

شام کے وقت جب آفتاب رخصت ہوتا ہے۔ تو تارِ شعاع اس کے لئے جادو رہ (یعنی جانے کا راستہ) بن جاتا ہے اور آسمان ماہِ نو کے فرید سے اپنی آغوشِ دوار کو اسے رخصت کے لئے وا کر دیتا ہے۔ ماہِ نو کی صورت بھنبیسی ہوتی ہے جیسے کوئی بنگلیرو ہونے کو اپنے دونوں ہاتھ پھیلا دے۔ مطلب

یہ ہے کہ وقتِ شام آفتاب آمادہٴ سفر ہے اور آسمان اسے رخصت کرنے کو تیار۔

آگنی : وقتِ شام آفتاب جو آسمان سے رخصت ہوتا ہے اور اُس پر ہلال نمودار ہوتا ہے تو وہی شعلہٴ شمس اس کے واسطے ہادہٴ راہ ہے اور راہِ نودہ آغوشِ کشاہ ہے جو آسمان نے سورج کو رخصت کرنے کے لئے کھولی ہے۔ حاصل یہ ہے کہ شام کے وقت آسمان آفتاب کو رخصت کر دیتا ہے۔ آگنی شعلہ کے معنی وہ نہیں لیتے جو باقی شارحین نے لئے ہیں وہ لکھتے ہیں کہ شعلہ کے یہ معنی خلافِ قیاس ہیں۔

## ۷۵

زُبحِ نکار سے ہے سوزِ جاودانی شمع ۱ ہوئی ہے آتشِ گلِ آبِ زندگانی شمع  
زبانِ اہلِ زباں میں ہے مرگِ خاموشی ۲ یہ بات بزم میں روشن ہوئی زبانِ شمع  
کسے سے صرف بایمانے شعلہٴ تمام ۳ بطرزِ اہلِ فنا ہے فسادِ خوانی شمع  
غمِ اُس کو حسرتِ پروانہ کھلے شعلہ ۴ ترے لہزنے سے ظاہر ہے ناتوانی شمع  
تصے خیال سے لوحِ امتراز کرتی ہے ۵ بجلوہِ ریزیِ بلوہ پر فشانِ شمع  
نشاطِ دیرِ غمِ عشق کی بہار نہ پوچھ ۶ شگفتگی ہے شہیدِ گلِ خزانِ شمع  
جلی ہے دیکھ کے بالینِ یار پر مجھ کو ۷ زکیوں ہودل یہ مرے داغِ بدگمانی شمع  
۱۔ سوزِ جاودانی .. سوزِ دائمی .. آتشِ گل .. رشکِ آتشِ گل .. آبِ زندگانی .. آبِ حیات .. آتشِ گل .. سرخیِ گل یعنی سرخیِ رخسار۔

معشوق کے زُبحِ انوار کو دیکھ کر شمعِ رشک کی وجہ سے سوزِ دائمی میں مبتلا ہو گئی۔ مطلب یہ ہے کہ محبوب کے رخسار کی سرخی جو آتشِ گل سے مشابہ ہے۔ شمع کے لئے آبِ حیات بن گئی ہے۔ گویا وہ رشکِ رخسار سے ہمیشہ جلتی

ہے اور جلتی ریگی۔ شعر اور شمع بھی ہوئی شمع کو شمع کشتہ کہتے ہیں۔ شاعر نے اسی خیال کے ماتحت روشن شمع کو زندہ فرم کر لیا اور یہ مضمون پیدا کیا۔

۲۔ یہ بات .. یعنی اہل زبان مرگ کو خاموشی کہتے ہیں + روشن ہوئی .. ظاہر ہوئی۔ اہل زبان کے محاورے میں خاموشی مرگ کے مترادف ہے اور یہی بات شمع کی زبانی بزم میں بھی ظاہر ہو گئی۔ مطلب یہ ہے کہ جب شمع بجھ جاتی ہے تو اس کو شمع کشتہ یا مردہ کہتے ہیں یا شمع کی نو کو زبان شمع کہا جاتا ہے۔ شمع کا خاموش ہو جانا اس کا فنا ہو جانا ہے۔ اس لئے وہ زبان حال سے اس نکتہ کو ظاہر کرتی ہے کہ اہل زبان کا خاموش رہنا ان کی موت ہے۔

۳۔ ایسا .. اشارہ + قصہ تمام کرنا .. زندگی ختم کرنا۔ یعنی جل جھبنا۔ شمع صرف شعلہ کے اشارے سے اپنی زندگی کا قصہ تمام کر لیتی ہے۔ یعنی شعلہ کی محبت میں جل بجھتی ہے۔ گویا شمع کی فسانہ خوانی اہل فنا کی طرح ہے جو شعلہ عشق الہی سے لو لگا کر فنا ہو جاتے ہیں۔ (طباطبائی۔ سنجیدہ۔ بخود)

آہی: شمع کی فسانہ خوانی اور اپنا قصہ سنانا اس طرح ہے جیسے کہ عارف اپنا حال اشادیوں میں ظاہر کرتے ہیں۔ شمع کے شعلہ کی جنبش کو اشارہ اور جل بجھنے کو قصہ کا تمام کرنا فرض کیا ہے۔ اہل فنا کے جل بجھنے کو فسانہ خوانی نہیں کہہ سکتے۔ اگرچہ جل بجھنے سے قصہ تمام مزدور ہو جاتا ہے گویا دوسرے معنوں میں فسانہ خوانی بیکار ہو جاتا ہے۔

مولوی محمد صدیقی اور سالہ اردو: شمع کی فسانہ خوانی ان لوگوں کی طرح ہے۔ جو اپنی ذات میں فنا ہو کر خودی کو ترک کر دیتے ہیں۔ فسانہ خوانی سے فنا ہونا مراد ہے۔ اور جن کے ایمان سے شمع اپنا قصہ تمام کرتی ہے یعنی فنا ہوتی

ہے۔ وہ شعلہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس سے لو لگا کر اپنی ہستی کو مٹا دیتی ہے (سعید)

۴۔ اسے شعلے تیرے لرزے سے ظاہر ہوتا ہے کہ شمع حسرت پرانے کے غم میں ناتواں ہو گئی ہے۔ گویا شمع کی لو کا لرزنا شمع کی ناتوانی کی نشانی ہے اور یہ لرزنا اس وجہ سے ہے کہ وہ حسرت و ناکامی پر دانہ کے غم میں گھلے جاتی ہے۔

۵۔ استرازا .. خوش ہو کر جھومنا + بجلوہ میں بائے قسیمہ ہے جلوہ ریزی باد .. ہوا کا چلنا + پر فشانی شمع .. شمع کا جھلکانا۔  
قسم ہے مجھ کو شمع کے جھلکانے اور ہوا کی جلوہ ریزی کی کہ تیرے خیال سے میری روح میں فرط انبساط سے جنبش ہوتی ہے (آسی۔ سعید۔ طباطبائی)

حسرت، بخود تیرے خیال سے روح عاشق کو ایک جنبش سرور حاصل ہوتی ہے۔ جس طرح ہوا چلنے سے شعلہ شمع کو حرکت پیدا ہو جاتی ہے اسی طرح تیرے خیال سے مستی سرور پیدا ہو جاتی ہے۔

ظاہر ہے ”ب“ کو بائے قسیمہ قرار دینے میں جس قدر لطیف ہے وہ بائے تشبیہ مقرر کرنے میں نہیں۔

۶۔ شہید + کشتہ + خزانہ .. خزاں زدہ + شہید .. عاشق، مٹی ہوئی + گل میں ایہا م ہے۔ غم عشق کی داغ کی خوشی کی بہار کا حال مجھ سے نہ پوچھ بلکہ یوں سمجھ لے کہ شگفتگی اور بہار۔ شمع کے گل خزاں زدہ پر ہزار جا سے مٹی پڑی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ غم عشق کے کھلائے ہوئے داغ میں وہ بہا ہے جس پر شگفتگی نثار ہے۔

۷۔ شمع بالین یا پر مجھ کو بیٹھے ہوئے دیکھ کر جلتی ہے۔ اس جلتے سے ظاہر ہے کہ وہ میری رقیب ہے۔ جب وہ رقیب ٹھہری تو پھر وہ اس بدگمانی کا داغ میرے دل پر کیوں نہ ہو۔ یعنی پھر میں کیوں نہ اس سے بدگمان ہو جاؤں۔ رقیب سے بدگمان ہو جانا عاشق کا عمومی دستور ہے۔

## ف

۷۶

بیم رقیب سے نہیں کرتے ددراع ہوش مجبوریاں تلک بھٹے لے اختیار حیف جلتا ہے دل کہ کیوں نہ ہم اکبار جل گئے اے ناتامی نفس شعلہ بار حیف ۱۔ ددراع ہوش کرنا... بیخود ہونا + بیم .. خوف -

رقیب کے خوف کے مارے ہم بیخود ہونا پسند نہیں کرتے۔ کیونکہ وہ ہماری بیخودی سے فائدہ اٹھا لیگا۔ یا ہمارے راز عشق سے واقف ہو جائیگا۔ اے اختیار تجھ پر افسوس ہے۔ اب ہم اس حد تک مجبور اور بے اختیار ہو گئے ہیں کہ ددراع ہوش بھی نہیں کر سکتے۔

۲۔ اے آہ شعلہ بار تیری ناتامی پر افسوس ہے کہ کیوں تو نے ہمیں ایک دم جلا کر خاک نہ کر دیا۔ تو ہمیں آہستہ آہستہ جلا رہی ہے اور اس بات سے میرا دل کڑھتا ہے۔ اس شعر میں ایک طب کا مسئلہ ہے جو میرزا صاحب نے پہلے بھی بیان کیا ہے یعنی ہر سانس کے ساتھ جو ہوا جسم میں داخل ہوتی ہے۔ وہ تدریج قلب بھی کرتی ہے اور حرارتِ غریزی کو برا لکھتہ بھی دے یہی حرارتِ فساد بقا کا باعث ہے۔

# ک

۷۷

زخم پر چھڑکیں کہاں طفلان بے پروا نک ۱ کیا مرہ ہوتا اگر پتھر میں بھی ہوتا نک  
گرد راہ یار ہے سامان ناز زخم دل ۲ ورنہ ہوتا ہے جہاں میں کس قدر بد نک  
مجھ کو اڑاتی رہے تجھ کو مبارک ہو جو ۳ نالہ بیل کا درد اور خندہ گل کا نک  
شورِ جلال تھا کتا رہ کر کس کا کہ آج ہم گردِ ماسل سے زخمِ موجہ دریا نک  
داد دیتا ہے مرے زخمِ جگر کی داہ دا ۵ یاد کرتا ہے مجھے ٹیکے ہے وہ جس جانک  
چھوڑ کر عاتقِ محروم عاشقِ حیف ہے ۶ دل طلب کرتا ہے زخم اور انگلیں ہر عین نک  
غیر کی منت نہ کھینچوں گا پئے تو فیرو ۷ زخمِ مثل خندہ قاتل ہے سرتاپا نک  
یاد ہیں غالب تجھے وہ دن کہ وہ جذوق ہیں

زخم سے گزرتا تو میں پلکوں سے چنتا تھا نک

۱۔ دیوانے کو بچے پتھر مار کر ستایا کرتے ہیں۔ غالب اپنے آپ کو دیوانہ  
تصور کرتے ہیں اور ان بچوں کی شکایت کرتے ہیں کہ بے پروا بچے میرے  
زخموں پر نک کہاں چھڑکتے ہیں یعنی نہیں چھڑکتے اگر ان پتھروں میں جہرہ  
مارتے ہیں نک ہوتا تو کیا لطف آتا۔ مطلب یہ ہے کہ مجھے دو گنی لذت حاصل  
ہوتی۔ یعنی پتھر بھی لگتے اور زخموں پر نک بھی۔

۲۔ یوں تو دنیا میں نک بہت پیدا ہوتا ہے اور جس قدر کہ ہم چاہیں  
اپنے زخموں پر چھڑکنے کے لئے ہم پہنچا سکتے ہیں۔ لیکن میرے زخمِ دل کے لئے  
تو راہ یار کی گردِ سامانِ خیز و ناز ہے۔ اس خیال میں نزاکت یہ ہے کہ نک ابتدا  
میں واقعی بہت تکلیف دیتا ہے، مگر آخر کار زخم کو بھر دیتا ہے۔ برخلاف اس

کے گرد سے زخم اور زیادہ خراب ہوتا ہے۔ اسی لئے گرد کو نمک پر تزیین دی ہے۔  
طباطبائی نے ایک یہ معنی بھی پیدا کئے ہیں کہ دُنیا میں نمک اتنا کہاں ممکن  
ہے جس پر میرا زخم جگنا کرے۔

۳۔ ارزانی رہے۔۔ مبارک ہو + اس شعر میں لف و نشر مرتب ہے۔  
مجھے نالہ بیل کا درد ارزانی رہے اور تجھے خندہ گل کا نمک مبارک ہو۔  
اُسی : تجھے سُن نے گل کی طرح خندہ نمکین عطا کیا ہے اور اس خندہ  
نمکین نے مجھے نالہ پُر درد بیل دیا ہے۔ اس لئے دونوں قابلِ مبارک باد ہیں  
وہ نمک تیرے لئے باعثِ فخر اور یہ درد میرے لئے باعثِ ناز ہے۔  
طباطبائی ہو جو کو مکہ و قرا دیتے ہیں اور اُسی کہتے ہیں کہ اس عہد  
میں یہ مستر وک نہ تھا۔

۴۔ جلاں۔۔ گھوڑے کا دوڑانا، شور۔۔ دریا کی صفت۔۔ ویسے شور  
کے معنی نمک کے بھی ہیں۔

آج دریا کے کنارے کس نے اپنے توہنِ ناز کو جلائی دی ہے کہ اس کے  
شور جلاں سے گردِ ساحلِ نمک بن کر موجِ دریا کے زخموں پہ چھڑکتی ہے گویا  
گردِ ساحلِ رشک سے نمک بن گئی ہے۔ وجہ رشک یہ ہے کہ اس کے  
مقابلے میں دریا کے زور شور کی کچھ حقیقت نہ رہی۔

اصلی خیالی یہ ہے کہ میرے محبوب کا توسنِ موجِ دریا سے بھی زیادہ تیز  
خرام تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس کی اُڑائی ہوئی گرد نے موجِ دریا کے زخموں پر نمک  
چھڑکا۔ یعنی اس کو رشک پیدا ہو گیا۔ کیونکہ دریا کی رفتار میں یہ زور شور اور  
روانی نہیں۔

۵۔ داد و ثنا۔۔ تعریف کرنا۔



میرا محبوب میرے زخموں کا ایسا زبردست قدردان ہے کہ وہ جہاں کہیں نمک دیکھتا ہے، مجھے یاد کرتا ہے۔ یعنی بے اختیار اسے میرے زخم یاد آجاتے ہیں۔ طباطبائی یاد کرنے کے معنی بلانے کے لیتے ہیں۔ یعنی پھر وہ مجھے بلا کر میرے زخموں پر نمک چھڑکتا ہے۔

۶۔ اے محبوب عاشق کو زخمی چھوڑ کر چلے جانا افسوس کی بات ہے۔ ایسے وقت میں تیرا ٹھہرنا ضروری ہے۔ کیونکہ اس کا دل اس بات کا آرزو مند ہے کہ تو اس کے زخموں پر نمک چھڑک کر لذتِ درد میں اضافہ کرے۔

۷۔ منت کھینچنا.. احسان اٹھانا + توفیر درد.. درد زیادہ کرنا۔ خندہ قاتل کو بوجہ حسنِ ملیح نمک کہا ہے۔ خندہ زخم ایک عام استعارہ ہے۔ درد کو زیادہ کرنے کے لئے میں معشوق کے علاوہ کسی غیر کا احسان ہرگز نہ اٹھاؤں گا۔ یعنی میں کسی اور سے درخواست نہ کروں گا کہ وہ میرے زخموں پر نمک چھڑکے۔ اگر معشوق نہیں چھڑکتا تو کچھ مضائقہ نہیں۔ میرے لئے یہی کافی ہے کہ جس طرح خندہ معشوق نکلیں ہے۔ اسی طرح میرا زخم بھی خندہ ہے اور اس کے خندہ نکلیں کے اثر سے میرا زخم سرتا سرتا نمک بنا ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے مجھے نمک کے لئے منت غیر اٹھانے کی کیا ضرورت، میرا زخم اس کے خندہ نکلیں سے نمک کی کان بنا ہوا ہے۔

۸۔ یہ عورتوں کا عقیدہ ہے کہ اگر نمک زمین پر گر جائے تو اسے پلکوں سے اٹھانا چاہئے۔ مطلب یہ ہے کہ نمک کا گرنا گناہ ہے اور یہ بھی زبان زدِ خاص و عام ہے کہ اگر کسی سے نمک گر جائے تو قیامت کے دن وہ نمک آست پلکوں سے چٹنا پڑتا ہے۔ اس لئے عموماً بہت احتیاط کی جاتی ہے کہ نمک گرنے نہ پائے۔

کہتے ہیں غالب ! تمیں وہ دن یاد نہیں رہے۔ جب زخم سے تنک  
گر جاتا تھا تو تم فرط شوق سے اسے اپنی پلکوں سے چھنتے تھے۔ یعنی تم وہ اپنی  
ایندو ہستی کا لانا نہ بھول گئے ؟  
ممن ہے کہ محض مذکورہ بالا قدیم الاعتقاد کی طرف اشارہ کیا ہو اور وہ  
کا پہلو خود بہ خود نمایاں ہو گیا ہو۔

## ۷۸

آہ کو چاہئے اک عمر اثر ہونے تک ۱ کون جیتلے تری زلف کے سر ہونے تک  
۱۱ ام ہر بوج میں ہے حلقہ صد کام نہنگ ۲ دیکھیں کیا گزرتے ہے قطرے پہ گزرتے تک  
عاشقی صبر طلب اور متابعت اب ۳ دل کا کیا رنگ کسوں خون بگڑ ہونے تک  
ہم نے مانا کہ تغافل نہ کر دے لیکن ۴ خاک ہو جائیئے ہم تم کو خبر ہوئے تک  
پرتو خورشید سے بدنام کو فنا کی تعلیم ۵ میں بھی ہوں ایسا بیت کی نظر ہوئے تک  
ایک نظر بیش نہیں فرط ہستی ناقل ۶ گرمی بزم ہے اک رقص شر ہوئے تک  
غم ہستی کا آئینہ کس سے ہو خزانہ علاج  
ہم ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

۱۔ ایک عمر .. مدت دراز + سر ہونا .. (۱) سمجھنا۔ باخبر ہونا (۲)

ممن سر ہونا۔

آہ کو اثر پیدا کرنے کے لئے ایک مدت دراز درکار ہے۔ جب تک آہیں  
اثر پیدا ہوگا اور تیری زلف ہمارے حال ناز سے باخبر ہوگی۔ اس وقت تک  
ہمارا خاتمہ ہو جائیگا (سقیہ)

۲۔ کام .. دمن + نہنگ .. گھر مجھ۔

ہر بوج ایک جال ہے اور اس کے جال کا ایک ایک حلقہ صد کام نہنگ

کا بنا ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایک ایک موج میں سینکڑوں گرجے مگر مجھ پر نہ بھاڑے ہوئے ہیں۔ ایسی خطرناک حالت میں دیکھئے قطرہ کے موتی بننے تک کی مدت میں اس پر کیا کیا آفتیں آتی ہیں۔ بقول عالی مطلب صرف اس قدر ہے کہ انسان درجہ کمال تک پہنچنے میں سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

۳۔ رنگ .. حال، علاج، تدبیر + عاشقی صبر طلب .. عشق میں صبر سے کام چلتا ہے۔ بے صبری معاملات کو بگاڑ دیتی ہے۔

کہتے ہیں عاشقی میں کرنا پڑتا ہے۔ کیونکہ بغیر صبر کے معاملات بگڑ جاتے ہیں۔ لیکن نانا محی بیتاب کر رہی ہے کہ حصول مطلب میں جلدی کر۔ اس طرح سے میں عجیب کشمکش میں پھنس گیا ہوں۔ ایسی حالت میں جب تک جگر خون ہو کر عشق میں پھنسی اور اثر پیدا ہو میں دل کی کیا تدبیر کروں۔ گویا میں اسے کیونکر سنبھالوں۔

۴۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ تم ہماری طرف سے تغافل نہ کرو گے اور ہماری جلدی ختم ہو گے۔ لیکن مصیبت یہ ہے کہ حتیٰ دیر میں تمہیں ہماری خراب حالت کی خبر پہنچے گی! اتنی دیر میں ہمارا کام تمام ہو جائیگا۔ مطلب یہ ہے کہ ہم میں اتنی طاقت نہیں کہ سودا دل کو برداشت کر سکیں۔

۵۔ پر تو خود .. تمازت آفتاب، دھوپ۔

حکماء کا قول ہے کہ شبنم تمازت آفتاب ہی سے پیدا ہوتی ہے اور تمازت آفتاب ہی اسے جذب کر لیتی ہے۔ کہتے ہیں جس طرح دھوپ شبنم کو فنا کی تعلیم دیتی اور اسے فنا کر دیتی ہے۔ بھنہ ہی میری حالت ہے گویا آپ آفتاب ہیں اور میں شبنم کا قطرہ ہوں۔ اس لئے میری زندگی محض آپ کی ایک محبت بھری نظر تک ہے۔ جب آپ آفتاب کی طرح مجھ پر اپنا پر نور ڈالیں گے

تو میں قطرۂ شبہم کی طرح فنا ہو جاؤں گا اور اس طرح سے تعلیم فاسد حاصل کروں گا۔  
 ۶۔ اے غافل انسان! زندگی کی فرصت اتنی قلیل ہے کہ تو مشکل  
 دنیا کو ایک نظر دیکھ سکتا ہے۔ یوں سمجھ لے کہ ہزم دنیا کی رونق اتنی دیر  
 تک قائم رہتی ہے۔ جتنی دیر میں ایک چمکدار سی رقص کر کے بجھ جاتی ہے۔  
 ذوق کھٹے ہیں ۵

کیا اعتبار ہستی مہاپائدار کا چٹمک ہے برقی کی کہ تبسم شرار کا  
 ۷۔ اے اسدِ غم زندگی کا علاج موت کے سوا اور کوئی نہیں کر سکتا۔  
 دیکھ لو، پہلے محفلِ غم ہو یا بزمِ نشاط۔ شمع کو ہر صورت میں صبح تک جلتا  
 ہی پڑتا ہے۔ قاعدہ ہے۔ جب تک صبح نہیں ہوتی یا شمع ختم نہیں ہوتی  
 اسے جلایا جاتا ہے اور اس کو جلنا پڑتا ہے۔ بجنسہ ہی حالت انسان کی ہے  
 جب تک اسے موت نہیں آتی۔ اس کی مشکلات کا غمہ نہیں ہوتا اور اسے  
 خوش و ناخوش زندگی کے اوقات پورے کرنے پڑتے ہیں۔

## گ

۷۹

گر تجھ کو ہے یقین اجابتِ دُعا مانگ ۱ یعنی بغیر یک دل بے دُعا نہ مانگ  
 آتا ہے درِ غمِ حسرتِ دل کا شمار یاد ۲ مجھ سے مرے گناہ کا حساب خدا مانگ  
 ۱۔ اجابت .. قبول + بغیر .. سوائے۔

اگر تجھ کو اپنی دُعا کے قبول ہونے کا یقین ہے تو کوئی اور دُعا نہ مانگ۔  
 یعنی صرف دُعا مانگ کہ تجھ کو دل بے مدعا مل جائے۔ جب تک کہ دل بے مدعا مل

جلے گا تو کسی اور چیز کے لئے دعا مانگنے کی ضرورت ہی نہ رہے گی۔

آئسی: اگر تجھ کو اپنی دعا کے قبول ہو جانے کی بھی اُمید ہے کہ تب بھی دعا نہ کر۔ اپنے دل کو بے مدعا رکھ اور ہمیشہ اسی خواہش میں رہ کہ دل میں کوئی مدعا پیدا نہ ہو۔ نہ دل میں کوئی خواہش پیدا ہوگی۔ نہ دعا مانگنے کی ضرورت پڑے گی۔

۲۔ حالی: اس شعر میں ایک نئی طرح کی شوخی ہے جو بالکل اچھوتی ہے۔

نظارہ شاعر درخواست کرتا ہے کہ اسے خدا مجھ سے میرے گناہوں کا حساب نہ مانگ اور درپردہ الزام دیتا ہے۔ گویا یہ کہتا ہے کہ گناہوں کا حساب کیونکر دوں۔ وہ شمار میں اس قدر ہیں کہ جب ان کو شمار کرتا ہوں تو وہ داغ ہو تو نے دنیا میں دیئے ہیں اور جو شمار میں اس کثرت سے ہیں جس کثرت سے میرے گناہ ہیں۔ ان کی گنتی یاد نہیں آتی۔ گناہ اور داغوں کے شمار میں برابر ہونے سے یہ مراد رکھی ہے کہ جب کسی گناہ کا مرتکب ہوا تو بسبب عدم استطاعت کے اس کو خاطر خواہ نہ کر سکا۔ کوئی نہ کوئی حسرت ضرور باقی رہ گئی۔ مثلاً شراب پی تو وصل نصیب نہ ہوا اور وصل میسر آیا تو شراب نہ ملی۔ پس جتنے گناہ کئے ہیں اتنے ہی داغ دل پر کھائے ہیں۔

ل

۸۰

ہے کس قدر ہلاکِ قریب دفائے گل ۱ بیل کے کاروبار پہ ہیں خندے گل  
آزادچی نسیم مبارک کہ ہر طرف ۲ ٹوٹے پڑے ہیں حلقہٴ دایم ہوائے گل  
جو تھا سو بوجِ رنگ کے دھوکے میں مر گیا ۳ اے فائے نالہ لبِ خوں تو لائے گل

خوشحال اس حریفِ سیمست کا کہ جو ۴ رکھتا جو مثل سایہ گل سر پہائے گل  
 و بکاد کرتی ہے اُسے تیرے لئے بہا ۵ میرا قیب ہے نفسِ عطر سائے گل  
 خرمندہ رکھتے ہیں مجھے بادِ بہار سے ۶ مینائے بے شراب دل بے ہوائے گل  
 سطوت سے تیرے جلوہ حسنِ غمیدگی ۷ خوں ہے مری نگاہ میں رنگِ اوائے گل  
 تیرے ہی جلوہ کا ہے یہ دھوکا کہ آج تک ۸ بے اختیار دوڑے ہے گل در کھائے گل  
 غالب مجھے ہے اُس سے ہم آغوشی آلود

جن کا خیال ہے گلِ حبیبِ قہائے گل

۱۔ بلبسِ فریب و فائے گل پر کس قدر مٹی ہوئی ہے کہ گل بھی اسکی حماقت  
 پر ہنستے ہیں۔ یعنی بلبس اس دھوکے میں مری جاتی ہے کہ رنگِ گل میں وقا و  
 ثبات ہے اور پھول اس بند پر ہنستے ہیں کہ اُس نے خوب دھوکا کھایا  
 بلبس کے کاروبار پر ہے خندہ ہائے گل کہتے ہیں جس کو عشقِ خلل ہے ذراع کا  
 ۲۔ ہوائے گل .. مراد بوٹے گل۔

گل شگفتہ کو ٹوٹا ہوا حلقہ مدام کہلے اورو اس لئے کہ اس میں بوٹے گل  
 مقید تھی۔ غیظوں کے کہل جانے سے بوٹے گل کے دمام کے حلقے ٹوٹ گئے ہیں  
 اور حلقہ ہائے دمام ٹوٹ جانے سے بوٹے گل آزاد ہو گئی ہے۔ لہذا بوٹے گل  
 (نسیم) کو آزادی مبارک ہو۔

۳۔ تمام لوگ موجِ رنگ کے دھوکے میں آگئے اور اس پر مستحق ہو گئے،  
 حقیقت وہ ۱۳ رنگ نہ تھی بلکہ وہ گل کی نوائے خیز اور نالہٗ خوشکال تھا۔  
 آسمی نے اس سے یہ مفہوم نکالا ہے کہ پھول کا گریہٗ خیزیں کس قدر  
 بے اثر تھا۔

سعید: جن میں جو کوئی پھول تھا۔ وہ موجِ رنگ کے دھوکے میں مر گیا۔

یعنی اس دھوکے میں کہ اس نے اس رنگ کو مستقل اور پائیدار سمجھا۔  
 اگرچہ وہ بالکل بے ثبات تھا۔ افسوس ہے کہ اب وہ پھول دھوکے میں  
 گئے پر پرانی غمناک اور دل سوز آوازیں نالہ کر رہے ہیں۔ اور ان کی حالت  
 قابل افسوس ہے۔

۴۔ حرلیف .. مراد عاشق + گل .. مراد معشوق۔

وہ بدست عاشق کس قدر خوش نصیب ہے جس کا سر پایہ گل کی طرح  
 محبوب کے پاؤں پر رکھا ہو۔ سید مست عاشق کو سایہ گل سے اور معشوق کو  
 گل سے تشبیہ دی ہے اور ہماری شاعری میں یہ تشبیہ نادرات سے ہے۔  
 ۵۔ ایجاد کرنا .. وجود میں لانا۔ پیدا کرنا + نفس عطر سائے گل۔

نگہت معطر۔  
 بہار پھولوں کو تیرے لئے پیدا کرتی ہے تاکہ تو انہیں کام میں لائے۔  
 یعنی تو ان کے بارہا کر گلے میں ڈالے۔ اپنے بستر کو ان سے زینت دے۔  
 ان کے ساتھ گلیاں ڈال گئے وغیرہ وغیرہ یہ باغیں ایسی ہیں جو موجب رشک ہیں  
 اس لئے نفس عطر سائے گل (نگہت معطر) میری رقیب ٹھہری۔

۶۔ مینا .. شیشہ مشراب + ہواٹے گل .. آبدوٹے گل۔

موسم بہار میں شیشے میں شراب اور دل میں آبدوٹے میر گل ضرور ہونی  
 چاہئے۔ چونکہ میرا شیشہ مشراب سے اور دل ہواٹے میر گل سے خالی ہے۔  
 اس لئے میں ہمیشہ موسم بہار سے شرمندہ رہتا ہوں (آسی۔ بخود)

طبا طبائی، مستعجب: یہ شعر ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔ یعنی میرا شراب  
 مینا اور باغوں کی میر کرنا لوگ بُرا سمجھتے ہیں مگر میں ایسا نہ کہوں تو مجھے بلکہ میرا  
 سے شرمندگی ہوتی ہے۔

۷۔ سطوت .. رعب دبدبہ + خوں ہے .. ناپسند ہے۔  
تیرا حسنِ غیرت والا ہے اور اسے اس بات کی تاب نہیں کہ  
اس کا عاشق اس کے سوا کسی اور چیز کو محبت کی نظر سے دیکھے۔  
چنانچہ تیرے رعبِ حسن کی وجہ سے میری نظروں میں رنگِ اداسے گل  
خون بن گیا ہے۔ یعنی میں گل کی دلفریبی اور اداؤں کو پسند  
نہیں کرتا۔

۸۔ قفا .. پیچھے + گل در قفلے گل .. پھول کے بعد پھول۔  
ابتداءً آفرینش سے لے کر آج تک اس دھوکے میں کہ جو جلوہ گر  
ہوا ہے۔ پھول ایک دوسرے کے پیچھے بے اختیار دوڑے چلے آتے ہیں کہ  
تیرا جلوہ دیکھیں مطلب یہ ہے کہ پھول اس دھوکے میں کہ صحنِ حمن میں تو  
جلوہ گر ہے۔ ایک دوسرے کے بعد کھلتے چلے جاتے ہیں۔

یہ بخود: جب کوئی پھول کھلتا ہے تو گلیاں یہ سمجھ کر کہ تو پھول کے پرفے  
میں جلوہ گر ہوا ہے۔ پھول بن کر سلسلہ دار کھلتی شروع ہو جاتی ہیں اور  
اس سلسلہ کو دیکھ کر یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایک پھول کے پیچھے دوسرا  
پھول بھاگتا آ رہا ہے۔

۹۔ ہم آغوشی آرزو .. یعنی آرزوئے ہم آغوشی، وصل +  
جیبِ قیا .. گریبان۔

غالب مجھے اس شاید حقیقی سے ہم آغوشی کی آرزو ہے کہ جس کے  
خیال سے گل نے اپنے گریبان کو زینت دی ہے۔



# م

۸۱

غم نہیں ہوتے آزادوں کو بیش ازیک نفس ۱۔ برق سے کرتے ہیں روشن شمع ماتم خانہ ہم  
مخملیں برہم کرے ہے گنجہ باز خیال ۲۔ ہیں ورق گردانی نیز نگ یک بت خانہ ہم  
باوجود یک جہاں ہنگامہ پیدائی نہیں ۳۔ ہیں چراغان شبستان دل بردانہ ہم  
ضعف سے ہے شاعت سے یہ ترک جو ۴۔ ہیں وہاں تکیہ گاہ ہمت مردانہ ہم  
دائم الجس اس میں ہیں لاکھوں تمنائیں اسد

جانتے ہیں سینہ پُرخوں کو زنداں خانہ ہم

۱۔ بیش ازیک نفس .. دم بھرے زیادہ۔

ہم آزاد ہیں اور قاعدہ یہ ہے کہ آزادوں کو دنیا میں ایک دم بھرے  
زیادہ غم نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم لوگ اپنے غمکدہ کی شمع کو برق سے  
روشن کرتے ہیں جیسے برق کی چٹک دم بھرے زیادہ نہیں رہتی۔ اسی طرح ہم  
آزاد لوگوں کے غم دالم بھی بیش ازیک نفس نہیں رہتے۔ مطلب یہ ہے کہ جب  
ہمارے ماتم خانہ میں غم دم بھرے زیادہ نہیں رہتا تو روشنی بھی دم بھرے زیادہ  
ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم چٹک برق کو کام میں لاتے ہیں۔

۲۔ گنجہ کیلئے والے پتوں کو بار بار انگلیوں میں پھیلا پھیلا کر دیکھتے ہیں  
اور تمار بازیوں کے ورق شلہ کرتے ہیں + ورق گردانی .. گردانی میں ہی ناثر ہے۔  
ورق گردان یعنی ورق گردانندہ۔ گنجہ اور ورق میں رعایت عقلی ہے۔

ہمارا خیال ہر وقت ان محفلوں کی یاد کو تازہ کرتا ہے جو برہم ہو چکی ہیں۔ گویا  
ہم ان گزری ہوئی صحبتوں کے ورق گرداں ہیں جن کو ہم نیز نگ بت خانہ سمجھتے ہیں

گنجد کی درق گردانی سے محض فشاط کی برہمی کو تشبیہ دی ہے۔

۳۔ یک جہاں ہنگامہ .. بہت زیادہ ہنگامہ اور جوش و خروش،  
پیدائی .. ظہور +

باوجود اس کے کہ ہماری ہستی بہت ہی ہنگامہ خیز ہے۔ لیکن باری ہم  
شور آشوبی ہم اس چراغاں سے مشابہ ہیں جو پروانوں کے دل میں ہوتا ہے۔  
مطلب یہ ہے کہ ہنگامہ ہستی بہت ہے، لیکن حقیقت میں اس کا وجود نہیں  
۴۔ ہمتِ مردانہ قناعت پر تکیہ کرتی ہے، لیکن ہم نے جو ترک جستجو  
یعنی قناعت کی ہے وہ قناعت کی وجہ سے نہیں بلکہ ضعف و کمزوری کی بنا پر  
ہے۔ اس لئے ہم ہمتِ مردانہ کی تکیہ گاہ کے لئے وبالِ جان ہیں۔ مطلب یہ ہے  
کہ مرد ہمت کو اپنا تکیہ گاہ بناتے ہیں۔ لیکن ہمارا معاملہ اس کے برعکس ہے۔  
اس لئے تکیہ گاہ ہمتِ مردانہ کو وبالِ خیال کرتی ہے۔

۵۔ دائم الجھیس .. ہمیشہ کے لئے قید۔

میرے دل میں لاکھوں آرزوئیں ہمیشہ کے لئے قید ہیں۔ اس لئے میں  
اپنے دل پر خوں کو زندانِ خانہ خیال کرتا ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ ہماری آرزوئیں  
لاکھوں ایسی ہیں جو کبھی پوری نہ ہوں گی۔

۸۲

بنالہ حاصلِ دل بستگی فراہم کر متاعِ خانہ زنجیرِ حیدرِ معلوم  
دل بستگی .. تعلق خاطر۔ اس کو زنجیر سے تشبیہ دی ہے + متاع ..  
دولت۔ سرمایہ + صدا .. آواز زنجیر یعنی نالہ زنجیر۔

جو طرح خانہ زنجیر کا اثاثہ البیتِ سوائے صدائے زنجیر کے اور کچھ  
نہیں ہوتا۔ اسی طرح دل بستگی کا مال و منال بھی تار کے سوا اور کچھ نہیں اس لئے

اگر تجھے دل بستگی درکار ہے تو حاصلِ دل بستگی یعنی نالہ و بکا کو فراہم کر، مطلب یہ ہے۔  
 دل بستگی کے لئے نالہ کشی اختیار کرنی چاہئے، کیونکہ حاصلِ دل بستگی نالہ ہے۔  
 طباطبائی لکھتے ہیں کہ اس بیان سے تعلقاتِ دُنیائی کی مذمت مقصود ہے۔

۸۳

مجھ کو دیارِ غیر میں مارا وطن سے بُدور ۱ رکھ لی مرے غم نے مری بیکی کی شرم  
 وہ حلقہ بٹھے زلفِ کیس میں ہیں اے خدا ۲ رکھ لی جو میرے دعویٰ و ادستگی کی شرم  
 ۱۔ حالی، پردیس میں مرنا جو ہر شخص کو ناگوار ہوتا ہے اس پر خدا کا شکر  
 اس لئے کرتا ہے کہ اگر وہاں لے گور و کفن پڑے رہے تو کچھ مضائقہ نہیں اس  
 واسطے کہ کوئی شخص نہیں جانتا کہ یہ کون ہے اور کس رتبے کا آدمی تھا لیکن وطن  
 میں جہاں ایک زمانہ واقفِ حال ہو مگر خبرِ بدار و غنچہ ادا یک بھی نہ ہو۔ وہاں مرنے  
 کی اس طرح مٹی خراب ہوتی سخت رسوائی اور ذلت کی بات تھی پس خدا کا شکر  
 ہے کہ اُس نے پردیس میں مار کر میری بیکی کی شرم رکھ لی۔ اس میں گو بظاہر خدا کا  
 شکر ہے لیکن فی الحقیقت سراسر اہل وطن کی شکایت ہے جس کو ایک عجیب  
 پیرایہ میں ظاہر کیا ہے۔

۲۔ کہیں .. تعلقات + وارستگی .. آزادی -

اے خدا دامِ زلف کے حلقے بہت بُری طرح میری گھات  
 میں ہیں اور ادھر ہیں آزادی کا دعویٰ دار ہوں۔ اگر میں اس دام کے حلقوں  
 میں گرفتار ہو گیا تو میری آزادی کا دعویٰ باطل ہو جائے گا۔ اس لئے میرے  
 دعویٰ آزادی کی شرم رکھ لینا۔

## ن

۸۴

لوں دام بختِ خفتہ سے یک خوابِ خمیش دے  
غالب یہ خوف ہے کہ کہاں سے ادا کروں

وام .. ادھار، قرض + خوابِ خوش .. خوابِ شیریں۔

میں اپنے بختِ خفتہ سے ایک خوابِ شیریں قرض تولے لوں۔ لیکن مجھے  
خوف یہ ہے کہ میں اس قرض کو ادا کیسے کروں گا۔ اس کی ادائیگی تو اس صورت  
میں ممکن تھی کہ مجھے نقد آتی۔ جب تینہ نہیں آتی تو پھر خوابِ شیریں کہاں سے  
آئیگا کہ میں اسے ادا کر سکوں گا۔ مطلب یہ ہے کہ تقدیر سولہی ہے اور ہمیں  
لے خواب ہوں خوب شعر ہے۔

۸۵

۱ وہ فراق اور وہ دھال کہاں ۱ وہ شبِ روزِ ماہ و سال کہاں  
۲ ذوقِ نظارہٴ جمال کہاں ۲ فرستِ کار و بارِ شوق کسے  
۳ شورِ سودائے حیا و خال کہاں ۳ دل تو دل وہ دباغ بھی نہ ہا  
۴ اب وہ رختا بی خیال کہاں ۴ تھی وہ اک شخص کے تصور سے  
۵ دل میں طاقتِ جاہل کہاں ۵ ایسا آساں نہیں لہو و نا  
۶ داں جو جایشِ گرہ میں ال کہاں ۶ ہم سے چھوٹا قمار خانہ عشق  
۷ میں کہاں اور یہ دہال کہاں ۷ فکرِ دنیا میں سر کھپاتا ہوں  
بمضمر ہو گئے قوی غالب  
۸ وہ عناصر میں اعتدال کہاں

۱۔ یہ ساری غزل زمانہ ماضی کی یاد میں ہے۔ کہتے ہیں۔ وہ فراق وصال کے لطف خواب و خیال ہو گئے۔ نہ وہ راتیں رہیں نہ دن رہے۔ غرض وہ دن وہ راتیں۔ وہ جینے اور سال سب زحمت ہو گئے۔ اب زمانہ ماضی کی باتیں خواب اور خیال معلوم ہوتی ہیں۔

۲۔ شوق بمعنی عشق۔ اب عشق و عاشقی کے کاروبار کی کسے فرصت ہے۔ وہ زمانہ ہی گزر گیا۔ یہاں تک کہ نظارہ جمال کا ذوق بھی دل میں باقی نہیں رہا۔

۳۔ دل کا تو ذکر ہی کیا ہے، اب وہ پہلے جیسا و ماغ بھی نہیں رہا۔ جب یہ صورت ہے تو پھر جنون عشق کیونکر باقی رہ سکتا ہے۔

۴۔ شخص سے مراد معشوق ہے معشوق کا لفظ اس لئے استعمال نہیں کیا کہ عشق و عاشقی کے خیالات محو ہو چکے ہیں۔ رعنائی خیال۔ شغفی و رنگینی خیال۔ ہمارے خیال میں جس قدر رعنائیاں اور رنگینیاں تھیں وہ سب ایک شخص کے تصور اور محبت کی وجہ سے تھیں۔ چونکہ اب وہ تصور دل سے مٹ گیا۔ اس وہ شوخیاں بھی باقی رہیں۔ تصور کا لفظ عشق کی جگہ لائے ہیں اور یہ بھی شخص کی طرح مقتضائے مقام ہے۔

۵۔ لہو رونا۔ اشک خونی بہانا۔ حال۔ قوت۔ لہو کے آنسو بہانا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اس کے لئے دل و جگر میں بڑی طاقت چاہئے۔ چونکہ ہماری تمام طاقت سلب ہو چکی ہے۔ یعنی ہم بہت زیادہ غم کے آنسو بہا چکے ہیں۔ اس لئے اب ہمارے دل و جگر میں غم کے آنسو رونے کی طاقت باقی نہیں رہی۔

۶۔ قمار خانہ۔ جوئے خانہ۔

ہم سے قمار خانہ عشق ہمیشہ کے لئے چھوٹ گیا۔ اب ہم وہاں کس برتے پر جائیں۔ کیونکہ گروہ میں مال نہیں رہا۔ مطلب یہ ہے کہ ہم نقد دل تو پہلے ہی ہار چکے ہیں۔ اب وہاں جا کر کس چیز پر داؤ لگائیں گے۔

طبا طبائی اور اُرسی : مال سے نقد دل اور امشر فی دارغ مراد لیتے ہیں اور سچید و بخود نقد دل اور دولت صبر وغیرہ۔

۷۔ دیال۔ مصیبت یعنی فکر دنیا۔

میں تو ایک آزاد اور مفکر انسان تھا۔ لیکن اب ہر وقت تفکرات دُنیا سے پریشان رہتا ہوں۔ ظاہر ہے میرا اس دیال سے کوئی تعلق نہ تھا۔

۸۔ غالب میرے اعضاء و قوے کمزور ہو گئے اور وہ اعتدال عناصر

زمانہ شباب میں تھا اب باقی نہیں رہا۔ جگہ کا خیال ہے۔ جب تک عناصر زندگی میں اعتدال رہے۔ تندرستی قائم رہتی ہے۔ جب ان میں سے کوئی ایک عنصر کم یا زیادہ ہو جائے تو انسان مضمحل ہوتے ہوئے لقمہ اجل ہو جاتا ہے۔

طبا طبائی لکھتے ہیں کہ اعتدال عناصر سے شباب مراد ہے۔ مطلب وہی ہے کیونکہ زمانہ شباب میں اعتدال عناصر کی وجہ سے اعضاء و قوے تندرست و توانا رہتے ہیں۔

۸۶

کی و ناہم سے تو غیر اُس کو جفا کہتے ہیں ۱ ہوتی آئی ہے کہ اچھوں کو برا کہتے ہیں آج ہم اپنی پریشانی، خاطر اُن سے ۲ کہنے جاتے تو ہیں پر دیکھئے کیا کہتے ہیں اگلے وقتوں کے میں یہ لوگ نہیں سمجھتے ۳ جو سے و غم کو آندہ رہا کہتے ہیں دل میں آجائے ہے ہوتی ہے جو فرحت طش سے ۴ اور پھر کون سے نالے کو دسا کہتے ہیں ہے پرے میرا دواک سے اپنا سمجھو ۵ قبلے کو اہل نظر قبلہ نما کہتے ہیں

پائے انگار پہ جب سے تجھے رحم آیا ہے ۶ خارہ کو تو نے ہم جگر گیا کہتے ہیں  
ایک شرور دل میں ہے اس سے کوئی کج گزرا گیا ، آگ مطلب ہے ہم کو جو ہوا کہتے ہیں  
دیکھتے لاتی ہے اُس شوخ کی نخوت کیا رنگ ۸ اُس کی ہر بات پہ ہم نام خدا کہتے ہیں  
وحشت و شیفقتہ اب مرثیہ کمویں شاید

مر گیا غالب آشفقتہ دوا کہتے ہیں

۱۔ اگر محبوب ہم سے وفا کرتا ہے تو اختیار کہتے ہیں کہ یہ وفا نہیں جتا ہے۔  
اس نکتہ جینی پر عاشق کے دل میں خوف خدا پیدا ہوتا ہے کہ کہیں سچے محبوب جھوٹا  
نہ بن جائے۔ اس لئے اس سے کہتا ہے کہ کچھ مضائقہ نہیں۔ دنیا کا دستور یہی ہے  
اہل دنیا اچھوں کو برا ہی کہا کرتے ہیں۔ اس لئے تم ان کی باتوں کی پروا نہ کرو اور  
ہمارے ساتھ یہی سلوک جاری رکھو۔

۲۔ آج ہم نے ارادہ کیا ہے کہ ان کے پاس جا کر اپنی پریشانی مول کا اظہار  
کرینگے۔ ہم نے یہ ارادہ تو کیا ہے۔ لیکن اس پر عمل پیرا ہونا بہت مشکل ہے۔  
کیونکہ انہیں دیکھ کر ہم سب کچھ بھول جاتے ہیں اور ایسی محویت کا عالم طاری ہو جاتا  
ہے کہ ہم کتنا کچھ چاہتے ہیں اور تم سے کچھ نکلتا ہے۔ اس لئے دیکھنا چاہئے کہ  
ہمارا یہ ارادہ پورا بھی ہوتا ہے یا نہیں۔ پر دیکھئے کیا کہتے ہیں اسے ایک پہلو  
پر بھی نکلتا ہے کہ دیکھئے وہ ہماری پریشانی دل کا حال سن کر کیا فرماتے ہیں طباطبائی  
کہتے ہیں کہ پہلی صورت کثیر المعنی ہے اور بہتر ہے۔

۳۔ اندوہ ریا :۔ غم کو دور کرنے والا۔

اگلے زمانے کے سہ سے سادے اور بھولے بھالے بزرگوں کا خیال ہے  
کہ شراب و نغمہ سے غم غلط ہو جاتا ہے۔ حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہے شراب  
نغمہ سے گزشتہ زمانے کے عیش و نشاط کے مناظر سامنے آ جاتے ہیں۔ اور ان کے

یاد آنے سے دل کو اور تکلیف ہوتی ہے اس لئے حقیقتاً شراب و نغمہ اندوز رہا نہیں بلکہ اندوز خزا ہیں۔ کہتا ہے جو لوگ اگلے زمانے کے سادہ دل بزرگوں کی طرح اب تک شراب و نغمہ کی حقیقت سے واقف نہیں ان پر حرف گیری نہ کرو۔ بہتر ہے کہ شراب و نغمہ کے متعلق ان کا یہی حسن ظن قائم رہے (سجید۔ بخود)

طیباطباتی: اندوز رہا ہونے کے انکار سے یا تو اندوز فرا ہونا مقصود ہے یا مراد ہے کہ اندوز ایسی چیز ہے کہ کسی طرح ٹھلکے نہیں بھولتا۔

اسی: مے و نغمہ کو پانے آدمی کہتے ہیں کہ اندوز رہا اور غم غلط ہے اور آج کل کے زمانے میں اس میں یہ صفت باقی نہیں رہی ہے کہ اندوز غم اس سے کم ہو جائے سو ان لوگوں سے اس سلسلہ پر جھگڑا کرنے کی ضرورت نہیں۔ شراب و نغمہ میں پہلے یہ خاصیت ہوگی۔ جیسا کہ یہ لوگ کہتے ہیں۔ اگرچہ آج نہیں ہے۔

۴۔ عاشق فراق یاریں لگا تا زمانہ لے کر رہا ہے گو یا اس کو شمش میں ہے کہ کسی نہ کسی طرح نالہ یا د تک جا پہنچے چنانچہ جب نالہ یا د تک جا پہنچا ہے تو وہ خاموش ہو جاتا ہے۔ یہ خاموشی بے ہوشی ہے جو لگا تا کو شمش اور محنت کا نتیجہ ہے اور اس کا میا بی کی علامت ہے کہ نالہ رسا ہو گیا۔ چنانچہ جب موش ٹھکے آتے ہیں تو دل میں خیال آتا ہے کہ اگر نالہ کی رسائی اس کو نہیں ملے تو پھر کون سے نالے کو رسا کہتے ہیں۔

بخود: جب مجھے عشق سے اناقت حاصل ہوتی ہے تو میرا معشوق میرے دل میں آ جاتا ہے اور یہ میرے نالے کے اثر سے ہوتا ہے مجھے معلوم نہیں اور کون سے نالے کو رسا کہتے ہیں۔ اس سے زیادہ رسائی نالہ کو کیا ہوگی کہ فوراً ہی معشوق کو کھینچ کر دل میں لے آتا ہے (سجید)

طیباطباتی: نالہ رسا وہ ہے کہ اثر تک جس کی رسائی ہو لیکن شاعر نے یہاں



استفہام کر کے یہ بات ظاہر کی ہے کہ اس کے نالے کو کبھی اثر تک رسائی نہیں ہوئی۔ یہ جانتا ہی نہیں کہ نالہ ربا اسے کہتے ہیں۔ جس کی پہنچ اثر تک ہو۔ کیونکہ یہ رسائی نالہ اس کو سمجھتا ہے کہ غش سے چونکا اور نالہ دل میں آموہد ہوا۔ (سقیدہ استی)

۵۔ ادراک .. عقل + مسجد .. جس کو سجدہ کیا جائے۔ معبود و اہل نظر .. حقیقت میں + قبلہ .. وہ سمت جس طرف منہ کر کے عبادت کی جاتی ہے + جو لوگ ہم پر اعتراض کرتے ہیں کہ تم قبلہ کو پوجتے ہو۔ یعنی خانہ کعبہ کی اینٹ پتھر تمہارے مسجد ہیں۔ ان کو معلوم ہو کہ ہمارا مسجد خانہ کعبہ نہیں ہے بلکہ ہمارا مسجد وہ ہے جو حیثیات سے منزہ اور میرا ہے اور اس کا دریافت کرنا عقل کے بس کی بات نہیں۔ کیونکہ وہ سرحد ادراک سے بالاتر ہے۔ ہم نے اپنے مسجد کو سجدہ کرنے کے لئے ایک سمت مقرر کر لی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل نظر بہت قبلہ کو خدا نہیں کہتے۔ بلکہ خدا نما کہتے ہیں اور جو جاہل ہیں وہ خانہ کعبہ ہی کو مسجد سمجھتے ہیں۔

۶۔ ہر گیا .. ایک بوٹی ہے۔ کہتے ہیں جو شخص اسے اپنے پاس رکھے اس پر سب مہربان ہو جاتے ہیں۔

ہمارے زخمی پاؤں پر جب سے تجھے رحم آیا ہے۔ ہم خار راہ کو جن سے ہمارے پاؤں زخمی ہوئے ہیں کا نشانہ نہیں سمجھتے بلکہ ہم انہیں ہر گیا کہتے ہیں کیونکہ ان کی وجہ سے تو ہم پر مہربان ہوا ہے۔

۷۔ مشر سے روح حیوانی اور ہواسے مراد سانس۔ ہمارے دل میں روح حیوانی کا ایک مشر ہے۔ اس سے ہم کیا گھبراہٹیں۔ کیونکہ یہ تو اصول فطرت ہے۔ کہ سانس لینے سے حرارت غریزی میں اشتعال پیدا ہوتا ہے اور اسی اشتعال

کی بدولت ہماری زندگی قائم رہتی ہے۔ گویا ہمارا سانس لینا محض حرارت غریبی کو اشتعال دینے کی غرض سے ہے۔

ہمارے دل میں آتش عشق کا ایک مشوارہ ہے۔ بھلا ہم اس مشوارہ سے کیا گھبرا سکتے ہیں۔ حقیقتاً ہمیں مشوارہ کی ضرورت نہیں۔ بلکہ ہمیں آگ مطلوب ہے اور اسی لئے ہم بے چین ہیں لیکن عوام کا یہ خیال ہے کہ ہم اس مشوارہ سے گھبرا ہوا طلب کرتے ہیں۔ یعنی آہیں بھرتے ہیں۔

سعیید: ہمارے دل میں آتش عشق کا صرف ایک مشوارہ ہے۔ جس سے ہم کو کوئی گھبراہٹ اور پریشانی نہیں۔ اس لئے ہم اس کو ہوا یعنی میچ کھینچتے ہیں۔ کیونکہ ہمارے حوصلے کے مطابق نہیں۔ ہم کو تو آگ مطلوب ہے شرو ہمارے لئے کم ہے۔

اسکبٹی: لوگ ہم کو طعنہ دیتے ہیں کہ دل کی آتش غم سے گھبرا کر ہم کو ہوا کھانے کی ضرورت پڑتی ہے۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ ہم گھبرا کر گرمی کے مٹانے کے لئے ہوا نہیں کھاتے۔ بلکہ آگ کے بھر دکانے کے لئے ہوا کھاتے ہیں۔ یعنی سانس لیتے ہیں۔

حسرت: ہم لوگ نہ ہوا سے آگ مراد لیتے ہیں۔ بھلا ہم دل کے ایک مشورے سے کیا گھبرا سکتے ہیں۔

۸۔ نام خدا اکنتا... ماشاء اللہ۔ تعریف کرنا، نخوت... غرور و تکبر۔

محبوب کی ہر بات پر ہم ماشاء اللہ بہت خوب، چشم بد دور وغیرہ کہتے ہیں۔ ہماری اس تعریف سے اس کا غرور اور تکبر بہت بڑھ گیا ہے۔ دیکھئے آخر کا ان کا غرور کیا رنگ لاتا ہے۔

۹۔ وحشت غلام علی خاں۔ شیفتہ نواب مصطفیٰ خاں۔ لوگ کہتے ہیں کہ

غالب آشفتمہ نوامر گیا ہے۔ اب شاید اس کے مرنے پر وحشت اور شیفتمہ مرثیہ لکھیں۔ یہ دونوں حضرات غالب کے عزیز دوست تھے۔ اس لئے ان سے توقع ظاہر کی ہے کہ وہ اپنے رنج دلی کا اظہار مرثیہ لکھ کر کریں گے۔

۸۷

آبرو کیا خاک اس گل کی گلشن میں نہیں ۱ ہے گریباں ننگ پیرا ہن جو دامن میں نہیں  
صفت کے گریہ کچھ باقی مرے تن میں نہیں ۲ رنگ کلاؤ گیا جو نون کہ دامن میں نہیں  
ہو گئے ہیں جمع بھڑلے نگاہ آفتاب ۳ فتنے اس کے گھر کی دیوادل کے روتن میں نہیں  
کیا اکوں تاریکی زندان غم اندھیر ہے ۴ جنبہ نور صبح سے کم جن کے بوزن میں نہیں  
رواق ہستی ہے عشق خانہ ویراں سا نہ ہے ۵ انجمن بے شمع ہے گم برق خرمیں میں نہیں  
زخم سلوانے سے بھپ پر چارہ جٹی کا ہے طعن ۶ غیر سمجھا ہے کہ لذت زخم سوزن میں نہیں  
بسکہ ہم میں اک بہارِ ناز کے مارے ہوئے ۷ جلوہ گل کے سوا گرد اپنے دفن میں نہیں  
قطرہ قطرہ اک ہیولی ہے نئے ناسود کا ۸ غل بھی ذوق درد سے فالنگئے تن میں نہیں  
لے گئی ساقی کی نچوت قلزم آشامی مری ۹ مچے کی آج رنگ مینا کی گردن میں نہیں  
ہو خشار صنعت میں کیا ناتوانی کی نمود ۱۰ قد کے جھکنے کی بھی گنجائش مرے تن میں نہیں  
خفی وطن میں شان کیا غالب کہ موغریب میں قد

بے تحلف ہوں وہ مشت خس کہ گلشن میں نہیں

کہتے ہیں جس طرح اس پھول کی کچھ بھی آبرو نہیں ہوتی جو گلشن میں نہ ہو۔ اسی طرح فدا گریہاں بھی پیرا ہن کے لئے باعثِ ننگ و عار ہے جو دامن میں نہیں ہوتا اور گریہاں اس وقت دامن میں پہنچتا ہے جب وہ چاک ہو جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اہل عشق کے نزدیک چاک و دمانی باعثِ فخر و عورت ہے۔

نیز خود طباطبائی : گریہاں چاک ہو کر گل سے مشابہت پیدا کرتا ہے اور

دامن کو صحن گلشن بنا دیتا ہے۔۔

۲۔ اسے گریہ ضعف و نقاہت سے اب میرے جسم سے کچھ باقی نہیں رہا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ میں اس قدر خون کے آسودہ ہوا چکا ہوں کہ میرا سارا خون دامن پر آچکا ہے۔ وہ قطرات خون جو سودا اتفاق نے میرے جسم میں رہ گئے تھے اور قطرات اشک بن کر نہ نکل سکے، وہ میرا رنگ بن کر اڑ گئے ہیں ظاہر ہے کہ ضعف میں رنگ اڑ جاتا ہے۔ گویا خون کی کمی سے رنگ پیلا پڑ جاتا ہے۔

۳۔ اگر کسی روزن میں سے دھوپ آئے تو دھوپ کے ساتھ لا تعداد ذرات آتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ اس واقعہ کو سامنے رکھ کر کہتے ہیں کہ اس کے گھر کی دیواروں کے روزنوں میں سے جو ذرات اس کے مکان کے اندر آتے ہیں یہ ذرات نہیں ہیں بلکہ نگاہ آفتاب کے اجزاء ہیں جو محبوب کے دیکھنے کے لئے مجرم کہے کہ آتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ آفتاب تک کو تجھے دیکھنے کا شوق ہے اسی لئے وہ روزن دیوار میں سے جھانکتا ہے۔

۴۔ اس زندانِ غم کی تاریکی کا حال کیا بیان کروں۔ اس میں اس قدر تاریکی ہے کہ اگر اس کے روزن میں روشنی کا پنبہ رکھ دیا جائے تو سمجھائے اس کے کہ روزن بند ہو کر وہاں تاریکی میں اضافہ ہو وہ سفیدہ سحر کی طرح چمکتا ہے۔ قاعدہ جہاں بہت زیادہ اندھیرا ہو وہاں ذرا سی سفیدی بہت پھیل جاتی ہے۔ یہی ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ زندانِ غم اس قدر زیادہ تاریک ہے کہ اس میں روشنی کی سفیدی سے روشنی ہو جاتی ہے۔

۵۔ حالی : یعنی تمام دنیا میں جو رونق اور چل پھل ہے، وہ عشق و محبت کی بدولت ہے۔ خواہ زن و فرزند کی محبت ہو۔ خواہ مال و دولت کی۔ خواہ ملک و

کی۔ خواہ کسی اور چیز کی۔ پس اگر زخموں میں یہ برق نہیں بر لیتی دلوں میں محبت نہیں۔  
تو اس کی مثال اس انجن کی ہے جس میں شمع کی روشنی نہیں۔

مولینا سعید نامی رسالہ اردو: حقیقت میں مرنے والے اس میں فلسفہ رواقی  
کا یہ عقیدہ بیان کیا ہے کہ خود ہستی کا مقنقنی اور لازماً فنا یا نیستی ہے (سعید)  
۶۔ زخم سلوانا .. زخموں میں ٹٹنکے لگوانا + چارہ جوتی .. علاج ساجھ +

سونن .. سوئی۔

میں نے زخموں میں ٹٹنکے لگوائے ہیں۔ اس پر غیر مجھے یہ طعنہ دیتا ہے کہ  
میں عاشق صادق نہیں۔ کیونکہ میں نے اپنے زخموں کو مندل کرنے کی کوشش  
کی ہے اور واقعی یہ بات طریق عشق کے خلاف ہے۔ لیکن اس کم بخت کو یہ خبر  
نہیں کہ میں نے زخموں میں ٹٹنکے انہیں دست کرنے کے لئے نہیں لگوائے۔  
بلکہ میرا مقصد اس بحالہ سے یہ تھا کہ میں زخم سوزن کی لذت حاصل کروں۔  
لذت سے مراد تکلیف ہے جو عشاق کو مرغوب ہے۔ اسی لئے اسے لذت کہا  
ہے۔ غالب۔

رفوئے زخم سے مطلب لذت زخم سوزن کی سمجھنا مست کہ پاس دوسرے دیوانہ خاں ہے  
۷۔ بیمار ناز .. مراد معشوق + بسکہ .. بہت زیادہ۔

چونکہ ہم کو ایک بیمار ناز (معشوق) نے قتل کیا ہے۔ اس لئے ہماری قبر میں  
خاک بالکل نہیں بلکہ ہر طرف جلوہ گل ہے اور یہ اس بیمار ناز کا اثر ہے۔

طبا طبائی لکھتے ہیں۔ جلوہ گل اس کے تصور سے ہے۔ آسمی نے  
دوسرا ہیویہ نکالا ہے۔ چونکہ ہم شہید ہوئے تھے۔ اس لئے اس کے ثواب  
میں ہماری قبر میں جنت موجود ہے۔

۸۔ ہیوی کی .. مادہ + تھے ناسور .. مراد زخم۔

میرے خون کا ہر قطرہ مادہِ ناسور رکھتا ہے۔ گویا جہاں کوئی قطرہ گرتا ہے۔ وہیں ناسور بن جاتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ میرے جسم کے خون میں لذتِ درد بدرجہ اتم موجود ہے۔

۹۔ نخوت .. غرور و تکبر + قلمِ آشامی .. سمند کے سمندِ شراب کے پنی جانا + رگِ گردون .. غرور کی نشانی ہے۔

ساتی کو اس بات پر بہت غرور تھا کہ وہ شراب پلانے میں بڑا فیاض ہے۔ لیکن میں اس قدر قلمِ آشام نکلا کہ میری بلا نوشی سے اُس کا غرور ٹوٹ گیا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی صراحتی سے میں موجِ شراب کی رگِ گردون بھی کہ غرور و تکبر کی نشانی تھی۔ آج نظر نہیں آتی۔ گویا ساتی کے غرور کے ساتھ شیشے کا غرور بھی ٹوٹ گیا۔

۱۰۔ فشار .. چاروں طرف سے دبانے والا۔ غلبہ۔

ضعف نے مجھے ہر طرف سے دبا رکھا ہے۔ ایسی حالت میں میں ناتوانی کو بھی ظاہر نہیں کر سکتا۔ قد کا جھکنا ضعف کی علامت ہے۔ لیکن میں اس سے بھی معذور ہوں۔ کیونکہ فشارِ ضعف میں مبتلا ہوں۔ اس لئے میرے جسم میں قد کے جھکنے کی بھی گنجائش نہیں پھر اظہارِ ناتوانی ہو تو کیونکہ ہو۔

۱۱۔ غربت .. مسافری + بے تکلف .. بلا مبالغہ + گلخن .. بھاڑ۔ بھٹی + مشتِ خس ... گھاس پھونس مٹی بھر۔

حالی، اپنے تئیں مشتِ خس اور وطن کو گلخن سے تشبیہ دی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ پھونس گلخن یہ ہوتا ہے تو جلتا ہے اور گلخن میں نہیں ہوتا تو کچھ قدر نہیں ہوتی۔ یہی حال میرا تھا کہ وطن میں تھا تو جلتا تھا اور اب یورپ میں ہوں تو بیقدر ہوں۔

سید ہاشمی رسالہ اردو: راقم الحروف کو ان معنی میں کلام ہے۔ شاعر کا اصلی مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ دیں پردیسیں میں کہیں بھی میرے معنی جو ظاہر نہ ہو سکے اور دونوں جگہ میں ایسا ہی ناکارہ سمجھا گیا۔ جیسا کہ گھانس بھونس کا ایک ڈھیر جو بھٹی میں نہ ڈالا جائے۔ تو محض کوڑا ہے اور بادی النظر میں بالکل بیکار اور بے حقیقت شے ہے۔ حالانکہ اگر وہ اپنے موزوں مقام یعنی گلخن میں ہوتا تو اس کے کمالات ظاہر ہوتے اور وہ روشن اور منور ہو جاتا۔ خس اور گلخن کے اس نا درمضمون کو مرزا صاحب نے ایک اور شعر میں بھی تحریر کیا

خس کو سوئے گشتاق ہے اپنی حقیقت کا فروغ طالع خاشاک ہے موقوف گلخن پر  
طبا طبائی (۱)، ظاہر ہے مشتِ خس اگر اپنے وطن میں ہے تو خا زار میں ہے  
اور اگر وطن سے باہر نکل کر کہیں قدم رکھا تو جاوید کشوں نے نکال باہر کیا۔  
وطن میں اذیت اور غربت میں ذلت کا سامنا ہے۔ اس کے لئے اگر فروغ اور  
شان ہے تو گلخن میں ہے۔ (۲) اسی شعر میں مذاقِ قصوف ہے۔ یعنی  
جس طرح ہر شے آگ میں گر کر آگ ہو جاتی ہے۔ اسی طرح عارف کو شاہدِ حقیقی  
کے ساتھ اتصال ہو جاتا ہے اور نہیں تو ایک مشتِ خس ہے جس کا وطن عدم اور  
غربت امکان ہے اور امکان پر جس طرح عدم باقی ہے اسی طرح عدم لاحق بھی  
ہے کہ امکان وجود بین العبدین کا نام ہے۔ جو ممکن عدم سے آیا ہے وہ عدم میں  
چلا بھی جائیگا۔ پس حیلۃِ ابدی اس میں ہے کہ واجب الوجود سے ملحق ہو جائے اور  
خدا فی القات ہو کر ترائے انا لا غیر می کو بلند کرے۔

عہدے سے مدح ناز کے باہر نہ آسکا اگر اک ادا ہو تو اسے اپنی قضا کہوں

حلقے میں چھٹلے کشادہ بسوئے دل ۲ ہر تار زلف کو نگہ سرسا کوں  
 میں اور صد ہزار نواسے جگر خراش ۳ تو اور ایک وہ نشیمن کہ کیا کوں  
 ظالم مرے گماں سے مجھے بغض نہ چاہ ۴ ہے ہے خدا نہ کہہ تجھے ہو فاکوں  
 ۱۔ ادا اور قضا میں رعایت لفظی ہے۔ اس کے ناز کی معنی تعریف کرنی چاہئے  
 تھی اتنی تعریف میں نہیں کر سکا اور اس کو تاہی کا سبب یہ ہے کہ اس کی ایک  
 ادا نہیں بلکہ ہزاروں ادائیں ہیں جو قابل تعریف ہیں۔ اگر ایک ادا ہوتی تو رخ نما  
 سے میں یہ کہہ کر عہدہ برآ ہو جاتا کہ وہ میری قضا ہے۔ یعنی اس ادا پر میری جان  
 جاتی ہے لیکن مصیبت یہ ہے کہ یہاں تو ہزاروں ادائیں ہیں۔ شاعر ادا کا اپنی  
 قضا کہتا بہترین تعریف سمجھتا ہے۔ چونکہ یہ تعریف ہر ادا پر صادق آتی ہے اس  
 لئے پریشان ہے۔ تعریف کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ خاص کو عام سے میر کرے  
 لیکن یہاں مشکل یہ کہڑی ہے کہ یہ تعریف ہر ادا میں موجود ہے۔ اس لئے اپنی  
 ناقابلیت کو تسلیم کرتا ہے۔

۲۔ حلقے یعنی حلقائے زلف، گھونگر + ہیں چشم کشادہ۔ تاکہ میں ہیں۔  
 تیری زلفوں کے حلقے میرے دل کی طرف تاک لگاتے ہوئے ہیں یعنی تیری  
 زلفوں کے گھونگر آنکھوں کے حلقے ہیں جو میرا دل اڑانے کے لئے تاک ہیں جیسے  
 ہیں۔ اس لئے اگر میں ہر تار زلف کو ان زلفوں کی آنکھوں کی نگاہ سرس میں کوں  
 تو بے جا نہیں۔ ظاہر ہے حلقہ ہائے زلف کو چشم اور تار زلف کو نگاہ سرس سا  
 قرار دیا ہے اور آنکھ کے لئے نگاہ لازم ہے۔

۳۔ تو۔۔ نا۔

میں تو لاکھوں جگر خراش نالے کرتا ہوں۔ مگر تو ہے کہ سنتا ہی نہیں۔

عجب اند میر ہے۔



اُسی لکھتے ہیں۔ کیا کموں سے یہ مفہوم پیدا ہوتا ہے کہ تو سنتا نہیں۔  
اس لئے مجھے خاموش ہونا پڑتا ہے اور یوں ”کیا کموں“ ایک تلم محاورہ ہے۔  
ہم۔ منفعل .. مشر مندہ + خدا نہ کر دہ .. خدا خواستہ۔ خدا نہ  
کرے۔ توبہ توبہ۔

ظاہر ہے کہ عاشق اور اس کے دل میں اختلاف پیدا ہو گیا ہے دل  
کھتا ہے کہ محبوب بی وفا ہے۔ عاشق کہتا ہے کہ وہ با وفا ہے۔ اس کشمکش  
میں عاشق محبوب سے کہتا ہے کہ اے ظالم مجھے میرے گمان سے مشر مندہ  
نہ کرنا۔ کیس ایسا نہ ہو کہ تمہارے ظلم و ستم مجھے مجبور کر دیں اور خدا خواستہ تیں  
بی وفا کہنے لگیں (تلم متفق)  
حسرت لکھتے ہیں۔ مجھ کو میرے گمان سے مشر مندہ نہ کر۔ بھلا میں اور  
تجھ کو بے وفا خیال کروں۔

۸۹

مہرباں ہو کے بلا لو مجھے چاروں وقت ۱ میں گیا وقت نہیں کہ پھر ابھی نہ سکوں  
ضعف میں طعنہ اغیار کا شکوہ کیا ہے ۲ بات کچھ سرتو نہیں ہے کہ اٹھا بھی نہ سکوں  
زہر ملتا ہی نہیں مجھ کو سنگر ورنہ ۳ کیا قسم ہے تیرے ملنے کی کہ کھا بھی نہ سکوں  
۱۔ اگر میری اور تمہاری رنجش ہو گئی۔ تو اس سے یہ نہ بھننا چاہئے کہ میں نے  
تمہارا عشق ترک کر دیا ہے۔ بلکہ جب بھی تم مجھے محبت سے بلاؤ گے میں حاضر ہوں  
میں گیا وقت نہیں ہوں کہ واپس نہ آ سکوں۔ مطلب یہ ہے کہ میرا آنا اور  
نہ آنا تمہارے رحم و کرم پر منحصر ہے۔ باہمی رنجیدگی سے جذبہ عشق  
محو نہیں ہو سکتا۔

۲۔ خیال یہ ہے کہ طعنہ اغیار برداشت کرنا بہت مشکل ہے لیکن

نا چاری یہ آپڑی ہے کہ عاشق کو ضعف نے بیجا کر دیا ہے۔ اس لئے وہ کہتا ہے کہ حالت ضعف میں طعنہ اغیار کا بھی کوئی حکوہ نہیں رہا۔ کیونکہ طعنہ اغیار سر نہیں ہے کہ میں حالت ضعف میں اسے اٹھا نہیں سکتا۔ اس لئے سب کچھ گوارا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حالت ضعف میں یہ بات اٹھانا اس قدر دشوار نہیں۔ جس قدر کہ اٹھانا مشکل ہے۔ انتہائی ضعف کا اظہار ہے۔

۳۔ عالی : جب کہتے ہیں کہ اس کو فلاں کام کرنے کی قسم ہے تو اس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ اس کو اس کام کے کرنے سے انکار ہے بس عاشق معشوق کے ملنے کی قسم کیونکہ کھا سکتا ہے۔ کہتا ہے کہ نہر کچھ تیرے ملنے کی قسم نہیں ہے۔ کہ اس کو کھانا سکوں۔ مگر چونکہ وہ ملتا نہیں۔ اس لئے نہیں کھا سکتا۔

آہستی اور طباطبائی لکھتے ہیں۔ آخری مصرعہ میں تین کاف جمع ہونے سے تشا فر پیدا ہو گیا ہے۔

## ۹۰

ہم سے کھل جاؤ بوقت سے پرستی ایک دن ۱ در نہ ہم چھیریں گے رکھ کر عند مستی ایک دن  
غریب اوج بنائے عالم اسکان نہ ہو ۲ اس بلندی کے نقیبوں میں ہے پستی ایک دن  
قرص کی چمتے تھے لیکن سمجھتے تھے کہاں ۳ رنگ لائیگی ہماری فادہ مستی ایک دن  
نہرہائے غم کو بھی لے دل غنیمت جانئے ۴ بے صدا ہو جائیگا یہ ساز ہستی ایک دن

دھول دھپا اس سراپا ناز کا شیوا نہ تھا

ہم ہی کر بیٹھے تھے غالب پرست ہستی ایک دن

۱۔ کھل جاؤ۔ بے تکلف ہو جاؤ + سے پرستی۔ شراب نوشی + عند

.. بہانہ -

کسی دن ہم سے شراب نوشی کے دوران میں بے تکلف ہو جاؤ۔ اگر تم ایسا نہ کرو گے تو ہم نشہ کا بہانہ کر کے تم سے بے تکلفی پیدا کر لیں گے۔ چونکہ ایسا نشہ کی حالت میں ہو گا۔ اس لئے تم ہم سے اس بے تکلفی کی شکایت بھی نہ کر سکو گے۔ بجائے اس کے کہ ہم یہ صورت اختیار کریں تم خود ہی ہم سے کھل جاؤ اور یہاں تک نوبت نہ آنے دو۔

۲۔ غرۃ .. مغرور + اوج .. بلندی + بنا .. بنیاد مراد عمارت + عالم امکان .. فانی دنیا۔

دُنبائے فانی کی بلندی پر مغرور نہ ہو۔ کیونکہ اس بلندی کے نصیبوں میں ایک دن بستی یعنی فنا ہونا لکھا ہے۔ عقلمند آدمی کو ایسی بات پر غرور و ریب نہیں دیتا جو فانی ہو۔ اس لئے دنیاوی عروج پر مغرور ہونا حماقت ہے۔

۳۔ ایک دفعہ مرزا بہت مغرور ہو گئے۔ قرض خواہوں نے نالش کر دی مرزا صاحب جواب دہی میں طلب ہوئے۔ انہوں نے یہ رقم شراب نوشی اور اس کے لوازمات میں صرف کی تھی۔ مفتی صدر الدین احمد خاں مفتی تھے۔ مرزا صاحب نے جواب دعوئے کے طور پر یہ شعر فی البدیہہ کہہ کر پڑھا۔ مفتی صاحب سمجھ گئے اور انہوں نے ازباہِ قد دانی اور سخن شناسی تمام رقم اپنے پاس سے ادا کر کے مرزا صاحب کو رخصت کیا۔

ہم قرض شراب لیتے تھے اور پی جاتے تھے۔ لیکن اس بات سے فاضل نہ تھے کہ ایک دن شراب فروش سے جھگڑا ہو گا۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ ہم پیسے قرض لے کر شراب پیتے تھے اور سمجھتے تھے کہ یہ شراب نوشی ایک دن ضرور رنگ لائے گی۔

۴۔ نغمہ ہائے غم .. تار ہستے درو ۔

اسے دل اگر نغمہ ہائے شادی تھیں تو نغمہ غم ہی کو غنیمت جان۔ کیونکہ  
عنقریب ایک دن ایسا آئے گا کہ یہ ساز ہستی بے صدا ہو جائیگا۔ اس لئے  
وقت کی قدر کر۔ ع نوحہ غم ہی سہی نغمہ شادی نہ سہی

۵۔ اس سراپا ناز کا شیوہ دھول دھپانہ تھا، ہمیں نے ایک دہل  
کی تھی اس دن سے اس کو دست دمازی کی علوت پر لگئی ہے۔ اب برداشت  
کیجئے شکایت کیسی ؟

۹۱

ہم پر جھلے ترک و قاکا گداں نہیں ۱ ایک پھیر ہے وگرنہ مرا امتحان نہیں  
کس نے سے شکر کیجئے اس لطف خاص کا ۲ پریش ہے اور پائے سخن دریاں نہیں  
ہم کو تم عزیز، شکر کو ہم عزیز ۳ فادریاں نہیں ہے اگر مہرباں نہیں  
بوسہ نہیں، نہ دیکھئے دشنام ہی سہی ۴ آخر زباں تو کہتے ہو تم اگر دہاں نہیں  
ہر چند جاگدازی قہر و عتاب ہے ۵ ہر چند کشت گرمی تاب و توان نہیں  
جان مطرب ترانہ، ہل می مزید ہے ۶ لب پر وہ سنج زمزمہ الاماں نہیں  
خجھ سے چیر سینہ اگر دل نہ ہو دو نیم ۷ دل میں پھری جھومڑہ مگر خونچکاں نہیں  
ہے ننگ سینہ دل اگر مشکبہ نہ ہو ۸ سے عار دل نفس اگر آذر نشان نہیں  
نقصان نہیں جنوں میں بلا سے ہو مگر خراب ۹ سو گز زمیں کے بدلے سیاہاں گل نہیں  
کہتے ہو کیا لکھا ہے تری سر وشت میں ۱۰ گویا جیس پہ سجدہ ثبت کا نشان نہیں  
پاناہوں اُس سے داد کچھ اپنے کلام کی ۱۱ روح القدس اگر چہ مرا ہمرباں نہیں

جاں ہے بہائے بوسہ و لے کیوں کے ابھی

غالب کو جانتا ہے کہ وہ نیم جاں نہیں

۱۔ ہمارا محبوب ہماری وقاداری اور ہمارے عشق کی پائیداری پر استغناء  
بھروسہ رکھتا ہے کہ اس کو فوراً فوراً عین ہے کہ ہم اس کی حفاظت سے ڈر کر ہرگز  
نزدک و فائدہ کرینگے۔ گویا اس کی جنائش صرف ہمیں چھیرنے کی غرض سے ہیں۔  
ورنہ ان جنائش سے انہیں ہمارا امتحان و قابلینا مقصود نہیں ہے۔

۲۔ لطف خاص .. مراد اشارہ و کنایہ .. پائے سخن .. سلسلہ گفتگو۔  
محبوب کے اس لطف خاص کا کس منہ سے شکریہ ادا کروں کہ وہ اشاروں  
کنائوں سے میرا حال دریافت کرتا ہے اور پائے سخن درمیان نہیں لاتا۔ ظاہر  
ہے معشوق کے کنائے عاشق کے لئے خاص لطف رکھتے ہیں بلکہ لطف خاص  
کی نشانی ہیں۔

اگرچہ شعر حمد میں ہے تو پھر اس کی شرح یہ ہوگی کہ میں خدا کی حمد کس  
زبان سے ادا کروں کہ وہ بغیر سلسلہ گفتگو اپنے بندوں کی خبر رکھتا ہے۔

۳۔ ہم کو متم عزیز ہے اور وہ ہم پر متم کرتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ  
مشکر ہم کو عزیز رکھتا ہے۔ اگر ہم کو عزیز رکھتا تو ہم پر متم ہرگز نہ کرتا۔ کیونکہ  
متم ہیں عزیز ہے۔ وہ ہم کو وہی چیز دیتا ہے جو ہم کو عزیز ہے۔ اس لئے  
ہم بلا خوف تردید کہہ سکتے ہیں کہ ہم اس مشکر کو عزیز ہیں۔ اس سلوک  
خاص سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ مشکر اگر ہم پر مہربان نہیں ہے تو ناہم  
بھی نہیں ہے۔ کیونکہ اگر وہ ناہم رہا ہوتا تو ہماری آرزوئے متم فوری  
نہ کرتا (سجید حسرت)۔

یہ بخود: ہم کو مشکر اس لئے عزیز ہے کہ اس کا متم ہماری قوتِ برداشت  
کے موافق ہوتا ہے۔ ایسا ظلم وہ نہیں کرتا جس سے ہم جاں بلب ہو جائیں  
اس واسطے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہم بھی اس مشکر کو عزیز ہیں۔ اگر عزیز نہ ہوتے تو

ستم سے وہ ہماری جان لے لیتا ہے۔ اس بیان سے دوسرے مصرعہ کا ثبوت ہم پہنچتا ہے۔

آہی: (۱) ہم کو اس کا ستم عزیز ہے اور تختہ مشق حنا بنانے کے لئے وہ ہم کو عزیز رکھتا ہے۔ بہر حال ناہربانی سے اس کی مہربانی کا ایک پہلو نکلتا ہے (۲) وہ ہم کو پیارا ہے کہ ہم پر ظلم کرتا ہے اور ہم اس کو پیارے ہیں کہ ہم ستم سمیٹتے ہیں۔ اس کا ہم سے کام نکلتا ہے اور ہملا اس سے۔ تو اگر وہ مہربان نہیں ہے تو ناہربان بھی نہیں (۳) ہم خیال بولتے۔

۴۔ بوسہ نہ دینے کا عذر تو تمہیں یہ ہاتھ آیا ہے کہ تیارادہن نہیں ہے۔ خیر آپ بوسہ نہ دیکھئے۔ لیکن گالی دینے میں کیا مضائقہ ہے آخر آپ زبان تو کھتے ہیں۔ کس خوبصورتی سے ظاہر کیا ہے کہ معشوق کا دہن نہیں ہوتا۔

۵۔ قہر و عتاب .. غصہ + جاں گداز .. جان کو گھلا دینے والا + پشت گرمی .. سہارا - قوت -

قلعہ بند ہے، کہتے ہیں۔ ہر چند اس کا قہر و عتاب جان کو گھلانے والا ہے اور ہماری قوت برداشت نے جواب دے دیا ہے لیکن پھر بھی۔

۶۔ مطرب .. گانے والا + ہل من مزید .. کچھ اور زیادہ + پیرہن .. نغمہ منج + زمزمہ ترانہ .. گیت + اللہان .. پناہ - الحمد -

ہم اس کے قہر سے پناہ نہیں مانگتے اور زبان پر اللہان کا لفظ نہیں لاتے۔ بلکہ میری جان ترانہ ہل من مزید گاتی ہے۔ یعنی عتاب مزید کی خواہش ہے۔

۷۔ دو نیم .. دو ٹکڑے - دو پارہ -

اگر تیرا دل دو پارہ نہ ہو تو پھر تو اپنا سینہ فخر سے چیر ڈال، تاکہ تیرا

دل زخمی ہو جائے اور اگر تیری مڑگاں خوشچکانی سے محروم ہوں تو اپنے دل میں پھری گھونپ کر مڑگاں میں خوشچکانی کی صفت پیدا کر، کیونکہ :-

۸۔ آذر فشاں .. آتش فشاں -

وہ دل سینے کے لئے باعثِ ننگ و غار ہے جو آتشِ عشق سے آتشکدہ بن گیا ہو اور اسی طرح وہ سانسِ دل کے لئے باعثِ شرم ہے جو شراباً نہ ہو۔ مطلب یہ ہے کہ وہ سینہ ہی کیا جس میں آتش نہ ہو اور وہ دل ہی کیا جس میں سے نفخِ آتش فشاں نہ نکلے۔

۹۔ اگر جنوں سے میرا گھر برباد ہوتا ہے تو مجھے کچھ نقصان نہیں کیونکہ میرے گھر میں بہت ہرگی تو سو گز زمین ہوگی۔ جنوں کی بدولت مجھے سو گز زمین کے بدلے ایک پورا بیابان ملتا ہے۔ ظاہر ہے یہ کچھ جنگا سودا نہیں۔

۱۰۔ سر نوشت .. تقدیر + جہیں .. مانتھا۔

وہ فرماتے ہیں کہ تیری تقدیر میں کیا لکھا ہے؟ ذرا ستم ظریفی اور سادگی ملاحظہ ہو۔ میرے ماتھے پر موتوں کو سجے کرتے گناہ پر لگایا ہے اور میری میرا نوشتہ تقدیر ہے۔ پھر جتنا جتنا اگر نوشتہ تقدیر پوچھنے کی کیا ضرورت ہے میری سر نوشت میری پیشانی سے ظاہر ہے۔

۱۱۔ روح القدس .. حضرت جبرائیل -

حالی : ”یہاں ہم زبان“ کے لفظ میں ایہام ہے۔ ظاہری معنی تو یہ ہیں کہ انسان اور فرشتے کی زبان ایک نہیں ہو سکتی اور درپردہ اس میں یہ اشارہ ہے کہ جیسی فصیح میری زبان ہے ویسی روح القدس کی نہیں۔ لیکن پھر بھی اپنے کلام کی داد مجھے اس سے مل رہی ہے یہ بھی مطلب ممکن ہے کہ میرا کلام سراسر الہام ہے۔

۱۲۔ یہاں .. قیمت ۔

اس کے ایک بوسے کی قیمت جان ہے۔ لیکن ابھی وہ کیوں کیسے گا کہ جان دے کر بوسے لے لو۔ کیونکہ ابھی تو مجھ میں جان باقی ہے۔ جب مجھ میں پوری جان نہ رہے گی اور میں نیم جان ہو جاؤں گا۔ تو اس وقت کے گا کہ جان دو اور بوسے لے لو۔ ظاہر ہے۔ نیم جان پوری جان کہاں سے لائے گا۔ جو بوسے کا طالب ہوگا۔

۹۲

ماہِ دشتِ نودی کوئی تدبیر نہیں ۱ ایک چکر ہے مرے پاؤں میں زنجیر نہیں  
شوقِ اس دشت میں ڈٹا ہے مجھ کو کہہ جا ۲ جادہ غیر الزمکہ دیدہ تصویر نہیں  
حسرتِ لذتِ آزار رہی جاتی ہے ۳ جادہ راء وفا جز دمِ شمشیر نہیں  
رہنچِ نویدِ جاوید، گوارا رہیو ۴ خوش ہوں گر نالہ زبونی کش تاثیر نہیں  
سرکھاتا ہے جہاں زخمِ سراچھا ہو جلے ۵ لذتِ سنگِ باندا زہِ تقریر نہیں  
جب کرمِ رخصتِ بیباکی و گستاخی ہے ۶ کوئی تقصیر بجز غفلتِ تقصیر نہیں  
غالب اپنا یہ عقیدہ ہے بقول ناسخ

”آپ بے برہ ہے جو مستقیم نہیں

۱۔ حالی : چکر .. پھرنے کی دھت۔ کہتے ہیں کہ اس کے پاؤں میں چکر ہے  
یعنی اس کو پھرنے کی دھت ہے۔ کہتا ہے کہ کوئی تدبیر مجھے دشتِ نودی سے  
روک نہیں سکتی پس زنجیر جو اس غرض سے میرے پاؤں میں ڈالی گئی ہے اسے  
زنجیر نہ سمجھو بلکہ چکر سمجھو۔

۲۔ میرا شوق جنوں مجھے اس دشت میں دوڑاتا ہے جہاں راستہ اس طرح  
معدوم ہے جیسے دیدہ تصویر میں نگہ معدوم ہوتی ہے۔ تمام متفق ۔



آہستی دوسرے معنی یہ کہتے ہیں :- جیسے کہ دیدہ تصویر حیرت میں ہے۔ اسی طرح دہاں اگر کوئی جاوہ ہے تو جاوہ حیرت ہے اور کچھ نہیں (معین)

حسرت کے دوسرے معنی ملاحظہ ہوں۔ شوق مجھ کو اس دشت میں لئے جاتا ہے جہاں ہر شخص مثل تصویر محو حیرت ہو جاتا ہے۔

۳۔ جاوہ یعنی بیٹا کو دم شمشیر سے تشبیہ دی ہے مطلب شعر کیا ہے کہ عشق کے آثار اور تکلیف میں جو لذت ہے، جی تو یہی چاہتا ہے کہ اس لذت سے خوب دل کھول کر مستی ہوں۔ مگر چونکہ وفا کی راہ سراسر تلوار کی دھار پر ہے اس لئے پہلے ہی قدم پر موت نظر آتی ہے۔ پس انسان ہے کہ لذت آزار کی حسرت دل کی دل ہی میں رہ جاتی ہے۔

۴۔ نو میدی جاوید .. دائمی یا یوسی + زلونی کش .. ذیل مراد آسان۔ خدا کرے مجھے ہمیشہ دائمی یا یوسی اور نا امیدی گوارا رہے میں بہی حالت سے بہت خوش ہوں کیونکہ اس حالت سے میرے نالے تاثیر کے احساں کی ذلت اٹھانے سے محفوظ رہتے ہیں۔

۵۔ سر کھانا .. سر میں کھجلی ہونا، محاورہ میں شامت آنا۔ پٹنے کی خواہش پیدا ہونا، جہاں .. جس وقت + بانداؤ تقریر نہیں .. بیان نہیں ہو سکتا۔ جس وقت میرا زخم سرا کھٹا ہو جاتا ہے تو میرا سر کھاتا ہے۔ گویا جی چاہتا ہے کہ لڑکے بالے مجھے اور پتھر باریں اور زخم لگائیں اور پتھر کھانے میں کچھ ایسا لطف ہے جو احاطہ تحریر سے باہر ہے۔ مرزا نے سر کھانے کا محاورہ خوب صرف کیا ہے۔ بقول بخود اندمال زخم کے بعد زخم میں جو کھجلی ہوتی ہے۔ اس کیفیت کو مرزا نے دوبارہ زخم کھانے کے شوق سے تعبیر کیا ہے۔

۶۔ رخصت .. اجازت + تقصیر .. قصور + مچلتی تقصیر .. ارتکاب۔  
 قصور سے جھکتا۔

جب یار کی ہرمانیاں گستاخی کرنے کی اجازت دیں تو اس وقت جھکتا  
 اور شرم کرنا سب سے بڑا قصور ہے۔

۷۔ بے بہرہ .. بد نصیب۔  
 غالب بقول ناسخ ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ جو شخص میر کو پیغمبر مسمیٰ نہیں  
 مانتا اور شاعری میں ان کی پیروی نہیں کرتا وہ بے بہرہ اور بد نصیب ہے۔

۹۲

برشکال گرئہ عاشق ہے دیکھا چلے ۱ کھل گئی مانند گل سو بل سے دیوار چمن  
 اُلفتِ گل سے غلط ہے دعویٰ دارشگی ۲ سرو ہے باوصف آزادی گرفتار چمن  
 ۱۔ برشکال .. برسات + کھل گئی .. شق ہو گئی۔

یہ گریہ عاشق کی برسات ہے دیکھا چلے کہ کیا رنگ لاتی ہے اس  
 برسات سے دیوار چمن گل کی طرح سو بگڑے کھل گئی ہے ظاہر ہے۔ جب  
 دیوار چمن کا یہ عالم ہے تو دیکھا چلے چمن میں کس قدر پھول کھلتے ہیں۔

۲۔ دعویٰ دارشگی .. دعویٰ آزادی۔

اُلفتِ گل سے کوئی وارستہ اور آداد نہیں ہے۔ یہاں دعویٰ  
 دارشگی و آزادی بالکل غلط ہے۔ سرو کو دیکھ لو کہ آداد کدلاتا ہے مگر  
 درحقیقت اُلفتِ گل میں گرفتار ہے۔ کیا مجال کہ چمن سے باہر جاسکے  
 بس یہی ہے اس کو آزادی کا دعویٰ ؟ حاصل شعریہ ہے۔ کوئی کیا  
 ہی آداد سنس کیوں نہ ہو۔ لیکن وہ دنیا میں عشق و محبت کے پھندے  
 سے نہیں چھوٹ سکتا۔

عشق - تاثیر سے نوید نہیں ۱ جانسپاری شجر بید نہیں  
 سلطنت دست بدست آئی ہے ۲ جامے خاتم جمشید نہیں  
 ہے تجلی تری سامان وجود ۳ ذرہ بے پر تو خود شہید نہیں  
 راز معشوق نہ سوا ہو جائے ۴ در نہ مر جائے میں کچھ بھید نہیں  
 گردش نگہ طرب سے ڈر ہے ۵ غم محرومی جاوید نہیں  
 کہتے ہیں جیتے ہیں امید پر لوگ ۶ ہم کو جینے کی بھی امید نہیں  
 ۱۔ جانسپاری .. جان دینا۔ جان بازی + شجر بید .. بید کے درخت  
 میں کوئی پھل نہیں لگا۔

عشق - تاثیر سے ناامید نہیں ہے۔ یعنی اس میں تاثیر ضرور ہوتی ہے۔ جان  
 دینے کا کچھ نہ کچھ نتیجہ ضرور ملتا ہے۔ جانسپاری شجر بید نہیں ہے کس  
 میں کوئی پھل ہی نہ آئے۔ مطلب یہ ہے کہ عشق میں جان بازی ضرور کچھ  
 نتیجہ یا اثر دکھائی ہے۔

۲۔ خاتم .. خلیفہ۔ انگوٹھی۔ عام طور پر نگینہ پر نام لکھا ہوا ہوتا ہے۔  
 جامے کی سلطنت جمشید سے آندوں کو دست بدست ملی ہے یہ  
 جامے خاتم جمشید نہیں ہے کہ صرف جمشید ہی کے ہاتھ کے لئے مخصوص  
 ہوا دوسرے اس سے محروم رہیں۔

صرف سچید کو جزوی اختلاف ہے۔ لکھتے ہیں سلطنت اور جام کو  
 مرادف قرار نہیں دیتا چاہئے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ سلطنت واسطہ بواسطہ  
 منتقل ہوتی رہتی ہے۔ جامے خاتم جم یا سلطنت جم نہیں کہ صرف ایک شخص  
 کے لئے مخصوص ہو اور اسی کی ذات پر ختم ہو جائے۔

۳۔ تیری تجلی وجودِ عالم کا سبب ہے۔ جس طرح ذرہ بغیر پر تو غلہ شید کے نمایاں نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح تمام موجوداتِ عالم تیری ذات کے پر تو کے بغیر ظاہر نہیں ہو سکتے۔ غالب ہے

ہے کائنات کو حرکت تیرے ذوق سے      پر تو سے آفتاب کے ذائقے میں جان ہے  
۴۔ حالی: ”بھید کے معنی پوشیدہ بات کے ہیں خواہ پوشیدہ مصلحت ہو، خواہ پوشیدہ قباحت ہو۔ یہاں پوشیدہ قباحت مراد ہے۔ اگر مر جائے کی جگہ نہ مرنے کا لفظ ہوتا تو بھید کے معنی پوشیدہ مصلحت ہو جاتے۔“ مطلب یہ ہے کہ میرے مر جانے میں کوئی پوشیدہ قباحت نہیں ہے۔ صوفاء خوف ہے تو اتنا ہے کہ کہیں میرے مر جانے سے رازِ عشق فاش نہ ہو جائے گویا عاشق کا جانِ غم عشق کی رسوائی کا باعث نہ ہو۔ راز اور بھید میں رعایت فطری ہے۔

۵۔ مجھے محرومیِ جاوید کا غم نہیں ہے، کیونکہ محرومیِ جاوید کی حالت میں ہمیشہ ایک سی حالت رہے گی۔ برخلاف اس کے عیش و نشاط کی کیفیت ہمیشہ نہیں رہتی۔ اس حالت میں ہمیشہ گردشِ ایام کا خوف لگا رہتا ہے اور فطرتِ انسانی یہ ہے کہ راحت کے بعد رنج آئے بہت تکلیف دہ معلوم ہوتا ہے۔ ان کیفیتوں کو دیکھتے ہوئے ظاہر ہے کہ رنگِ طرب سے نوید می جاوید بہتر ہے کیونکہ اس میں کسی قسم کے انقلاب کا خوف نہیں۔

حسرت کے دوسرے معنی :- گردشِ رنگِ طرب سے اس لئے ڈر ہے کہ محرومی کی حالت میں طرب کی جھدک سے رنجِ محرومی کا احساس اور بھی زیادہ ہوتا ہے۔

سجید کے دوسرے معنی :- رنگِ طرب کی تبدیلیاں دیکھ کر مجھ کو رٹ

ہے کہ محرومی بھی ہمیشہ نہ رہ سکے گی۔ اس لئے میں ڈرتا ہوں کہ محرومی باوید کا جو غم میں حاصل کرنا چاہتا تھا۔ وہ نہ ہوا۔

آئسی (۱) میرے ہم خیال (۲) اسے دو شخص کے تھے جو زمانہ عیش کے زوال کا دھڑکا لگا ہوا ہے اور یہ کھٹکاتے کھٹاتے جاتا ہے۔ تو اس سے نہیں ڈرتا اور ان لوگوں کا تجھے خیال نہیں جو محروم باوید ہیں۔ (طباطبائی)

(۳) یہ غم نہیں کہ ایک وہ زمانہ بھی آنے والا ہے کہ جب تو ہمیشہ کے لئے عیش و عشرت سے محروم کر دیا جائیگا اور اس خیالِ نوالِ عیش تک سے محروم ہو جائیگا۔ مراد ہے زمانہ اجل سے۔

۶۔ (۱) مثل مشہور ہے کہ دنیا بامید قائم۔ لیکن ہم ایسے شخص ہیں کہ ہم کو جینے کی بھی امید نہیں (۲) امید ہی سے زندگی ہے۔ جب کوئی امید نہیں تو زندگی سے ناامید ہونا لازمی ہے (۳) جب ہم کو جینے کی بھی امید نہیں تو پھر ہم کس امید پر جیتے ہیں۔ بقول حالی یہ شعر متنع ہے۔ اس زمین میں اس سے بہتر شعر نکالنا مشکل ہے۔

۹۶

جہاں تیرا نقش قدم دیکھتے ہیں ۱ جہاں خیاباں ادم دیکھتے ہیں  
دل آشفٹگانِ غالِ کج دین کے ۲ سویدا میں سیرِ علم دیکھتے ہیں  
ترے سر و قامت سے اِک قدم ۳ قیامت کے فتنے کو کم دیکھتے ہیں  
تماشا کرے مجھ آئینہ داری ۴ تجھے کس تہا سے ہم دیکھتے ہیں  
سُراخِ تَعَبِ نالہ دے درِ غِ دل سے ۵ کہ خُب تو کا نقش قدم دیکھتے ہیں

بنا کر فقیروں کا ہم بھیس غالب  
تماشا ئے اہلِ کرم دیکھتے ہیں

۱۔ خیاباں .. پھولوں کی کیدری + ارم .. باغ ارم، باغ جنت + خیاباں

خیاباں .. بمعنی بکثرت خیاباں -

یار کے نقش قدم کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں - جہاں کہیں ہم تیرا  
نقش قدم دیکھتے ہیں، تو ہم کو تیرا ہر نقش قدم ایک خیاباں ارم دکھلائی دیتا  
ہے - مطلب یہ ہے کہ جہاں تو قدم رکھتا ہے وہاں باغ ارم کے سرسبز و  
شاداب سچے نظر آتے ہیں -

۲۔ وہ لوگ عیسویہ خیال دہن پر عاشق ہیں، اپنے سویدائے دل  
میں عدم کی سیر کر رہے ہیں - اس میں رمز یہ ہے کہ سویدائے دل -

خیال دہن معشوق سے مشابہ ہے اور دہن معشوق عدم یعنی معدوم ہے -  
۳۔ حالی: اس کے ایک معنی تو یہی ہیں کہ سرور قیامت سے قدرتی

کمزور ہے اور دوسرے معنی یہ بھی ہیں کہ تیرا قد اسی سے بنایا گیا ہے - اس  
لئے وہ ایک قد آدم کم ہو گیا ہے - اور تیرا قد قنہ قیامت سے ایک  
قد بھر اور بڑھ گیا ہے -

۴۔ تماشا کر .. دیکھ تماشا کروں کا ترجمہ ہے - آئینہ میں اپنے  
جمال کو دیکھ کر کیا غم ہو رہے ہو - ذرا ادھر تو دیکھو کہ ہم تمہیں کس حسرت  
سے دیکھ رہے ہیں (تمام متفق)

آئینہ نے ایک پہلو یہ نکالا ہے کہ اسے محو آئینہ داری آئینہ کو چھوڑ  
ہم کو دیکھ کہ تیری اس حالت آئینہ داری کے دیکھنے سے ہم آئینہ سے بھی  
کچھ زیادہ حسرت زدہ بن گئے ہیں - چونکہ تجھ کو آئینہ اور آئینہ داری کا شوق ہے  
لہذا تو ہم کو دیکھو -

۵۔ سہراغ .. کھوج - پتہ + تھن نالہ .. نالہ کی حدت و گرمی +

مشرب رو.. رات کو چھنے والا مسافر شب -

نالہ دل کو شب رو کہتا ہے۔ کیونکہ نالہ اکثریات کو بلاتے کیا جاتا ہے اور  
دیر دل کو اس کا نقش قدم قرار دیا ہے۔ جس طرح مات کو بچنے والے لنگر وچ صبح  
کو اس کے نقش قدم سے نکالتے ہیں کہ وہ کس طرف سے آیا اور کس طرف گیا۔  
اسی طرح تو بھی میرے داغ داتے (جو شب رو کے نقش قدم سے مشابہ  
ہے) میرے نالہ شب کو گرمی کا سراغ لگا۔

۶۔ ہم فقیروں میں ہیں۔ لیکن اہل کرم کا انداز نرم دیکھنے کے۔ لیکن ہم نے  
فقیروں کا بھیس بل لیا ہے۔

۹۷

ملحقہ خدمتے یارست دارالغائب میں ۱ کافروں گرنہ ملحق موافقت عذاب میں  
کبھی ہمیں کیا بات نہ ہو جس خراب میں ۲ شہساکے پھر کو بھی رکھوں گرجواب میں  
تا پھر نہ انتظار میں نیند آئے عمر بھر ۳ آنے کا وعدہ کر گئے آئے ہو خواب میں  
قاصد کے آئے آتے تھراک اور لکھ رکھوں ۴ میں جانتا ہوں جو وہ لکھیں گے جواب میں  
نوحہ کا گلاب ان کی بزم میں آتا قاصد و پیام ۵ ساقی نے کچھ لانا دیا ہو شراب میں  
جو منکر و قاصد قاصد میں اس کی کیا چلے ۶ کیوں بدگیاں ہیں دوست کے دشمن کجباب میں  
میں منظر ہوں تاکیں خوفِ قریب ۷ ڈالا ہے تم کو وہ ہنسے کس بیچ و تاب میں  
یاں اور سطر و صل خدا ساز ہاں ہے ۸ ہاں نقد دینی قبول کیا اضطراب میں  
توئی برحق ہوا ہے جو انداز تھا بہت ۹ ہے اس کے ن پڑی ہوئی طرف نقاب میں  
لا میں غائب ایک جہر نانا گاہ ۱۰ لاکھوں بناؤ ایک بگڑنا عتاب میں  
وہ نالہ دل میں جس کے برابر جگہ نہ پائے ۱۱ جس نالہ سے شکاف پڑے آفتاب میں  
وہ سحر دعا طلبی میں نہ کام آئے ۱۲ جس سحر سے سفینہ بھرا ہو شراب میں

غالبِ جیٹی شراب پر اب بھی لمبی کبھی

پیتا ہوں۔ وزارتِ و شہر، مانتا ہوں

۱۔ نار۔ آگ + التماہب۔ گرمی، طیش۔

شعلہ زنی، آگ بولا ہونا۔ بجے جلانا۔ بات بات پر افوختہ ہونا غصے یا  
ہے اور آگ میں یہی صفات موجود ہیں۔ اس مشابہت کی وجہ سے مجھ کو  
عذابِ نار میں بھی راحت ملتی ہے اور اس حقیقت سے میں انکار نہیں کر سکتا  
اگر انکار کروں تو کافر ہوں۔

۲۔ میں نہیں بتا سکتا کہ اس جہانِ خراب میں کب سے زندگی بسر کر رہا ہوں  
معمولی سا اندازہ یہ ہے کہ جدائی کی ایک ایک رات ہزار ہزار سال کے  
برابر تھی۔ خدا جلنے لگتی جدائی کی راتیں گزر گئیں اور کتنے ہزار سال مجھے اس  
جہانِ خراب میں آٹے ہوئے ہو گئے۔ اگر میں شب ہائے ہجر کو حساب میں لگاؤں  
تو نہیں معلوم میری عمر کس قدر طویل ثابت ہو۔

۳۔ میں اس کا انتظار کرتے کرتے سو گیا۔ لیکن اس شوخ کو یہ بھی گواہ  
نہیں کہ میں انتظار کرتے کرتے سو جاؤں اور خواب ہی میں ان کو دیکھ لوں۔ اس  
دو گونہ نطف سے مجھے محروم کرنے کے لئے وہ میرے خواب میں آئے اور آنے  
کا وعدہ کر گئے تاکہ پھر انتظار میں مجھ کو عمر بھر نیند نہ آئے۔ گویا اب انتظار  
میں نہ مجھے نیند آئیگی اور نہ وہ خواب میں آئیں گے، خوب شعور ہے۔

۴۔ جب ۱) قاصد واپس آئے اس وقت تک میں ایک اور خط لکھ لوں  
کیونکہ جو کچھ وہ خواب میں لکھیں گے، وہ مجھے معلوم ہی ہے۔ اس لئے انتظار  
قاصدِ فضول ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ مجھے کچھ نہیں لکھیں گے۔ انکار لکھیں گے یا  
خط لکھنے سے روکیں گے۔



۵۔ حالی : اس شعر میں پہلے مصرعہ کے بعد اتنا جملہ محذوف ہے (پھر آج جو خلافِ عادت جام کی نوبت مجھ تک پہنچی ہے) اس حذف نے شعر کا رتبہ بہت بلند کر دیا ہے۔ ایسا حذف جس پر قرینہ دلالت کرتا ہو اور جو الفاظ حذف کئے گئے ہیں وہ بغیر ذکر کے دونوں مصرعوں میں بول رہے ہیں محضات شعر میں شمار کیا جاتا ہے۔

ان کی بزم میں دورِ جام مجھ تک کب آتا تھا۔ پھر آج جو خلافِ عادت جام کی نوبت مجھ تک پہنچی ہے تو کیا تعجب ہے کہ ساقی نے شراب میں زہر ملا دیا ہو۔ کیونکہ ان کی بزم کا ساقی بھی میرا رقیب ہے۔

۶۔ منکروفا۔ جو شخص وفا سے انکار کرتا ہو یا کسی کی وفاداری کا اعتناء نہ کرتا ہو + دشمن + رقیب + دوست + محبوب۔

جو شخص کہ سرے ہی سے منکروفا ہو اس پر کسی کا فریب محبت کا رگہ نہیں ہو سکتا۔ اس لئے میں خواہ مخواہ دوست سے برگماں کیوں ہوں اور یہ خیال کروں کہ وہ رقیب کے فریب و فام میں آگیا ہے۔ بھلا منکروفا کا اس فریب میں آنا کیونکر ممکن ہو سکتا ہے ؟

۷۔ رشک کہتا ہے کہ اس غیرِ اخلاصِ عقل کتنی ہے کہ وہ بے ہرکس کا آشنا + عشق سے کہتے ہیں۔ میں تو اصل میں خوفِ رقیب کی وجہ سے پریشان ہوں کہ وہ کم بخت عین موقع پر ہی نہ آن دھکے اور رنگ میں بھنگ نہ ڈال دے لیکن یہ بتلائیے کہ آپ کو وہم نے کس پہنچ و تاب میں ڈالا ہے۔

وہم کی تشریح غور طلب ہے۔ جمود، حسرت و ظہا طبعی کہتے ہیں تم کو یہ وہم ہے کہ میں کسی دوسرے معشوق سے چھپ کر آیا ہوں۔ اس لئے مضطرب ہوں۔

سعید : تمہارا یہ خیال ہے کہ میں کسی دوسرے معشوق کے خیال سے بے چین ہوں۔

آنسی : اگر معشوق کے کہ جیسے تجھے رقیب کا خوف ہے۔ ویسے ہی مجھے بھی ہے۔ تو اُس سے کہا جائے کہ آپ تو کہتے تھے مجھے کسی کا خوف نہیں۔ کیونکہ میں کسی سے ملتا ہی نہیں پھر کس بات کا وہم ہے۔ معلوم ہوا کہ آپ کی وہ سب باتیں غلط تھیں۔ مصنف نے خوف کا لفظ اپنے لئے وہم کا لفظ محبوب کے لئے استعمال کیا ہے۔ خوف اس لئے کہ رقیب عاشق کو نقصان پہنچا سکتا ہے اور معشوق کا وہم اس لئے کہ اُس کا نقصان کا اندیشہ ایک وہم سے زیادہ وقت نہیں رکھتا۔

۸۔ مجھے اور حظ و لطف و صل حاصل ہو۔ یہ ایک خدا سا زہاں ہے۔  
در نہ میں اس قابل کب تھا مجھے اس موقع پر اپنی جان قربان کر دینی چاہئے تھی۔  
باقی شارحین حظ و صل کا مفہوم بہتر خیال کرتے ہیں۔

۹۔ عاشق پر محبوب کی برہمی مزاج کا ایسا اثر ہوا کہ جب وہ نقاب میں شکن پڑی ہوئی دیکھتا ہے تو فوراً اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ محبوب کا مزاج برہم ہے۔ برہمی کی وجہ سے اس کے ماتھے پر بل پڑے ہیں اور اس کا اثر نقاب پر ظاہر ہے۔ یعنی تیوری کے مقام پر شکن پیدا ہو گئی ہے۔

۱۰۔ حالی : یہاں لگاؤ سے مراد لگاؤٹ ہے۔ یعنی معشوق کا عاشق کے ساتھ ایسا برتاؤ کرنا جس سے اس کا التفات اور میلان طبع پایا جائے۔ شعر کا مطلب یہ ہے کہ دوست کی لاکھوں لگاؤٹیں ایک طرف اور ایک نگاہ کا چرانا ایک طرف اور اس کے لاکھوں بناؤ سنگار ایک طرف اور ایک عتاب میں گزرنا ایک طرف۔ یہ شعر بھی سہل منتع ہے۔ اگر الفاظ کی طرف دیکھئے تو تعجب ہوتا ہے کہ

کیونکہ ایسے دو ہم پلہ مصرعے ہم پہنچ گئے۔ جن میں حسن تر صبیح کا پورا پورا حق ادا کیا گیا ہے اور اگر معنی پر نظر کیجئے تو ہر ایک مصرعہ میں ایک ایسا معاملہ پاندھا گیا ہے جو فی الواقع عاشق و معشوق کے درمیان ہمیشہ گزرتا رہتا ہے معشوق کی لگاؤ عاشق کے لئے بہت بڑی چیز ہے مگر اس کا آنکھ چرانا جو لگاؤ کی قید ہے۔ وہ عاشق کی نظر میں لگاؤ سے بہت زیادہ دلفریب و دل آہینہ ہوتا ہے۔ اسی طرح بناؤ سنگار سے معشوق کا حسن بیشک دوبالا ہو جاتا ہے مگر اس کا غصہ میں بگڑنا اس کے بناؤ سے بہت زیادہ خوشنما اور دل ربا معلوم ہوتا ہے۔ اس شعر کے متعلق یہ سب ظاہری اور اوپری باتیں ہیں جو ہم لکھ رہے ہیں اس کی اصل خوبی و جدائی ہے جس کو صاحب ذوق کے سوا کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ ایک روز مولانا آذرہ مرحوم کے مدبر و کسی نے یہ شعر پڑھا۔ چونکہ مولانا نہایت صاف اور سربلغ الفہم اشعار کو پسند کرتے تھے۔ اس لئے مرزا کے کلام کو سن کر اکثر اچھے تھے اور ان کی طرز کو ہمیشہ نام رکھتے تھے مگر اس روز اس شعر کو سن کر وہ جد کرنے لگے اور متعجب ہو کر پوچھا کہ یہ کس کا شعر ہے۔ کہا گیا میرزا غالب کا چونکہ وہ میرزا کے شعر کی بھی تعریف نہ کرتے تھے اور اس روز لا علمی میں بیساختہ ان کے منہ سے تعریف نکل گئی تھی۔ غالب کا نام سن کر بطور مزاح کے جیسی کہ ان کی عادت تھی خرابا۔ اس میں میرزا کی کیا تعریف ہے یہ تو خاص ہماری طرز کا شعر ہے۔ مگر فی الحقیقت یہ شعر بھی معنآ و لفظاً ویسا ہی اچھوتا اور نرالا ہے جیسا کہ میرزا کا تمام کلام کسی کے کلام سے میل نہیں کھاتا۔ جہاں تک کہ ہم کو معلوم ہے یہ اسلوب بیان آج تک اس عمدگی کے ساتھ کسی کے کلام میں نہیں دیکھا گیا۔

تعجب ہے میرا وہ نالہ جس سے آفتاب شوق ہو جاتا ہے۔ معشوق کے دل پر کچھ بھی اثر نہیں کرتا۔

۱۲۔ مدعا طلبی .. مطلب براری + سحر .. جادو + سراب .. چمکنے والی ریت جس کو دُور سے دیکھ کر پانی کا دھوکا ہوتا ہے۔

تعجب ہے کہ اس جادو سے بھی میری طلب براری نہ ہو۔ جس کے زور سے دریاے سراب میں کشتی رواں ہو جاتی ہے۔

۱۳۔ میں نے شراب بینی چھوڑ دی ہے۔ لیکن کیا کروں چاندنی راقول اور ابر کے دنوں میں نہیں رہا جاتا۔

۹۸

کل کے لئے کر آج نہ خست شرب میں ۱ یہ سوئے ظن ہے ساقی کو شکرے باب میں  
ہیں کج کیوں بذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند ۲ گستاخی فرشتہ ہماری جناب میں  
جاں کیوں بچنے لگتی ہے تن سے دم سماع ۳ گر وہ صدا سنائی ہے چنگ و رہا میں  
رو میں ہے رخس عمر کہاں دیکھتے تھے ۴ لے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں  
اتنا ہی مجھ کو اپنی حقیقت سے بُعد ہے ۵ جتنا کہ وہیم غیر سے ہوں بیچ و تاب میں  
اصل شہود و شاہد و مشہود ایک ہے ۶ جہاں ہیں کچھ مشاہدہ ہے کس حساب میں  
ہے شغل نمودِ صورت پر وجود بکھر ۷ یاں کیا دھڑا ہے قطرہ و موج و جلاب میں  
شرم اک اداسے ناز ہے اپنے ہی سے سہا ۸ میں کتنے بے محاب کہ میں یوں جلاب میں  
آرائش جمال سے فارغ نہیں ہنور ۹ پیش نظر ہے آئینہ دائم نقاب میں  
ہے غیب غیب جس کو سمجھتے ہیں ہم شہود ۱۰ میں خواب میں ہنوز جو جگے میں خواب میں

غالبِ ندیم دوست سے آتی ہے بے وقت

مشغولِ حق ہوں بندگی تو تراب میں

۱۔ کل .. مراد۔ خزانے قیامت + خست .. کنجوسی بچل پوٹے ظن .. بدگمانی + ساقی کوثر .. کوثر جو من بہشت ہے اور حضرت علی علیہ السلام ساقی کوثر ہیں۔

ساقی کل کے لئے شراب بچانی چاہتا ہے۔ اس لئے دل کھول کر شراب نہیں پلاتا۔ کہتے ہیں۔ اسے ساقی تو کل کا خیال کو کے آج شراب پلانے میں کنجوسی نہ کر۔ جس قدر پلا سکتا ہے آج ہی پلا دے۔ کیونکہ ایسا کرنے سے ساقی کوثر کی شان میں بدگمانی اور گستاخی ہوتی ہے بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کل یعنی روز قیامت ساقی کوثر دل بھر کر نہ چھکائیں۔ پھر تجھے خست کرنے سے کیا حاصل ہے۔ (آئسی)

بیخود: کل یعنی خزانے قیامت کے لئے آج شراب دینے میں خست نہ کر۔ (مشہور ہے کہ دنیا میں جو شراب پئے گا۔ وہ آخرت میں شراب طہوری سے محروم رہیگا) یہ سمجھنا کہ ساقی کوثر شراب طہوری نہ دیئے گئے۔ ساقی کوثر کی فیاضی پر سو ظن ہے۔ نہیں ایسا نہیں ہو سکتا، وہاں بھی ضرور ملے گی۔

آئسی: (۱)، روز قیامت کے خوف سے شراب دینے میں خست نہ کر کیونکہ اس سے ساقی کوثر کی شان میں سوء ظن پیدا ہوتا ہے۔ اگر شراب بُری ہوتی تو ساقی کوثر کو یہ کام کیوں پسند ہوتا اس میں سے ہم خیال۔

سعیقہ: اسے ساقی تو کل قیامت کے خیال سے شراب پلانے میں آج خست نہ کر۔ کیونکہ ایسا کرنا ساقی کوثر کی شان میں گستاخی کرنا ہے۔ بھلا یہ ان کے کب شایانِ شان ہے کہ اگر تو آج شراب زیادہ پلا دے گا تو وہ کل اس کو منہا کر لیں گے۔

۲۔ حالی: اس کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ معشوق کو یا تو ہماری خاطر ایسی

عزیز متقی کہ اگر بالفرض فرشتہ بھی ہماری نسبت کئی گستاخی کرتا تو اس کو گوارا نہ ہوتی اور یا اب ہم کو بالکل نظر سے گرا دیا گیا ہے۔ دوسرے عہد معنی یہ ہیں کہ اس شعر میں حضرت آدم اور فرشتوں کے اس قصہ کی طرف اشارہ ہے جو قرآن مجید میں مذکور ہے کہ جب اللہ تعالیٰ آدم کو پیدا کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو فرشتوں نے کہا۔ کیا تو دنیا میں اس شخص یعنی اس نوز کو پیدا کرنا چاہتا ہے جو اس میں فساد اور خونریزی کرے۔ وہاں سے ارشاد ہوا کہ تم نہیں جانتے جو کچھ میں جانتا ہوں اور پھر آدم سے ان کو رنگ دلائی اور حکم ہوا کہ آدم کو سمجھہ کریں۔ کہتا ہے کہ آج ہم دنیا میں کیوں اس قدر ذلیل ہیں۔ کل تک تو ہماری ایسی عزت تھی۔

(دیکھو، سعید) آسمی اور طباطبائی نے دوسرا مضمون لکھا ہے۔

۳۔ دم سماع .. سماع کے وقت، سماع یعنی سننا صوفیائے کرام ان اشعار کو سننے کو جو حمد و ثنائیں گائے جلتے ہیں۔ سماع کہتے ہیں۔ جنگ و رباب .. آلات موسیقی۔

اگر خدا کی آواز جنگ و رباب میں سمائی ہوئی ہے تو پھر ان کے نعروں کو سن کر روح میں بالیدگی پیدا ہونی چاہئے۔ لیکن یہ اس کا الٹا اثر کیسا ہے کہ سماع کے وقت ہمارے جسم سے جان نکلنے لگتی ہے۔

۴۔ رخس .. گھوڑا۔

حالی: سوار کی بے اختیاری اور گھوڑے کا اس کے اختیار سے باہر ہونا چاہک سواروں کی زبان میں اس سے بہتر بیان نہیں ہو سکتا اور عمر کو ایسے بے قابو گھوڑے سے تشبیہ دی جی جن شبہ کا حق ادا کر دینا ہے میرا تو سن عمر بٹٹ اڑا چلا جاتا ہے۔ میری حالت یہ ہے کہ نہ تو ہاتھ

میں باگ ہے اور نہ پاؤں رکاب میں ہے۔ بالکل بے اختیار اس پر سوار ہوں۔ دیکھئے، وہ کہاں جا کر ٹھہرتا ہے یا کتنی دُور جا کر مجھے اپنی پشت پر سے گراتا ہے۔ آزاد ہے

جہازِ عمرِ رجاں پر سوار بیٹھے ہیں سوارِ خاک میں بے اختیار بیٹھے ہیں  
۵۔ حالی: غیر سے یہاں ماسوائے اللہ مراد ہے، جو صوفیہ کے نزدیک بالکل معدوم ہے۔ اس لئے کہ وہ وجودِ واحد کے سوا سب کو معدوم سمجھتے ہیں۔ کہتا ہے جس قدر وجودِ ماسوا کے دہم سے رات دن بیچ و تاب میں رہتا ہوں اتنا ہی مجھے اپنی حقیقت یعنی وجودِ واجب سے بعد ہے (بخود، معبود) آئی: (۱) جس قدر کہ مجھ کو غیر کا دہم ہے اور غیر کو غیر سمجھتا ہوں۔ اپنی حقیقت سے دُور ہوں۔ اپنی ذات سے بھی دُور ہوں۔ یعنی ماسوائے اللہ ہر ایک سے علیحدہ ہوں۔ وہ اپنی ذات ہو یا کوئی اور ہو۔ (۲) بھینچالِ حالی۔

طبا طبائی: جس قدر غیر کو سمجھتا ہوں۔ اتنا ہی اپنے سے بیگانہ ہوں پس عارفِ ذہنی وہ ہے جسے غیر کے آئینہٴ رخسار میں اپنا منہ نظر آئے۔  
۶۔ مشہود جمعِ شاہد کی، حاضر ہونا، جب سالک کو تمام موجوداتِ عالم میں حق ہی حق نظر آتا ہے تو اس کیفیت کو مشہود کہتے ہیں + شاہد: محبوب۔ لفظی معنی دیکھنے والا + مشہود: جس کو دیکھا جائے۔

مشہود، شاہد اور مشہود کی اصل ایک ہے۔ اس لئے مجھے حیرت ہے کہ جب یہ تینوں چیزیں ایک ہی ہیں تو پھر مشاہدہ کیا چیز ہے۔ کیونکہ مشاہدہ شاہد اور مشہود کے وجود کو علیحدہ علیحدہ چاہتا ہے۔

۷۔ حالی: وحدت وجود اور کثرتِ مہموم کی تمثیل ہے۔ قطرہ و موج و خباب کے ہیچ و ناہیچ ہونے کو ایک عام محاورہ میں اس طرح ادا کرنا کہ یہاں

کیا: حرا ہے۔ نہ تھائے بلاغت ہے (سجیدہ: میخود)

آکسی: قطروہ موج و حجاب کی ہستی کوئی ہستی نہیں ہے بلکہ یہ سب صورتیں دریا کی بدولت نظر آ رہی ہیں اور ان صورتوں کے ظاہر ہونے سے بحر کا پتہ چلتا ہے۔ یعنی ہستی موجودات و وجود واجب کے ضمن میں ہے باقی کچھ نہیں ہے (طباطبائی)

۸۔ حسرت: ان کا حجاب میں رہنا ہی ان کی بے حجابی پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ پردے میں رہ کر وہ اپنے سے نہیں شرارتے۔ حالانکہ شرم جو ایک ادا ہے ناز ہے۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ خود اپنی ذات سے بھی جیا آئے۔ یا یہ مطلب ہو گا کہ ان کا حجاب کرنا بھی ایک طرح کی بے حجابی ہے (تلم مقنن)۔ ۵۔ چھپے جو محجوب سے تو کیا یہ بھی اک ادا نہ ہوئی وہ چاہتے تھے نہ دیکھے کوئی ادا میری ۹۔ ہر محبوب بناؤ سنگار اس لئے کرتا ہے کہ لوگ اسے دیکھیں اور اس پر عاشق ہو جائیں۔ چنانچہ ہمارے محبوب نے بھی خوب بناؤ سنگار کئے اور اپنے اس مطلب میں کامیاب ہوا۔ جب سارا جہان اس پر عاشق ہو گیا تو اس نے آتش اشتیاق وید کو مشتعل کرنے کے لئے اپنے چہرے پر نقاب ڈال لیا۔ نقاب ڈالنے کا اصلی مدعا یہ ہے کہ کوئی شخص اسے نہ دیکھے جب کوئی اسے دیکھتا نہیں تو پھر آرائش جمال کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ لیکن ہمارے محبوب کو جمال آرائشی کا اس قدر شوق ہے کہ باوجود نقاب ڈالنے کے اسے آرائش جمال سے فراغت حاصل نہیں ہوتی۔ چنانچہ اس شوق کو پورا کرنے کے لئے وہ پردے میں بھی آرائش جمال کے لئے ہر وقت آئینہ پیش نظر رکھتا ہے۔ (سجیدہ: آکسی)

طباطبائی: نقاب استعارہ ہے حجاب قدس کا اور آئینہ اس میں



”علم ما یكون وما کان“ کا حکم رکھتا ہے اور آرائشِ جمال سے فارغ ہونا تفسیر ہے ”کل یوم ہوتی شان“ کی (تبیخ)

۱۔ سالک کو تمام موجوداتِ عالم میں حق ہی حق نظر آئے۔ قاس کو شہود کہتے

ہیں اور غیبِ الغیب سے مراد مرتبہٴ احدیت ذات ہے جو عقل و ادراک و بصیرت سے ذرا اور اے۔ کتاب ہے جس کو ہم شہود سمجھے ہوئے ہیں وہ حقیقتِ غیبِ الغیب

ہے اور ہم اس کو غلطی سے شہود سمجھتے ہیں۔ ہماری ایسی مثال ہے۔ جیسے کوئی خواب میں دیکھے کریں جاگتا ہوں۔ پس گو وہ اپنے تئیں بیدار سمجھتا ہے۔ مگر

فی الحقیقت وہ ابھی خواب ہی میں ہے۔ یہ مثال بالکل نئی ہے اور اس سے بہتر اس مضمون کے لئے مثال نہیں ہو سکتی (تبیخ۔ حسرت۔ عقید)

آئی: جن کو ہم شہود یعنی ظاہر باتیں سمجھے ہیں۔ یہ سب غیبِ الغیب ہیں اور اس غیبِ الغیب کو شہود سمجھنے کی مثال ایسی ہے جیسے کہ کوئی حالت خواب میں سمجھے کہ ہم جاگتے ہیں مگر دراصل وہ خواب میں ہے۔

طباطبائی: یعنی خواب میں خواب دیکھ رہے ہیں تو غیب میں غیب ہے۔

۱۱۔ ندیم.. مقرب، ہم نشین + خدا کو دوست اور حضرت علی علیہ السلام

کو ندیم دوست قرار دیا ہے۔ بو تراب.. حضرت علی کی کنیت ہے۔

چونکہ دوست کے ہم نشین (یعنی حضرت علی) کے جسم سے مجھ بے دست

(یعنی بے خدا) آتی ہے۔ اس لئے میں بندگیِ ہم نشین (عبادتِ علی) کو عبادتِ خدا

خیال کرتا ہوں اور انہی کی عبادت میں مشغول ہوں۔

جہاں ہیں دل کو دھڑلے پٹوں جگہ کریں ۱ مقصد ہوتا ساتھ رکھیں تو گر کریں

چھوڑا نہ رشاک نے کہ ترے گھر کا نام لوں ۲ ہر اک سے پوچھتا ہوں کہ جاؤں کہاں کریں

جانا پڑا رقیب کے دہر ہزار بار ۳ اے کاش جانتا نہ تری رہنمائی کوئیں  
 ہے کیا جو کس کے باندھے میری بلافتے ۴ کیا جانتا نہیں ہوں تمہاری فکر کوئیں  
 نوہ بھی کہنے میں کہ یہ بے ننگ تاج ۵ یہ جانتا اگر تو کشتا نہ گھر کوئیں  
 چلتا ہوں تھوڑی دُور مراکِ تیرے کھٹا ۶ پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کوئیں  
 خواہش کو محفوں نے پریش دیا قرار ۷ کیا پوچھا ہوں اُس بتِ بیدار کوئیں  
 پھر بخود ہی میں بھول گیا راہ کو شے بار ۸ جاتا وگرنہ ایک دن اپنی خستہ کوئیں  
 اپنے چکر رہا ہوں قیاس بل دہر کا ۹ سمجھا ہوں دلپذیر متاع ہنر کوئیں  
 خائب خدا کرے کہ سوارِ مسند ناز

دیکھوں علی ہمدرد عالی گھر کوئیں

۱۔ نوحہ گروہ بین کرنے والا، خواہ کرنے والا۔

میرے دل و جگر دونوں خا ہو گئے ہیں۔ اب میں حیران ہوں۔ دل کو  
 روؤں کہ جگر کو پیٹوں۔ بیک وقت دونوں کا ماتم کیسے کر سکتا ہوں۔ اگر مجھے  
 مقدر ہوتا تو میں کسی نوحہ گر کی خدمات حاصل کر لیتا۔ پھر یہ حیرانی اور پریشانی  
 نہ ہوتی۔ وہ جگر کا ماتم کرتا۔ میں دل کو رو لیتا۔ اس طرح سے دونوں کا ماتم  
 ہو جاتا۔

بیخود لکھتے ہیں۔ دو عزیز مرنے والوں کا ماتم دار ایک شخص ہو تو مرنے  
 والوں کی کسر شان ہے۔ اس لئے نوحہ گر کی ضرورت لاحق ہوئی ہے۔

۲۔ رشک کے مارے میری یہ حالت ہے کہ تیرے گھر کا پتہ بھی کسی  
 سے دریافت نہیں کر سکتا۔ مقامِ رشک یہ ہے کہ کوئی تیرا نام نہ لے گا تو میرا  
 رقیب بن جائیگا۔ اس لئے میں ہر ایک سے اتنا پوچھتا ہوں کہ میں کدھر جاؤں  
 بھلا اس طرح معشوق کا پتہ چلتا ہے؟ لیکن رشک کا کیا کیا جائے۔ ظاہر

ہے۔ پتہ نہ ملنے سے کس قدر بے چینی اور اضطراب برپا ہوتا ہے یہی کیفیت دکھانی مقصود ہے (تمام متفق)

سعید لکھتے ہیں کہ خجہ کو اپنی زبان پر رشک آتا ہے۔ اس لئے معشوق کا نام نہیں لیتا۔ بلکہ یہ پوچھتا ہوں کہ کدھر جاؤں۔

۳۔ چونکہ تو عام طور پر رقیب کے گھر میں رہتا ہے اس لئے مجھے اسکے گھر پر سزا بار جانا پڑا۔ ظاہر ہے رقیب کے گھر پر جانا عاشق کے لئے باعث ذلت ہے۔ اس لئے کہتے ہیں۔ اسے کاش مجھے تیرے گھر کا پتہ ہی نہ ہوتا تو میں اس ذلت سے بچ جاتا۔ مومن ۷

اس نقش پلکے سمجھنے میں تک کیا ذریل میں کوچہ رقیب میں بھی سو کے بل گیا ۴۔ ہے کیا۔ یعنی کچھ نہیں + کمر کستا۔ مستعد ہونا۔ ہمت باندھنا۔ شاعر دل کے نزدیک معشوق کی کمر نہیں ہوتی۔ اس لئے جو مجھے یہ دھمکی دیتے ہو کہ ہم نے تجھے قتل کرنے کے لئے کمر باندھ لی ہے تو تمہاری اس دھمکی سے میری بلا ڈالتی ہے۔ میں جانتا ہوں تمہارے کمر ہی نہیں تو کسو گئے کیا۔ گویا میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ یہ سب دھمکیاں ہی دھمکیاں ہیں۔

۵۔ لیجئے ملاحظہ فرمائیے۔ جن کسے ہم نے اپنا گھر مار لیا اور تمام ہو گئے وہی فرماتے ہیں کہ یہ بے ننگ و نام ہے۔ اگر میں معلوم ہوتا کہ وہ یہ طعنہ دیجئے تو ہم اپنے گھر کو لٹا کر آج یہ بات نہ سنتے۔

۶۔ حالی : طالب راہ خدا کو جو حالت ابتدا میں پیش آتی ہے اس کو اس تشیل میں بیان کیا ہے۔ طالب اول اول جس شخص میں کوئی کیشم یا وجہ یا سماع و جوش و خروش دیکھتا ہے اسی کے ہاتھ پر بیعت کرنے کا ارادہ کرتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ پھرتا ہے۔ پھر جب کوئی اس سے بڑھ کر نظر آتا ہے تو اس

کا حاقب کرتا ہے۔ وہ بظہر جزاً، اور وجہ اس تذبذب اور تنزلزل کی یہی ہوتی ہے کہ وہ کالمین کو پہچان نہیں سکتا۔

طباطبائی: ایک گم کردہ راہ کی تصویر کھینچ دی ہے۔ کہتے ہیں میں منزل کا راستہ نہیں جانتا۔ راہبر کو نہیں پہچانتا۔ تلاش منزل میں سرگرداں اور جبراً ہوا۔ آندو یہ ہے کہ کسی نہ کسی طرح منزل پر پہنچ جاؤں۔ جس شخص کو تیز رفتاری دیکھتا ہوں۔ سمجھتا ہوں کہ یہ منزل کا پتہ جانتا ہے۔ اس لئے اسی کے ساتھ ہو جاتا ہوں۔ آگے بڑھ کر کسی اور کو تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے دیکھتا ہوں تو اسی کو راہبر خیال کر کے اس کے پیچھے پیچھے روانہ ہو جاتا ہوں۔ گویا تلاش منزل میں دیوانہ ہو رہا ہوں۔ (اسی۔ طباطبائی)

۷۔ احمق لوگ خواہش کو پرستش قرار دیتے ہیں۔ بھلا خواہش اور پرستش ایک چیز کیسے ہو سکتی ہے۔ اسی غلط فہمی کی بنا پر اکثر لوگ سمجھتے ہیں کہ میں ان بے پروا کی پرستش کرتا ہوں۔ حالانکہ امر واقعہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ مجھے تو محض اس کی خواہش اور آندو ہے۔ میں اس کا بھاری نہیں (سجید۔ آشتی)

نیم خود و طباطبائی: معنی باریک اس شعر میں یہ ہیں کہ شاعر حیران ہو کر پوچھتا ہے کہ کیا میں اسے پوجتا ہوں۔ اسے خبر نہیں کہ معشوق کے سامنے جا کر اظہارِ نیاز پرستش کی حد تک پہنچ جاتا ہے یا خواہش کی حد تک رہتا ہے اور حیرت کے علاوہ دوسرا پہلو تشنec کا بھی ہے۔ اسی نے پرستش اور خواہش میں یہ فرق نکالا ہے کہ جب پرستش کی جائیگی تو وہ خواہش دل ہی سے ہوگی۔ خواہ اس میں کسی قدر استغراق کیوں ہو۔ اور جس امر میں خواہش دل شامل ہے وہ عبادت نہیں ہو سکتی تو ثلثات ہوا کہ عبادت حق کوئی بجا نہیں لا سکتا مگر

دنیا پا بندان خواہش کو عابد کا خطاب دیتی ہے۔

۸۔ میں کو چہ یار میں گیا تھا وہاں جا کر ایسا بیخود ہوا کہ اپنے آپ کو وہیں بھول گیا۔ جب سے وہاں سے آیا ہوں بیخود اور فراموش ہوں۔ اس بیخودی میں اس کی گلی کا راستہ بھی بھول گیا۔ اگر میرے ہوش و حواس درست ہوتے تو ایک دن اس کی گلی میں اپنی خبر لینے کے لئے جاتا کہ وہاں مجھ پر کیا گزر رہی ہے۔

طبا طبیبی: یعنی آپے سے جو میں باس ہو گیا ہوں تو کہیں اور تھوڑی گیا ہوا ہوں۔ کوئے یا رہی میں گیا ہوں گا۔ وہی جگہ ایسی دلکش ہے کہ کوئی وہاں جا کر نہیں پلٹا۔ میں بھی وہیں ہوں۔ اسی سبب سے آپ میں نہیں آتا اور آپ میں نہ ہونے کے سبب سے راہ بھی بھول گیا۔ نہیں تو اپنی خبر کو ایک دن وہاں جاتا رہتا۔ (سجدہ)

آسی: میں اپنے حواس اس گلی میں چھوڑ آیا تھا۔ جب سے وہاں سے آیا ہوں بیخود ہوں۔ لہذا اس کی گلی کا راستہ بھی بھول گیا ہوں اور اس لئے اب جان و دل اور ہوش و حواس کی خبر بھی نہیں لا سکتا کہ وہاں ان پر کیا گزری اور اب وہ کس حال میں ہیں۔

۹۔ جیسا میں تمہا ہوں، ویسا ہی اہل دنیا کو سمجھتا ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ میں متاع ہنر کا قند دان ہوں۔ اسی طرح اہل دہر کو بھی ہنر کا قند دان خیال کرتا ہوں۔ لیکن امر واقعہ اس کے خلاف ہے۔ اہل دہر ہیری طرح متاع ہنر کو دلپذیر خیال نہیں کرتے اور نہ اس کی قدر کرتے ہیں۔ گویا عام کے نفع کے ہنر متاع کا سد ہے۔

۱۰۔ سمندر تازہ: وہ گھوٹا جو ناز و انداز سے قدم اٹھائے۔

اے غالب ! خدا کرے کہ عالی گھر علی بہادر کو تیں سمتِ ناز پر سوار دیکھیں

۱۰۰

ذکر میرا بہ بدی بھی اُسے منظور نہیں ۱  
غیر کی بات بگڑ جائے تو کچھ قصہ نہیں  
وعدہ میر گھلتا ہے خوش طالع شوق ۲  
مژدہ قتلِ مقتد ہے جو مذکور نہیں  
مشاہدہ مستی و مطلق کی کر ہے عالم ۳  
لوگ کہتے ہیں کہ ہے پر ہیں منظور نہیں  
قطرہ اپنا بھی حقیقت میں ہے دیر یا لیکن ۴  
ہم کو تقلیدِ تنک طرفی منظور نہیں  
حسرت کے ذوقِ خرابی کہ وہ طاقتِ شر ۵  
عشق پر عہدہ کی گوں تن رنجور نہیں  
میں جھکتا ہوں کہ ہم لینگے قیامت میں تہیں ۶  
کس دشمن سے وہ کہتے ہیں کہ ہم جلد نہیں  
ظلم کر ظلم اگر لطفِ دیرین آنا ہو ۷  
تو تغافل میں کسی دنگ سے منظور نہیں  
صاف وری کش پیازہ جم میں ہم لوگ ۸  
دائے وہ بادہ کہ افشردہ آنگور نہیں  
ہوں طوروی کے مقابل میں خفائی غالب

میرے دعویٰ پر یہ حجت ہے کہ مشنور ہیں

۱۔ انہیں مجھ سے اس قدر نفرت ہو گئی ہے کہ اگر غیر ان کے سامنے میری  
بدی کرنا چاہتا ہے تو وہ اُسے بھی سُنا گوارا نہیں کرتے مرنے کی بات یہ  
ہے کہ غیر کو میری بدیاں کرنے کی عادت ہے، کب کا عجب ہے کہ اس بنا پر وہ  
اس سے بد امن ہو جائیں۔ کیونکہ وہ میری بُرائیاں کرنے سے باز نہیں آ سکتا  
غالب۔

دشمنی نے میری کھوپیا غیر کو کس قدر دشمن ہے دیکھا چاہئے

۲۔ مقتدہ پوشیدہ مطلب۔

میرے شوق کا نصیبہ جاگ اٹھا کہ اُس نے مجھ سے گھلتا میں میر

کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ اس وعدہ میں مشرور قتل بھی پوشیدہ ہے جس کا  
اس نے ذکر نہیں کیا کاشکے ایسا ہی ہو (آسی)  
نیخود - وہ پھولوں کو قدری نگاہوں سے دیکھے گا اور میں اُن کو قریب  
بجھ کر دیکھوں گا۔ سے قتل ہو جاؤں گا۔

سقیہ : سیر گلستان سے اس کی مراد۔ ہے کہ وہ میرزا غلام حسین  
بنو مثل لالہ و قتل کے ہے۔

۳۔ حضرت : غالب دنیا کے مہموم ہونے کو بہ غلو بیان کرتے ہیں۔  
فرماتے ہیں لوگ کہتے ہیں کہ عالم شاہ ہستی مطلق کی کمر ہے اور اس سے ان کی  
مراد یہ ہے کہ جس طرح شاہد کی کمر نہیں ہوتی اسی طرح سے وجود عالم بھی ہوتا  
ہے۔ لیکن ہم کو یہ منظور نہیں ہے۔ کیونکہ جب کہتے ہیں کہ عالم شاہ ہستی مطلق  
کی کمر ہے۔ ”اگرچہ اس کے معنی یہی ہوتے ہیں کہ عالم معدوم ہے، لیکن  
”ہے“ کا لفظ ہم ایک شے معدوم کے لئے کسی طرح استعمال نہیں  
کر سکتے“ (سقیہ آسی)

طباطباتی : عالم کو ہستی کے ساتھ ایسا ہی تعلق ہے۔ جیسا کہ کمر کو مشق  
کے ساتھ کہ اس کا نام ہی نام سُنتے ہیں اور دکھائی نہیں دیتی۔ مصنف  
نے لفظ منظور کو یہاں بصر اور مرئی کے معنی پر استعمال کیا ہے۔ محاورہ اس کے  
مساعد نہیں۔ (نیخود)

۴۔ میں وہ قطرہ ہوں حقیقت میں دریا ہے۔ یعنی فنا فی البحر ہے گیا  
میں فنا فی الذات کا مرتبہ رکھتا ہوں۔ لیکن میں منصوبہ کی طرح کم ظرف نہیں  
ہوں کہ انا الحق کا دعوے کر بیٹھوں اور اس طرح اپنی تنک ظرفی کا ثبوت بنوں  
اس لئے میں منصوبہ کی تقلید نہیں کرتا۔ حقیقت کا لفظ قبل تعریف ہے۔

۵۔ عشق پر مریدہ .. جنگجو عشق + گول .. قابل - ڈھب -

ذوق بربادی و خرابی کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ تباہ و برباد ہونے کی حسرت میرے دل ہی میں رہ گئی اور وہ اس وجہ سے کہ میرے تن بخور و کز کو میں پہنے جیسی طاقت نہیں رہی جو میں جنگجو عشق سے مقابلہ کرتا ظاہر ہے جب جنگجو عشق ان میں مقابلہ کی طاقت ہاتا تو ان کو اچھی طرح تباہ کرتا۔ اب وہ مرے ہوئے کو کیا مانے گا۔ ایک طرح سے اپنی کمزوری کا اظہار کیا ہے۔

۶۔ رعونت .. غرور -

مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ جنت میں حوریں ملیں گی۔ شاعر خیال کرتا ہے کہ یہ حسین ہی جنت میں حوریں بن جائیں گے۔ ان خیالات کے ماتحت وہ جب معشوق سے کہتا ہے کہ اچھا تم ہم سے نہیں ملتے تو نہ ملو جنت میں چل کر دیکھا جائیگا۔ قیامت کے دن جب ہمیں اختیار ہوگا کہ جس حد کو ہم چاہیں پسند کر لیں، اس دن تم کیا کر گے۔ وہ ادراہ شوخی جواب دیتا ہے کہ جناب ہم حور نہیں ہیں جو آپ کو قیامت کے دن بل جائیں گے۔ اسی خیال کو اس طرح بھی ادا کیا ہے۔

ان پر یہادوں سے لینگے خلدیں ہم انتقام  
قدست حق سے اگر حویں ہی، داں ہو گئیں

۷۔ اگر تجھے مجھ پر لطف و کرم کرنے میں دیر ہے تو ظلم ہی کر مہربانی نہ سہی لیکن تغافل نہ کر۔ کیونکہ یہ تو محض نا آشنائی کی دلیل ہے۔ اس لئے مجھے یہ کیونکر گوارا ہو سکتا ہے۔ (حسرت - طباطبائی)

بیخود لکھتے ہیں تغافل تو اس حالت میں زیبا تھا کہ جب تو ظلم کرنے سے معذور ہوتا۔ سعید کا خیال ہے۔ کیونکہ یہ (ظلم) بھی تغافل کی جو کہ



تیرا شعار ہے ایک ادا ہے اور تو تغافل کی ہر ایک ادا پر ظاہر ہے۔  
 آسمی : (۱) اگر لطف نہیں کرتا تو ظلم کر کیونکہ حالت تغافل میں یہ دونوں  
 باتیں تو کر سکتے ہیں مگر محض تغافل میں تو معذور نہیں رکھا جاسکتا۔ کیونکہ  
 ہر کوئی تجھے مجھ سے غافل سمجھ کر یہ بھی قیاس کر سکتا ہے کہ یہ عاشق پر  
 جھڑ جفا کر رہا ہے اور یہ بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ اب یہ اپنے دلداد پر  
 مہربان ہو گیا کہ اس نے ظلم کرنا چھوڑ دیا۔ (۲) عاشق و معشوق حسن اتفاق  
 سے ملے ہیں مصرعہ ادنیٰ کا مضمون عاشق اس کے سامنے ادا کرتا ہے وہ  
 جواب دیتا ہے کہ لوگ مجھے اس بات کا طعنہ دیں گے کہ یہ اس سے بڑا ہوا  
 ہے تو عاشق اس کو اپنے اوپر مہربان کرنے کا جیلہ بتاتا ہے کہ یہ تغافل  
 جو تو نے اختیار کیا ہے اس کو چھوڑ دے۔ مجھ پر ظلم کیا کر۔ تو اس میں میرا  
 کام بھی ہو جائیگا کہ تو مجھ پر کم سے کم اس قدر تو مہربان ہوا کہ ظلم کیا اور لوگ  
 بھی کہیں گے۔

اگر غفلت سے باز آیا جفا کی تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی  
 دوسرے مصرعہ کا مفہوم یہ بھی ہے کہ تغافل اختیار کر کے کچھ تو  
 معذور اور مجبور تو نہیں ہو گیا ہے۔ بہر صورت تجھ اب بھی ظلم و مہربانی  
 کا اختیار باقی ہے۔ جب چاہے اس کو چھوڑ کر یہ اختیار کر لے (ظاہر کہ  
 یہ معنی بہت دور کے ہیں)۔

۸۔ دردی نش .. تلکھٹ پینے والے۔

صاف اور در دین رعایت ہے شراب انگور جمشید کی ایجاد ہے  
 کہتے ہیں کہ شراب نوشی میں ہم جمشید کی تقلید کرتے ہیں۔ یہ بات تقلید  
 جمشید کے خلاف ہے کہ ہم ادنیٰ درجہ کی شراب پیں پس ہم کو اس شراب

پر افسوس ہے جو شراب انگوری نہ ہو۔

۵۔ خفا اور ظہور میں تقابل و تضاد ہے۔ خفا یعنی مخفی و گھٹام۔  
ظہوری یعنی مشہور و معروف، مرزا صاحب ظہوری کا کلام بہت زیادہ  
پسند فرماتے اور اس کی تقلید پر فخر کیا کرتے تھے۔ پس کہتے ہیں۔ چونکہ  
میں مشہور نہیں ہوں۔ اس لئے ظہوری کے مقابلہ میں خفائی ہوں اور میرا  
مشہور نہ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ میں ظہوری کا مقابل ہوں۔

۱۰۱

نالہ جز حزن طلب اے ستم ایجا د نہیں ۱ ہے تقاضائے جفا شکوہ پیدا نہیں  
عشق و مزدوری عشرت گز خسرو کیا آہ ۲ ہم کو تسلیم نکونامی فرما د نہیں  
کم نہیں وہ بھی خبرانی میں پہ وسعت معلوم ۳ دشت میں ہے مجھے دیش کہ گھربا د نہیں  
اہل یمنش کو ہے طوفان حوادث مکتب ۴ لطمہ موج کم از سیلی اُستاد نہیں  
وائے محرومی تسلیم و بدا حال وفا ۵ جانتا ہے کہ ہیں طاقب فریا د نہیں  
زنگین گل ولالہ پریشاں کیوں ہے ۶ گر چراغان سر رنگز باد نہیں  
سبد گل کے تلے بند کرے ہے گلچیں ۷ مرزہ اے مرغ کہ گلزار میں صیبا د نہیں  
نفی سے کرتی ہے اثبات تراوش گویا ۸ دی ہے جئے دین اُس کو دم ایجا د نہیں  
کم نہیں جلو گری میں تھے کہ جسے بہشت ۹ یہی نقشہ ہے مے اس قداد باد نہیں  
کرتے کس مُند سے ہو غربت کی شکایت غالب

تم کو بے مہر یار این وطن یاد نہیں

۱۔ اے ستم ایجا د محبوب، نالہ و کھاسے میرا یہ مدعا نہیں کہ میں تیرے ظلم و ستم  
کا شکوہ و شکایت کروں۔ بلکہ اس نالہ کشی سے میرا مقصد تقاضائے جفا کے لئے  
حزن طلب ہے۔ اس کے سوا کچھ نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ تم یوں تو ہم پر جبر و جفا

کرتے نہیں لیکن میرے نالوں سے تنگ آکر خفا ہو گئے اور خفا ہو گئے تو ظلم کرو گے، اسی کو حسن طلب کہتے ہیں۔ غالب ۵

کو سمجھتا نہیں پر حسن تلافی دیکھو شکوہ جو سے بے مرخا ہوتا ہے  
۲۔ عشرت گر .. عشرت گاہ .. محل + نکو نامی .. نیک نامی۔

مشہور ہے کہ فرہاد سے خسرو نے کہا کہ اگر تو کوہ بے ستون کاٹے اور اس میں سے جوئے شیر نکالے تو پھر شیریں سے وصال ہو سکے گا۔ فرہاد نے یہ شرط منظور کی اور جوئے شیر لانے میں مصروف ہو گیا۔ جب خسرو نے دیکھا کہ فرہاد وہل شیریں کی شرط پوری کرنے کے قریب ہے تو اس نے ایک چال چلی۔ ایک بڑھیا کو سکھایا کہ فرہاد کے پاس بھیجا اس نے فرہاد سے کہا کہ شیریں تو مر گئی اور تیری محبت اکارت گئی۔ یہ سنتے ہی فرہاد اپنا سر پھونک کر مر گیا۔ اس سے خسرو اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا۔ شاعر اس واقعہ کو مد نظر رکھ کر فرہاد پر طعن کرتا ہے اور کہتا ہے کہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ فرہاد نے عشق کی لاج رکھ لی اور اتنا بڑا کام کروا لیا۔ لیکن ہمیں اس میں خرابی کی کوئی نیلانی کی صورت نظر نہیں آتی۔ اس لئے ہم اس کی نیک نامی کو تسلیم نہیں کرتے۔ کہتا ہے عشق صادق اور رقیب کے عشرت کدہ کی مزدوری دو توں مستفاد چیزیں ہیں۔ گویا عاشق صادق کے لئے رقیب کے عشرت کدہ کو جوئے شیر سے زبردست دینا باعث نیک نامی نہیں، باعث بدنامی ہے۔

۳۔ خلیلی .. ویرانی۔

میرا گھر خرابی اور ویرانی میں جنگل سے کسی طرح کم نہیں، لیکن اس میں جنگل جتنی وسعت نہیں ہے۔ میں دیوانہ ہوں مجھے دم کرنے کے لئے بہت وسیع مکان چاہئے۔ یہی وجہ ہے جنگل میں مجھے وہ عیش و آرام حاصل ہے کہ

گھر کبھی یاد ہی نہیں آتا۔

۴۔ اہل نیش .. عقلمند۔ اہل نظر + لفظ موج .. موج کا تھپیرا۔  
یعنی طوفان حوادث + سیلی .. طمانچہ، تھپڑ۔

جو لوگ اہل نظر ہیں، طوفانِ حوادث کو مکتب خیال کہتے ہیں اور امواج کے تھپیروں کو استاد کا تھپڑ سمجھتے ہیں۔ گویا طوفانِ حوادث ان کے لئے سبق آموز ہے۔ وہ اُس سے درسِ عبرت حاصل کرتے ہیں۔

۵۔ تسلیم .. صبر و رضا + بدا .. بہت بُرا۔

ہم تسلیم و رضا اور وفاداری کے خیال سے خاموش ہیں اور نالہ و فریاد نہیں کرتے ہیں۔ لیکن وہ سمجھتا ہے ہم میں طاقتِ فریاد نہیں، اس لئے ہم خاموش ہیں۔ کس قدر افسوس ہے ہماری خوشے تسلیم و وفا پر کہ وہ مضبوط فریاد اور خاموشی کی داد سے بھی محروم ہے۔

۶۔ تمکین .. خودداری + چراغاں سہراہ گزرباد .. وہ چراغ جو ہوا کے راستے میں رکھا ہو، جلد تر بجھ جاتا ہے۔ مراد بے ثبات چیز۔

اگر گل ولالہ ہوا کی راہگزر کے چراغ نہیں تو ان کا رنگ تمکین و خودداری اس قدر جلدی کیوں فنا ہو جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ گل ولالہ بے ثبات ہیں، تشبیہ نہایت حسین اور اچھوتی ہے۔

۷۔ سبکدگل .. پھولوں کی ٹوکری۔ جس میں گلچیں پھول تو اکبر جمع کرتے ہیں اسے مرغِ چمن تجھے مڑو ہو کہ باغ میں صیبا موجود نہیں ہے جو تجھ کو گرفتار کر کے چمن سے باہر لے جاتا اور قفس میں قید کرتا۔ اس وقت باغ میں گلچیں ہے۔ اس کے پاس دائم قفس نہیں کہ وہ تجھے پکڑ کر پھولوں کی ٹوکری کے نیچے بند کر دیگا۔ پھولوں کو ٹوکری کے نیچے قید ہونے میں لطف یہ ہے کہ پھولوں

سے اور بھی زیادہ قرب حاصل ہوگا اور یہی مرغِ چمن کا اصلی مدعا ہے۔  
 آتشی اور بیخود: اسے مرغ سے مراد مرغِ گرفتار لیتے ہیں سقید و حسرت  
 میرے ہم خیال ہیں۔

۸۔ نفی .. نہیں، انکار + اثبات .. ہاں۔ ثبوت + تراوش ..  
 ٹپکنا۔ ظاہر ہونا۔

معشوق ہر بات پر ”نہیں“ ”نہیں“ کہتا ہے۔ اس کے ”نہیں“  
 ”نہیں“ کہنے سے اس کے دہن کا ثبوت ہم پہنچا ہے۔ اگر اس کے دہن  
 نہ ہوتا تو وہ ”نہیں“ بھی نہ کہتا (سقید۔ حسرت) غالب نے یہاں اثبات کو  
 مونث باندھا ہے۔ دوسری جگہ لکھا ہے۔ ع

ہر رنگ میں بہار کا اثبات چاہئے

گویا ضلع کا لفظ ہے اور خوب آیا ہے۔

اسی: اس کو بجائے دہن کے ”نہیں“ ملی ہے یا اس کو دہن تو ملا  
 نہیں ”نہیں“ ملی ہے کہ ہر بات پر ”نہیں“ کہتا ہے اور اس ”نہیں“  
 سے اثبات کی تراوش ہوتی ہے۔ یعنی کوئی چیز ضرور ہے جس سے وہ اس لفظ  
 کو ادا کرتا ہے۔ پہلی صورت میں دوسرے مصرعے کے یہ معنی ہونگے کہ اگر نہیں  
 بجائے دہن کے اس کو ملی ہے۔ مگر ملی ضرور ہے۔ (بیخود۔ طباطبائی)

۹۔ بہشت جلوہ گری میں تیرے کوچے سے کم نہیں ہے یعنی رسی ہی  
 جلوہ گری بہشت میں بھی ہے اور اس کا نقشہ بھی بالکل ایسا ہی ہے لیکن  
 فرق یہ ہے کہ وہ (بہشت) تیرے کوچے جتنی آباد نہیں ہے۔ یہاں عاشقوں  
 کا ہر وقت ہجوم رہتا ہے، لیکن وہاں یہ بات نہیں۔ شاید یہ بات کہنا چاہا  
 ہیں کہ تیرے عاشق زیادہ ہیں۔ خدا کے عاشق اتنے زیادہ نہیں وہ دیدارِ خدا

کے لئے بہشت میں بھی خوب هجوم ہوتا۔ عام شعرا کے خلاف اس شعر میں کوچہ یار کو جنت سے تشبیہ دینے کے بجائے جنت کو کوچہ یار سے تشبیہ دی ہے اور اس کو بہشت سے بڑھ کر ثابت کیا ہے۔

۱۰۔ غربت .. مساقی۔

تم کس برتے پر غربت کی گس میرسی کی شکایت کرتے ہو۔ کیا تمہیں یاران وطن کی بے مہرباں یاد نہیں رہیں۔ جب اپنے اہل وطن اس قدر بے مہر اور دل آزار ہیں تو پھر غیروں کی شکایت کیا ہے  
تمہی وطن میں شان کیا غالب کہ ہر غربت قلہ بے تحلف ہوں وہ بہشتِ خس و خجلن میں نہیں

۱۰۲

دونوں جہان دیکھو یہ سمجھو یہ خوش رہا ۱ یاں آپڑی یہ مشرم کہ تکلار کیا کریں  
تحک تحک کے ہر مقام پہ دو چار رہ گئے ۲ تیرا پتہ نہ پائیں تو ناچار کیا کریں  
کیا شمع کے نہیں ہیں ہواہ خواہ اہل بزم ۳ ہو غم ہی جا نگداز تو غمخوار کیا کریں  
۱۔ حالی : اپنی فراخوصلگی اور اس کے ساتھ شرافتِ نفس کا اظہار ہے۔ یعنی میں جو دونوں جہان لے کر خاموش رہا، اس کا سبب یہ نہیں تھا کہ میں ان پر قانع تھا بلکہ مجھ کو زیادہ مانگنے اور تکلار کرنے سے مشرم آئی۔ اس لئے خاموشی اختیار کی۔

۲۔ مقام یعنی مقامِ سلوک و معرفت فرماتے ہیں۔ بہت سے لوگ مقاماتِ سلوک و معرفت طے کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن ان میں سے کوئی مقامِ معرفت تک نہیں پہنچتا۔ کوئی ابتدائی منزلوں میں یا بس ہو جاتا ہے۔ کوئی درمیانی مقامات میں الجھ کر رہ جاتا ہے۔ یہ مضمون اس طرح ادا کرتے ہیں کہ تیری جلوہ گاہ تک کوئی نہیں پہنچ سکا۔ کوئی کسی منزل پر تھا کہ رہ گیا۔ کوئی

کسی مقام پر مایوس ہو کر بیٹھ رہا۔ غرض کوئی بھی مقام معرفت تک نہ پہنچا۔ ٹھیک  
 ہے، تیسرا پتہ تو کہیں ملتا نہیں۔ وہ بچا ہے ناچار ہو کر ترک جستجو نہ کریں تو  
 کیا کریں۔ مجبور ہیں۔ دو چار ناچار کے ضلع کا لفظ از خود آ گیا ہے۔  
 ۳۔ ہوا خواہ ... ہمدرد، غمخوار۔

ضلع کا ذکر بطور تشبیل ہے۔ غرض اپنے حال سے ہے۔ کیا اہل برزم ضلع  
 کے غم خوار نہیں ہیں؟ مطلب یہ ہے کہ ضرور ہیں۔ لیکن جب غم ہی جان  
 کو بگھلانے والا ہو تو یہ چارے غمخوار کیا کر سکتے ہیں۔ مجبوری ہے کوئی  
 مدد نہیں کر سکتا ع

دوست غمخواری میں میری سی فزائے گئے کیا

۱۰۳

ہو گئی ہے غیر کی شیریں بیانی کا لہر۔ عشق کا اُس کو گماں ہم بے زبانوں نہیں  
 معشوق پر قریب کی جاہد بیانی اور شیریں کلامی کا جادو چل گیا ہے۔ گویا  
 وہ غیر کو عاشق صادق سمجھنے لگا ہے۔ اس کے مقابلے میں ہم بے زبان ہیں  
 کیونکہ ہم اپنی زبان سے اپنے عشق کا یقین نہیں دلا سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ اس  
 کو ہمارے عشق کا یقین نہیں۔ حالانکہ امر واقعہ یہ ہے کہ ہم اس کے  
 عاشق صادق ہیں۔

۱۰۴

قیامت اگر اُس کی کا دشتِ قیس میں آنا : تعجب ہے وہ بولایوں بھی ہوتا ہے زمانے میں  
 دل نازک پہ اُس کے رحم آتا ہے مجھے غالب  
 نہ کر سرگرم اُس کا فز کو اُلفت آد ملنے میں  
 ۱۔ معشوق کا دل موم کو نہ کے لئے اس کو سیلی محبتوں کا قصہ سنایا اور

یہ بتایا، مجنوں کے عشق کا یہ اثر ہوا کہ لمبی بیتاب اور بے حجاب ہو کر شبِ قیس میں آگئی یہ قصہ سن کر بجائے اس کے کہ وہ جذبِ عشق سے ڈٹا اور ہم پر مہربان ہوتا کہ معشوق عاشق کے پیچھے پیچھے اسے ڈھونڈتا پھرے مطلب صرف اس قدر ہے کہ معشوق عاشق کی خبر گیری کرنا عداوتِ عشقیت خیال کرتا ہے۔

۲۔ معشوق کی آدابِ عشق کی محبت کی قدردانی پر منحصر ہے۔ پس اس کا امتحان اس طریقے سے ہو سکتا ہے کہ عاشق اپنے آپ کو ہلاک کر دے۔ اگر معشوق عاشق کی ہلاکت سے ملول اور غلغلین ہو تو ثابت ہو جائیگا کہ معشوق عاشق کا قدردان ہے اس مضمون کو ایک دوسرے شخص کی زبان سے کہلوانے میں لطف دو چند ہو گیا ہے جس سے پایا جاتا ہے کہ عاشق یہ سخت امتحان لینے پر آمادہ، یعنی اپنی جان پر کھیلنے کو تیار ہے۔ لیکن دیکھنے والے اسے معشوق کی نازک دل کا واسطہ دے کر بالا رکھتے ہیں۔

## ۱۰۵

دل لگا کر آگیا اُمی کو بھی تنہا بیٹھنا ۱ ہمارے اپنی بیکیسی کی ہم نے پائی وادیاں ہیں نوالِ آمادہ اجزاء آفرینش کے تمام ۲ ہر گردوں ہے چراغِ رہگزارِ بادیاں ۱۔ جب سے انہوں نے کسی سے دل لگایا ہے۔ وہ تنہا بیٹھے رہتے ہیں یہ ہماری بیکیسی کا صبر بڑا ہے۔ جس طرح ہمارے عشق میں خلوت پسند تھے وہ بھی ہو گئے۔ پس یہ ہماری بیکیسی کی وجہ جو ان کے کسی پر عاشق ہونے سے ہم کو ملی ہے

۲۔ نوال .. آمادہ نوال + اجزاء آفرینش کے .. کائنات کا فہم ذہن + چراغِ رہگزارِ باد .. وہ چراغ جو ہمارے راستے میں روشن ہو۔ بہت جلد مجھ جاتا ہے گویا وہ آمادہ نوال ہے۔



کا ثبات کا ہر ذرہ آمادہ زوال ہے۔ یہاں تک کہ خود شید بھی ایک ایسا چراغ ہے جو ہول کے راستے میں روشن ہے اور اس کا آمادہ زوال ہونا ظاہر ہے۔ کیا پتہ کونسا جھونکا اسے فنا کر دے۔

۱۰۶۔ لمبھی صبا کو کبھی نامہ بر کو دیکھتے ہیں  
 وہ آتش گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے ۱۔ کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں  
 نظر گئے نہ کہیں اس کے دست و بازو کو ۲۔ یہ لوگ کیوں میرے زخم جگہ کو دیکھتے ہیں  
 ترے جو اہر طرف کلہ کو کیا دیکھیں ۳۔ ہم اوج طالع محل و گھر کو دیکھتے ہیں  
 ۱۔ باد صبا ہر جگہ بغیر نوک ٹوک کے آتی جاتی ہے۔ اس لئے شعر اس  
 سے بیخامبر کا کام لیتے ہیں اور جب کوئی شخص کسی کے انتظار میں ہوتا ہے تو وہ  
 بے چین ہو کر باہر اُدھر دیکھتا ہے۔ کہتے ہیں۔ بھر میں ہم جو کبھی دیوار کو دیکھتے  
 ہیں اور کبھی ہماری نظر دروازے پر جاتی ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ کبھی ہیں  
 یہ خیال آتا ہے کہ کہیں باد صبا پیغامِ بار نہ لائی ہو اور دروازے کو بار بار دیکھنے  
 کی یہ وجہ ہے کہ ہمیں قاصد کے آنے کا انتظار ہے۔ ظاہر ہے باد صبا دیوار پر  
 سے اور قاصد دروازے میں سے آیا لگا۔

۲۔ حالی: اپنے گھر میں معشوق کے آنے سے جو تعجب اور حیرت ہوئی ہے  
 دوسرے مصرع میں اُس کی کیا عمدہ تصویر کھینچی ہے یعنی کبھی معشوق کو دیکھتا ہے  
 اور کبھی اپنے گھر کو دیکھتا ہے کہ اس گھر میں اور ایسا شخص وارد ہو۔ سبحان اللہ  
 میری ایسی قسمت کہاں تھی۔

۳۔ معشوق نے میرے جگر پر بہت کاری زخم لگایا ہے۔ عاشق کے جگر  
 پر کاری زخم لگانا قابلِ تحسین و آفرین ہے۔ کیونکہ معشوق کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے

یہ بات ناممکن ہے اس لئے جو شخص بھی زخم کو دیکھتا ہے معشوق کے دست باند کی تعریف کرتا ہے۔ کہتے ہیں میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ کہیں اس کے دست و بازو کو نظر نہ لگ جلتے اور ان کی نادر انگلی اور قدر اندازی کو نقصان پہنچے اس لئے بہتر یہ ہے کہ یہ لوگ میرے زخم جگر کو نہ دیکھیں۔ نہ دیکھیں گے نہ تعریف کریں گے اور نہ نظر لگے گی۔ یہ شعر مرزا کے لاجواب شعر ہیں سے ایک شعر ہے۔

۴۔ طرف کد .. ٹوٹی کا پہلو یا سرا + اور چ طالع .. نصیب کی بندی۔ خوش قسمتی۔

ہم ان حواہرات کو کیا دیکھیں جو تو نے اپنی کلاہ پر ٹانگے ہیں۔ ہم تو لعل و گوہر کے نصیب کی بندی اور خوش قسمتی کو دیکھتے ہیں کہ یہ سنگیر نے تیری کلاہ میں ٹنک کر کس مرتبہ بند کو پہنچے ہیں۔

۱۰۷

نہیں کہ مجھ کو قیامت کا اعتقاد نہیں ۱ شب فراق سے روز جزا زیاد نہیں کوئی کہے کہ شب ماہ میں کیا برائی ہے ۲ بلا سے آج اگر دن کو ابر و باد میں جو اداں سامنے آن کے تو مر جائے کہیں ۳ جو جاؤں واں سے کہیں تو خیر یاد نہیں کبھی جو یاد بھی آتا ہوں میں تو یہ کہتے ہیں ۴ کہ آج بزم میں کچھ فتنہ و خفا نہیں علاوہ عیب کے لٹی ہے اور دن بھی شراب ۵ گدائے کو چٹے خانہ نامراد نہیں جہاں میں ہونمہ شادی ہم میں کیا کام ۶ دبا ہے ہم کو خدا نے وہ دل کہ شاد نہیں تم ان کے دعوے کا ذکر ان سے کیوں کرو غالب یہ کیا کہ تم کہو اور وہ کہیں کہ یاد نہیں

۱۔ روز جزا .. روز قیامت۔

یہ بات نہیں کہ مجھے قیامت پر اعتقاد نہیں ہے۔ میں قیامت پر ایمان رکھتا ہوں۔ صرف بات اتنی ہے کہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ عذاب قیامت شب فراق کے عذاب سے زیادہ نہیں ہو سکتا۔ گویا میرے نزدیک شب بھر کی سختیاں اور شدید عذاب قیامت سے بڑھ کر ہیں۔

۲۔ شراب پینے والے روزِ ابرا اور شبِ ماہ میں شراب نوشی کرنا پسند کرتے ہیں۔ غالب نے ایک اور جگہ بھی لکھا ہے کہ  
 غالب چھٹی شراب پر اب بھی کبھی کبھی پیتا ہوں روزِ ابرا و شبِ ماہ میں  
 کہتے ہیں سوء اتفاق سے آج روزِ ابرا نہیں، اس لئے شراب نوشی کا کچھ  
 لطف نہیں۔ پھر اپنے دل کو اس طرح تسلی دیتے ہیں کہ کیا ہو گیا اگر ابرا نہیں  
 تو شبِ ماہ تاب تو ہے۔ پھر کون سی بُرائی ہے۔ چاندنی رات میں مے نوشی  
 کا خوب لطف آئے گا۔

۳۔ معشوق کی بے اتفاقی کی شکایت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ وہ بڑی  
 طرف سے اس قدر بے پروا ہیں کہ جب میں اس کی خدمت میں جاتا ہوں تو  
 کبھی اس کے مُنہ سے خوش آمدید کے کلمات نہیں نکلتے اور جب میں اس  
 سے رخصت ہوتا ہوں تو اس وقت بھی الوداعی الفاظ نہیں کہتا۔ ورنہ قاعدہ  
 یہ ہے کہ جب کوئی غیر بھی آتا ہے تو مرجا، خوش آمدید وغیرہ کہتے ہیں اور  
 رخصت کرتے وقت خیر باد۔ خدا حافظ، اللہ نگہبان کہا جاتا ہے۔

۴۔ اڈل تو مجھے کبھی وہ اپنی بزم میں برباد ہی نہیں کرتے اور کبھی یاد آتا  
 ہوں تو وہ بھی اس طرح کہ وہ حاضرینِ بزم سے دریافت کرتے ہیں۔ کیا بات  
 ہے آج بزم میں کچھ فتنہ و فساد نہیں، گویا مجھے وہ فتنہ پرواز اور فساد خیال  
 کرتے ہیں۔ غور فرمائیے یہ ہے ہمیں یاد کرنے کا طریقہ۔

بیچھڑکھٹے ہیں کہ شادی اور فتنہ بھداڑکنے کا سبب یہ ہے کہ میں بات بات پر رشک کی بدولت اہل بزم سے ابھرتا ہوں۔

۵۔ عام طور پر عید کے دن محتاجوں اور فقیروں کو ہر جگہ خیرات دی جاتی ہے۔ کہتے ہیں یہ دستور عہدِ خانہ کا نہیں ہے کہ وہاں بھی عید ہی کے دن خانہ کے گداؤں کو شرابِ تغیر کی جائے۔ وہاں تو عید کے علاوہ اور دنوں میں بھی شراب خیرات کی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گداؤں کو چڑھے خانہ نامراد نہیں۔ گویا ساقی میخانہ کا فیض ہمیشہ جاری رہتا ہے۔ عقید کو چہ سے کو چہ یار مراد نے گر شرح لکھتے ہیں۔

۶۔ لوگوں کا خیال ہے کہ شادی و غم تو اہم ہیں یعنی غم اور خوشی ساتھ ساتھ ہیں۔ کبھی خوشی ہے کبھی غم ہے۔ غرض اسی طرح زندگی بسر ہو جاتی ہے۔ کہتے ہیں دنیا میں شادی و غم ہم ہی ہوں گے۔ لیکن ہمارے ساتھ تو یہ بات نہیں۔ خدا نے ایسا دل دیا ہے جس کو خوشی کبھی نصیب ہی نہیں ہوتی ہمیشہ غم ہی میں مبتلا رہتا ہے۔

طیبا طبائی کی شرح لطف سے خالی نہیں لکھتے ہیں۔ غم و شادی کا ہم ہونا اس مقام پر ذکر کرتے ہیں۔ جہاں دنیا کے سرور و خوشی سے نفرت ظاہر کرنا ہو اس شعر میں مصنف نے تازگی یہ پیدا کی ہے کہ غم اور شادی کے ہم ہونے پر حسرت ظاہر کی ہے۔ شادی مخلوطِ بغم کی حسرت سے یہ معنی نکلتے ہیں کہ شاعر کو انتہائی غمزدگی ہے کہ ایسی ہیچ و نا کارہ خوشی کی تمنا رکھتا ہے اور یہی وجہِ بلاغت ہے۔

۷۔ معشوق کی وعدہ خلائی اور بد عہدی کے مضمون کو خوب آب و رنگ دیا ہے۔ کہتے ہیں غالب تم انہیں ان کا وعدہ یاد نہ دلاؤ۔ بھلا یہ کیا کہ تم کہو

کہ آپ نے وعدہ کیا تھا اور وہ کہیں کہ ہمیں تو یاد نہیں کہ ہم نے وعدہ کیا تھا۔ مطلب یہ ہے خواہ مخواہ جھوٹے نہ بنو اور ناحق کا صدمہ نہ اٹھاؤ۔  
 یہ خود لکھتے ہیں کہ تم ان سے یہ کہو گے کہ تم نے ہم سے وعدہ خلافت کی؟  
 وہ کہیں گے تم جھوٹے ہو، ہمیں اپنا وعدہ یاد نہیں، یا ہمدرد تکرار ہوگی،  
 تکرار سے رنج نکلے گا۔

## ۱۰۸

تیرے تو سن کو صبا باندھتے ہیں ۱ ہم بھی مضمون کی ہوا باندھتے ہیں  
 آہ کا کس نے اثر دیکھا ہے ۲ ہم بھی اک اپنی ہوا باندھتے ہیں  
 تیری فرصت کے مقابل اسے عمر ۳ برق کو پا بہ حنا باندھتے ہیں  
 قید ہستی سے رہائی معلوم ۴ اشک کو بے سرو پا باندھتے ہیں  
 نشہ رنگ سے ہے داشتہ گل ۵ مست کب بندِ قبا باندھتے ہیں  
 غلطی ہائے مضامین مست پوچھ ۶ لوگ نالے کو رسا باندھتے ہیں  
 اہل تدبیر کی دا مائد گیاں ۷ آبلوں پر بھی حنا باندھتے ہیں  
 سادہ چمکار ہیں خواباں غالب

ہم سے پیمان وفا باندھتے ہیں

۱۔ تو سن .. گھوڑا + ہوا باندھنا .. رعب بٹھانا۔

ہم تیرے گھوڑے کو یادِ صبا سے تشبیہ دیتے ہیں۔ اس نالہ تشبیہ  
 سے ہمارے مضمون کی ہوا بندھ جاتی ہے۔

۲۔ ہم آہ کر کے اس کے دل پر اپنا رعب بٹھاتے ہیں کہ شاید

وہ اثر آہ کے خوف سے رام ہو جائے۔ ورنہ اثر آہ کی حقیقت ہمیں  
 معلوم ہے کہ وہ کوئی اثر نہیں رکھتی۔

۳۔ پایہ جنا۔ سست رفتار۔ جس کے پاؤں میں مندی لگی ہو وہ چل نہیں سکتا ہے۔ اگر جنا ہے تو بہت کچھ کچھ کر بنوں کے بل اڑیں پر۔ اسے عمر تو اس قدر تیز رفتار ہے کہ تیرے مقابلے میں ہم بجلی کو پایہ جنا باندھیں۔ مطلب یہ ہے کہ عمر کی رفتار چشم برق سے بھی زیادہ تیز ہے۔ اسی لئے تیرے مقابلے میں ہم اسے سست رفتار اور پایہ جنا کہتے ہیں۔

۴۔ انسان قید ہستی سے کسی صورت بھی آزاد نہیں ہو سکتا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ اشک کو دیکھو وہ بے سرو پا ہے۔ لیکن شعرا پھر بھی اسے رسن نظم سے باندھتے بغیر نہیں چھوڑتے۔ دوسرے اشک کے لفظ کو شعرا باندھتے ہیں۔ چونکہ باندھنے کے معنی قید کرنے کے بھی ہیں۔ اس لئے یہ مضمون پیدا ہو گیا۔

طبا طبائی، لطف یہ ہے کہ ممکن پر عدم سابق بھی ہے اور عدم لاحق بھی تو اشک کی طرح انسان بھی تو بے سرو پا ہے اور اشک کو باوجود بے سربا ہونے کے باندھتے ہیں اور کسی کے باندھنے سے بندھ جانا فرع ہے ہستی کی غرض یہ کہ ہم ہستی کی قید میں ضرور ہیں گے اور مرزئہ فنا جو عین آزادی ہے حاصل نہیں ہو گا (بیحد)

۵۔ دامنِ گل... پھول کا کھلنا۔

پھول نشہ رنگ سے مست ہیں اور یہی نشہ ان کی شگفتگی کا سبب ہے، کیونکہ مست لوگ اپنی قبا کے بند کب باندھا کرتے ہیں۔ گویا پھولوں کے بندھائے قبا نشہ رنگ کے اثر سے کھلے ہوئے ہیں۔

۶۔ مضامین... مضامین شعر + لوگ۔ شعرا۔

کہتے ہیں شعراء کے مضامین کی غلطیاں مجھ سے نہ دریافت کرے بغیر سلی

قسطی یہ ہے کہ یہ لوگ نالے کو رسا لکھتے ہیں۔ حالانکہ نالہ کبھی رسا ہوتا تو بچھتے کسے۔ اس کا بندھ جانا ہی نارسائی کی دلیل ہے۔

۷۔ داماندگی وہ بچھے رہ جانا۔ یہاں مراد حماقت۔

کہتے ہیں ذرا اہل تدبیر کی حماقت ملاحظہ ہو کہ وہ آبلوں پر خا باندھتے ہیں۔ چاہئے تو یہ تھا کہ کوئی ایسی تدبیر کرتے جس سے چلنے پھرنے میں معذوری نہ ہوتی اور یا وجود آبلوں کے خوب بھاگا دوڑا جاتا۔ لیکن انہوں نے آبلوں پر خا باندھ کر چلنے پھرنے سے بالکل ہی معذور کر دیا۔

بیخود۔ سقیدہ طباطبائی ان معنوں پر یہ اضافہ کرتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں اہل جنوں کی متابعت مقصود ہے کہ وہ پائے پڑ آبلہ سے دشت پُر خار پر دوڑتے ہیں۔

۸۔ سادہ .. سیدھے سادے + پُرکار .. ہوشیار۔ مکار۔

مشتاق ظاہر میں تو بہت سیدھے سادے ہیں مگر دراصل بڑے ہوشیار ہیں اور کسی کے ساتھ بھی نہیں اُہم جیسے تجر بہ کار اور جہانگیر شخص کے ساتھ وہ پیمانہ وفا باندھتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ان کے پوارج فا پر یقین کر لیں گے۔

سادہ اس لئے کہا ہے کہ وہ انراہ سادگی اس خیال میں ہے اور پُرکار اس وجہ سے کہ وہ ہم جیسے ہوشیار شخص کو دھوکا دینے کے فکر میں ہیں ”ہم“ تو اگر زور دے کر پڑھا جائے تو یہ معنی ظاہر ہوتے ہیں کہ کوئی اور نہیں بلکہ ہم ہے۔ ۵

۱۰۹

زمانہ سخت کم آزار ہے بجانِ اسد و گرنہ ہم تو توقع زیادہ رکھتے ہیں

صحفت کم آزار .. بہت کم آزار + بجا ہی اسد .. اسد کی جان تر  
اسد کی جان پر زمانہ بہت ہی کم ظلم و ستم کرتا ہے ۔ ورنہ ہمیں تو اس  
بے حد و حساب مصائب و آلام نازل ہونے کی توقع ہے (سجیدہ آسیہ)  
طبا طبائی :- بخود قسم کھلے کہتے ہیں کہ زمانہ کے ہاتھ سے جس قدر آزار پہنچتا  
ہے یہ بہت ہی کم ہے وگرنہ ہم اس سے زیادہ ہتم سننے کی آرزو رکھتے ہیں ۔

۱۱۰

۱۔ دائم بڑا ہوا تھے دربر نہیں ہوں میں ۱ خاک ایسی زندگی پہ کہ پتھر نہیں ہوں میں  
کیوں گردشِ مدام سے گھیرا نہ جائے دل ۲ انسان ہوں پیالہ و ساغر نہیں ہوں میں  
یارب زمانہ مجھ کو مٹاتا ہے کس لئے ۳ لوحِ جہاں پہ حرفِ مکر نہیں ہوں میں  
حد چاہئے سزائیں عقوبت کے واسطے ۴ آخر نگہگار ہوں کافر نہیں ہوں میں  
کس واسطے عزیز نہیں جانتے مجھے ۵ صلِ دوزخ و دوزو گوہر نہیں ہوں میں  
لکھتے ہو تم قدم مری آنکھوں کیونچ ۶ رستے میں سرواہ سے کمتر نہیں ہوں میں  
کرتے ہو مجھ کو بیخ قدموں کس لئے ۷ کیا آسمان کے بھی برابر نہیں ہوں میں

غالب و ظیفہ خوار ہو دو شاہ کو دُعا

وہ دن گئے کہ کہتے تھے دُکھ نہیں ہوں میں

۱۔ مکان کے دروازہ کے آگے عموماً پتھر رکھ دیا کرتے ہیں کہ اُترنے  
چڑھنے میں تکلیف نہ ہو، کہتے ہیں پتھر تیرے دروازے پر ہمیشہ پڑا رہتا  
ہے ۔ لیکن میرے نصیب پتھر جیسے بھی نہیں کہ میں تیرے دروازے پر ہمیشہ  
پڑا رہتا ۔ ایسی زندگی پر افسوس ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ کاش میں تیرے سنگِ  
کی طرح ہمیشہ تیرے در پر پڑا رہتا ۔ (بخودہ آسیہ ۔ حسرت)  
سجیدہ : میں تیرے در پر پتھر کی طرح پڑا رہتا ہوں ۔ لیکن پھر بھی



مطلب براری نہیں ہوتی (کبھی مطلب براری نہ ہونے کی وجہ سے اُٹا کر کہتے ہیں کہ) میں پتھر نہیں ہوں کہ اس طرح ہمیشہ تیرے در پر پڑا رہوں۔

طبا طبائی : اس زندگی سے پتھر ہوتا بہتر تھا کہ شاید تیرا سنگِ در ہوتا اور اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ ہمیشہ پتھر کی طرح پڑا رہتا ہوں لیکن دربار سے دور ہوں، میں پتھر نہیں ہوں کہ اس طرح پڑا رہنا گوارا کروں۔ آگنی نے چار مفہوم لکھے ہیں۔ چوتھا یہ ہے کہ ہمیشہ میں تیرے دردِ دواہ پر پڑا ہوا نہیں ہوں۔ ایسی بے حیائی کی زندگی کس کام کی کہ لوگ مجھ پر آوازے لگیں اور طعنے دیں اور میں برابر ٹسنا کروں۔ میں آدمی ہوں پتھر تو نہیں ہوں۔

۲۔ داغی گردش سے میل دل کیوں نہ گھبرا جائے آخر میں انسان ہوں پیالہ وساغر نہیں ہوں۔ پیالہ وساغر بے جان ہیں۔ اگر وہ ہمیشہ گردش میں رہیں تو انہیں کچھ تکلیف نہیں ہوتی، لیکن انسان حساس ہے، وہ ساغر کی طرح شبانہ زندگی گردش برداشت نہیں کر سکتا۔ (بچو۔ آتھی۔ سجدہ) آتھی نے دوسرے معنی یہ لکھے ہیں کہ اس پریشان کن زندگی سے دل کیوں نہ گھبرا جائے۔ افسوس کہ میں انسان ہوں، پیالہ وساغر نہیں ہوں۔ کاش وہی ہوتا۔

طبا طبائی : جو لوگ شرابِ دمام رکھتے ہیں ان کا ساغر ہمیشہ دھڑپیں رہتا ہے۔ تو وہ تباہی ہے۔ اسی واسطے میں انسان ہوں۔ میرے لئے یہ گردشِ دمام کیسی ہے۔

۳۔ لوح .. حقیقی + حرث مکر .. وہ لفظ جو مکر لکھ دیا جائے، زائد ہوتا ہے، اس لئے مٹا دیا جاتا ہے۔

کہتے ہیں اے خدا میری ہستی لوحِ جہاں پر لفظِ مکر نہیں ہے کہ

زمانہ اُسے نائنہ سمجھ کر مٹا دیتا ہے آخر مجھے ملنے کی کیا وجہ ہے ؟  
۴۔ عقوبت .. سزا، عذاب ۔

ہر گناہ کی سزا کی ایک حد ہوتی ہے۔ اس لیے میرے گناہ کی سزا کی بھی ایک حد مقرر ہوتی چاہئے۔ آخر میں گناہگار ہوں۔ کافر نہیں ہوں کہ جس کی سزا کی کوئی حد ہی نہیں۔ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ روز قیامت کافر قذاب دانی میں مبتلا رہیں گے۔ لیکن مسلمانوں کے گناہوں کی سزا مقرر ہوگی۔ جب وہ پوری ہو جائے گی، تو ان کی نجات ہو جائے گی۔ اسی بنا پر کہتے ہیں۔ میں کافر نہیں ہوں کہ مجھ کو برابر سزا دی جا رہی ہے۔

۵۔ میں لعل، زر، زمرد یا گوہر نہیں ہوں کہ آپ کو مجھ سے نفرت ہے۔  
طباطبائی اور معبد لکھتے ہیں ان تین شعروں میں رسول مقبول کی طرف اشارہ ہے  
یہ غلط ہے، صاف ظاہر ہے کہ یہ اشعار بادشاہ کی مدح میں ہیں۔

۶۔ جب آپ نے ہر وہام کو شرف قدسوی بخشے میں دیر بخ نہیں فرمایا تو پھر حضور میری آنکھوں پر قدم رکھنے سے کیوں دیر بخ فرماتے ہیں میں رتبہ میں ہر وہام سے کمتر نہیں ہوں۔

۷۔ آپ نے آسمان کو قدسوی کا اعزاز بخشا۔ پھر میرے لئے قدسوی سے کیوں انکار ہے۔ کیا میں آسمان کے برابر بھی مرتبہ نہیں رکھتا ؟

۸۔ (۱) غالب تم بادشاہ کے وظیفہ خوار ہو۔ بادشاہ کو دعائیں دو۔ وہ دن گئے جب تم بڑے فخر کے ساتھ کہا کرتے تھے کہ میں کسی کا نوکر نہیں ہوں (۲) شکر کرو کہ تم کوکرہ گئے اور غم روزگار سے آزاد ہو گئے۔  
اداسے شکر کا نیا اسلوب اختیار کیا ہے۔ الفاظ اور طرز بیان سے ظاہر ہے کہ غالب کو استاد شاہ بننے کی بڑی آندہ تھی۔

۱۱۱

- سب کہاں کچھ لالہ دھل بن گیا ہوں گئیں ۱ خاک میں کیا صورتیں ہونگی جو نہاں ہو گئیں  
 یاد تھیں ہم کو بھی زنگارنگ ہر مگر آئینا ۲ لیکن اب نقش و نگار طاق نسیاں ہو گئیں  
 تھیں بنات لکھن گزشتہ دن کو مجھے میں ملان ۳ شب کو ان کے جی میں کیا آئی کہ غریباں ہو گئیں  
 قید میں یعقوب نے لی گو نہ یوسف کی خبر ۴ لیکن انکھیں بولن دیو بار زنداں ہو گئیں  
 سب بقیوں سے ہوں ناخوش، پر زبان بھر سے ۵ ہے زلیخا خوش کہ خواہ کٹھاں ہو گئیں  
 چمٹے خون گھول سے بھنے دو کہ ہے شام فراق ۶ میں یہ سمجھو لگا کہ تمہیں دو فروزاں ہو گئیں  
 ان پر بادوں سے لینے غلہ میں ہم انتقام ۷ قدرت حق سے ہی حوریں اگر اداں ہو گئیں  
 نعتوں کی نئے باغ اس سے زینتیں کی ہیں ۸ تیری زلفیں جس کے شاؤں پر پریشان ہو گئیں  
 میں ہمیں کیا گیا، گویا بستان گل گیا ۹ مہلبلیں سن کر مرے نالے غر نچاں ہو گئیں  
 وہ کہاں کیوں ہوئی جاتی ہیں بار پل کے پاؤ ۱۰ جو مری کوتاہی قسمت سے مڑکاں ہو گئیں  
 بس کہ روکا میں نے اور سینہ میں ابھر رہے ہیں ۱۱ میری آہیں بجیہ جاگ گریباں ہو گئیں  
 داں گیا بھی میں تو ان کی گالیوں کا جواب ۱۲ یاد تھیں جتنی دعائیں صرف دیاں ہو گئیں  
 جانفزا ہے باد جس کے ہاتھ میں جامہ گیا ۱۳ سب لکیریں ہاتھ کی گویا رگ جاں ہو گئیں  
 ہم موصد میں ہمارا کیش ہے ترک رسوم ۱۴ ملتیں جب سٹ گئیں اجائے ایماں ہو گئیں  
 رنج سے تو گر ہوا انسان مٹ جاتا ہے رنج ۱۵ مشکلیں اتنی ہیں مجھ پر کہ آسماں ہو گئیں

یہ ہی گرد و قارہ غالب تو اسے اہل جاں

دیکھنا ان بستیوں کو تم کہ ویراں ہو گئیں

۱۔ خیال یہ ہے کہ پھول حسینوں کی خاک سے پیدا ہوا کرتے ہیں نیز جیسا

حسین ہوتا ہے ویسے ہی خوبصورت پھول اس کی خاک سے پیدا ہوتے ہیں اس لئے  
 لالہ دھل کو دیکھ کر انیسویں کے لہجہ میں کہتے ہیں کہ خدا جلنے کتنے اور کیسے کیسے حسین

ننگ میں مل کر خاک ہوئے ہیں۔ ان میں سے چند ایک حسینوں کی صورتیں تو نالہ و گل کی صورت میں ظاہر ہو گئی ہیں۔ باقی کا کہیں پتہ نہیں۔ بہترین شعر ہے۔

۲۔ رنگارنگ .. رنگ برنگ کی + نقش و نگار طاق نسیاں ہو گئیں ..  
ہم بھول گئے۔

اربابِ شوق کی بزمِ آرائیاں دیکھ کر کمالِ حسرت سے کہتے ہیں کہ ایک زمانہ محتاج ہم بھی بزمِ آرائیاں کیا کرتے تھے۔ وہ وقت گزر گیا، بزمِ آرائیاں ختم ہو گئیں گلن کی یاد دہانوں دل کو بے چین کرتی تھی۔ اب ایسا داندلہ ہے کہ ان بزمِ آرائیوں کی یاد بھی باقی نہیں رہی۔ گویا وہ بزمِ آرائیاں طاق نسیاں کی زینت بن گئی راتھی

طبّا طبّا، بخجود اور سفید : تمہیں ہمارا حال دیکھ کر عبرت حاصل کرنی چاہئے کہ شباب کو قیام نہیں۔

۳۔ بنات النعش .. شمال کی طرف سمتِ متواتر نکلا کرتے ہیں، عورتیں انہیں سات سیلیوں کا جھمکا اور سات سیلیاں بھی کہتی ہیں نیز چار تاروں کو جنازہ اور تین کو جنازہ اٹھانے والے کہا جاتا ہے۔

میرزا صاحب نے بنات کے لفظ سے فائدہ اٹھایا ہے۔ جس کے معنی لڑکیاں ہیں لیکن اہل عرب کے محاورہ میں بناتِ ابن کی جمع ہے مثلاً ابن العرس کی جمع بنات العرس ہے۔ چونکہ دن کے وقت منامے نظر نہیں آتے۔ اس لئے کہتے ہیں کہ آسمان کی سات سیلیاں دن کے وقت پردے میں چھپی ہوئی تھیں۔ لیکن خدا جانے رات کو ان کے دل میں کیا آئی کہ وہ بے پردہ ہو گئیں۔

آسی : لا، اپنے معشوق کو خطاب کر کے کہتے ہیں کہ بنات النعش برطی پردہ دار تھیں۔ دن کو منہ چھپائے رہیں مگر شب کا وقت آیا تو اپنا پردہ اٹھا دیا۔

تم ایسے ہو کہ شب وصل میں مجھ سے شرمائے جاتے ہو حالانکہ یہ کوئی محل نہیں ہے (۲۲) ایک عاشقانہ چال ہے۔ معشوق سے کہتا ہے تم کہتے ہو معشوق کا کام عریاں ہونے کا نہیں ہے۔ دیکھو بیانات انفس دن کو کیسی چھپی ہوئی تھیں۔ آخر شب کو بے پردہ ہوئیں۔ پھر اگر رات بے پردہ ہوئے گا محل نہیں تو وہ بے پردہ کیوں ہو گئیں۔

۴۔ روزن دیوار زنداں .. بے نور +

حالی: یعقوب کی آنکھوں کو روزن دیوار زنداں قرار دیا ہے۔ کس واسطے کہ روزن زنداں ہر وقت یوسف پر کشادہ رہتا تھا۔ اسی طرح یعقوب کی آنکھیں شب و روز یوسف کی طرف نگاہیں رہتی تھیں۔

بحمدہ: ایک طرف روزن دیوار زنداں ہونے سے مراد آنکھوں کا بے نور ہونا ہے اور دوسری طرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ اگرچہ ظاہرہ طور پر یعقوب نے یوسف کی خبر نہ لی۔ لیکن درحقیقت ان کی آنکھیں روزن دیوار زنداں ہو کر ہر وقت حضرت یوسفؑ کو دیکھتی تھیں۔ روزن اور نابینا آنکھوں کی مشابہت خوب ہے۔ جب آنکھوں کا نور نائل ہو جاتا ہے تو وہ سفید ہو جاتی ہیں اور روزن کے ساتھ مشابہت قائم رکھتی ہیں۔ روزن کبھی بند نہیں ہوتا۔ نابینا آنکھیں بھی اسی طرح کھلی رہتی ہیں۔ روزن سے اندھیرے میں روشنی آتی ہے، اس لئے یعقوب کی آنکھوں کے روزن بننے سے یہ بھی معنوم پیدا ہوتا ہے کہ یوسف زندان کی تاریکی میں نہ گھبرائے، یہ شعر غالب کے بہترین اشعار میں سے ہے اور کمال جذب عشق کو ظاہر کرتا ہے۔

۵۔ ماہ کنعان .. حضرت یوسفؑ، وہ کنعان میں رہتے تھے۔

لیخا پر زبان مصر آواز کے کستی تھیں۔ کہ تم ایک غلام پر عاشق ہو گئیں۔

تم نے اس میں کیا خوبی اور رعنائی دیکھی ہے۔ آخر کار زلیخا نے تنگ آکر بہت سی عورتوں کو جمع کیا۔ اُن کے ایک ہاتھ میں پھری اور دوسرے میں ترنج دھویئے اور کہا کہ جب یوسف تمہارے سامنے آئے تو ترنج کو کاٹنا۔ جب سب اس اسلوب سے بیچھ گئیں تو یوسف کو بلایا، تمام عورتوں نے حسب الحکم ترنج کٹے۔ لیکن وہ یوسف کے نظارہ میں اس قدر محو ہو گئیں تھیں کہ بجائے ترنج کے اپنے ہاتھ کاٹ لے۔ عورتوں کی یہ بے خودی دیکھ کر زلیخا بہت خوش ہوئی۔ اس واقعہ کو پیش نظر رکھ کر غالب کہتے ہیں۔  
 دنیا کا قاعدہ ہے عاشق اپنے رقیبوں سے جلتے ہیں۔ لیکن زلیخا میں یہ بات نہیں، وہ اپنے رقیبوں سے علم عادت کے خلاف خوش ہے کہ وہ بھی اس کی طرح یوسف پر عاشق ہو گئیں۔ دراصل زلیخا کی خوشی کا سبب یہ تھا کہ اب یہ عورتیں مجھے یوسف پر عاشق ہونے کا طعنہ نہ دیں گی۔ لیکن شاعر نے اس سے ایک نیا پہلو نکال لیا۔

۴۔ جوئے نوحں .. اشک خونیں + فروزاں .. روشن ۔

ہجر کی اندھیری رات ہے اور میں قحب ہجر سے بے چین ہو کر اشکِ فراق بہا رہا ہوں۔ اے میرے ہمدرد! تم مجھے روتے نہ دو۔ میری آنکھوں سے جوئے خون بہنے دو۔ آج شامِ فراق ہے۔ میں جس قدر بھی روتی کم ہے۔ ہجر کی تاریک شب میں جو میری آنکھوں سے اشکِ خونیں مسلسل سہی گئے، میں انہیں دو روشن شمعیں خیال کروں گا۔ اندھیرے میں تاریکی باعثِ شکنجہ ہے۔ اس لئے اشکِ خونیں سے میرے دل کا بوجھ ہلکا ہوگا اور اس کے ساتھ ہی ان کی روشنی سے میرا نمکدہ بھی روشن ہوگا بے مثال شعر کہا ہے۔  
 ۷۔ عقیدہ یہ ہے کہ رحمت میں عہدیں بطور کنیزوں کے میس کی کہتے

ہیں یہاں تو یہ پریراد ہم پر خوب ظلم و ستم کرتے ہیں۔ اگر قدرتِ حق نے انہیں جنت کی حوریں بنا دیا تو مزہ آجاتا۔ ہم ان کے ظلم و ستم کا لگن لگن کر بدلے لیں گے۔ حوریں بننے کے بعد یہ پریراد ہمارے کسی ایک حکم سے سرتابی نہیں کر سکیں گے۔

۸۔ مرزا کا یہ شعر بیت الغزل اور نشتر کہلاتا ہے۔ شعر کا مفہوم یہ کہتا ہے کہ جس کے ساتھ تو ہم خواب ہوا اور جوشِ اختلاط میں جس کے شعلوں پر تیری غبریں زلفیں پریشان ہوئیں، اس کے دماغ کے کیلے کہتے ہیں۔ نیند اس کی قابلِ رشک ہے۔ راتیں اس خوش قسمت شخص کی صحیح معنوں میں راتیں کہلانے کی مستحق ہیں اور جسے یہ لطف حاصل نہیں، نہ اُس کا دماغ ہے نہ نیند ہے نہ راتیں ہیں بلکہ وہ ہمہ تن رنج و تعب ہے۔

۹۔ دیستان .. مدرسہ، مکتب۔

اُستاد کی غیر حاضری میں طلباء سبق یاد نہیں کیا کرتے۔ لیکن جب اُستاد کو آنا دیکھتے ہیں یا اس کی آواز سُن پاتے ہیں تو بہت جوش و خروش سے اپنا سبق دہرانے لگتے ہیں۔ میرا چمن میں جانا تھا کہ ایک مکتب کا سماں پیدا ہو گیا۔ بلبلیں میرے نالوں کو سنتے ہی اپنے اپنے نغمے نہایت جوش و خروش سے دہرانے لگیں۔ گویا میں اُن کا اُستاد تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بلبلیں دلکش آواز سُن کر لغزمہ سنجی شروع کر دیتی ہے۔

اسی نے بلبلیں کی غزل خوانی کے مختلف وجوہ بیان کئے ہیں۔ مثلاً ۱) ہم جنس کے ملنے کی خوشی (۲) مجھ کو دیوانہ سمجھ کر جوشِ مست کدہ نہیں روک سکتی (۳) میں ایسا فصیح بیان ہوں کہ میری غزلیں سُن کر وہ لغزمہ سنجی شروع کر دیتی ہیں۔ ان معنوں پر سب متفق ہیں۔

۱۰۔ مڑگاں ہو گئیں .. آنکھوں کا اتنا بند ہونا کہ پکیں تقریباً آپس میں مل جائیں۔ یہ حالت دو موقعوں پر ہوتی ہے۔ بعض اوقات جوشِ مست سے آنکھیں بند ہو جاتی ہیں اور محض اتنی ٹھلی رہتی ہیں کہ ان میں سے ٹھوڑا ٹھوڑا نظر آتا ہے۔ کبھی کسی چیز کو خود سے دیکھتے یا تغافل آمیز اور شرمیلی نگاہیں ڈالنے سے بھی یہ کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔

یارب وہ نگاہیں جو میری بد قسمتی سے مڑگاں بن گئی ہیں وہ میرے دل کے پار کیوں ہوئی جاتی ہیں۔ دل کے پار تو اس وقت ہو سکتی تھیں جب وہ مڑگاں نہ بنیں یا وہ تلوار یا تیر ہو تیں۔ یہ میری کوتاہ قسمتی ہے کہ وہ بادیہ کو تاء ہونے کے میرے دل کے پار ہوئی جاتی ہیں۔

حالی: نگاہوں کے مڑگاں ہونے سے یہ مراد ہے کہ مشرک کے سبب سے اُپر نہیں اٹھتیں بلکہ پلوں کی طرح ہر وقت نیچے کو جھکی رہی ہیں۔ (تہجد۔ سجد۔ حسرت)

طباطبائی: نگاہوں کے مڑگاں ہونے کو نگاہوں کا کوتاہ ہونا قرار دیتے ہیں اور اس کا کوئی سبب نہیں لکھتے۔

آنکھی لکھتے ہیں کہ میری کوتاہی قسمت (بد قسمتی) نے تلوار جیسی نگاہوں کو میری جانب سے اتنا کوتاہ کیا کہ مڑگاں بنا دیا۔ اس لئے ہر وقت ایک کھٹک سی میرے دل میں رہتی ہے۔ مگر اب میں خیال کرتا ہوں کہ وہ دل کے پار ہوئی جاتی ہیں اور میں مرا جاتا ہوں۔ آخر اس کا کیا سبب ہے کہ وہ اس چھوٹی میں اند بھر بھی تیر کا کام دے رہی ہیں۔

۱۱۔ میں نے اپنی آنکھوں کو جس قدر زیادہ روکا، اتنی ہی وہ میرے سینے میں بار بار اُبھر رہی۔ گویا میری آنکھیں بھی بخیمہ چاک گر بیاں ہو گئیں۔ قاعدہ ہے



کہ بخیہ کرتے ہوئے تاکہ بار بار ابھرتا ہے اور پھر نیچے دباؤ میں آ جاتا ہے۔  
 بخیہ اور چاک گریباں کی رعایت کو ملحوظ رکھتے ہوئے آہ کے بار بار ابھرنے  
 اور بار بار ضبط کرنے کو بخیہ کے تاکے سے تشبیہ دی ہے۔ نیز سینے اور  
 بچھے میں ضلع بھی لطف سے عالی نہیں مطلب یہ ہے کہ میں نے اپنی آہوں کو  
 ضبط کیا۔ گویا چاک گریباں کو بخیہ کر لیا۔ لیکن پھر بھی بخیہ کے تاکے کی طرح  
 وہ بار بار ابھرتی رہیں۔ طباطبائی اس شعر کو بے معنی سمجھتے ہیں۔

۱۲۔ حالی : یعنی اب نئی دعا تو کوئی ذہن میں باقی نہیں رہی اور  
 وہی مستعمل دعائیں جو دربان کو دے چکا ہوں، دوست کے حق میں صرف  
 کرنے کو بھی نہیں چاہتا۔

اس شعر میں جو اصل خوبی اور لطافت ہے وہ یہ ہے کہ گالیوں کے  
 جواب میں دعائیں دینے کو ایک ایسی معمولی اور ضروری بات ہونا ظاہر کرتا  
 ہے کہ گویا اس کو ہر شخص ضروری جانتا ہے۔ اس واسطے وہ سب سے  
 حیران ہو کر پوچھتا ہے کہ بتاؤ ان کی گالیوں کا کیا جواب دوں گا جبکہ دعائیں  
 سب لبر و چلکیں۔

۱۳۔ مشراب جانفزا ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ جس شخص کے  
 ہاتھ میں جام مشراب آ جاتا ہے، اس کے ہاتھ کی تمام لکیریں گویا رگ جان  
 بن جاتی ہیں۔ یعنی مشراب بغیر سینے کے رگ و پے میں قوت پیدا کر دیتی ہے  
 سب نے اس موقع پر غالب کے ایک خط میں سے یہ اقتباس پیش کیا  
 ہے۔ سرودی کی شکایت کرتے ہوئے لکھتے ہیں : ”آگ میں گرمی سی لیکن وہ  
 آتش سیال کہاں کہ جب دو جڑے پئے فوراً رگ و پے میں دوڑ گئی۔ دل توانا  
 ہو گیا۔ دماغ روشن ہو گیا۔ نفس ناطقہ کو تو ابد ہم پہنچا۔“

طبا طبائی: گویا کالفظ اکثر اشعار میں بھرتی کا ہوا کرتا ہے۔ لیکن اس شعر میں ایسا نہیں۔ اگر یہاں یہ لفظ نکال ڈالا جائے تو مبالغہ حد امکان سے تجاوز کر جائے۔

۱۴۔ موحّد .. توحید کے قائل .. کیش .. مذہب ۔

حالی: تمام ملتوں اور مذہبوں کو محمد دیگر رسوم کے قرار دیتا ہے ۔ جن کا ترک کرنا اور ہٹانا موحّد کا اصل مذہب ہے اور کہتا ہے کہ یہی ملتیں جب مٹ جاتی ہیں تو اجزائے ایمان بن جاتی ہیں (تجوید۔ معید) حسرت: جب ترک رسوم مذہب پایا تو جتنی ملتیں مٹتی جاتی ہیں وہ گویا اجزائے ایمان بنتی جاتی ہیں۔

۱۵۔ جب انسان رنج کا غور اور عادی ہو جاتا ہے تو رنج کا احساس جاتا رہتا ہے۔ چنانچہ مجھ پر اتنی مشکلیں اور مصیبتیں آئیں جس کی کوئی حد نہیں۔ لیکن اس نظریے کے مطابق کہ ”رنج سے غور ہو کر رنج رنج نہیں معلوم ہوتا“ وہ خود بخود آسان ہوتی چلی گئیں۔ یعنی میں غور کر آلام ہو گیا تھا اس لئے انہیں ہنسی خوشی روزانہ کی ایک معمولی بات سمجھ کر برداشت کر لیا۔

۱۶۔ (۱) بہت خوب شعر ہے، کہتے ہیں کہ اگر غالب اسی طرح رہتا رہا تو تم دیکھنا کہ اس کے رونے کی وجہ سے یہ بستییاں چند دن میں ویران ہو جائیں گی۔ گویا غالب کا لگاتار رونا بہت تباہ کن ثابت ہوگا۔ اس لئے اسے رونے سے روکنے کی کوئی تدبیر کرنی چاہئے (۲) سُنے والوں سے اس کے نلے سُنے نہ جائیں گے اور وہ اپنے مکان چھوڑ کر کسی اور دیار میں جا رہے گے (۳) غالب کا سببِ اشک مکانوں کو ڈھانکے اور بستیوں کو ویران کر دے گا۔

دیوانگی سے دوش پہ زنا رہی نہیں ۱ یعنی ہماری جیب میں اک تار بھی نہیں  
 دل کو نیازِ حسرت دیدار کر چکے ۲ دیکھا تو ہم میں طاقت دیدار بھی نہیں  
 ملتا تھا اگر نہیں آساں تو سہل ہے ۳ دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہیں  
 بے عشق عمر کٹ نہیں سکتی ہے اوریاں ۴ طاقت بقدر لذتِ آزار بھی نہیں  
 مشوہیدگی کے ہاتھ سے ہے سروبالِ دین ۵ صحرا میں لے خدا کوئی دیوار بھی نہیں  
 گنجائشِ عداوتِ اغیار اک طرف ۶ یاں دل میں ضعف سے ہویں یار بھی نہیں  
 ڈرنا لہائے زار سے میرے خدا کو مان ۷ آخر نوٹے مرغ گر قنار بھی نہیں  
 دل میں ہے یار کے صفِ مژگان سے روشنی ۸ حالانکہ طاقتِ خلشِ خار بھی نہیں  
 اس سادگی پہ کون نہ مر جائے لے خدا ۹ لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں  
 دیکھا اسد کو خلوت و خلوت میں بار بار

دیوانہ گر نہیں ہے تو ہشیار بھی نہیں

۱۔ عاشق کا مذہب صہم پرستی ہے اور صہم پرستوں کی نشانی یہ ہے کہ وہ  
 زنا پہننا کرتے ہیں۔ کتا ہے دیوانگی کی وجہ سے ہمارے دوش پر زنا رہی  
 نہیں۔ گویا جوشِ دیوانگی میں ہم نے اپنا گریبان اس بُری طرح بھاڑا ہے کہ  
 ایک تار بھی جسم پر باقی نہیں رہا کہ وہی زنا رکھ کا کام دیتا۔ یاد ہے زنا رکھ ہوا  
 مذہب صہم پرستی کے خلاف ہے۔

۲۔ جب ہم نے اپنے دل کو حسرت دیدار کی نظر کو دیا یعنی تمنا سے دیدیں  
 مٹا دیا تو ہم کو احساس ہوا کہ ہم میں تو طاقت دیدار بھی نہ تھی۔ بیکار دل  
 کو خاک میں ملا دیا (سجید)  
 بخود غور کرنے سے معلوم ہوا کہ دل کے مٹ جانے سے طاقت دیدار

کو بھی مٹا دیا۔ اب اگر وہ جلوہ دکھائے تو دیدار کی طاقت نہیں (طباطبائی۔ آئسی)

۳۔ حالی۔ ایک نیکٹ واقعہ کے بیان میں ایسے مناسب محاورات کا دستیاب ہو جانا، عجیب اتفاق ہے۔ اس مضمون کو حقیقت کی طرف لے جاؤ اور چاہو مزاج پر محمول کرو۔ دونوں صورتوں میں مطلب یہ ہے کہ اگر تیرا ملنا آسان نہ ہوتا یعنی دشوار ہوتا تو کچھ دقت نہ تھی اس لئے کہ ہم آپس ہو کر بیٹھ رہتے اور شوق و آرزو کی غلش سے چھوٹ جاتے۔ مگر مشکل یہ ہے کہ وہ جس طرح آسان نہیں، اسی طرح دشوار بھی نہیں اور اس لئے شوق و آرزو کی غلش سے کسی طرح نجات نہیں ہوتی (سعید۔ بخود)

حسرت (۱)۔ تفصیل دشوار آسان نہیں ہوتی مگر ممکن ہوتی ہے اور تحصیل محال سرے سے ممکن ہی نہیں ہوتی۔ شاعر کہتا ہے کہ ملنا تیرا آسان نہ ہو۔ یعنی دشوار ہو۔ تاہم سہل ہے۔ مگر مشکل تو یہ ہے کہ دشوار بھی نہیں، محال ہے۔ جس میں میرا کسی طرح قابو نہیں، محض مجبور ہوں (۲) تیرا ملنا اگر سہل کے لئے مشکل ہو تو مجھ کو بھی صبر آجائے۔ مشکل یہ ہے کہ اغیار کے لئے آسان ہے اور میرے لئے دشوار ہے۔ (آئسی) و حسرت طباطبائی کی پہلی شرح سے متفق ہیں۔

۴۔ عمر بغیر عشق کے کٹ نہیں سکتی اور عشق میں آزار اور تکلیفیں ضرور پہنچتی ہیں۔ مگر ہم میں اتنی طاقت نہیں کہ ذرا آزار برداشت کر سکیں بڑی مشکل آپڑی ہے۔ کیسے بنے گی۔

۵۔ شوریدگی .. جنوں + دیال .. مصیبت + دوش .. کندھاس عاشق محبت میں دیوانہ ہو گیا ہے۔ صحرائیں مارا مارا پھرتا ہے شہت جھو

نے اس کی ایسی حالت بنا دی ہے کہ سر بھی کندھوں پر وبال معلوم ہوتا ہے  
اس بوجھ سے پریشان ہو کر کہتا ہے کہ اے خدا میں کیا کروں صحرائیں تو کوئی  
دیوار بھی نہیں ہے کہ میں اس سے اپنا سر سچوٹا ڈالوں اور اس بار دوش  
یعنی سر سے نجات پاؤں سے غالب

کہاں تک ردِ قول اُس کے خیمے کیچے قیامت ہے

مری قسمت میں یارب کیا نہ تھی دیوارِ سحر کی

۴۔ ضعف سے دل بالکل کمزور ہو گیا ہے اور وہ کسی قسم کا بوجھ اٹھانے  
کے قابل نہیں رہا۔ ہوس یارب میں تو کوئی بوجھ نہیں ہوتا۔ لیکن ہمارا ضعفِ دل  
ایسا ہے کہ ہوس یارب کا بھی متحمل نہیں ہو سکتا۔ جب حالت ایسی نازک ہے  
تو گنجائشِ عداوت اختیار کیسے ہو سکتی ہے۔ جن خیال یہ ہے کہ آرزوئے یارب  
ہمیشہ خوش آئند ہوتی ہے، لیکن یہاں وہ بھی ناگوار ہے۔ پھر عداوتِ اختیار  
کا کیا ذکر وہ تو سرا سر بوجھ ہے (طباطبائی۔ سدید)

آستی؛ مطلب یہ ہے کہ اب دل سے آرزوئے وصالِ یارب برداشت  
نہیں ہو سکتی اور وہ اتنی زیادہ ہے کہ میرے دل میں سما نہیں سکتی یا یوں  
کہئے کہ اب ہم تارک ہیں۔

بیخود؛ عشق و ہوس کا زمانہ گزر جانے کے بعد یہاں یارب سے بھی  
دلی لگاؤ باقی نہیں رہا۔

۵۔ میرے نالہائے نار سے ڈر۔ خدا کا خوف کہ میرے نالے مرغِ گرفتار  
کے نالوں کی طرح بے اثر نہیں ہیں۔ اُن کا اثر ہوگا اور ضرور ہوگا۔

۸۔ روشنی .. مقابلہ۔

اگرچہ ضعف و نقاست نے میرا ایسا حال بنایا ہے کہ مجھ میں کانٹے کی

کھٹک برداشت کرنے کی بھی طاقت نہیں رہی۔ پھر بھی میسرے دل میں یہ بات سناٹی ہے کہ میں مرثگان یار کی فوج کا مقابلہ کسوں :-

۹۔ اے خدا ان کی سادگی پر کون نہ مرحلے کہ وہ لڑتے ہیں، گمان کے ہاتھ میں تلوار بھی نہیں۔

بے خود، طباطبائی، لڑنے سے احتیاط میں ہاتھ پائی کرنا مراد ہے۔  
آہی : گویا یہ سادگی بجائے تلوار کے ہے۔

۱۰۔ ہم نے اسد کو خلوت اور جنوت دونوں حالتوں میں دیکھا ہے۔  
آپ کہتے ہیں کہ وہ دیوانہ نہیں۔ معاف کیجئے۔ اگر وہ دیوانہ نہیں تو ہیشہ بھی نہیں ہے۔

## ۱۰۳

نہیں ہے زخم کوئی بخیر کے درخیز تیر میں ۱ ہوا ہے تارا شک یاں رشتہ چشم سوزن میں  
ہوئی ہے مارغ ذوق تماشہ خانہ ویرانی ۲ کف سیلاب باقی ہے رنگ پنبہ بصل میں  
دلیخت خانہ بیدار کاوشماں موزاں ہوں ۳ نگین نام شاید ہے مگر قطرہ خوں تنہ میں  
پیل کس سے ہو ظلمت گسری ہیکر شبت کی ۴ شب ہو جور کھیں پنبہ دیوانوں کے دل میں  
نکوش مارغ بے ربطی مشور جنوں آئی ۵ ہوا ہے خندہ احباب بخیر حبیب دامن میں  
ہوئے اس مردوش کے جلوہ مثال کے لگے ۶ پرافشاں جوہر آئینہ میں مثل ذہن دیوانہ میں  
نہ جانوں نیک ہوں یاد ہوں صحبت کافور ۷ جو گل ہوں تو ہوں گنن میں غنن جو گل ہوں گنن میں  
ہزاروں لڑیئے جوش جنوں عشق نے مجھ کو ۸ سب ہو کر سبید ہو گیا ہر قطرہ خوں تن میں

اسد زندانی تاثیر الفت ہائے خواباں ہوں

خیم دست نوازش ہو گیا ہے طوق گرون میں

۱۔ درخور .. قابل + چشم سوزن .. سوئی کا ناکہ .. رشتہ .. تاکہ ۔

دشتر سوزن کو تار اشک یاس کہا ہے۔ میرے جسم پر کوئی زخم ایسا نہیں جو  
ملنے لگنے یا سینے کے قابل ہو، اس لئے تاکہ چشم سوزن میں باہر مٹی کی وجہ سے  
تار اشک یاس بن گیا ہے۔ گویا سوئی اس ناہیدی کے سبب روتی ہے اور اس  
غم میں چشم سوزن سے آنسوؤں کا تار جاری ہے۔

۲۔ کف سیلاب .. سیلاب کے جھاگ پنہ .. روٹی۔  
میں اشکوں کا سیلاب اس لئے لایا تھا کہ میرا گھر تباہ و برباد ہو جائے  
اور پھر میں درد دیوار کے روزوں میں سے اپنی خانہ دیرانی کا تماشا دیکھوں لیکن  
اشوس کہ یہ ذوق تماشا پورا نہ ہو سکا۔ میری خانہ دیرانی ہی ذوق تماشا کو مان لئی۔  
کیونکہ سیلاب کے جھاگوں نے درد دیوار کے روزوں کو روٹی کے پنہ کی طرح بند  
ہو جاتا ہے اور جھاگیا نہیں جا سکتا۔ یہ پنہ اسی سیلاب اشک کا کف ہے جس  
سے گھر دیرانی ہوا ہے۔

۳۔ ودیعت خانہ .. امانت خانہ .. مشاہد .. مشوق۔

میرے جسم کا ہر ایک قطرہ خون ایک نگینہ ہے۔ جس پر مژگان یاہر نے  
نہایت بے دردی سے اپنا نام (ممشوق کا نام) کھودا ہے۔ اس لئے میں ان نگینوں  
یعنی مژگان یاہر کی کاوشوں کے ظلم کا امانت خانہ بن گیا ہوں۔ تاعدہ ہے کہ  
امانت پر ہر نگاہی جاتی ہے اسی طرح میرے خون کے ہر قطرہ پر کاوش مژگان  
کے ظلم و ستم کی محسوس لگی ہوئی ہیں۔

۴۔ شبستان .. خوابگاہ .. میرے سیاہ خانہ کی تاریکی کا حال کوئی یاہر  
نہیں کر سکتا۔ اس کی تاریکی کا یہ عالم ہے کہ اگر اس کی دیواروں کے روزوں میں  
پنہ دکھ دیں تو یہ معلوم ہو کہ چاندنی رات ہے۔ جہاں تاریکی زیادہ ہوتی ہے وہاں

پر سفید چیز چمکتی ہے۔ چنانچہ روزن میں روئی رکھنے سے بجائے تار کی بڑھنے کے اس قدر روشنی ہو جاتی ہے کہ شبِ باہ معلوم ہوتی ہے۔ غالب سے کیا کہوں تار کی زندانِ غم جیرا پنہ نور صبح سے کم جس کے روزن میں نہیں ۵۔ نکو ہوش .. ملامت۔

اجاب نے میرے جوش جنوں اور بے ربطگی کو دیکھ کر مجھے ملامت کی اور وہ میرے پاگل پن پر مبنی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خندہ اجاب سے پچھنے کے لئے میں جیب و دامن کو چاک کرنے سے باز رہا گو با خندہ اجاب میرے چاک گر بیان کا بخیمہ بن گیا۔  
طہا طہائی لکھتے ہیں کہ خندہ سے خندہ زندانِ غم مقصود ہے تاکہ اسے بخیمہ سے مناسبت ہو جائے۔

۶۔ مردوش .. غور شد جمال + جلوہ تمثال .. عکس رخ + پرائشال .. اُڑنے کے لئے پر پھر پھر اٹا۔ یہاں مراد اُڑنا۔

جس طرح روزن پر آفتاب کی روشنی پڑنے سے ذرات پرائشال اور متحرک ہو جاتے ہیں اسی طرح اُس مردوش کے عکس رخ کے سامنے آئینے کے جوہر اٹنے لگتے ہیں گویا اس کے عکس رخ کے سامنے آئینہ ماند پڑ جاتا ہے۔ ۷۔ گلخن .. بھاڑ + خس .. گھاس پھوس وغیرہ۔

یہ تو میں جانتا نہیں کہ میں اچھا ہوں یا بُرا ہوں۔ لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں کہ میری صحبت مخالف ہے یعنی اگر میں گل ہوں تو میری صحبت گلخن سے ہے اور اگر میں خس ہوں تو میری صحبت گلشن سے ہے۔ ظاہر ہے کہ گل کی صحبت گلشن سے اور خس کی صحبت گلخن سے مناسب ہے۔ گل اگر گلخن میں ہے تو بیکار ہے اور اگر گلشن میں ہے تو بار بار طلب



ہے کہ صحیح صحبت ہر شخص اور چیز کے جوہروں کو چمکاتی ہے اور اسی سے شاعر محروم ہے۔

۸۔ جویش جنوں عشق سے میرا ہر قطرہ خون سیاہ ہو کر سویدا بن گیا ہے۔  
خیاں سویدا دل میں ہوتا ہے گویا جنوں کے فیض سے ہم کو ہزاروں دل مل گئے۔  
مطلب یہ نکلا کہ فیض عشق سے ہزاروں دل مل گئے۔ پہلے ایک دل کو مشق کی یاد تڑپاتی تھی اب ہزاروں دل اس کی یاد میں تڑپا کریں گے۔  
۹۔ زندانی ۰۰ قیدی۔

اسدیں حسینوں کی تاثیر محبت کا قیدی ہوں انہوں نے  
کمال قربانی سے میرے گلے میں جو بائیں ڈالی ہیں، وہ میری گردن کے لئے  
طوق بن گئی ہیں۔ گویا میں اسیر محبت ہو گیا ہوں۔

۱۱۴

مرے جہان کے اپنی نظریں خاک نہیں ۱  
مگر عیار ہوئے پر ہوا اڑا لے جائے ۲  
یہ کس بہشت شمائل کی آمد ہے ۳  
بھلا اُسے نہ سہی کچھ بھی کو رحم آتا ۴  
خیال جلوۂ گل سے خراب ہیں بے کش ۵  
ہوا ہوں عشق کی غارت گری سے خنڈ ۶  
سوائے حسرت تعمیر گھر میں خاک نہیں  
ہمارے شعر میں اب صرف دل لگی کا سد  
مکمل کہ فائدہ عرض ہنر میں خاک نہیں

۱۔ خاک نہیں ۰۰ بیچ ہیں، کچھ نہیں۔

دُنیا کے تمام لطف اور لذتیں میری نظروں میں بیچ ہیں۔ ہاں خون جگر پیئے

میں مجھے مزہ آیا کرتا تھا تو اب جگہ میں بھی کچھ باقی نہیں رہا۔ گویا اس لطف سے بھی محروم ہو گیا۔

۲۔ مگر .. شاید۔

میرے بال و پر میں اتنی طاقت نہیں کہ میں اُدھر وہاں تک جاؤں۔ شاید یہ ہو سکتا ہے کہ میں فنا ہو کر خاک ہو جاؤں اور ہوا میرے غبار اُدھر وہاں لے جا لے۔ غبار و خاک کا تناسب پُر لطف ہے وہاں سے مُراد کو چڑیا یا راجن ہو سکتا ہے۔

۳۔ بہشت .. شہنائی .. بہشتِ خصلت یا فردوسِ منظر۔ مراد معشوق۔ کہتے ہیں آج کس بہشتِ خصلتِ معشوق کی آمد ہے کہ راستے پھولوں سے پٹے پڑے ہیں اور خاک کہیں نام کو نہیں۔ گویا معشوق کی آمد سے عالمِ خاک عالمِ فردوس بن گیا ہے۔  
بم - نفس .. آہِ دناںہ۔

اگر اسے میرے حالِ ناز پر رحم نہ آیا تھا تو خود مجھی کو اپنی حالت پر رحم آنا چاہئے تھا یعنی اپنے اُدھر رحم کر کے میں نالہ کشی سے باز آ جاتا چوں معلوم ہو گیا کہ میری آہ میں خاک اثر نہیں۔

طبا طبائی کہتے ہیں کہ نفس کو بے اثر کر دے پھر کہنا کہ اثر نہیں بہ اعتبارِ معنی کے اس کی تاویل مشکل ہے لیکن محاورہ میں ٹھیک ہے۔

۵۔ شراب خانے کے دیو اور میں تو کچھ باقی نہیں۔ اب اس سے بخوار کیا مست ہونگے۔ وہ تو جلوہ گلِ فصلِ بہار کے خیال میں مست ہیں (مستعد) طباطبائی، نشے کی کرامات سے آنکھوں میں سرسوں بھولی ہے اور نہ شراب خانے میں کیا حشر ہے۔ بخود و طباطبائی یہ مطلب نکالتے ہیں کہ زندگی

کو پر لطف بنانے والی شے محبت الہی ہے، ورنہ اس ناپائیدار دنیا میں کیا رہا ہے۔

آئسی نے ہر وہ متذکرہ معنی لکھے ہیں۔ تیسرا مفہوم یہ لکھتے ہیں کہ فصل بہا کر ہی ہے اور یہ خیال کہ اس موسم میں بغیر شراب کے کیونکر گزارا ہوگا۔ ان کو خراب کئے ہوئے ہے اور حال یہ ہے کہ مے خانہ میں کچھ بھی باقی نہیں وہ بالکل تباہ ہو چکا ہے۔

۶۔ غارت گری۔۔ لوٹ مار + حسرت تعمیر۔۔ مکان بنانے کی آرزو۔

میں عشق کی غارت گری اور لوٹ مار سے بہت ہی شرمندہ ہوں، اس نے مجھے ایسا برباد کیا کہ میرے پاس کچھ بھی باقی نہیں رہا۔ اگر ہے تو حسرت تعمیر سے عشق اسے کیا لوٹے گا۔ گویا میں شرمندہ اس لئے ہوں کہ عشق سے لٹو لے کے لئے میرے پاس خاک بھی نہیں۔

سعیہ لکھتے ہیں کہ میرزا پچاس برس دہلی میں رہے لیکن ہمیشہ کرائے کے مکان میں، اپنا مکان بنانے کی حسرت دل ہی میں رہی۔ اسی شعر میں اسی کا اظہار کیا ہے۔

۷۔ لوگ ہمارے اشعار کو تعزیر طبع اور دل لگی کا سامان سمجھتے ہیں اس سے ظاہر ہے کہ ہمارے شعر کہنے اور اظہار ہنر سے کچھ فائدہ نہیں۔ کیونکہ لوگ ہمارے فن کی قدر کرتے ہیں، نہ ہمارے اشعار کو سمجھتے ہیں۔

بیتخود: ہم صرف دل بھلانے کی غرض سے شعر کہا کرتے ہیں۔ ہم کو معلوم ہو گیا ہے کہ اظہار کمال میں خاک بھی فائدہ نہیں مطلب یہ ہے کہ اب نہ لوگ خوش گوئی کی قدر کرتے ہیں اور نہ شعر کی خوبی سمجھتے ہیں۔

۱۱۵

دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت سے بھر لئے کیوں ۱ روٹے ہم ہزار بار، کوئی ہمیں ستلے کیوں  
 دیر نہیں، حرم نہیں، در نہیں، آستان نہیں ۲ بیٹھے ہیں رہ گئے وہ ہم غلام ہیں اٹھائے کیوں  
 جب وہ جمالِ انور، صوفِ ہریم روز ۳ آپ ہی ہوں نظارہ ہوا، پیوے میں نہ چھپائے کیوں  
 دشنہ، غمرہ، جاکستان، اماک، ناز بے پناہ ۴ تیرا ہی عکس لوحِ مئی، سامنے تیرے آئے کیوں  
 قید حیات، بنغم، اصل میں وہوں ایک ہیں ۵ موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں  
 حسن اور اس چرخِ گلن، رہ گئی بوالہوس کی شرم ۶ اپنے پہ اخلاک ہے، غیر کو آزمائے کیوں  
 داں وہ غلامِ عود و ناز، یاں یہ حجابِ پاسِ ضح ۷ لہ میں تم میں کہاں، بزم میں وہ بلائے کیوں  
 ہاں وہ نہیں خدا پرست، جاؤ وہ بیوفا سہی ۸ جس کو ہدیٰ دل عزیزاں کی گلی میں جائے کیوں

غالبِ نحتہ کے بغیر، کوئی سے کام بند میں

روئے نازدار کیا، کچھ ہائے ہائے کیوں

۱۔ سنگ و خشت .. اینٹ پتھر۔

معلوم ہوتا ہے معشوق عاشق کو روئے سے روکتا ہے اور عاشق کو مضبوط کرتا  
 کا بار نہیں۔ وہ مظلومانہ انداز سے کہتا ہے کہ ہمارا دل ہے اینٹ پتھر تو نہیں کہ  
 تم ستلے جاؤ اور ہم برداشت کئے جائیں۔ اب ہمارے دل سے صبر نہیں ہوتا۔  
 ہاں ہاں ہم ہزار بار رویش گئے، کوئی ہمیں کیوں ستلے۔ کوئی کالخط قابلِ تعریف  
 ہے۔ اس طرح عام طور پر خفا کی توقع پر بولتے ہیں۔

۲۔ در .. بُت خانہ + حرم .. خانہ کعبہ۔

اس شعر کو تعریف سے مستثنیٰ خیال کیا جاتا ہے۔ کہتے ہیں، ہم سربراہ  
 بیٹھے ہیں اور راستہ کسی کی ملکیت نہیں۔ ہر شخص اسے استعمال کرنے کا حق رکھتا  
 ہے۔ یہ بُت خانہ یا کعبہ نہیں کہ کوئی ہمیں وہاں سے نکال دے۔ نہ کسی کی دہلیز یا

دروازہ ہے کہ ہمیں یہاں سے اٹھا دیا جائے۔ پھر قریب ہیں یہاں سے اٹھ جانے کے لئے کیوں مجبور کرتا ہے۔

۳۔ جمال دلفروز .. دل کو روشن کرنے والا جمال + مہر نیم روز .. دھیر کے دقت سورج پوری طرح چمکتا ہے اور کوئی اس کی طرف دیکھ نہیں سکتا۔ نظارہ سونہ .. نظروں کو جلا دینے والا۔ وہ حسن جس کا نظارہ نہ ہو سکے۔

جب وہ جمال دلفروز دو پہر کے سورج کی طرح نظارہ سونہ ہے، یعنی کوئی اس کو دیکھ نہیں سکتا تو پھر وہ اپنا چہرہ پردے میں کیوں چھپاتا ہے۔ اسے چاہئے کہ بے نقاب رہے (آستی مستعد)

دوسرا مفہوم یہ ہے کہ وہ پردے میں چھپا ہوا نہیں بلکہ آشکارا ہے۔ مگر باوجود آشکارا ہونے کے مہر نیم روز کی طرح کوئی اسے دیکھ نہیں سکتا کیونکہ کثرت نور سے نگاہیں اسے دیکھنے سے قاصر ہیں (طبا طبائی۔ بخود)

۴۔ دشنہ .. خنجر + غمزدہ .. ناز و ادا + جالستان .. جان لیوا۔  
ہلک + ناوک .. تیر۔

تیرے ناز کے خنجر ہماں لینے والے ہیں اور تیری اداؤں کے حیر بے پناہ ہیں۔ کسی کو ان سے امان نہیں مل سکتی۔ جب تیرے ناز و ادا کی جالستانی کا یہ عالم ہے تو جب عکس رخ تیرے سامنے پڑیگا، اس کو بھی گزند پہنچےگا (مستعد۔ آستی)

طبا طبائی۔ سبب یہ ہے کہ تیرے سامنے بھی کسی کا آنا اچھا نہیں۔ کوئی غیر آیا تو مارا پڑا۔ خود عکس تیرا آگیا بیٹھنے میں بھی دشنہ و ناوک لئے ہوئے تیرے سامنے آیا تیرا کیا حال ہوگا؟ (بخود)

۵۔ حیات و غم کا مقابلہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ قید حیات اور بند غم

دونوں ایک ہیں۔ ان میں کسی قسم کا فرق نہیں جو آدمی زندگی کی قید میں رہتا ہے، وہ بھی ہمیشہ مصائب و آلام میں مبتلا رہتا ہے اور جو شخص مصیبتوں میں گرفتار ہو جاتا ہے، وہ بھی رنج و غم میں پھنسا رہتا ہے۔ اس سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جب تک انسان زندہ ہے اس کو غم سے نجات نہیں مل سکتی ہاں جب موت آجائے گی تو غم بھی نہ رہے گا۔ مومن غم اس مفہوم کو اس طرح ادا کرتے ہیں ۷

چھٹ کر کہا اسیرِ محبت کی زندگی ناصح یہ بند غم نہیں قیدِ حیات ہے  
۶۔ غالب اس شعر کی شرح ایک خط میں لکھتے ہیں۔ ”حسن عارض اور حسنِ ظن دو صفتیں محبوب میں جمع ہیں۔ یعنی صورت اچھی ہے اور گمان اس صحیح ہے۔ کبھی خطا نہیں کرتا اور یہ گمان اس کو اپنی نسبت ہے کہ میرا مارا کبھی پختا نہیں اور میرا تیر غمزدہ کبھی خطا نہیں کرتا پس حیب اس کو ایسا بھروسہ سے تو رقیب کا امتحان کیوں کرے۔ اس حسنِ ظن نے رقیب کی شرم رکھ لی اور نہ رقیب عاشق صادق نہ تھا۔ اگر پلئے امتحان درمیان آتا تو حقیقت کھل جاتی۔“

۷۔ اس شعر میں لف و نشر مرتب ہے، کہتے ہیں، محبوب سے ہم راستے میں اس لئے نہیں ملتے کہ ہم کو اپنی و صنعاری کا خیال ہے نیز غیرت اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ ہم اس سے سرِ راہ باتیں کریں۔ ادھر وہ مجھے اپنی محفل میں آنے کی اجازت اس لئے نہیں دیتے کہ مدعو کرنے میں ان کے عز و ناز میں فرق آتا ہے۔ ظاہر ہے ایسے حالات میں ان سے ملاقات ہو تو کیونکر ہو۔

۸۔ طباطبائی نے اس شعر کو بیت الغزل قرار دیا ہے۔ ہمدرد لوگ

عاشق کو سمجھاتے ہیں کہ تیرا معشوق بہت بے وفا اور کافر ہے۔ اس کے عشق سے توبہ کر۔ اور ایسے شخص کے لئے اپنے دین و دل کو خراب نہ کرو۔ عاشق یہ سن کر بگڑ جاتا ہے اور کہتا ہے، جاؤ وہ بے وفا اور کافر ہی سہی، جس کو اپنا دین و دل پیارا ہو وہ اس کی گلی میں نہ جائے۔ گویا تمہیں اپنا دین دل پیارا ہے۔ تم اس کا عشق نہ کرو۔ ہم تو ضرور جائیں گے اور اس کا عشق ہرگز ترک نہ کریں گے۔

۹۔ غالب مر گئے ہیں، احباب اُن کے غم میں ڈار ڈار رو رہے ہیں اُوٹے ہائے کر رہے ہیں۔ احباب کو حسیں دینے کے لئے کہا جاتا ہے کہ غالب تختہ کے مرجانے سے تمہارے کون سے کام بند ہو گئے ہیں تم اس طرح ڈار ڈار روتے ہو۔ مطلب یہ ہے اس کی ذات سے تو کسی کو کچھ خاص فائدہ نہ تھا۔ پھر رونے سے کیا حاصل۔

۱۱۶

غنیہ نہا شگفتہ کو، دُور سے مت دکھا کہ لو ۱ بوسہ کو پوچھتا ہوں میں، مرے مجھے بتا کہ یوں پریش طرزِ دلبری کیجئے کیا کہ بگئے ۲ اس کے سراک اشارہ سے بگئے بڑا کہ لو رات کے وقت مے پئے ساتھ رقیب کو لے ۳ آئے وہاں خدا کے پُر نہ کہے خدا کیوں غیر سے رات کیا بتی، یہ جو کہا تو دیکھئے ۴ سامنے آن بیٹھنا اور یہ دیکھنا کہ یوں بزم میں اُس کے بوسہ کیوں نہ خوش بیٹھے ۵ اُس کی خاموشی میں بھی ہے سی مدعا کہ یوں میں نے کہا کہ بزمِ ناز، چاہئے غیرت تھی ۶ سن کے تم حریف نے مجھ کو اتحاد یا کربوں مجھ سے کہا جیسا نے باتیں ہوش کس طرح ۷ دیکھ کے میری بخود ہی چلنے لگی ہوا کہ یوں کب مجھے کئے یار میں رہنے کی وضع یا دغنی ۸ آئینہ وار بن گئی، حیرتِ نقشب پاد کیوں گئے دل میں ہو خیال، دل میں شوق کا زوال ۹ موجِ محیط آب میں ٹلے ہے سوت و پاکیوں

جو یہ کہے کہ ریختہ، کیونکہ ہور شک فارسی  
گفتہ غالب ایک بار پڑھ کے اسے شاکر پو  
۱۔ غنچہ ناشگفتہ .. دہن تنگ -

میں ان سے پوچھتا ہوں کہ بوسہ کس طرح لیا جاتا ہے تو وہ دُور سے اپنا منہ جو  
غنچہ ناشگفتہ کی مانند ہے مجھے بنا کر دکھاتے ہیں کہ دیکھ بوسہ اس طرح لیا جاتا  
ہے۔ کہتے ہیں یہ طریقہ درست نہیں۔ یہ کیا کہ دُور سے بتا دیا قریب آکر بتاؤ  
کہ بوسہ لینے کی یہ صورت ہے۔

یہ خود طباطبائی لکھتے ہیں کہ پاس آکر اپنے منہ سے لے کر بتاؤ کہ  
بوسہ ہوں لینے ہیں (آتسی - مستقیم)

آتسی نے دوسرا مفہوم یہ لکھا ہے کہ میں نے تم سے بوسہ لینے کی  
صورت دریافت کی تو اس پر خاموش کیوں کھڑے ہو۔ یعنی خموشی دہن  
کو غنچہ ناشگفتہ کہا ہے۔

۲۔ طرز دلبری .. دل لینے کا طریقہ -

میں ان سے دل لینے کا طریقہ کیا پوچھوں۔ بغیر دریافت کئے پتہ  
چل رہا ہے۔ کیونکہ ان کا ہر ایک اشارہ زبان حال سے کہہ رہا ہے کہ  
دل اس طرح اڑایا جاتا ہے۔

۳۔ خدا کو دے وہ رات کو خوب شراب پیئے اور میرے گھر میں آئے۔  
لیکن خدا کو دے کہ وہ شراب پیئے اور قیام کو اپنے ساتھ لئے ہوئے  
میرے پاس آئے۔

۴۔ کیا بنی .. کیا گزری۔

میں نے جو ان سے پوچھا کہ کئے حضرت غیر کے ساتھ رات کیسی گزری؟



اس سوال کا جواب انہوں نے اس طرح دیا کہ وہ میرے سامنے آن بیٹھے۔  
گویا یہ تنہا یا کہ ہم اور غیریوں بیٹھے رہے (بیخود - آئسی)

طباطبائی (۱) میرے سامنے آ بیٹھا اور غصے کی نگاہ سے میری طرف دیکھنا دیکھتے کہ یوں غم گستاخی کرنے لگے (سعیہ) (۲) میرے سوال پر ذرا دیکھنا اس کا سامنے آ بیٹھنا کہ یوں ڈھٹائی سے سامنے آن بیٹھنا۔

آسی کا دوسرا مضمون : اس سوال کے مستند ہی وہ غصے سے میرے سامنے آ بیٹھا اور کہا کہ اب ہم آپ کے پاس آ گئے ہیں تو آپ یوں چھیر نکالینگے اور یوں گستاخی کریں گے۔

۵۔ کیسے ہو سکتا ہے کہ بزم میں اس کے سامنے ہم خاموش ہو کر بیٹھیں۔  
اس کے چپ چاپ رہنے کا مدعا یہی ہے کہ ہماری طرح تم بھی خاموش بیٹھے رہو۔

۶۔ تمہی .. خالی + ستم ظریف .. وہ شخص جس کی ظرافت میں ستم کی آمیزش ہو۔

میں نے ان سے کہا کہ بزمِ ناد میں کوئی غیر شخص نہیں ہونا چاہئے لہذا غیر سے میرا مدعا رقیب تھا۔ اس ستم ظریف معشوق نے یہ سن کر مجھ کو بزم سے نکال دیا اور کہا کہ یہی تمہارا مطلب ہے نا۔ یعنی اب تو محفلِ غیر سے خالی ہو گئی۔ مطلب یہ ہے کہ ان کی نگاہوں میں میں ہی "غیر" تھا۔ حسرت لکھتے ہیں کہ یہ شعر لفظ ستم ظریف کے مفہوم کی تشریح کرتا ہے۔

۷۔ جب یار نے مجھ سے دریافت کیا کہ ہوش کس طرح اڑتے ہیں؟ تو میری بیخودی کا یہ عالم دیکھتے ہی ہوا چلنے لگی کہ دیکھ ہوش اس طرح اڑا کرتے ہیں۔ جب عالم سرخوشی میں ہوا لگتی ہے تو نشہ اور زیادہ بڑھ جاتا ہے۔ مندرجہ بالا

مغموم کے علاوہ آتشی نے یہ نکتے اور نکالے ہیں (۱) میری ہر شے دشمن ہے۔  
 میں اس کے سوال کا جواب بھی نہ دینے پایا تھا کہ ہونے پہلے سے جواب  
 دے دیا (۲) ہر شے میرے دردِ دل سے واقف ہے اور ہر شے میری  
 حالت پر گواہ ہے (۳) اس کی ہر چیز مطیع ہے اور اس کے سوال کے جواب  
 کے لئے تیار ہے۔

۸۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ کوچہ یار میں کیونکر رہا جاتا ہے۔ جیتِ نقشِ پا  
 نے اپنی افتادگی اور حیرانی کی مثال پیش کی کہ مجھے کوئے یار میں رہنے کا  
 طریقہ سکھلادیا مطلب یہ ہے کہ نقشِ پالنے مجھے بتادیا کہ اس طرح خاک  
 میں مل کر اور جلوۂ یار سے جیتِ زدہ ہو کر کوچہ معشوق میں رہنا چاہئے۔  
 ۹۔ اگر تیرے دل میں یہ خیال ہے کہ وصل سے عشق میں کیونکر کی جاتی  
 ہے۔ تو موجِ بحر کو دیکھ۔ وہ زبانِ حال سے بتا رہی ہے کہ وصل سے شوق اس  
 طرح زوال پذیر ہوتا ہے۔ یعنی موج کے توج اور تلاطم سے معلوم ہوتا ہے کہ  
 موج وصل بھر سے دل سیر ہو گئی ہے اور وہ واپس کنارے پر آنے کے لئے  
 ہاتھ پاؤں مار رہی ہے۔ رحمتِ بسجید

طباطبائی: اگر تجھے یہ خیال ہو کہ مبداءِ حقیقی تک پہنچ کر کیونکر زوالِ شوق  
 ہو جائیگا اور کس طرح اتحاد پیدا ہو جائیگا تو موجِ محیط کو دیکھ، وہ بتا رہی  
 ہے کہ اس طرح دست و پاماتے مارتے آخر اتحاد ہو جاتا ہے جو کہ مرتبہٴ اہل  
 و سکون ہے (پہنچد)

آسی: اگر تیرے دل میں یہ خیال ہے کہ وصل سے شوق میں زوال آجاتا  
 ہے تو موجِ دریا کو دیکھ، وہ اپنا سر پہنک رہی ہے اور ظاہر کرتی ہے کہ  
 وصل سے شوق زوال پذیر نہیں ہوتا۔ یعنی عاشق کو اگر معشوق سے پصال

نصیب بھی ہو جاتا ہے تو اضطراب کم نہیں ہوتا بلکہ بڑھ جاتا ہے۔ قطرات جب تک دریا سے نہ ملے تھے ان کو سکون حاصل تھا۔ دریا سے ملنے پر ان کی یہ صورت ہوئی کہ بصورت امواج سرپٹتے اور زبانِ عال کہتے ہیں کہ کیا وصال سے زوالِ شوق ہوا کرتا ہے یعنی نہیں ہوتا۔

۱۰۔ جو شخص یہ کہے کہ فارسی شاعری سے اردو شاعری کیونکر بہتر ہے تو اس کو ایک مرتبہ غالب کا اردو کلام پڑھ کر سنا اور یہ بتا کہ دیکھ اس طرح سے اردو شاعری فارسی شاعری کے لئے قابلِ رشک ہے۔



۱۱۷

حد سے دل اگر افسوسہ گرم نہ تاشہ ہو ۱ کہ چشمِ تنگ شاید کثرتِ نظار سے داہو  
بقدرِ حسرتِ دل چاہئے ذوقِ معاشی بھی ۲ بھروں یک گوشہ دہنِ گلابِ ہفت دریا ہو  
اگر وہ سرو قد گرم خرامِ ناز آجاوے ۳ کفِ ہر خاک گلشنِ قمری نالہ فرما ہو  
۱۔ حالی: میری محض ایک خیالی مضمون نہیں ہے، بلکہ حقیقت واقعی کو ایک نہایت عمدہ پیرایہ میں بیان کیا ہے۔ فی الواقع جب انسان گھر کی چار دیواری میں محصور دُنیلکے حالات سے ناواقف اور لوگوں کی ترقی و تنزل کے اسباب سے بے خبر ہوتا ہے تو اپنی محدود جماعت میں سے کسی کو عمدہ حالت میں نہیں دیکھ سکتا۔ لیکن جس قدر اس کا دائرہِ تعارف زیادہ وسیع ہوتا جاتا ہے، اسی قدر اس پر یہ بات کھلتی جاتی ہے کہ لوگوں کی خوشحالی محض اتفاقی نہیں ہے، جس پر حسد و رشک کیا جاسکے، بلکہ ان کی محنت اور تدبیر کا نتیجہ ہے اور اس لئے

انصاف اور فیاضی اس کے دل میں پیدا ہوتی ہے اور وہ خود بھی کوشش و تدبیر کی طرف مائل ہوتا ہے اور بجائے حسد و رشک کے اوروں کی بریں اور پیروی کرنے پر متوجہ ہو جاتا ہے۔ شاعر اس معقول بات کو ایک مستحسن تمثیل میں بیان کرتا ہے کہ ”چشم تنگ شاید کثرتِ نظارہ سے دا ہو۔“ جس طرح شعراء نے بخیل کے دل کو تنگ باندھا ہے اسی طرح عاصی کے آنکھ کو تنگی کے ساتھ موصوف کیا ہے۔

طباطبائی: بھڑکے بعد تجھے معلوم ہو جائیگا کہ حسد کرنا بھلا ہے۔  
 دُنیا میں دولت کے لئے کوئی سبب نہیں دے گا ہے ہر جگہ یہی حال ہے۔  
 ۲۔ ذوقِ معاصی .. ذوقِ گناہ + بھڑوں .. ترکروں + آپ بختِ حیا ..  
 سات سمندرؤں کا پانی، مراد کثرتِ معاصی۔

میرے دل میں گناہوں کی حسرت اس قدر زیادہ ہے کہ اگر گناہوں کے سات سمندر ہوں تو ان کے سارے پانی سے میرا ایک گوشہ دامن تر ہوگا۔  
 ظاہر ہے پورا دامن تر کرنے کے لئے کتنے زیادہ سمندر درکار ہونگے۔ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ دنیا میں عصیاں کم ہیں اور میرا ذوقِ عصیاں زیادہ ہے لطف یہ ہے کہ قادی میں تر دامن گناہگار کو کہتے ہیں۔ غالب ۵

دو ریائے معاصی تنگ آتی ہے ہوشنگ میرا سردامن بھی ابھی تر نہ ہوا تھا  
 ۳۔ کفِ ہر خاک .. ہر کفِ خاک۔ یعنی خاک کی ہر مٹھی، قمری کا رنگ خاستری ہوتا ہے اور وہ سرو کی عاشق ہوتی ہے۔

اگر وہ سرو قد معشوقِ محو خرامِ ناز ہو کر گلشن میں آجائے تو گلشن کی خاک کی ہر مٹھی قمری کی طرح اس کے عشق میں نالہ کشی کرنے لگے۔ قمری اور کفِ خاک کی مشابہت نے لطف پیدا کر دیا ہے۔

کعبہ میں جا رہا تو نہ دو طعنہ کیا کہیں ۱ بھولا ہوں حق صحبت اہل کشت کو  
طاعت میں تار ہے نہ سے انگلیں کی لاگ ۲ دوزخ میں ڈال دو کوئی نے کر بہشت کو  
ہوں منحرف نہ کیوں وہ و رسم ثواب سے ۳ ٹیڑھا لگا ہے قلم سر نوشت کو  
غالب کچھ اپنی سعی سے لہنا نہیں مجھے  
خرمن جے اگر نہ ملخ کھائے کشت کو  
۱۔ کشت .. بت فائدہ + کشت .. کھیت۔

اگر میں کعبہ میں رہنے لگا تو مجھ کو طعنہ نہ دو۔ میں بُت خانہ والوں کی  
صحبت کے حق کو بھولا نہیں ہوں سب مجھے اس انقلاب کے بعد بھی ان کا  
خیال ہے اور رہیگا۔ میں حق ناشناس نہیں ہوں۔ اہی کی مہربانیاں اور احسان  
میرے دل پر نقش ہیں۔ تبدیل مذہب اور تعصب ان کو بھلا نہیں سکتا۔  
بیخود کہتے ہیں کہ اگر میں ہندوستان سے ہجرت کر کے کعبہ میں جا رہا تو... الخ  
۲۔ طاعت .. عبادتِ خدا + انگلیں .. شہد + لاگ .. طمع۔

حالی : جب تک بہشت قائم ہے، لوگ عبادت اسی امید پر کرتے  
ہیں کہ وہاں شہد اور شراب طہور اور عور ملے گی۔ پس بہشت کو دوزخ میں  
جھونک دینا چاہئے تاکہ لا کچ باقی نہ رہے اور لوگ خالصاً لوجہ اللہ عبادت کریں  
۳۔ میں راہ و رسم ثواب سے کیونکر برگشتہ نہ ہوں۔ کاتب تقدیر نے جس قلم  
سے میری سر نوشت لکھی۔ سود اتفاق سے اس پر قلم ٹیڑھا لگا ہوا تھا۔ قلم ٹیڑھا  
ہونے کی وجہ سے میری سر نوشت بھی ٹیڑھی لکھی گئی۔ مطلب یہ ہے کہ اپنے تقدیر  
ہی میں وہ ثواب سے منحرف رہنا لکھا ہے۔

۴۔ سعی .. کوشش، جدوجہد + لہنا .. فائدہ + ملخ .. ٹڈی +

کشت .. کھیت - خرمن .. اناج کا ڈھیر

بطور شکایت کے کہتے ہیں - اپنی دردِ جد سے فائدہ اٹھانا کچھ میری تقدیر ہی میں نہیں - اگر بالفرض ملہاں میری کھیتی کو نہ کھاؤں اور خضرا، تیل اور جلے تو خرمن کو جلا کر خاک کر دے گی -

طیالباٹی لکھتے ہیں کہ مقامِ شکایت میں یہاں صنت کے شر کو لٹنا کہتے ہیں - غالب نے اس مفہوم کو اس طرح ادا کیا ہے -  
خوشی کیا کھیت پر میرے اگر موبار ابرائے  
سمجھتا ہوں کہ ڈھوشے ہے ابھی ہے برقِ خرمن کہ

۱۱۹

دارستہ اس سے ہیں کہ محبت ہی کیوں نہ ہو ۱ کیجئے ہمارے ساتھ عداوت ہی کیوں نہ ہو  
چھوڑا نہ مجھ میں ضعف نے رنگِ اختلاط کا ۲ ہے دل پہ بارِ نقشِ محبت ہی کیوں نہ ہو  
ہے مجھ کو تجھ سے تذکرۂ غیبر کا گلہ ۳ ہر چند بر بیلِ شکایت ہی کیوں نہ ہو  
پیدا ہوئی ہے کہتے ہیں ہر درد کی دوا ۴ یوں ہو تو چاہئے علمِ گفت ہی کیوں نہ ہو  
بالا نہ ہے کسی نے کہ ۵ سے معاملہ ۵ اپنے سے کھیچتا ہوں خجالت ہی کیوں نہ ہو  
ہے آدمی بچلے خود اک محشرِ خیال ۶ ہم آئین سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں نہ ہو  
ہنگامہٴ زبونی ہمت ہے افعال ۷ حاصل نہ کیجئے دہر سے عبرت ہی کیوں نہ ہو  
دارسگی بہانہ بیگانگی نہیں ۸ اپنے سے کر نہ غیر سے وحشت ہی کیوں نہ ہو  
مٹلے فوتِ فرصت ہستی ۹ غم کوئی ۹ غم عزیزِ صرفِ عداوت ہی کیوں نہ ہو  
اُس فتنہ خوئے درت اب اٹھتے نہیں  
اس میں ہمارے سر پر قیامت ہی کیوں نہ ہو

۱۔ وارستہ .. آزاد۔ بے پروا۔

ہم اس بات کی پروا نہیں کرتے کہ ہم سے محبت ہی کرو۔ اگر محبت تمہیں منظور نہیں، نہ سہی، عداوت ہی کرو، لیکن ہم سے بالکل قطع تعلق نہ کرو۔  
(آئسی۔ سنجیدہ)۔

قطع کیجئے نہ تعلق ہم سے کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی سہی  
بیخود۔ طباطبائی: اگر تم محبت نہیں کرتے تو عداوت ہی کرو۔ لیکن مجھ سے کرو۔ غیر کی شرکت عداوت میں بھی ناگوار ہے۔

۲۔ اختلاط .. محبت۔

ضعف نے مجھے اس قدر کمزور کر دیا ہے کہ طبیعت میں رنگِ اختلاط بھی باقی نہیں رہا۔ اب حالت یہ ہے کہ دل پر نقشِ محبت بھی بارِ معلوم ہوتا ہے۔  
غالب عیاں دل میں ضعف سے ہوئیں یا رہیں نہیں  
طباطبائی: رنگ کا لفظ فقط تصویر کے مناسبات سے ہے۔ ورنہ ضرورت نہ تھی۔ بیخود نے مزید تشریح کی ہے: "ضعف نے مجھے ایسا سکھا دیا ہے کہ میرے جسم میں خون باقی نہیں رہا اور خون نہ رہنے سے رنگِ اختلاط بھی مٹ گیا۔" میرے نزدیک یہ توجیہ بہت دُور کی ہے۔

۳۔ ہر چند تم نے مجھ سے غیر کا تذکرہ بطور شکایت کیا ہے، لیکن مجھ سے یہ شکایت ہے کہ تم نے مجھ سے غیر کا ذکر ہی کیوں کیا۔ چاہے وہ بطور شکایت ہی تھا۔

۴۔ چارہ .. علاج۔

لوگ کہتے ہیں کہ دُنیا میں ہر فرد کی دوا پیدا ہوئی ہے۔ اگر یہ بات درست ہو تو مرضِ عشق کا علاج کیوں نہ ہو اور مریضِ عشق لا علاج کیوں نہ جائے گویا

یہ غلط ہے کہ سرور کی دو اسیدم ہوئی ہے۔  
۵۔ خجالت .. شرمندگی۔

شکر ہے کہ بیکسی کی وجہ سے میرا کسی سے معاملہ نہ پڑا۔ گویا مجھ پر  
بیکسی کا یہ احسان ہے کہ اُس نے مجھے اوروں کے احسان سے بچایا اور اپنا  
ممنون احسان رکھا۔ اگر لوگوں کا مجھ پر کوئی احسان ہوتا تو ان سے مجھے شرمندگی  
ہوتی۔ اب بیکسی کی بدولت میں اُن سے شرمندہ نہیں۔ اگر شرمندہ ہوں  
تو اپنی ذات ہی سے ہوں اور یہی غیرت کا تقاضا ہے۔ بقول سقید بیکسی میں  
سکین کا نیا پہلو نکالا ہے۔

بیخود۔ طباطبائی: بیکسی کا احسان ہے کہ سب کے احسان سے بچا لیا۔  
لوگوں سے کچھ نفع ہوتا تو خجالت تو ان سے ہوتی، اب خجالت بھی مجھے ہے تو اپنے  
ہی سے ہے۔ آتشی نے دونوں مفہوم لکھے ہیں۔

۶۔ کہتے ہیں آدمی اگر تنہا بھی ہو تو وہ ایک مختصر خیال ہے۔ یعنی جب وہ  
خلوت میں ہوتا ہے تو تخیلات اور تصورات کا ایک ہنگامہ اس کے دل و دماغ  
میں برپا رہتا ہے۔ یہی حالت ہماری ہے۔ اس لئے اگر ہم خلوت میں بھی ہوتے  
ہیں تو سمجھتے ہیں کہ انجمن میں ہیں۔ کیونکہ ہمارے خیالات ہنگامہ آرا رہتے ہیں۔  
قاعدہ ہے جب لوگ کسی مجلس میں جمع ہوتے ہیں تو طرح طرح کی باتیں کیا کرتے  
ہیں اسی طرح خیالات کی ہنگامہ آرائی سے خلوت خلوت بن جاتی ہے۔

طباطبائی اور بیخود اس شعر کو عارفانہ شعر لکھتے ہیں۔ نیز اس نتیجے پر پہنچے  
ہیں کہ تخلیہ نفس بہت مشکل ہے اور خطرات قلب پر قابو پانا دشوار تر ہے۔  
۷۔ انفعال .. دوسرے کا اثر قبول کرنا + شرمندگی + نہ ہونی ہمت ..  
کم ہمتی۔



دوسروں کا احسان یا اثر قبول کرنا کم ہمتی کی دلیل ہے۔ اس لئے زمانہ سے عبرت بھی حاصل نہیں کرنی چاہئے۔ کیونکہ زمانے سے عبرت حاصل کرنے سے زمانے کا احسان ہوگا۔ احسان سے شرمندگی ہوگی اور شرمندگی اٹھانا زہنی ہمت کی نشانی ہے۔

آسی کا دوسرا مفہوم ملاحظہ فرمائیے۔ کہاں سے کہاں پہنچے ہیں۔ ”انفعال سے کم ہمتی کا پتہ چلتا ہے۔ لہذا کم ہمتی کا خود کو متمم ٹھہرنا بہت بُرا ہے۔ زمانے سے کچھ نہ کچھ حاصل کیوں نہ کیجئے، چاہے وہ عبرت ہی ہو۔ یعنی بے حصول کمال دُنیا میں محض انفعال سے کام نہیں چلتا۔“

۸۔ دارینگی .. آندای + وحشت .. ریدگی، بھاگنا۔

عام لوگ آندای کے یہ معنی سمجھتے ہیں کہ اپنے پرانے سے قطع تعلق کر لیا جائے۔ کہتے ہیں آندای کا مفہوم یہ نہیں ہے۔ آندای وحشت، ریدگی اور بیگانگی محض اپنے نفس سے اختیار کرنی چاہئے، نہ کدُنیا اور اہل دنیا سے۔ حقیقتاً یہ ہے آندای کا صحیح مفہوم کہ انسان بے غرض ہو کر زندگی بسر کرے۔ ۹۔ فرصت .. مہلت، وقت + قوت ہونا .. منافع ہونا۔

عام خیال یہ ہے کہ عمر کا بہترین مصرف عبادت و بندگیِ مہود ہے۔ کہتے ہیں خواہ ساری عمر عزیز عبادت ہی میں صرف کیوں نہ ہو جائے پھر بھی عمر عزیز کے منافع ہونے کا رنج ضرور ہوتا ہے۔ آتسی لکھتے ہیں کہ عمر عزیز ترس شے ہے۔

طباطبائی کا خیال ہے کہ عبادت کا جو ثمرہ ہے اس سے بڑھ کر انسان حاصل کر سکتا ہے۔ پھر محض عبادت میں اگر مہلت حیات کو صرف کر دیا تو کیونکر اس کا غم نہ ہوگا۔

۱۰۔ ہم اس فتنہ خو کے در پران بیٹھے ہیں اور اب ہم یہاں سے ہرگز نہیں

اٹھینگے۔ چلے ہمارے سر پر قیامت ہی کیوں نہ گزر جائے۔ لطف یہ ہے  
 نور قیامت ہر چیز اٹھے گی۔ پھر بھی ہم نہیں اٹھیں گے۔ یا یہ کہ قیامت  
 تک بیٹھے رہیں گے۔ تیسرا مفہوم یہ ہے چاہے ہمارے سر پر کتنے ہی ظلم و ستم  
 کیوں نہ ہوں ہم ہرگز نہیں اٹھنے کے۔

۱۲۰

قص میں ہیں گرا چھا بھی نہ جانے میرے شیون کو ۱ مرا ہونا بُرا کیا ہے، نواسخان گلشن کو  
 نہیں گرا بھی آساں ہو یہ رشک کیا کم ہے ۲ نہ دی ہوتی فدا یا آرد شے دوست دشمن کو  
 نہ نکلا آنکھ سے تیری اک آنسو اس حراحت پر ۳ کیا سینے میں جس تختہ کو نکال مڑگان سونہ کو  
 خدا شرط ہے ہاتھوں کو کہ رکھتے ہیں کشائش میں ۴ کبھی میرے گریساں کو کبھی ملاں کے دہن کو  
 ابھی ہم قتل کہ کا دیکھنا آساں سمجھتے ہیں ۵ نہیں کیا شاد ہوئے غم میں تیرے توں کو  
 ہوا چرا جو میرے پاؤں کی زنجیر بنے کا ۶ کیا بیتاب کاں میں جنبش جو ہرنے آہن کو  
 خوشی کیا کھیت پر میرے اگر سوار ابرادے ۷ سمجھتا ہوں کہ دھونڈے ہے ابھی بڑی ترس کو  
 وفاداری بشرط استواری اصل یہاں ہے ۸ مرے تخلص میں تو کبھی میں گالو برہمن کو  
 شہادت تھی مری قسمت میں جو دی تھی یہ نحو کو ۹ جہاں تلوار کو دیکھا جھکا دیتا تھا گردن کو  
 نہ لٹکان کو تو کب رات کو یوں بے خبر سوتا ۱۰ رہا کھٹکانہ چوری کا دعا دیتا ہوں رہزی کو  
 سخن کیا کہ نہیں سکتے کہ جواں ہوں جواہر کے ۱۱ جگر کیا ہم نہیں رکھتے کہ کھوپڑی جاکے معدن کو  
 مرے شاہ سلیمان جاہ سے نسبت نہیں غالب  
 فریدیں وجم و کھسرو و داراب و بہمن کو

۱۔ شیون .. فریاد۔

یہ قص میں گرفتار اور نالہ و شیون میں مصروف ہیں۔ برخلاف اس کے  
 نواسخان چمن شاد کام اور آزاد ہیں۔ پھر وہ میرے نالوں کو کیوں بُرا سمجھتے ہیں۔

ایسی حالت میں تو میں لطفِ چمن میں ان کا حصہ دار بھی نہیں بن سکتا۔ آخر مجھ سے  
مستغفر ہونے کی وجہ کیا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا۔ میں نے ان کا کیا بگاڑا ہے۔

۲۔ ہمدی .. دوستی -

میں یہ اچھی طرح سمجھتا ہوں کہ غیر کے لئے دوست کا ہمدم ہونا آسان  
بات نہیں ہے۔ لیکن میرے لئے یہ علم کیا کم ہے کہ غیر کو بھی میرے دوست کی  
آزد ہے۔ اللہ بیاں ! کیا ہی اچھا ہوتا جو تم رقیب کو آزد دے دوست  
نہ دیتے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر غیر کو آزد دے دوست نہ ہوتی تو میں رشک  
کی تکلیف سے بچ جاتا۔

۳۔ جراحت .. زخم + سینہ .. ذو معنی ہے یعنی چھاتی اور سینا پر ہوتا۔  
تو کس قدر سنگدل ہے کہ تیری آنکھ سے ایک آنسو بھی نہ ٹپکا۔ جسے  
سینے میں (ٹٹکے لگانے میں) سوئی کی پکڑوں تک سے خون ٹپکنے لگا جب زخم کو  
سایا جاتا ہے تو سوئی کی نوک خن آلودہ ہو جاتی ہے اور اس میں سے قطراتِ خون  
ٹپکنے لگتے ہیں (سید)

طبا طبائی : سوزن سے سوزنِ غم مراد ہے جس کا مقام سینے کے اندر  
ہے اور سوزن سے یہ استعارہ نہ لیں تو شعرِ مایانہ ہو جائیگا جیسے ناظمِ شعرا  
غیرِ واقعی باتیں نظم کر دیا کرتے ہیں۔ ہاں اگر سینے کی جگہ سینا سمجھو تو استعاروں  
کی ضرورت نہیں۔

بنجمود : تیری آنکھ سے ان زخموں کا حال سن کر ایک آنسو بھی نہ نکلا۔  
جن زخموں کو میرے دل میں دیکھ کر سوزنِ غم کی آنکھوں سے خون جاری ہو گیا۔  
آئسی نے یہی شرح لکھی ہے۔ صرف سوزنِ غم کی جگہ مڑگان سود  
لائے ہیں۔

۴۔ کشاکش : کھینچا تانی۔

خدا کرے میرے ان ہاتھوں کو شرم آئے اور یہ اپنی حرکت سے باز رہیں کہ یہ ہمیشہ کھینچا تانی میں مصروف رہتے ہیں۔ جب معشوق کھینچا تانی میں مصروف ہوتا ہے تو اس وقت اس کے دامن کو کچرا کر کھینچتے ہیں اور اگر وہ نہیں ہوتا تو ختم فراق میں میرے گریبان کو پھاڑتے ہیں۔

بقول بیخود۔ اس شعر میں یہ شوخی ہے کہ اپنے جوشِ عشق اور وفورِ شوق کا الزام بے گناہ ہاتھوں پر لگایا ہے۔

اسی اور حسرت کا خیال ہے اگرچہ ”جاناں کا دامن“ ”دامنِ جاناں“ کا صحیح ترجمہ ہے لیکن فصیح نہیں۔

۵۔ شناور .. تیرا ہوا .. جوئے خوں .. دریا ئے خوں .. تو سن گھوڑا۔ ہم قتل گاہ کا نظارہ کرنا معمولی بات سمجھے ہوئے ہیں۔ کیونکہ ابھی ہم نے دریا ئے خوں میں تیرے تو سن کو تیرے ہوئے نہیں دیکھا جب یہ منظر دیکھیں گے تو معلوم ہوگا کہ قتل گاہ کا نظارہ کرنا کس قدر ہمت کا کام ہے مطلب یہ ہے کہ قتل گاہ میں اتنے عاشقوں کا خون ہوگا کہ خون کا دریا بہ جائیگا اور اس میں تیرا گھوڑا تیرا پھر لگا۔ بھلا ایسا خونیں منظر کون دیکھنے کی ہمت رکھتا ہے ؟ بیخود کی تشریح مزید بالکل اچھوتی ہے۔ لکھتے ہیں ہم یہ سمجھتے ہمارا قاتل گردہ عشاق میں سے ایک خوش نصیب عاشق کو انتخاب کر کے خنجر ناز یا تیغِ غمروہ سے شہید کر دے گا۔ یہ نہیں معلوم کہ اس تماشے کے بعد اتنے آدمی رشک سے اپنے گلے کاٹیں گے کہ خون کا دریا بہ جائیگا۔

۶۔ چرچا .. شرہ۔

جوہر کی چمک کو جنبش اور بیتابی سے تعبیر کیا ہے۔ میرے پاؤں کی بھیر

بختے کا جو شہر ہوا تو لوہے کے جوہر نے لوہے کو کان کے اندر بیتاب کر دیا ۔  
 یعنی جوہر آہن اس لئے بیتاب ہوا کہ اس کا لوہا میرے پاؤں کی زنجیر بنے ۔  
 طباطبائی : میری دیوانگی وہ رتبہ رکھتی ہے کہ آہن کو آرزو ہے کہ زنجیر  
 بن کر میرے پاؤں میں پڑنے کا شرف حاصل کرے ۔ آہنی ۔ غالب کے اس  
 مبالغہ کو اچھا نہیں سمجھتے ۔ حالانکہ خوب ہے ۔

۷۔ کسان جب ابر کو دیکھتا ہے تو بہت خوش ہوتا ہے کہ اس کے ریسے  
 سے کھیتیاں شاداب ہوں گی اور بڑی اچھی فصل اُٹھے گی، لیکن غالب غلط  
 ہیں، اگر میری کھیتی پر سو بار بھی ابر آئے تو مجھے کوئی خوشی نہیں ہوتی۔ کیونکہ  
 میں جانتا ہوں کہ بجلی ابھی میرے خرمن کو جلانے کے لئے ڈھونڈ رہی ہے یعنی  
 جب مراد پوری ہونے سے پہلے ناسردی کا سامان نظر آ رہا ہے۔ پھر خوشی کیونکر  
 ہو۔ یہ مضمون غالب کو بہت مرغوب ہے پہلے بھی کئی مرتبہ لکھ چکے ہیں۔

۸۔ حالی : یعنی جب برہمن اپنی ساری عمر بت غاسنے میں کاٹ دے اور  
 وہیں مر رہے تو وہ اس بات کا مستحق ہے کہ اس کو کعبہ میں دفن کیا جائے اس  
 لئے کہ اس نے وفاداری کا پورا پورا حق ادا کر دیا اور یہی ایمان کی اصل ہے۔  
 بقول طباطبائی۔ وفاداری و پابنداری ہر حال میں یہاں تک کہ کفر میں بھی قابل  
 قدر ہے۔

۹۔ کاتب ازل نے میری قسمت ہی میں شہید ہونا لکھا تھا۔ اسی لئے میں  
 جہاں کہیں تلوار دیکھتا ہوں اپنی گردن جھکا دیتا تھا۔

طباطبائی : تلوار استعارہ ہے نادر ادا اور جود و جلا سے اور گردن جھکانا  
 کنایہ ہے گوارا کرنے سے اور شہادت سے خونِ آزاد مراد ہے۔ اگر معنی حقیقی  
 پران لغظوں کو لیں تو شعر کا کوئی محصل نہیں رہتا۔

۱۰۔ اتنی اس شعر کو بیت الغزل کہتے ہیں۔ اگر تیس دن کو نہ لٹنا تورات کو ایسا بے خبر ہو کر منے سے کیونکر سوتا مطلب یہ ہے کہ مجھے چوری کا خطرہ رہتا اب میں لٹ گیا ہوں، اس لئے بے فکر ہوں، آرام کی نیند سوتا ہوں اور رہزن کو دُعا دیتا ہوں کہ خدا تیرا بھلا کرے تو نے مجھے غم اسباب اور فکرتوں سے آزاد کر دیا۔

طباطبائی اور بخود: تعلقات ذہنی تکلیف و تشویش سے خالی نہیں جلدی اس سے ناگوار تو ہوتی ہے لیکن راحت اسی میں ہے۔

۱۱۔ جو یا... تلاش کرنے والا + معدن... کان۔

ہمارا جگر معدن اور ہمارے اشعار جواہرات ہیں۔ اگر ہم جگر کا دی سے جو سرخون نہ نکال سکتے ہوں تو پھوٹم معدن کو کھود کر اس میں سے جواہرات نکالتے ہوئے اچھے لگیں گے۔ بقول بخود و طباطبائی۔ مطلب یہ ہے کہ جگر کا دی کر کے شعر تر نکالنا معدن کو کھود کر جواہرات نکالنے سے بہتر ہے۔

۱۲۔ سلیمان بہت بڑے بادشاہ تھے۔ ان کی جن دانش پر حکومت تھی۔ پیغمبر ادلو العرم تھے اور یہ بادشاہ جن کا مصر عثمانی میں ذکر ہے اگرچہ بڑے بڑے بادشاہ تھے لیکن نہ تو مسلمان تھے اور نہ ان میں وہ صفات تھیں جو میرے بادشاہ میں ہیں۔ پھر ان کو میرے بادشاہ سے کیا نسبت ہو سکتی ہے، وہ تو سلیمان جیسے مرتبے والا ہے۔

۱۲۱

دھوتا ہوں جب میں پینے کو اس سنسنیچا پاؤ ۱ رکھتا ہے ہند سے کھنچ کے باہر لگن کے پاؤ  
دی سلوگی سے جانی پڑوں کو کہن کے پاؤ ۲ ہیبت کیوں نہ ٹوٹ گئے پیرن کے پاؤ  
بھاگے تھے ہم بہت سو اسی کی مرز ہے ۳ ہو کر اسیر دابتن ہیں راہزن کے پاؤ

مریم کی جستجو میں پھر اہوں جو دُور دُور ۴ تن سے سوا نکلا ہیں اس خستہ تن کے پاؤ  
 اشد سے ذوقِ دشتِ نوردی کہ بویِ مرگ ۵ ملتے ہیں غمِ بخود مرے اندکفن کے پاؤ  
 ہے جوشِ گل بہار میں یاں تک کہ سرِ فرط ۶ اُٹتے بچے ابھتے ہیں مرغِ چمن کے پاؤ  
 شب کو کسی کے خواب میں آیا نہ ہو کہیں ۷ دکھتے ہیں آج اُس بُتِ نازک بدل کے پاؤ  
 غالب مرے کلام میں کیونکر نہ ہو مزہ

پیتا ہوں دھوکے خسرو شیریں سخن کے پاؤ

۱۔ جوشِ محبت کے اظہار اور خاطر مدارات کے لئے اس سین میں بدنِ محبوب کے  
 پاؤ دھو کر ان کا دھون پینا چاہتا ہوں تو صدیِ معشوقِ لگن سے باہر پاؤ کھینچ لیتا  
 ہے۔ گویا وہ مجھے اس قابل بھی نہیں سمجھتا کہ میں اس کے پاؤں دھو کر پیوئی بقولِ معبد  
 اس کو مجھ سے اس درجہ نفرت اور کینہ ہے۔

۲۔ پاؤ پڑنا .. عاجزی دکھانا، منت سماجت کرنا۔ یہ محاورہ عورتوں کی  
 زبان کا ہے۔ محبت اور ہمدردی دکھانے کے لئے بولا جاتا تھا۔ مثلاً اس کے  
 پاؤں پڑوں۔ وہ کس مصیبت میں مبتلا ہے + یہ بات .. افسوس۔

پیرزن میں تبلیغ ہے۔ خسرو نے فرہاد سے وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ نہر کھود کر  
 اس کے قلعہ تک لے آئیگا تو شیریں کو اس کے حوالے کر دیا جائیگا۔ فرہاد نے  
 نہر کھود نکالی اور محل تک پہنچا دی۔ خسرو کو بہت فکر ہوا کہ اب کیا ہو گا۔ اس نے  
 تو ایسی مشروط پیش کی تھی جس کا پورا کرنا امرِ محال تھا۔ آخر خسرو کی پریشانی دیکھ کر اس  
 کے ایک مصاحب نے ایک ترکیب سوچی۔ وہ ایک بڑھیا کا بھیس بدل کر فرہاد  
 کے پاس گیا اور اس کو دیکھ کر چیخیں مار کر رونے لگا۔ فرہاد نے کہا کہ بڑی بی بی  
 کیوں روتی ہو؟ اس سوال پر وہ اور زیادہ روتی اور سخت اصرار کے بعد بتایا کہ میں  
 شیریں کی دایہ ہوں میں نے اس کو پالا ہے۔ وہ آج ایک دم مر گئی اور تو ہے کہ

اس کے خیال میں ہر تن مصروف ہے۔ فریادیں سن کر دیوانہ ہو گیا اُس نے دہی تیشہ جس سے وہ پہاڑ کاٹ رہا تھا، اپنے سر میں مارا اور وہیں ڈھیر ہو گیا۔ غالب سہمدی کے لہجے میں کہتے ہیں۔ فریادیں کس سادگی سے ایک مٹی کے قریب میں اگر جان دے دی۔ افسوس اس مٹی کے پاؤں کیوں نہ ٹوٹ گئے کہ وہ وہاں تک پہنچ ہی نہ سکتی۔

بہخود: پاؤں پڑنا بیوقوف بنانے کے محل پر بولتے ہیں۔ طباطبائی اور دیگر شاعرین کا خیال ہے کہ یہ محاورہ جو شجاعت میں اظہارِ ہمدی کرنے کرنے کے معنوں میں صرف کیا گیا ہے۔

۳۔ ہم راہزن سے ڈر کر بھاگے تھے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ تقدیر ہی میں یہ لکھا تھا کہ راہزن ہمیں لوٹ لے، لوٹ کر قید کر لے اور پھر ہم قیدی اور غلام بن کر اس کے پاؤں دبایا کریں۔ گویا ہم تقدیر الہی سے باوجود کوشش کے بچ نہ سکے اور ہماری کوشش کا نتیجہ برعکس برآمد ہوا (سجیدہ بہخود)

طباطبائی لکھتے ہیں اس شعر کے جو معنی حقیقی ہیں وہ تو شاعر کے (طرز) کلام سے نہیں معلوم ہوتے۔ ہاں اگر یہ باتیں استعارہ سمجھو تو وہ بھی صاف نہیں اتنی تائید کرتے ہیں۔

۴۔ میرا جسم زخمی تھا۔ میں زخموں کے لئے مرہم کی تلاش میں بہت دُور دور پھرا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مجھ خستہ تن کے پاؤں میرے زخموں سے زیادہ فگار ہو گئے۔

اس شعر میں بھی گزشتہ شعر کا مفہوم ہے۔ بقول بہخود۔ مطلب یہ ہے کہ گوہر مراد ہمیشہ نہیں ملتا۔ کبھی مل جاتا ہے۔ طباطبائی لکھتے ہیں کہ جس چیز سے بھاگتے ہیں اسی کا سامنا ہوتا ہے اور جس آفت کی چارہ جوئی کریں



اسی میں پھنستے ہیں۔

۵۔ مجھے دشتِ نوردی اور صحراگردی کا اس قدر شوق تھا کہ مرنے کے بعد بھی کفن کے اندر میرے پاؤں ہلتے تھے۔ طباطبائی لکھتے ہیں۔ حالتِ ذوقِ شوق میں خود بخود پاؤں ہلنا خلقتِ فطری ہے۔

بیخود نے تشریح مزید فرمائی ہے۔ کہتے ہیں۔ زندگی میں دنیا کے جنگلوں میں پھرتا تھا۔ موت کے بعد میدانِ عدم طے کر رہا ہوں۔ بالکل اچھوتا خیال ہے اسی نے اس شعر کو بیت الغزل قرار دیا ہے۔

۶۔ اس مرتبہ بہار میں اس قدر جوشِ گل ہے کہ اڑتے وقت مرغِ انِ چین کے پاؤں بھولوں کے حال میں پھنستے جاتے ہیں۔ آخری مصرعے دو مضموم پیدا ہیں ایک تو یہ کہ اس قدر پھول ہیں کہ مرغِ انِ چین کو پرواز کرنے کے لئے بھی جگہ نہیں ملتی اور دوسرے یہ کہ پرندے جلوہٴ گل دیکھ کر وہیں رہ جاتے ہیں چین سے باہر نہیں جا سکتے۔ (سیحد نے پہلا مضموم لکھا ہے۔ بیخود نے دوسرا اور باقی شارحین نے دونوں)

۷۔ آج اس نازک بدنِ محبوب کے پاؤں دکھ رہے ہیں۔ شاید وہ خواب میں غیر کے ہاں گیا ہوگا۔ گویا ایسے نازک بدنِ معشوق کا رقیب کے گھر پاؤں سے چل کر جانا ناممکن ہے۔ جس کے پاؤں خواب میں کسی کے گھر جانے سے دکھنے لگیں۔

۸۔ غالب میرا کلام کیونکر مرزے دارندہ ہوا میں بادشاہِ شیریں سخن کے پاؤں دھو دھو کر پیتا ہوں۔ اس لئے میرے کلام کا پُر لطف اور خوش ذائقہ ہونا یقینی ہے۔ الفاظِ نہایت مناسب صرف کئے ہیں۔ مثلاً مرزہ، پینا، شیریں، خسرو وغیرہ اس شعر میں صنعتِ مراۃِ النظیر ہے۔ اپنے کلام کو مزید ارکض کے لئے بادشاہ

کو خسرو شیریں سخن کہا ہے۔

۱۲۲

داں اس کہ ہول دل ہے تو یاں ہیگیں شکر ۱ یعنی یہ میری آہ کی تاثیر سے نہ ہو  
اپنے کو دیکھتا نہیں ذوقِ ستم تو دیکھ ۲ آئینہ تاکہ دیدہء پنجیر سے نہ ہو  
۱۔ ہول دل .. ایک مرض ہے جس میں دل کی حرکت بڑھنے سے غلطانی  
کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔

معشوق ہول دل میں مبتلا ہے۔ عاشق اس خیال سے شرمندہ ہو رہا ہے  
کہ کہیں یہ ہول دل میری آہ کی تاثیر ہی سے نہ ہو گیا ہو۔ طباطبائی لکھتے ہیں۔  
معشوق کا دسوا سی اور خفقاتی ہونا ادائے معشوقانہ ہے۔ اسی کا خیال ہے  
کہ معشوق کا ہول دل محض رقیب کی جدائی میں ہے۔ بقول بخود: حوشِ مبت کی کیا  
خوب تصویر کھینچی ہے معشوق کو کوئی تکلیف ہوتی ہے تو عاشق اُسے اپنی آہ کا  
اثر سمجھا کرتا ہے۔

۲۔ تاکہ .. جب تک + پنجیر .. شکار، مراد عاشق۔

اس سنگ کا ذرا ذوقِ ستم دیکھنا۔ جب تک کہ چشمِ پنجیر (دیدہ عاشق) کا آئینہ  
نہ ہو وہ اپنی شکل ہی نہیں دیکھتا۔ یعنی وہ ہمیشہ دیدہ عاشق کے آئینہ میں  
صورت دیکھ کر آرائش کرتا ہے۔ کوئی اور آئینہ استعمال میں نہیں لاتا۔

۱۲۳

داں پہنچ کر جو غش آتا ہے ہم ہے ہم کو ۱ صدہ آہنگِ زمیں بوسِ قدم ہے ہم کو  
دل کو یں اور مجھے دل مجھ و فار کھتا ہے ۲ کس قدر ذوقِ گرفتاری ہم ہے ہم کو  
ضعف سے نقشِ پے مور ہے طوقِ گردن ۳ تیرے کوچے سے کہاں طاقتِ دم ہے ہم کو  
جانکری کجے تغافل کہ کچھ امید بھی ہو ۴ یہ نگاہ غلط انداز تو سم ہے ہم کو

رشک، ہمطی و مرداشر یا تنگ حین ۵ نالہ مرغ، صحر، تیغ دو دم ہے ہم کو  
 سر اڑانے کے جو دعدے کو مگر چاہا ۶ ہنس کے بولے کہ ترے سر کی تم ہے ہم کو  
 دل کے غل کرنے کی کیا وجہ لیکن ناچار ۷ پاس بے رونق ویدہ ہم ہے ہم کو  
 تم وہ نادک کہ غوغائی کو فحاش لکھتے ہو ۸ ہم وہ عاجز کہ تغافل بھی ستم ہے ہم کو  
 لکھنو آنے کا باعث نہیں مھلتا یعنی ۹ ہوں میر و تاشا، سو وہ کم ہے ہم کو  
 مقطع سلسلہ شوق نہیں ہے یہ شعر ۱۰ عزم سیر تک و طوف حرم ہے ہم کو  
 لئے جاتی ہے کہیں ایک توقع غالب

جادوہ کشش کا ف کرم ہے ہم کو

۱۔ پے ہم .. پیہم، پے درپے، مسلسل + صدرہ .. سو طرح سے  
 سوار + واں .. مراد کو چہ یار + آہنگ .. ارادہ -  
 کو چہ یار میں پہنچ کر جو مجھ کو یار بار غش آتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ  
 میں اپنے قدموں کی زمین چومنے کا سو سو طرح سے ارادہ کرتا ہوں۔ کیونکہ  
 باد و ہوا توانائی کے وہ مجھ کو وہاں لے جاتے ہیں۔ لفظ پیہم یا صاف اور بڑھتا  
 دونوں طرح صحیح ہے۔ لیکن ارد میں بے اضافت بولا جاتا ہے اور محاورہ زبان  
 کی پیروی کرنا نصاحت ہے۔

مندرجہ بالا شرح پر سارے شارحین متفق ہیں۔ سہانے دوسرے مفہوم  
 یہ لکھا ہے کہ وہاں پہنچ مجھے جو بار بار غش آتا ہے۔ گویا ان کی قدمبوسی کا  
 بہانہ مل جاتا ہے۔

۲۔ دل کو میں اور مجھ کو دل گرفتار و فار کھتا ہے۔ اس سے اندازہ کیجئے  
 کہ ہم دونوں کو کس قدر ذوق گرفتاری یعنی شوق آتا ہے۔

۳۔ نقش پے مور .. جیونٹی کے پاؤں کا نشان + طاقت دم ..

بھاگنے کی طاقت ۔

اس قدر ضعف و نقاہت ہے کہ چوینٹی کے پاؤں کا نقش بھی میرے لئے طوق گردن ہے۔ ایسی حالت میں جبکہ میری گردن میں بچے مور کا بھاری طوق پڑا ہوا ہے۔ تو پھر میں تیرے کوچے سے کیونکر بھاگ سکتا ہوں۔ اللہ رے ضعف ۔

۴۔ نگاہ غلط انداز .. نا آشنا نظروں سے دیکھنا ۔

میں تم سے یہ نہیں کہتا تم میری طرف سے غافل نہ ہو۔ شوق سے تغافل بر تو لیکن مجھے اپنا عاشق سمجھتے ہوئے۔ کیونکہ جان کر تغافل کرنے میں ایک قسم کا التفات پایا جاتا ہے اور رحم و کرم کی کچھ نہ کچھ امید ہوتی ہے لیکن ایسی نا آشنا نگاہیں جن سے تم مجھے دیکھتے ہو میرے لئے زہر کا اثر رکھتی ہیں اور میری تمام امیدوں کو ختم کر دیتی ہیں۔

۵۔ اہم طرحی .. ہم رنگی، ایک جیسا ہونا + تیغ دو دم .. دو دھاری تلوار ۔

مرغ سحر کا نالہ میرے لئے دو دھاری تلوار ہے۔ اس کی ایک دھار رشک ہم رنگی ہے اور دوسری یا زہر خدا اس کی فریاد کا درد و اثر ہے مطلب یہ ہے کہ ایک طرف تو اس رشک سے مرتا ہوں کہ وہ بھی میری طرح اس کا عاشق ہے اور میری طرح صبح کے وقت نالہ و فریاد کرتا ہے۔ اور دوسری طرف اس کے غمناک نالوں کی درد بھری آواز مجھے مارے ڈالتی ہے (اسی تیغ و دھار طبعی) سنجیدہ نے اہم طرحی اور درد اثر بانگ حیرں دونوں کا رشک کا مضاف قرار دیا ہے۔

۶۔ حالی : اس شعر میں ”ترے سر کی قسم ہے ہم کو“ کے دو معنی ہیں۔

ایک یہ ہے کہ تیرے سر کی قسم ہے ہم ضرور تیرا سرا ڈالیں گے اور دوسرے

یہ کہ ہم کو تیرے سر کی قسم ہے یعنی کبھی ہم تیرا سر نہ اڑائیں گے، جیسے کہتے ہیں کہ آپ کو تو ہمارے ہاں کھانے کی قسم ہے یعنی کبھی کبھار ہمارے ہاں کھانا نہیں کھاتے۔ اسی لکھتے ہیں کہ ہنسنا اور سر اڑانے پر سر کی قسم کھانا لطیف مصنون ہے۔

۷۔ دل کے غم کو دل کی محض یہ وجہ ہے کہ بغیر غم فشانہ کے آنکھیں بے رونق معلوم ہوتی ہیں اور ہم کو آنکھوں کی بے رونق کا بہت زیادہ خیال تھا، اس لئے مجبور ہو کر ہم نے دل کو غم کے اپنی آنکھوں کو پُر رونق بنا لیا ہے۔

۸۔ تم ایسے نازک ہو کہ تم کو میری خموشی بھی غم معلوم ہوتی اور ہم اس قدر عاجز اور کمزور و ناتواں ہیں کہ تم نے جو ستم ترک کر کے تغافل اختیار کیا تو ہم نے اس کو ستم قرار دیا۔

۹۔ باقی اشعار قطعہ بند ہیں کہتے ہیں لکھنؤ آنے کا کچھ سبب معلوم نہیں ہوا کہ آخر ہم یہاں کیوں آئے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ ہم سیر و تفریح کے لئے آئے ہیں تو یہ غلط ہے کیونکہ سیر تماشے کی ہوس ہمیں بالکل نہیں۔ یا اگر ہے تو بہت تھوڑی ہے۔

۱۰۔ مقطع .. غائد۔

یہ شعر ہمارے سلسلہ شوق کا مقلع نہیں ہے کہ یہاں سفر ختم ہو جائے بلکہ ہمارا ارادہ نجف اشرف کی زیارت اور طوافِ حرم رسولؐ کا بھی ہے۔ یعنی یہ سلسلہ وہاں جا کر ختم ہو گا۔ نجف میں حضرت علیؑ کا روضہ ہے۔

۱۱۔ غالب ہم جہاں کہیں بھی جا رہے ہیں وہاں ہمیں ایک امید ملے جاتی ہے اور لفظ کرم کا مرکز کاف ہمارے لئے جادہ راہ بنا ہوا ہے۔ یہ شعر اس وقت کے ہیں جب میرزا لکھنؤ اور بنارس ہوتے ہوئے اپنی پٹن

جاری کرانے کے لئے حکومت تشریف لے گئے تھے۔

۱۲۴

تم جانو تم کو غیر سے جو رسم و راء ہو ۱ مجھ کو بھی پوچھتے رہو تو کیا گناہ ہو  
بچتے نہیں مواخذہ روزِ حشر سے ۲ قاتل اگر رقیب ہے تو تم گواہ ہو  
کیا وہ بھی بے گناہ کش و حق ناشناس تھا ۳ مانا کہ تم بشر نہیں خورشیدِ ماہ ہو  
آٹھرا ہوا نقاب میں ہے اُن کے اہلکدہ ۴ مرتا ہوا میں کہ یہ نہ کسی کی نگاہ ہو  
جب میکہ چٹا تو پیراب کیا جنگ کی قید ۵ مسجد ہو، مدرسہ ہو، کوئی خانقاہ ہو  
مستے ہیں جو بہشت کی تعریفِ صحت ۶ لیکن خدا کیسے وہ تری جلوہ گاہ ہو  
غالب بھی گرنہ ہو تو کچھ ایسا ضرور نہیں

دُنیا ہو یا رب اور مرا بادشاہ ہو

۱۔ ایسا معلوم ہوتا ہے محبوب کو بہت روکا کہ وہ غیر سے ملنا چلنا  
ترک کر دے لیکن وہ باد نہیں آیا۔ بلکہ انہی سے تعلقات منقطع کرنے پر آمادہ  
ہو گیا۔ آخر تنگ اگر کہتے ہیں خیر علو تم خوش رہو، ہمیں رشکِ رقابت بھی  
گوارا ہے۔ غیر سے تمہارے جو بھی تعلقات ہیں، تم جانو اور تمہارا کام جانے،  
ہمیں کچھ سروکار نہیں۔ لیکن اگر ساتھ کے ساتھ مجھ کو بھی پوچھتے رہو تو کونسی  
بڑی بات ہے

۲۔ مواخذہ .. پکڑو حکمِ پُرسش۔

تم نے روزِ حشر کی جواب دہی سے بچنے کے لئے مجھ کو رقیب سے قتل  
کر دیا۔ یاد رہے۔ تم اس جیلے سے مواخذہ حشر سے بچ نہیں سکتے ہیں  
میں شک نہیں کہ رقیب قاتل ہے لیکن تم گواہ تم ہو۔ اس لئے تم سے  
پرسش ضرور ہوگی۔

اسی اس شعر کو بیت الغزل لکھتے ہیں۔۔ بخود کے نزدیک رقیب قاتل  
اس لئے ہے کہ اس کی طبع رشک نے قتل کیا ہے۔ سجد لکھتے ہیں اگرچہ  
قاتل رقیب ہی ہے لیکن بنا تو تم ہی ہو۔  
۳۔ بے گناہ کش۔ بے گناہوں کو مارنے والا + حق ناشناس  
.. حق نہ پہچاننے والا۔

آپ لکھتے ہیں ہمیں آدمی نہ کہو، سورج کہو، چاند کہو، ہم نے مان لیا  
کہ آپ واقعی سورج اور چاند ہیں۔ لیکن کیا سورج اور چاند بھی آپ  
کی طرح بے گناہوں کا خون بہاتے اور حق کو نہ پہچانتے والے ہیں مطلب  
یہ ہے کہ وہ ایسے نہیں۔

۴۔ ان کی نقاب پر ایک تارا بھرا ہوا ہے۔ میں اُسے دیکھ کر  
رشک کے مار۔ ے سراجا نا ہوں اور ڈرتا ہوں کہ خدا خواستہ کہیں یہ کسی کی  
نگاہ کا تار نہ ہو۔ جو ان کی نقاب پر جم گیا ہے۔

۵۔ حالی: اس شعر میں ازراہ تہذیب اس کا ذکر نہیں کیا جن کے  
کرنے کے لئے مسجد و مدرسہ و خانقاہ کو مساوی قرار دیا ہے۔ مطلب  
یہ ہے کہ میکدہ جہاں حریفوں کے ساتھ شراب پینے کا لطف تھا، جب  
وہی چھٹ گیا۔ اب مسجد میں مل جائے تو اور مدرسہ و خانقاہ میں ہاتھ بٹائے  
تو سب جگہ بی لینی برابر ہے۔ مسجد وغیرہ کی تخصیص ازراہ شوخی کی گئی ہے۔  
یعنی یہ مقامات جو اس شغل کے بالکل لائق نہیں ہیں۔ وہاں بھی میکدہ چھٹنے  
کے بعد بی لینے سے انکار نہیں ہے اور شراب پینے کی تصریح نہ کرنا عین  
مقتضائے بلاغت ہے۔ بہترین شعر ہے۔

۶۔ داغظوں کی ربانی جس قدر ہم بہشت کی تعریف سنتے ہیں وہ سب

ہم کو تسلیم ہیں۔ لیکن خدا نہ کرے وہاں تیرا دیدار نصیب نہ ہوا تو پھر وہ ہمارے  
نزدیک پہنچے۔ یہ شعر مجاز میں بھی ہو سکتا ہے اور حقیقت میں بھی۔

۷۔ اول تو یہ ضروری ہے کہ غالب جیسا یا کمال شاعر تیرے ساتھ ہے  
لیکن خیر اگر غالب نہ بھی ہو تو کچھ مضائقہ نہیں۔ میری دعا تو یہ ہے کہ خدایا  
دنیا ہو اور میرا بادشاہ ہو۔ گویا وہ ہمیشہ زندہ رہے اور با مراد زندگی بسر کرتے  
بس یہی کافی ہے (پنچود۔ آنسی)

بقول سعید میری عمر بادشاہ پر قربان ہو جائے۔ بقول طباطبائی میری  
عمر بھی بادشاہ کو ملے۔

## ۱۲۵

گئی وہ بات کہ ہو گفتگو تو کیونکر ہو ۱ کہے سے کچھ نہ ہوا پھر کہو تو کیونکر ہو  
ہمارے ذہن میں اس فکر کا ہے نام نہال ۲ کہ گرنے ہو تو کہاں جائیں ہو تو کیونکر ہو  
ادب ہے اور یہی کش مکش تو کیا کیجے ۳ جیسا ہے اور یہی گوگو تو کیونکر ہو  
تمہیں کہو کہ گزارا صبر پرستوں کا ۴ بتوں کی ہو اگر ایسی ہی ہو تو کیونکر ہو  
اُچھٹے ہو تم اگر دیکھتے ہو آئینہ ۵ جو تم سے شرم میں ہوں ایک تو کیونکر ہو  
جسے نصیب ہو روزِ بیا، میرا سا ۶ وہ شخص دن نہ کہے رات کو تو کیونکر ہو  
ہمیں پھر ان سے امید اور گنہیں ہماری ۷ ہماری بات ہی پوچھیں نہ وہ تو کیونکر ہو  
غلط نہ تھا ہمیں خط پر گماں تسلی کا ۸ نہ مانے دیدار جو تو کیونکر ہو  
بتاؤ اُس مرثیہ کو دیکھ کر کہ مجھ کو قرار ۹ نہ نیش ہو رگ جاں میں فرو تو کیونکر ہو  
مجھے جنوں نہیں غالب دے بقول حضور

فراقِ یار میں تسکین ہو تو کیونکر ہو

۱۔ کہے سے کچھ نہ ہوا.. یعنی گفتگو ہونے پر بھی کچھ نہ ہوا۔



وہ وقت گزر گیا جب ہم یہ سوچا کرتے تھے کہ اگر ان سے گفتگو کا موقع  
ہاتھ آئے تو کس طریقے سے گفتگو کی جائے کہ ہمارا سکہ ان کے دل پر بیٹھ جائے  
خوش قسمتی سے ہمیں ایسا موقع مل گیا، لیکن ہماری گفتگو کا کچھ نتیجہ برآمد نہ ہوا  
یعنی وہ ہم پر پھر بھی حیران نہ ہوئے۔ اب کہو کہ کیا جائے۔

دوسرا مفہوم یہ ہے کہ پہلی گفتگو سے کچھ حاصل نہ ہوا تو پھر بتاؤ اب  
کیا ہوا اور ہم کیا کریں۔ یعنی جب پہلے کچھ نتیجہ نہ نکلا تو اب کیا کھلے گا۔ سعیدؒ  
بیمرد نے پہلا مفہوم لکھا ہے اور آئی و طباطبائی نے دونوں۔

۲۔ ہمارے ذہن میں وصال کے معنی یہ ہیں کہ ہم اس فکر میں غرق ہیں  
کہ اگر وصال نصیب نہ ہو تو ہم کہاں جاؤں اور اگر ہو تو کیونکر ہو۔ گویا اگر  
ہو تو اس کے لئے کیا سامان ہونے چاہئیں اور اگر نہ ہو تو کس قسم کی  
کوشش کرنی چاہئے۔ طباطبائی لکھتے ہیں کہ اسی فکر میں ہم خوش رہتے ہیں  
کہ وصال کبھی نصیب نہیں ہوتا۔

۳۔ ایک طرف ہمارے دل میں ان کا لحاظ و ادب ہے اور دوسری  
طرف اپنے ارمانوں کا خیال ہے۔ گویا ہم ایک کشمکش میں مبتلا ہیں کہ کیا کریں  
اور کیا نہ کریں۔ یہ تو ہماری حالت ہے اور ان کی حالت یہ ہے کہ ان کو  
جیسا مانع ہے اور وہ گوگو کے عالم میں پھنسے ہوئے ہیں کہ کیا کریں کیا نہ کریں۔  
بتاؤ پھر کام بنے تو کیونکر بنے۔

آئی : اگر ہمارا یہی ادب، یہی الجھن، یہی گوگو اور ان کا یہی جیسا  
عالم ہے تو آخر کیونکر کام بنے گا اور کیا ہوگا۔

۴۔ ہم قسمی سے پوچھتے ہیں کہ اگر ہمارا جیسی عادت تمام دنیا کے  
معشوقوں کی ہو تو عاشقوں کا گزارا اس دنیا میں کیونکر ہوگا۔ مطلب یہ ہے

کہ تم جیسے محنت گیر معشوق دنیا میں ہوں تو عاشق عشق کو ترک کر بیٹھے۔ لیکن یہ ہماری ہی بہت ہے کہ ہم پھر بھی عشق سے باز نہیں آتے۔

۵۔ حالی : اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ تم جیسے نازک مزاج شہر میں ایک دو اور ہوں تو شہر کا کیا حال ہو اور دوسرے معنی یہ ہیں کہ جب تم کو اپنے عکس کا بھی اپنی مانند ہونا گوارا نہیں تو شہر میں اگر فی الواقع تم جیسے ایک دو حسین موجود ہوں تو تم کیا قیامت برپا کرو۔ (آسی اور طہا طلبا کی نے فقط پہلا مفہوم لکھا ہے)

۶۔ جس بد نصیب شخص کو مجھ جیسا روزِ سیاہ نصیب ہوا وہ شخص مجبور ہے۔ کہ دن کو رات سکے۔ کیونکہ ایسے روزِ سیاہ کو ہرگز دن نہیں کہا جاسکتا۔ اندازہ کرنا چاہئے کہ اس دن کی سیاہی کیسی ہوگی جس کے گئے رات بھی دن معلوم ہوتی ہے۔

۷۔ جب ہماری بات ہی نہ پوچھیں تو پھر ہمیں ان سے کوئی امید کیونکہ ہو اور ان کو ہماری قدر کیونکہ ہو۔ مطلب یہ ہے کہ بات کہنے ہی سے یہ دونوں باتیں پیدا ہو سکتی ہیں۔ شعر میں تنقید ہے اور قافیہ بنانے کے لئے ”وہ“ کو ”دو“ نظم کیا ہے۔ ایک اور جگہ بھی تصرف کیا ہے۔ لیکن یہ قابلِ اعتراض نہیں ہے

کہتے تو ہوتے سب کہ بُتِ غالبہ مر آئے اک مرتبہ گھبرا کے کہو کوئی کہ دُدا آئے  
۸۔ دیدارِ جو... دیدار کا طلبگار۔

ہمارے دل کو یقین تھا کہ ان کا خط آنے سے ہمارے دل کو تسلی ہو جائیگی اور یہ غلط نہ تھا کیونکہ معشوق کے خط سے تسلی خاطر ہو ہی جاتی ہے، چنانچہ دل کی تسلی ہو گئی لیکن دیدار کی طلبگارا نکلکھوں کی تسلی نہیں ہوتی وہ اس

کو دیکھنے ہی پر مصر میں اب کیا بنے۔

۹۔ نیش۔ ۱۰۔ نشتر۔ ڈنگ + مڑا + یار کو نیش سے تشبیہ دی ہے۔

پہلے کوئی اس کی مڑا کو دیکھے اور پھر مجھے بتلائے کہ جس شخص کی دنگ جان کے اندر ایسا نشتر چبھا ہوا ہو اس کو کیونکر قرار ہو سکتا ہے۔

۱۰۔ مصرعہ ثانی بہادر شاہ ظفر کا ہے۔ طباطبائی مکتبہ میں یہ انکی فرمائش کی غزل ہے۔ فرماتے ہیں مجھے جنوں نہیں ہے کہیں آپ ہی آپ بیقرار ہوں۔ مجھے فرق یار میں نسکین کا پہلو نظر نہیں آتا۔ پھر نسکین ہو تو کیونکر ہو۔

۱۲۶ )

کسی کو دیکھ کر دل کوئی ناسخ فغاں کیوں ہو ۱ نہ ہو جب دل ہی سینے میں تو پھر نہ نہیں باقی ہو  
وہ اپنی غمزدگی کے ہم اپنی وجہ کیوں لیں ۲ نسک سرکے کیا پوچھیں کہ ہم سے سرگراں کیوں ہو  
کیا انھار نے رسوا لگے آگ اس محبت کو ۳ نہ لگے تاب جو غم کی، وہ میرا انداز کیوں ہو  
وفا کیسی کہاں کا عشق، جب سر پہوڑنا ٹھہرا ۴ تو پھر لے سنگدل تیرا ہی سنگ تھل کیوں ہو  
قصر میں مجھے رو دو اور جن کہتے نہ ڈر ہمد ۵ گری ہے جہاں پہل کھلی وہ میرا شیار کیوں ہو  
یہ کہہ سکتے ہو مہل میں نہیں ہر پرہیزگارا ۶ کہ چل چکی ہیں تم ہو تو انکسوں سے ہمار کیوں ہو  
غلط ہے جذبہ کا شکوہ دیکھو جرم کس کا ہے ۷ نہ کھینچو گرتا ہے کوا کاشک درمیاں کیوں ہو  
یہ فتنہ آدمی کی خاتہ ویرانی کو کیا کم ہے ۸ ہوئے تہودست جسکے دشمن اس کا آسمان کیوں ہو  
یہی ہے آ زمانا، تو ستانا کس کو کہتے ہیں ۹ عدو کے ہوئے جب تم تو میرا امتحان کیوں ہو  
کہا تم نے کہ کیوں ہو، غیر کہ طے میں سوائی ۱۰ بھلا کہتے ہو، سچ کہتے ہو، پھر کیوں کہاں کیوں ہو  
نکالا چاہتا ہے کلام کیا، طعنوں سے اے غالباً

ترے بے حشر کہنے سے، وہ تجھ پر ہر ماں کیوں ہو

۱۔ اگر کوئی کسی کو دل دے دے تو پھر اس کی فریاد کیوں کرے۔ جب ایک چیز سے

تو پھر اس کے لئے رونے کا کیا مطلب ہے، اس کے علاوہ جب سینے میں دل ہی نہ ہو تو پھر رشتہ میں زبان کیوں ہو؟ مطلب یہ ہے کہ زبان کو بھی ان کی نذر کر دینا چاہئے۔ کیونکہ دل کے بغیر زبان بیگناہ رہے۔ جب دل نہ رہے گا تو زبان کس کی ترجمانی کرے گی۔ بخود لکھتے ہیں کہ زبان ہی کو کاٹ کر پھینک دینا چاہئے یا کیل دینا مناسب ہے (اکہی اور سعید میرے بھیاں ہیں)

۲۔ خو .. عادت + وضع .. خود ارزی یا ضبط کی عادت + سبک سز + خیر، پیٹے + سرگراں .. ناراض۔

انہیں ناراض ہونے کی عادت ہے اور ہم ضبط کے خوگر ہیں۔ نہ ہم اپنی و منہداری کے خلاف جاسکتے ہیں اور نہ وہ اپنی عادت کو چھوڑ سکتے ہیں پھر ہم ان سے یہ بات پوچھ کر حقیر کیوں نہیں کہ تم ہم سے نکاح کیوں ہو۔ بقول طباطبائی اس شعر نے وہ بندش پائی ہے کہ شر میں بھی ایسے برجستہ فقرے نہیں ہو سکتے۔

۳۔ میرے غمخوار نے مجھے بدنام کر دیا اور اس کی وجہ یہ ہوئی کہ وہ میرے رنج و غم کو برداشت نہ کر سکا۔ وہ ہر ایک سے کہتا پھر کہ دیکھنا میرا دوست فلاں پر عاشق ہو گیا ہے۔ دن رات مچھلی کی طرح تڑپتا ہے۔ اس کی حالت دیکھی نہیں جاتی، چونکہ عشق کرنا بُرا خیال کیا جاتا ہے اور موجب رسوائی عاشق و معشوق ہوتا ہے، اس لئے میں نہ مانہ پھر میں بدنام ہو گیا۔ کہتے ہیں ایسی محبت کو گنگ لگے اور میں ایسے غمخوار سے باز آیا جو غم کی تاب بھی نہیں لگاتا۔ پھر وہ میرا اذ دان کیوں بنتا ہے۔

طباطبائی لکھتے ہیں کہ انشاء پر داڑی داؤد طلب ہے۔

۴۔ کیسی وفا اور کہاں کا عشق، جب سر ہی پھوڑنا ٹھہرا تو پھر لے سنگدل

تیرا ہی رنگ آستان ہونا کیا ضرور ہے۔ جہاں جی چاہے گا سر پہنچوڑ  
لیں گے۔ غالب ۵

جب سینہ چٹا تو پھر اب کیا جگہ کی قید

سمجھ ہو مدرسہ ہو کوئی خانقاہ ہو

بقول طباطبائی یہ شعر رنگ و سنگ میں گوہر شاہوار ہے۔ اسی لکھتے

ہیں کہ اس شعر کی بندش میں وہ چستی ہے جس کی تعریف غیر ممکن ہو۔

۵۔ طباطبائی لکھتے ہیں کہ اس قدر معانی ان دو مصرعوں میں سما گئے ہیں۔

کہ ان کی تفصیل یہاں لطفت سے خالی نہیں (۱) " ایک طائر چمن نشین سے جدا

ہو کر اسیر ہو گیا " اس مضمون پر صرف ایک لفظ قفس اشارہ کر رہا ہے (۲) اس

نے اپنی آنکھوں سے باغ میں بجلی گرتے ہوئے دیکھی ہے اور قفس میں ستر رہا ہے۔

کہ نہ جانے میرا اشیاء بچایا جل گیا۔ اس تمام معانی پر فقط کل کا لفظ دلالت کر رہا

ہے (۳) ایک اور طائر جو اس کا مصغیر اور ہمدم ہے وہ سامنے کسی درخت

پر آ بیٹھا ہے اور اسیر قفس نے اس سے روداد چمن کو دریافت کرنا چاہا ہے۔

مگر اس سبب سے کہ اسی کا نشین جل گیا ہے۔ طائر ہم صغیر مفعول حال کہتے

ہوئے پس و پیش کرتا ہے کہ اس اسیری میں نشین کے جلنے کی خبر کیا سناؤں

اس تمام مضمون پر فقط یہ جملہ دلالت کرتا ہے کہ مجھ سے روداد چمن کہتے نہ ڈھم

(۴) علاوہ اس کثرت معانی کے اس مضمون نے جو دوسرے مصرعے ہیں بے تمام

واقعہ کو کیسا دردناک کر دیا ہے۔ یہی جس گرفتار قفس پر ایک ایسی تازہ آخت و

بلائے آسمانی نازل ہوئی ہے کہ اُس نے کیسا اپنے دل کو سمجھا کر مطمئن کر لیا ہے کہ

باغ میں سزا دیں اشیاء نے ہیں۔ کیا میوے ہی قشیں پر بجلی گری ہوگی۔ یہ حالت

ایسی ہے کہ دیکھنے والوں کا اور سننے والوں کا دل کڑھتا ہے اور ترس آتا ہے اور

یہ ترس آجانا وہی اثر ہے جو شعر نے پیدا کیا ہے۔

غرضیکہ یہ شعر ایک مثال ہے ان میں انشان مشلوں کی جو کہ آداب کاتب و شاعر میں اہم اصول ہیں۔ ایک مسئلہ تو یہ کہ ”خیر الکلام باقل دل“ اور دوسرا مسئلہ یہ کہ الشعر کلام منقبض بہ النفس و منبسط“ اور یہاں انقباض خاطر کا اثر پیدا ہوتا ہے۔

۴۔ تم مجھ سے یہ تو کہہ نہیں سکتے کہ ہم تیرے دل میں نہیں ہیں۔ اچھا پھر یہ بتاؤ کہ جب میرے دل میں تم ہی ہو تو پھر تم میری نظروں سے کیوں پوشیدہ ہو۔ پہلے مصرعہ میں استفہام انکاری ہے۔ سنجیدہ لکھتے ہیں کہ اس میں معشوق حقیقی کو مخاطب کیا ہے۔ آجسی نے اس کے علاوہ دوسرا معنوم یہ لکھا ہے ”بیشک تم یہ کہہ سکتے ہو کہ ہم دل میں نہیں ہیں۔ لیکن اس حالت میں کہ جب تم یہ کہو کہ ہم دل میں ہیں تو پھر یہ سوال پیدا ہو جاتا ہے کہ آنکھوں سے نشان کیوں ہو۔

۵۔ جذبہ دل .. کشش دل۔

تمہارا یہ شکوہ غلط ہے کہ میری کشش دل تم کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ ذرا غور کرو اور دیکھو کہ اس میں قصور کس کا ہے۔ میرا ہے یا تمہارا؟ اگر تم اپنے آپ کو نہ کھینچو تو پھر یہ کشاکش کیوں ہو۔ مطلب یہ ہے کہ میرا جذبہ دل تمہیں اپنی طرف کھینچتا ہے اور تم مجھ سے کھینچتے (گھبرائے) کہتے ہو اس لئے کشاکش کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر تم اپنے آپ کو نہ کھینچو تو پھر کشاکش نہ ہو۔

۸۔ یہ فتنہ .. تمہاری دوستی۔

تمہارا کسی پر جہربان ہونا اور اس کا دوست بننا اس کی خانہ ویرانی کے لئے

بہت کافی ہے۔ پھر آسان اس کا دشمن کیوں بنے اور مفت میں اپنا نام دشمنوں میں لکھوائے۔

۹۔ جب تم ہمیشہ کے لئے دشمن کے ہو چکے تو میرا امتحان محبت کیوں لیتے ہو۔ اگر اس کا نام آزمانا ہے تو متانا کس کو کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ آزمائش تو اس صورت میں درست تھی جبکہ تم نے دشمن کے حق میں فیصلہ نہ کیا ہوتا۔ اب یہ آزمانا نہیں ہے بلکہ ستانا ہے۔ آتشی نے اسی مضمون کا داغ کا شعر نقل کیا ہے، خوب ہے ۵

ہو چکا قطع تعلق تو جھائیوں کیوں ہوں جن کو مطلب نہیں دیتا تو متا ہے بھی نہیں  
۱۔ طباطبائی و حسرت: اس شعر کی بندش نہایت دلپذیر ہے۔ ہم نے معشوق سے کہا۔ دیکھو غیر سے ملنے میں رسوائی ہے۔ ہاڑا جاؤ پچھاؤ گے۔ اس بات کا اُس نے تلخی سے یہ جواب دیا کہ غیر سے ملنے میں رسوائی کیوں کہنے لگی؟ ہم نے جواب دیا ہاں بندہ پرمور آپ سجا فرماتے ہیں۔ سچ فرماتے ہیں۔ ذرا پھر دوبارہ کہنا کہ ہاں رسوائی کیوں ہونے لگی۔ مطلب یہ ہے کہ اگر غیر سے ملنے میں بدنامی و رسوائی نہیں ہے تو پھر اور کس کام میں رسوائی ہے۔

۱۱۔ اے غالب تم اسے طعنے دے کر اپنا کام نکالنا چاہتے ہو، بھلا کہیں ایسا ممکن ہے کہ وہ تمہارے دم میں آجائے اور تمہارے بے مہر کہنے سے وہ تم پر مہربان ہو جائے۔

بہنو خود نے طعن کی نہایت خوب تشریح کی ہے۔ لکھتے ہیں کہ محبوب ہمیشہ کہنے کے ملا کیا کرتا ہے اور یہ بات سمجھ کر اسے نامہربان کہہ دے کہ وہ اپنی عادت کے تحت مہربان ہو جائے۔

رہنمائی ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو ۱ ہم سخن کوئی نہ ہو اور ہم نہاں کوئی نہ ہو

بے درد دیوار سا اک گھر بنایا جائے ۲ کوئی ہمسایہ نہ ہو اور ہم زبان کوئی نہ ہو  
پڑیے گریہ تو کوئی نہ ہو تیار دار ۳ اور اگر مر جائیے تو نوہ خواں کوئی نہ ہو  
۱۔ اب ۱ کا لفظ بتا رہا ہے کہ جو لوگ ہدم و ہم سخن اور ہمسایہ و ہم وطن  
ہیں ان سے کوئی رنج ضرور پہنچا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شاعر اس سے بیزاری کا اظہار  
کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ کسی ایسی جگہ جا کر رہے جہاں ان لوگوں میں سے کوئی نہ ہو  
تاکہ پھر رنج پہنچنے کا کوئی امکان ہی نہ رہے۔ اقبال ۵

دنیا کی مخلوق سے الگ کیا ہوں یا رب کیا لطف انجمن کا جب دل ہی تجھ گیا ہو  
۲۔ اب ہمیں ایک بے درد دیوار سا گھر بنانا چاہئے۔ جب در نہیں ہوگا  
تو پاسان بھی نہ ہوگا اور دیوار نہ ہوگی تو کوئی ہمسایہ بھی نہ ہوگا۔ مطلب وہی ہے  
کہ ہمسایوں اور پاسانوں سے بھی نفرت ہو گئی ہے۔

۳۔ چونکہ یہ لوگ منافق ہیں اور ان کے ہاتھوں شاعر کو دکھ پہنچا ہے۔  
اس لئے وہ ایسے لوگوں کی تیار داری اور نوہ خوانی بھی پسند نہیں کرتا۔ کس  
اطمینان قلب کے ساتھ کہتا ہے کہ وہاں کس قدر آرام و سکون ہوگا۔ اگر ہم بیمار  
پڑ جائیں گے تو کوئی تیار دار نہ ہوگا اور اگر مر جائیں گے تو کوئی نوہ خواں نہ ہوگا۔ گویا  
وہ لوگ جن سے نفرت ہے اور جن کی شکل دیکھتی بھی گوارا نہیں، وہ کسی صورت  
میں بھی سامنے نہ آئیں گے۔



سُورج سے لے کر ذرّہ تک ہر چیز دل ہی دل ہے اور دل بصورت آئینہ ہے  
گویا طوطی کو بھرت آئینے ہی آئینے مقابل نظر آتے ہیں۔ وہ آئینہ خانہ میں ہے اور  
ہر طرف سے اسے اپنی شکل نظر آتی ہے (آئینہ اور طوطی کا مضمون مشہور ہے) مطلب  
یہ ہے کہ ختم کائنات و مرد و احد کا پرتو ہے (حسوت۔ آسی)

طبا طبائی نے اس کی یہ تاویل نکالی ہے کہ عالم میں رُخ و رُخ اور دل و دل  
باہد گنا آئینہ ہیں۔ یعنی اس کو اس میں اپنی صورت دکھائی دیتی ہے اور اس کو اس  
میں غرض یہ ہے کہ سارا عالم متحد بوجود واحد ہے اور ایک دوسرے سے غیریت  
نہیں۔ یہ اس میں اپنے میں اس طرح دیکھتا ہے جیسے آئینہ میں کوئی دیکھے  
جب یہ حالت ہے تو طوطی جس طرف رُخ کیے، آئینہ سامنے موجود ہے اور  
طوطی محض استعارہ ہے۔ مراد اس سے وہ شخص ہے جسے یہ اتحاد دکھائی دے  
اور وجودِ حلال میں ترانہ انا الحق بلند کرے۔

بہنوہ اور سقید دونوں میرے ہم خیال ہیں۔ فقط انہوں نے طوطی سے  
مراد عارف لیا ہے۔ اور اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ مستی مطلق کے سما  
اور کوئی ہستی نہیں۔

## ۱۲۹

ہے سبزہ ناز ہر درد و دیوارِ عکدہ ۱ جس کی بہاریہ ہو پھر اس کی خفاں پہچ  
ناچار بے کسی کی بھی حسرت اٹھائیے ۲ و شواہی رہ و ستم ہم زباں نہ پوچھ  
۱۔ جب کوئی مکان مدتوں غیر آباد اور منہدم پڑا رہتا ہے تو بارشوں  
سے اس میں سبزہ اُگ آتا ہے۔ کہتے ہیں میرے عکدہ میں میری گریہ و زاری کی  
برسات سے ہر طرف سبزہ اُگ آتا ہے۔ گویا میرے عکدہ سبزہ ناز بن گیا ہے اور  
اس میں بہا ر آئی ہے۔ مگر میں سبزہ لگتا دیرانی کی نشانی ہے جس گھر کی بہاریہ ہے

کہ وہ بالکل ہی دیران ہو گیا ہے بلکہ خزاں سے بھی بدتر ہے۔ اس کی خزاں کی بات نہ پوچھو کہ وہ کس قیامت کی ہو گی۔  
 آگاہ ہے گھر میں ہر سو بسوز و بے لانی تاشاکر مدار اب کھوٹنے پر گھاس کے ہے سیر و بیکار  
 ۲۰۔ ہمراہ ۱۰۰ ہمراہی۔

سقیہ: ایک تو راستہ ہی دشوار تھا۔ اُس پر طرہ یہ کہ ہم کو جو ساتھی ملے وہ بھی ظالم تھے۔ قطع نظر اس کے ہم اپنے آپ کو بیکس بھی نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ گو وہ ظالم ہی تھے لیکن ہمارے ساتھ تو موجود تھے۔ پس مجبوراً بیکسی کی حسرت دل ہی میں رہی (حسرت)  
 آتھی: مجبوراً ہم کو اب بیکسی کی بھی حسرت اٹھانی پڑتی ہے یعنی ایسی چیز کی حسرت کہتے ہیں جس کی کوئی حسرت نہیں کرتا۔ مگر بیکسی کو ہم ایسے ہمراہیوں کے ہونے سے اچھا جانتے ہیں، جو ظالم ہیں اور جن کی وجہ سے راستہ طے ہونا دشوار ہو گیا ہے۔

بیخود: راہ کی دشواریاں اور ہمراہیوں کے ستم کا حال مجھ سے نہ پوچھو۔ وہ اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ مجبور ہو کر میں نے یہ ارادہ کر لیا ہے کہ اب بیکسی اور تنہائی کی حسرت اٹھانی چاہئے اور ایسے دشوار گزار راستے میں اس قدر ظالموں کا ساتھ ٹھیک نہیں ہے۔

طبا طبائی نے وہ سبے مصرعہ کو دشوار بی راہ و ستم ہمراہی نہ پوچھ "بھکہ شرح نکسی ہے۔ یعنی ہمراہیوں کے ہاتھ سے جو ستم مجھ پر ہوتا ہے، اس مصیبت کا کاٹنا دشوار ہے۔ اس کی دشواری کچھ نہ پوچھو، حسرت ہوتی ہے کہ کاش ہم بیکس و تنہا ہوتے۔

# ی

۱۳۰

صد جلوہ رو ہو رہے جو مرگیاں اٹھائے ۱ طاقت کہاں کر دید کا احسان اٹھائے  
 ہے سنگ پر براتِ معاشِ جنوں عشق ۲ یعنی جنوز منتِ طفلان اٹھائے  
 دیوارِ بارِ منتِ مزدور سے خم ۳ لے خانہاں غلابِ اندامِ احسان اٹھائے  
 یا میرے زخمِ رشک کو رسوا نہ کیجئے ۴ یا پردہٴ تبسمِ پنہاں اٹھائے  
 ۱۔ صد جلوہ .. سینکڑوں جلوے + مرگیاں اٹھائے .. نظر  
 اٹھا کر دیکھئے۔

اگر ہم آنکھ اٹھا کر دیکھیں تو محبوبِ حقیقی کے سینکڑوں جلوے نظر آتے  
 ہیں۔ مگر ہم میں اتنی تاب و طاقت نہیں کہ نظارہ کا احسان اٹھائیں اور اس  
 کے جلووں سے لطف اندوز ہوں۔ کمالِ استغناء ہے کہ آنکھوں کا احسان  
 بھی نہیں اٹھانا چاہئے۔

۲۔ برات .. وہ کاغذ یا فرمان جس کی رو سے خزانہ سے روپیہ وصول  
 کیا جاتا ہے یعنی چک۔

معاشِ جنوں کا فرمان پتھروں پر لکھا گیا ہے اور نشانہٴ سنگِ طفلان  
 ہونا لوازماتِ جنوں میں سے ہے ۱ اس لئے ہمیں جنون و دیوانگی میں بھی پتھر  
 مارنے والے لڑکوں کا احسان اٹھانا پڑے گا۔ مطلب یہ ہے کہ جنوں میں  
 کسی کا احسان اٹھانے کی ضرورت باقی نہ رہنی چاہئے تھی۔ لیکن معلوم ہوا  
 کہ جنوںِ عشق میں دیوانہ ہو کر بھی احسان اٹھانا پڑتا ہے کیونکہ جنوں کی معاش  
 سنگِ طفلان مقرر ہوتی ہے۔

۳۔ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ دنیا میں کسی کا احسان نہیں اٹھانا چاہئے کیونکہ احسان ایسا بوجھ ہے جسے بے جان دیوار بھی برداشت نہیں کر سکتی اور انسان کا درجہ اس سے بہت بلند ہے۔ دیوار کے جھک جانے کو مردود کے احسان کا نتیجہ قرار دے کر غامناں خراب شخص کو عبرت دلاتے ہیں کہ وہ مکان کی تعمیر سے باز آئے۔

۴۔ میرے دل میں رشک رقیب سے گھاؤ پڑ گئے ہیں اور محبوب یہ کہہ کر مجھے رسوا کرتا پھرنا ہے کہ یہ رشک سے مرا ہانا ہے۔ کہتے ہیں تو آپ میرے زخم رشک کو اس طرح دسوانہ کریں۔ یا یہ جو آپ رقیب کے ساتھ ساتھ چپ چپکے ہنستے ہیں۔ اس پردے کو اٹھا دیں یعنی اس طرح سے ہنستا پھول دیں۔ کیونکہ آپ کے ہنسنے پہناں کی موجودگی میں میرا رشک کرنا بجا و درست ہے۔

آگہی لکھتے ہیں کہ زخم رشک کو رسوا کرنا محض پردہ اور قسم پہناں کی رعایت سے کہا ہے۔ یہ شعر بیت الغزل ہے اور اس کی بندش بے انتہا چست۔

## ۱۳۱

مسجد کے زیر سایہ خرابات چلے ۱ بھوں پاس آنکھ قبلہ عاجات چلے  
عاشق ہوئے ہیں آپ بھی اک اور محض پر ۲ آخر قسم کی کچھ تو مکافات چلے  
دے دو اے خاک اہل حسرت چڑکی ۳ ہاں کچھ نہ کچھ تلافی مافات چلے  
سیکے میں مہ زخموں کے لئے ہم مصروفی ۴ تقریب کچھ تو بہر ملاقات چلے  
مے غرض نشاط ہے کس رو بہا کو ۵ اک گونہ یہ خودی مجھے دن رات چلے  
ہے رنگ لالہ و گل و نسیمیں جلا جلا ۶ ہر رنگ میں بہار کا اثبات چلے  
سیرائے خم یہ چلے ہنگام بخودی قطعہ زو سوئے قبلہ وقت مناجات چلے  
یعنی بحسب گردش پیمانہ مصفات ۸ عارف ہمیشہ مست ہے ذرات چلے

نشوونما ہے اصل سے غالب فزع کو

خاموشی ہی سے نکلتے ہے جو بات چلتے

۱۔ خرابات .. شراب خانہ - آنکھ کو بوجہ مستی شراب خانہ اور محرابِ ابرو کو محرابِ مسجد سے مشابہت ہے۔ اسی مشابہت کو مسجد و شراب خانے کے قریب قریب ہونے کی دلیل قرار دیا ہے۔ قبلہ عبادت سے و خط کی طرف اشارہ ہے۔

اسے قبلہ عبادت یعنی حضرت و خط و یکہ لیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے آنکھ کے پاس ابرو کو بنایا اور یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مسجد کے دیر سایہ شراب خانہ ضرور ہونا چاہئے۔ اسی اور حسرت کا خیال ہے کہ بھول کا لفظ یہاں بہت برا معلوم ہوتا ہے۔

۲۔ مکافات .. بدلہ تلافی۔

خداوند تعالیٰ عادل ہے۔ وہ ظالم کو ظلم کی سزا ضرور دیتا ہے۔ آپ نے اپنے عاشق پر ظلم کئے۔ آخر خداوند تعالیٰ نے اس کی تلافی اس طرح سے کی کہ آپ کسی پر عاشق ہو گئے۔ اب آپ کو اُس کے ظلم ہماری طرح برداشت کرنے پڑیں گے۔ گویا آپ کو ان ظلموں کا بدلہ ملیگا۔ جو آپ نے ہم پر کئے ہیں۔ بس یہی آپ کے ستم کی مکافات ہے۔

۳۔ مافات .. جو گزر چکا۔

اے فلک تو نے میری خسروں کا خون کر دیا۔ اب کوئی آلود تو پوری کر دے کہ جس سے میری خوں شدہ خسروں کی کچھ نہ کچھ تلافی ہو جائے۔ لفظ ہاں سے شعر میں جان پڑ گئی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے فلک کو آمادہ کر رہے ہیں۔ دوسرا لطیف پہلو یہ ہے کہ اگر کوئی حسرت پوری

نہ کی جلتے تو خیر کچھ مضائقہ نہیں، اب میرے دل حسرت پرست کی محض داد ہی دیدے تاکہ کچھ تلافی مافات ہو جائے۔

۴۔ ملاقات کرنے کے لئے ہمیشہ کسی تقریب کی ضرورت ہوا کرتی ہے اور حسینوں کو فن مصوری سے خاص دلچسپی ہوتی ہے۔ اس لئے ہم نے مصوری سیکھ لی ہے تاکہ اس سلسلے میں ہماری ان سے ملاقات ہو سکے۔ گویا وہ اپنی تصویر بنوانے کے لئے ہمیں بلایا کریں گے۔

طبیب طبائی اور بیخود کا خیال ہے کہ مصوری سے شاعری مراد ہے۔ غالب

خدا ہی بہ نقش طرازی علم کنم تا با تو خوش نشینم و نظارہ کنم  
۵۔ شراب نوشی سے میرا مقصد عیش و نشاط ہرگز نہیں۔ میں تو شراب محض بیخود اور خود فراموش ہونے کے لئے پیتا ہوں تاکہ رنج و تعب میرے دل و دماغ پر محیط نہ ہونے پائیں۔ اور میں شب و روز اپنے آپ کو بھول رہوں۔

۶۔ اثبات .. ثابت کرنا۔

لالہ، نسرین (سیبوتی)، گل وغیرہ کے رنگ علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں لیکن اہل نظر کے نزدیک رنگ اور صورت کا اختلاف کوئی معنی نہیں رکھتا۔ انہیں ہر رنگ میں بہار کا ثبوت ملتا ہے۔ بقول سعید گو کامنات کی مختلف شکلیں ہیں۔ لیکن جلوۂ حقیقی ہر ایک میں موجود ہے۔

۷۔ (قطع) بیخودی کے عالم میں سر پائے خم پر اور دغائے وقت

منہ قبلہ کی طرف ہونا چاہئے (تمام متفق)  
سعید لکھتے ہیں صوفیاء کے نزدیک کفر بھی مظهر کی ذات ہے کیونکہ کفر

دین کی صند ہے اور اصداؤ کا مخرج وہی واجب الوجود ہے۔ پس اگر بخودی اور استغراق کے وقت سر پائے خم پر رکھا ہوا اور دماغ کے وقت منہ قبلہ کی طرف کر لیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔

۸۔ یعنی پیمانہ صفات (الہی) کی گردش کے مطابق عارف کو ہمیشہ ہے ذات سے مست و بیخود رہنا چاہئے۔ کیونکہ صفات بھی لوازم ذات ہیں۔  
۹۔ فروغ .. فرع، شاخ، نشئی + اصل .. جڑ۔

خاموشی کو اصل (جڑ) اور باتوں کو فروغ (شاخیں) قرار دیا ہے۔ کہتے ہیں۔ اے غالب جس طرح جڑ سے شاخوں کی نشوونما ہوتی ہے اسی طرح جو نکلتی ہے وہ خاموشی ہی سے بات نکلتی ہے۔ انسان کا قاعدہ ہے کہ وہ بات کہنے سے پہلے خاموش ہو جاتا ہے۔ کچھ سوچتا ہے اور پھر زبان سے کہتا ہے گو یا ہر بات کی اصل خاموشی ہے۔

بقول حسرت دوسرا مفہوم یہ نکلتا ہے کہ جو بات چاہئے، وہ خاموشی ہی سے نکلتی ہے۔ یہاں ”بات نکلتی ہے“ یعنی محاورہ مشہور لیا جائیگا مثلاً کہتے ہیں کہ فلاں کی دیوانگی میں بھی ایک بات نکلتی ہے۔

۱۳۲

بساہ بخیر میں تھا ایک دل یک قطرہ خونی بھی ۱ سورہتا ہے بانداز یکیدیں سرنگوں و بھی رہے اس شمع سے آلودہ ہم چند سے تکلف ۲ تکلف برطرف تھا ایک انداز جنوں وہ بھی خیالی برگ کب تکیں دل آلودہ کو بخشے ۳ مرے دم تنہا میں ہے اک سید زبوں بھی نہ لڑتا کاش نہ مجھ کو کیا معلوم تھا ہم ۴ کہ ہوگا باعث افروزش درودروں وہ بھی نہ اتنا بڑا ش تیغ جفا پر ناز فرماؤ ۵ مرے دیئے بتیابی میں ہے اک بیج غل بھی مے عشرت کی خواہش ساتی مگر دوسرے کیلئے ۶ لئے بیٹھا ہے اک چار جام وازگوں وہ بھی

مرغل میں غالی شوقِ وصل و شکوہِ بچوں ۷ خداوندی کے جو اُس سے میں بھی کٹتی تھی  
 اے میری عاجزی کی بساط میں محض ایک دل تھا اور وہ بھی ایک قطرہٴ خون  
 سے زیادہ حقیقت نہ رکھتا تھا۔ اب اس کی یہ حالت ہے کہ رنج و غم سے ہر وقت  
 وہ سرنگوں رہتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ابھی ابھی ٹپک جائیگا۔  
 سقیم: اپنے دل کو خون کے ایک ٹپکتے ہوئے قطرے سے تشبیہ  
 دے کر اُس کی لاچارسی اور عاجزی کی کیا خوب تصویر کھینچی ہے۔ بقول اسی  
 غالب نے ترقی در ترقی کا منظر دکھایا ہے۔ بساطِ عجز، اس میں ایک دل، دل بھی  
 ایک قطرہٴ خون، قطرہٴ خون بھی آمادہٴ چکیدن، آمادہٴ چکیدن بھی بحالتِ سرنگوں یہ  
 تمام کیفیتیں لطف سے خالی نہیں۔

۲۔ ہم اُس شوخ سے چند دن تکلف اور تصنیع سے آزرده اور ناراض رہے  
 تکلف برطرف وہ بھی ہمارا ایک اندازِ جنوں تھا۔ ورنہ حقیقتاً ہم اس سے خائف تھے  
 طباطبائی اور بیخود لکھتے ہیں کہ دوسرے معنی میں تکلف کے معنی شرم  
 و لحاظ کے ہیں۔

اُسی کا دوسرا مفہوم۔ تکلف سے ہم اس سے آزرده تھے۔ تکلف  
 کو اٹھا دیا تو معلوم ہوا کہ وہ ایک اندازِ جنوں تھا۔ وگرنہ معشوق سے آزرده  
 ہونا اپنے آپ سے آپ سے آزرده ہونا ہے۔

سجید کی مزید تشریح ملاحظہ ہو:- بناوٹ سے آزرگی اس لئے تھی کہ  
 وہ مہربانی سے پیش آئے۔ لیکن اب صاف کہنا پڑتا ہے کہ وہ بھی ایک اندازِ جنوں  
 تھا، ورنہ معشوق کہیں ایسی باتوں سے بگھلا کرتے ہیں۔

۳۔ صیدِ زبوں .. مرغل شکار۔

تمنا کو دام اور خیالِ مرگ کو صیدِ زبوں قرار دیا ہے صرف موت کا خیال



میرے دل آزدہ کو کیا تسکین دے سکتا ہے، کیونکہ میرے تن کے جال ہیں خیال مرگ جیسے سینکڑوں شکار پھنسے ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے۔ تسکین تو اس وقت ہوتی، جب تن کے مرگ سب سے زبردست تنا ہوتی اور وہ دائم تنائیں گرفتار ہوتی۔ مشکل یہ آپڑی ہے کہ وہ ایک صید زبون ہے۔ اس لئے اس کے اس کے پھنس جانے سے کوئی خاص تسلی نہیں۔ قاعدہ ہے کہ موٹے شکار کو پھنسا کر دل خوش ہوا کرتا ہے۔ پھر صید زبون کے شکار سے کیا خوشی اور تسلی ہو سکتی ہے۔

۴۔ اے ہمد میرا خیال تھا کہ نالہ کرنے سے دل کی بھڑاس نکل جائیگی۔ اگر مجھے اس بات کا پہلے اندازہ ہوتا کہ اس سے درد دل بڑھ جائیگا تو میں ہرگز نالہ نہ کرتا۔  
۵۔ بُریش.. کاٹ، تیزی، بُریش کو برنلے جو ہر موج سے تشبیہ دی ہے۔  
آپ اپنی تیغ جھانکی بُریش پر اتنا ناز نہ کریں۔ میرے نزدیک آپ کی تیغ جھانکی بُریش معمولی چیز ہے۔ کیونکہ میرے دریاے میتابی میں یہ بُریش ایک موج خون زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔ وہاں ایسی سینکڑوں موجیں تلملارہی ہیں۔  
۶۔ ایک دو چار  $100 + 2 + 4 = 106$  آسمان سات ہیں + جام وازگوں

.. اوندھے جام یعنی خالی جام۔

ہم ساتی آگردوں سے شرابِ عیش کی آزدو کیا خاک کریں، وہ تو خود ہی ایک دو چار (سات) اُلٹے (خالی) پیالے لئے بیٹھلے۔ بھلا اس کے پاس شرابِ عیش کہاں۔

۷۔ میرے دل میں وصل کا شوق اور ہجر کا شکوہ بھرا ہوا ہے۔ خدا وہ نہ دے کہ میں ان کے سہنے و صحن کے شوق کا اظہار کروں اور ہجر کا شکوہ سُناؤں۔ اس شعر میں خلص ذو معنی استعمال ہوا ہے، جس سے شعر کا لطف

دو چند ہو گیا ہے۔

۱۳۳

۱۔ بزمِ بتاں میں سخنِ آرزوہ لبوں کے ۱ تنگ آئے ہیں ہم ایسے خوشامد طلبوں کے  
۲۔ دورِ قرح دجر پریشانی صبا ۲ یکبار لگا دو خم ۲ میرے لبوں سے  
زندانی درِ میکدہ گستاخ ہیں زاہد ۳ زہار نہ ہونا طرف ان بے ادبوں سے  
بیدارِ وفا دیکھ کہ جاتی رہی آخر ۴ ہر چند مری جان کو تھا ریلط لبوں سے  
۱۔ خوشامد طلب معشوقوں سے ہم ایسے تنگ آئے ہیں کہ سخن لبوں سے  
آرزوہ ہو گیا ہے۔ گویا ان کی محفل میں اب باتِ حیت کرنے کو بھی ہمارا جی نہیں  
چاہتا ہے کہ میں اس کی خوشامد کروں تو وہ لب تک آئے۔ گویا رعبِ حسن سے  
معشوق کے سامنے بات بھی مُنہ سے نہیں نکلتی۔

۲۔ صبا.. شراب + دورِ قرح .. باری باری یا مٹھر مٹھر کو شراب  
پینا + خم .. مٹھا شراب کا۔

مٹھر مٹھر کہ تھوڑی تھوڑی شراب پینا شراب کی پریشانی کا باعث ہے۔  
کیونکہ اس طرح سے شراب تقسیم ہو جاتی ہے۔ اس لئے مناسب یہ ہے کہ  
ایک ہی بار شراب کا خم میرے مُنہ سے لگا دو۔ تاکہ شراب بھی پریشان نہ ہو  
میرا دل بھی سیر ہو جائے۔ اس ترکیب سے فائدہ یہ منتظر ہے کہ جس طرح خم  
میں شراب ایک جگہ تھی۔ اسی طرح میرے دماغ میں بھی کچھ محفوظ ہے گی۔  
ڈگڈگا کر پینے کا پھر لطف سبب نکلا ہے۔

۳۔ طرف نہ ہونا .. مُنہ نہ لگانا۔

اے زاہد! زندانی درِ میکدہ نہایت گستاخ اور مُنہ پھٹ واقع ہوئے  
ہیں۔ دیکھنا ان بے ادبوں سے کہیں کچھ کہ نہ بیٹھنا، یہ آپ کے وعظ و نصیحت

کی تاب ہرگز نہ لائی گئے۔

۴- جاتی رہی .. جان جاتی رہی، جدا ہو گئی + ربط .. تعلق، دوستانہ۔

میری جان ہمیشہ لمبوں پر رہا کرتی تھی، اس لئے اس کو لمبوں سے بہت محبت تھی۔ لیکن بیدار و خفا سے اسے لمبوں سے جدا کر دیا اور وہ دوستوں کو جدا کرنا بہت بڑا ظلم ہے۔

۱۳۴

تاہم کوشکایت کی سبھی باقی نہ رہے جا ۱ سن لینے ہیں گو ذکر ہمارا نہیں کرتے غالب تھا احوال سلسلوں کے ہمائی کو ۲ وہ سن کے بلالیں یہ اجارہ نہیں کرتے ۱- معشوق کی شوخی اور مسکائی بیان کی ہے۔ کہتے ہیں بعض اس لئے کہ میں یہ شکایت کرنے کا موقع نہ ملے کہ آپ کو ہمارے ذکر سے نفرت ہے۔ وہ ہمارا ذکر سن تو لیتے ہیں۔ لیکن اسے سن کر وہ اپنی زبان سے کچھ نہیں کہتے۔ افسوس وہ یہ نہیں کہتے کہ ہم پر اور بھی زیادہ ظلم ہے۔ کیونکہ ان کی اس روش سے شکایت دور نہیں ہوتی۔

۲- اجارہ .. ٹھیکہ اڈر۔

یہ شعر نہایت بلیغ اور دقیق ہے۔ کہتے ہیں۔ غالب ہم تیرا احوال ان کو کسی نہ کسی طرح سنا تو ضرور دینگے۔ لیکن اس بات کا ذکر نہیں لیتے کہ وہ اسے سن کر تجھے اپنے پاس بلالیں، پہلے مصرع سے عاشق کی نار حالی اور میتا کی کا پتہ چلتا ہے اور دوسرے سے معشوق کے غور حسن اور عرونا دکا۔

۱۳۵

گھر میں تھا کیا کہ ترا غم اُسے غارت کرتا  
وہ جو رکھتے تھے ہم اک حسرت تعمیر سو ہے

میرے گھر میں رکھا ہی کیا تھا کہ غمِ عشق اس کو غارت و برباد کرتا۔ ہاں  
ایک حسرتِ تعمیر تھی، سودہ ابھی تک غمِ عشق کی دستِ برد سے محفوظ ہے۔  
کاش کے وہ اُسے بھی غارت کر دیتا۔ غالب ۔  
ہوا ہوں عشق کی غارت گری سے شرمندہ  
سولے حسرتِ تعمیر گھر میں خاک نہیں

۱۳۶

فر دنیائے گریہ کی بھی فرصت سر اٹھانے کی ۱ فلک کا دیکھنا تقریب تیرے یاد آنے کی  
کھلے گا کس طرح مضمون مرے محبوب کیلایاب ۲ قم کھائی ہے اُس کا فتنے کا فتنے کے بدلنے کی  
پیشانی پر نیاں ہیں شعلہ آتش کا آسمان ہے ۳ دلے شکل ہے حکمت میں سوز غم چھپانے کی  
انہیں منظور اپنے زنجیوں کا دیکھنا تھا ۴ لٹکے تھے سیر گل کو دیکھنا شوخی بدلنے کی  
ہماری ساوگی تھی التفاتِ ناز پر مرنا ۵ ترا آنا نہ تھا ظالم مگر قہر جانے کی  
لگد کو ب عواذ کا تحمل کر نہیں سکتی ۶ مری طاقت کو صاف ہی تھی ہوں کے ناز اٹھانے کی  
کہوں کیا خوبی اور ضایعہ ابلے تھیں غائب  
بدی کی اُس نے جس سے مرنے کی تھی بار بار یہی

۱۔ حالی : یعنی جب غم دنیائے سر اٹھانے کی فرصت ملتی ہے تو سر اٹھاتے ہی  
آسمان پر نظر مارتی ہے اور چونکہ جھلپیش ہے اس کے دیکھتے ہی تیرا یاد آجاتا ہے۔  
اب وہ سر غم شروع ہو جاتا ہے۔ غرض یہ کہ کسی حالت میں غم سے نجات نہیں ہے۔  
مطلب یہ ہے کہ اول تو دنیا کی وجہ سے بالکل فرصت نہیں ملتی۔ اگر فرصت ملتی ہے  
تو پھر غمِ عشق داغگیر ہو جاتی ہے۔

۳۔ کسی بات کی قسم کھانا یعنی کسی کام کے ناکونے کا عہد کر لینا کہتے ہیں پہلے وہ  
میرے خط کو جلا دیا کرتا تھا اور خط کے جلنے سے اس پر میرے سوز غم کا حال واضح ہو جاتا

تھا۔ لیکن اب اس کا فتنے ختم کر لیا ہے کہ وہ میرا خط برگزینہ جلائیگا۔ اے خدا اب میرے سوز غم کا حال اسے کیونکر معلوم ہوگا۔ (دردِ بخت۔ طباطبائی و حسرت)  
 سچا درد آتشی لکھتے ہیں۔ "اے خدا میرے نادر شوق اس پر کیونکر ظاہر ہوگا۔ کیونکہ اس کا فتنے قسم کھائی ہے کہ اب ہر اس کاغذ کو جو بطریق خط میرے پاس آئیگا یا ہر کاغذ کو جس جلد و کھا تو یقیناً اب وہ میرے مکتوب سے باخبر نہیں ہو سکتا۔  
 یہ مضمون محاورہ کے خلاف ہے۔

۳۔ پرینیاں .. حریر ریشم، ایک قسم کا ریشمی کپڑا۔  
 ہا ایک ریشمی کپڑے کو بہت جلد آگ لگ جایا کرتی ہے، مگر انسان اُس میں شعلہ آتش کو لپیٹ سکتا ہے، لیکن دل میں سوز غم نہیں چھپا سکتا، پس ثابت ہوا کہ دل پرینیاں سے بھی زیادہ نازک ہے اور وہ سوز غم کا نشتیں نہیں ہو سکتا۔  
 شعلہ آتش اور سوز غم کا فرق ظاہر ہے۔

۴۔ ان کا ارادہ یہ تھا کہ وہ اپنے زخمیوں کو جا کر دیکھ آئیں۔ ذرا ان کے بہانے کی شوخی ملاحظہ ہو کہ انہوں نے سیر محل کا ہانہ کیا۔ گویا وہ زخمیوں کے دیکھنے کو سیر باغ خیال کرتے ہیں۔ شاعر نے اسی کو بہانے کی شوخی قرار دیا ہے۔

۵۔ یہ ہماری سادگی تھی کہ ہم تیرے التفاتِ ناز پر مرے۔ گویا یہ سمجھے کہ یہ تو نے خاص التفات فرمایا ہے کہ یہاں تک آیا ہے۔ اے ظالم تو بیشک آیا، لیکن تو نے آتے ہی کتنا شروع کیا کہ ہم جاتے ہیں۔ یہ تیرا آنا نہ ہوا بلکہ تیرے جلنے کا ہمیش خیمہ ٹھہرا۔ اس لئے ہم تیرے التفاتِ ناز پر مرنے کو اپنی سادگی قرار دیتے ہیں۔ التفات کو التفاتِ ناز سمجھتے ہیں۔ ناز کا پہلو یہ ہے کہ ابھی آئے اور ابھی چلے۔

۶۔ لکڑ کو ب .. لات مارنا، لتیاؤ۔

پہلے مجھ میں اتنی طاقت تھی کہ میں بُتوں کے ناز، بخوبی اُٹھالیا کرتا تھا لیکن اب یہ حال ہے کہ میں حادثات کی لکڑ کوئی بھی برخواست نہیں کر سکتا، شاعر کے خیال میں بتوں کے ناز حادثاتِ ایام سے بہت بڑھے ہوئے ہیں۔

آج سے دو سڑل منہوم یہ نکالا ہے کہ میری طاقت ضامن اس بات کی تھی کہ بُتوں کے ناز اُٹھائے۔ آخر یہ اس کے ساتھ لکڑ کو ب حادثات کا طوفان کیسا آیا۔ میری طاقت اس کا تحمل کرنے کے لئے تیار نہیں۔

۷۔ اوضاع .. جمع وضع کی + ابنا .. جمع ابن کی، ابنائے جہاں یعنی اہل جہاں بطور طنز کہتے ہیں کہ میں اہل دُنیا کی خوبی وضع کیا بیان کسوں پس یہ کجگو کہ جس سے ہم نے بارہائیک کی - اس نے ہمارے ساتھ ہمیشہ بدی کی۔ گویا ہمیں نیکی کا صلہ بدی ملا۔

### ۱۳۷

حاصل سے ہاتھ دھو بیٹھ لے آرزو خرامی ۱ دل جو شِ گریہ میں ہے ڈوئی ہوئی آسامی  
اُس شمع کی طرح سے جس کو کوئی بچھاوے ۲ میں بھی جئے ہوؤں میں ہوں درخ ناما سامی  
۱۔ حاصل .. پیداوار۔ محصول + ہاتھ دھو بیٹھ .. تا امید ہو جا +  
آرزو خرامی .. طباطبائی نے اس کے معنی خرام حسب آرزو قرار دیئے ہیں اور  
آسمی آرزو کا چکر لگانا اور گشت کرنا مراد لینے میں + ڈوئی ہوئی آسامی .. وہ  
کاشتکار جس سے لگان وصول ہونے کی امید نہ ہو۔ دل کو ڈوئی ہوئی آسامی اس  
لئے کہا ہے کہ جو شِ گریہ سے کسی نائکے کی امید معلوم نہیں ہوتی۔

طباطبائی، جو شِ گریہ سے کوئی ثمر حاصل نہ ہو گا کہ حسب آرزو اور  
موافق مراد خرام کر سکوں۔ دل کو ڈوئی ہوئی آسامی سمجھنا چاہئے کہ اس کا یا من بے ثمر رہا۔  
یعنی خود: اسے آرزو تو گریہ پر بھروسہ کر کے اپنی مراد حاصل کرنی چاہتی

ہے اور گریہ کی بے اثری دل کو لے ڈھونڈتی ہے۔ تیرے حسبِ مراد کوئی کام نکلتا معلوم نہیں ہوتا۔

آسی: آرزو تو جو دل میں پھرتی ہے اور امید رکھتی ہے کہ جو بڑی گریہ سے کوئی نفع حاصل ہوگا۔ یہ خیال خام ہے۔ اس سے ہاتھ دھو بیٹھ۔ یعنی ناامید ہو جا۔

۲۔ ہوں داغِ ناتمامی .. مجھ کو اپنے ناتمام رہنے کا افسوس (داغ) ہے، میں اس شمع کی مثل ہوں جسے جلتے جلتے کسی نے بجھا دیا ہو اور وہ پوری طرح نہ جلتے پائی ہو۔ یعنی میں پوری طرح جلتے نہ پایا تھا کہ مجھ کو کسی نے بجھا دیا۔ اس لئے مجھے اپنے ناتمام رہ جانے کا افسوس ہے۔ ایک اور جگہ لکھتے ہیں ۵ جلتا ہے دل کہ کہوں نہ ہم اک بار جل گئے اے ناتمامی نفسِ شعلہ بار حیف

۱۳۸

کیا تنگ ہم ستم زدگان کا جان ہے ۱ جس میں کہ ایک بیضہ مود آسمان ہے ہے کائنات کو حرکت تیرے ذوق سے ۲ پر تو سے آخاب کے قذیبے میں جان ہے حالانکہ ہے یہ سبیلی خاندان سے لالہ رنگ ۳ غافل کو میرے شیشے پے کا گان ہے کی اُس نے گرم سینہ اہل ہوس میں جا ۴ آوے نہ کیوں پسند کہ ٹھنڈا مکان ہے کیا خوب تم نے غیر کو بوسہ نہیں دیا ۵ بس چپ رہو کہاے بھی مُنہ میں زبان ہے بیٹھا ہے جو کہ سایہ دیوارِ بار میں ۶ فرزندِ اے کشورِ ہندوستان ہے ہستی کا اعتبار بھی غم نے مٹا دیا ۷ کس سے کہوں کہ داغِ جگر کا نشان ہے ہے برا حکمِ دُعا داری اس قدر ۸ غالب ہم اس میں خوش رہیں کہ نامہِ راز ہے ۱۔ بیضہ مود .. چیز مٹی کا انشا۔ بہت چھٹی چیز۔

ہم ستم ندوں کا جہان اس قدر تنگ ہے کہ اس کا آسمان ایک چوڑی کا انداز ہے۔ آسمان چونکہ دوئے زمین پر محیط ہوتا ہے۔ اس سے اندازہ کیا جائے کہ ستم ندوں کا جہان کتنا چھوٹا ہے۔

سعیہ: ہم اس قدر مظلوم و ستم زدہ ہیں کہ چوڑی کا انداز بھی جس کی کوئی حقیقت نہیں۔ ہم پر ظلم کرنے کو آسمان بنا ہوا ہے۔ آسمان کا گمان ہے کہ جہان میں ہمارے لئے کوئی ٹھکانہ نہیں۔۔۔ بخود اس قلعہ پر پہنچیں کہ مظلوم آدمی و سب لڑتا ہے کہ میرے لئے دنیا کٹ کر بہت ہی تنگ دائرہ میں آگئی ہے۔ نہ میرا کوئی معاون ہے نہ فریادرس۔

۲۔ ذرہ ایک بے جان چیز ہے۔ لیکن جب آفتاب کا پرتو اس پر پڑتا ہے تو اس میں جان پڑ جاتی ہے۔ چنانچہ سورج کی روشنی میں لاتعداد ذرات ہیں حرکت کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ بالکل اسی طرح تیرے ذوق کی بدولت کائنات میں جان پڑ گئی ہے اور وہ متقاضائے فطرت ذرات کی مانند تیری طرف دوڑ رہی ہے۔ گویا کائنات کی حیات تیرے پرتو سے ہے۔

ہے تجلی تری سامان وجود ذرہ بے پرتو خورشید نہیں

۳۔ سیلی۔۔ پتھر + خارا۔۔ پتھر یعنی ضرب سنگ۔

میرا شیشہ پتھر کی ضرب سے لالہ رنگ (سرخ) ہو رہا ہے۔ لیکن غافل یہ سمجھتا ہے کہ اس میں سرخ شراب بھری ہوئی ہے۔ طبیبانی اعتراض کہتے ہیں کہ پتھر کی چوٹ سے شیشہ ٹوٹ جاتا ہے۔ لالہ رنگ نہیں ہوتا۔ لیکن قیاس یہ کہتا ہے کہ مصنف نے شیشہ سے دل کا استعارہ لے کر اس کو لالہ رنگ کہا ہے۔

۴۔ جاگرم کرنا۔ جب کوئی شخص کسی مقام پر دیر تک بیٹھے تو جاگرم



ہو جاتی ہے۔ اسی لئے جاگرم کردن فارسی کا محاورہ ہے اور اس سے مراد مستقل طور پر کسی جگہ قیام کرنا ہے + اہل ہوس .. رقیب -

اُس نے سینہ اہل ہوس میں اپنی مستقل جگہ بنالی ہے۔ بھلا اس کو اہل ہوس کا سینہ کیوں نہ پسند آئے۔ گرمی عشق اس میں بالکل نہیں۔ وہ ٹھنڈا مکان ہے اور ٹھنڈے مکان کو ہر شخص پسند کرتا ہے۔

۵۔ حالی : ”ہمارے بھی منہ میں زبان ہے۔“ اس میں دو معنی رکھے ہیں ایک یہ کہ ہمارے پاس ایسے ثبوت ہیں کہ اگر ہم بولنے پر آئے تو تم کو قائل کر دیں گے اور دوسرے شوخ معنی یہ ہیں کہ ہم زبان سے چکھ کر بتا سکتے ہیں کہ غیر نے بوسہ لیا ہے یا نہیں۔“

۶۔ کشور .. سلطنت ملک۔

وہ عاشق جویار کی دیوار کے سلسے میں بیٹھا ہے۔ وہ گویا ہندوستان کی سلطنت کا فرمانروا ہے۔ شارحین نے سایہ دیوار سے یہ لطیف مضمون پیدا کیا ہے کہ سایہ میں تیرگی ہوتی ہے اور ہندوستان کا لالہ ملک کہلاتا ہے۔ اس لئے سایہ دیوار میں بیٹھنے والا فرمانروا ہے ہندوستان بن گیا۔ بعض لوگ کشور ہندوستان کی ترکیب پر معترض ہیں کہ اعلان خون جائز نہیں۔ غالب کے دور تک یہ تصرف جائز تھا۔

۷۔ کشرت غم نے میرے جگر کی ہستی کو بالکل مٹا دیا۔ اب اگر کسی سے میں کہوں کہ داغ اہل ہیں جگر کا نشان ہے تو کسی کو اعتبار نہیں آئے گا اور کوئی یہ یقین نہ کرے گا کہ واقعی اس کے پہلو میں کبھی جگر بھی تھا اور یہ داغ اسی کا نشان ہے بقول طباطبائی یہ مضمون بالکل نیا ہے اور خاص غالب کا قیام نکلتا ہے۔

۸۔ ہم اس کے نامہ زبان ہونے سے بھی خوش ہیں۔ کیونکہ اس کی نامہ زبانی اور

جھاگاری سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اُسے ہماری وفاداری پر اعتماد ہے اور وہ  
یہ سمجھتا ہے کہ اگر میں ظلم بھی کروں گا تو ہماری محبت میں کمی واقع نہیں ہوگی ۔

۱۳۹

۱۔ صدمے میرے ہجھ کو بغیر ہی ہائے ہائے کیا ہوئی ظالم تری غفلت شعاری ہائے ہائے  
تیرے دل میں گر نہ تھا آشوبِ غم کا حوصلہ ۲۔ تو نے پھر کیوں کی تھی میری غسکاری ہائے ہائے  
کیوں مری غمخواری کا تجھ کو آیا تھا خیال ۳۔ دشمنی اتنی تھی میری دوستداری ہائے ہائے  
غم بھر کا تو نے بیانِ وفا باندھا تو کیا ۴۔ عمر کو بھی تو نہیں ہے پائنداری ہائے ہائے  
زہر لگتی ہے مجھے اب دہرائے زندگی ۵۔ یعنی تجھ سے تھی اسے ناسازگاری ہائے ہائے  
گلغشتانی ہائے نازِ جلوہ کو کیا ہو گیا ۶۔ خاک پر ہوتی ہے تیری لالہ کالی ہائے ہائے  
شرمِ رسوائی سے جا چھپنا نقابِ خاک میں ۷۔ ختم ہے الفت کی تجھ پر پردہ داری ہائے ہائے  
خاک میں ناموسِ پیمانِ محبت، دل گئی ۸۔ اٹھ گئی دُنیائے راہ و رسم یاری ہائے ہائے  
ہاتھ ہی تیغِ آزما کا کام سے جاتا رہا ۹۔ دل پہ اک گھنے نہ پایا زخمِ کداری ہائے ہائے  
کس طرح کھلے کوئی شہساز سے تارِ بزرگال ۱۰۔ ہے نظرِ خورکدہ آخر شمارِ ہائے ہائے  
گوشِ مہرِ پیام و چشمِ محرومِ جمال ۱۱۔ ایک دل سپر یہ نا امیدداری ہائے ہائے  
عشق نے پکڑا نہ تھا خالِ ابھی دشتِ رنگ  
رہ گیا تھا دل میں جو کچھ ذوقِ غمخواری ہائے ہائے

یہ پوری غزل سوز و گدازیں ڈوبی ہوئی ہے اور اس کے اکثر شعر بکاٹیہ میں معلوم  
ہوتا ہے کسی محبوب کی وفات پر مرثیہ لکھا ہے ۔

۱۔ معشوق دم توڑ رہا ہے۔ اس کی حالت کو دیکھ کر عاشق درد سے میقرا ہو جاتا  
ہے۔ معشوق اس حالت میں عاشق کی بے قراری دیکھ کر بے چین ہو جاتا ہے۔  
عاشق کہتا ہے۔ اسے ظالم وہ تیری غفلت شعاری کیا ہوئی۔ جب ہم تیرے

دردِ محبت سے تڑپتے تھے اور تجھے پر دعا بھی نہ ہوتی تھی۔ اس وقت بھی اس غفلت شادی کو کام میں لاہور میرے درد کی پروا نہ کر۔

۲۔ آشوب .. تکلیفِ معصیت۔

اگر تجھ کو غم کی سختیاں اٹھانے کا حوصلہ نہ تھا تو پھر تو نے میری غمگساری کیوں کی تھی۔ مناسب تھا کہ تو میرے حال سے بے خبر رہتا اور اس طرح میرے غم سے اثر پذیر نہ ہوتا۔

۳۔ اگر میری غمخواری کا تجھ کو خیال نہ آیا ہوتا تو کج ٹوانِ حالوں کو نہ پہنچتا۔ افسوس صد افسوس مجھ سے اظہارِ ہمدردی کر کے تو نے اپنے تہاتھ دھمکی کی۔ (سجیدہ آتشی)

طبا طبائی اور بیخود: میرے ساتھ غمخواری کیلئے تو نے اپنے آپ کو دوا کیا پھر شرمِ رسوائی سے اپنی جان دے دی۔

۴۔ اگرچہ تو نے مجھ سے عمر بھر وفادار رہنے کا عہد کیا مگر وہ کس کام کا۔ کیونکہ کج بحث عمر ہی پابدار نہیں۔ دیکھ لے آخر اس نے تجھے دغلی اور دُنیلے اٹھالیا۔

۵۔ مجھے اب آپ دہوائے زندگی زہرِ معلوم ہوتی ہے، کیونکہ اس نے تجھ سے موافقت نہیں کی۔ جو تیرا موافق نہیں تیری محبت کی وجہ سے میں اس کا رفیق نہیں ہو سکتا۔ لہذا میں اس سے بیزار ہوں۔

۶۔ ایک زمانہ تھا کہ تیرا جلوہ گلِ فشانِ کیا کرتا تھا۔ افسوس اب اُسے کیا ہو گیا۔ یعنی موت نے اُسے خاک میں ملا دیا۔ اب تیری قبر پر پھول پڑے ہوئے ہیں۔

۷۔ تو عشق کی رسوائی کی تاب نہ لا سکا اور اس شرم سے پردہ خاک کے

بچے جاچھا۔ تجھ پر الفت کی پردہ داری ختم ہے، اس سے زیادہ کوئی عشق کی کھوٹی  
کو اور کیا چھپائیگا۔

۸۔ تو نے مجھ سے عمر بھر کے لئے پیماں وفا باندھا تھا۔ تیرے مرنے سے  
وہ حمد ٹوٹ گیا۔ اس لئے ناموس پیماں محبت خاک میں مل گئی۔ گویا دوستی کی راہ  
رسم ہی کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا، شکایت سے درد ستر شرح ہے۔

۹۔ مجھے امید تھی کہ توجھے خوب پھریاں مارے گا اور میرے دل کو درد  
کی دولت سے مالالال کر دیگا۔ لیکن انسوس کہ ابھی دل پر ایک زخم کاری بھی  
نہ لگنے پایا تھا کہ دستِ قاتل بیکار ہو گیا اور میں ہمیشہ کے لئے لُڈت  
سے محروم ہو گیا۔

۱۰۔ شب ہائے تارِ برشکال .. برسات کی اندھیری راتیں +  
خو کر وہ .. غادی۔

اب برسات کی اندھیری راتیں کیونکہ کٹیں گی۔ ہم کو تو عادت ہو گئی تھی۔  
کہ محبوب کے انتظار میں تارے گن گن کر راتیں کاٹا کرتے تھے۔ برسات استغاثہ  
ہے رعبے سے اور شہائے غم کو شب ہائے تار کہا ہے۔

۱۱۔ میرے کان پیامِ بار سے مہر اور آنکھیں جمال دوست سے محروم  
ہیں۔ ہٹے ہٹے ایک دل ہے اور اس پر اس درجہ ناامیدیاں، قیامت ہے۔

۱۲۔ میرے عشق نے ابھی وحشت کا رنگ نہ پکڑا تھا یعنی ابھی ہر گز  
اور وحشت قوربی کی نوبت نہ آئی تھی کہ معشوق اس دُنیا سے رخصت ہوا۔  
میلِ عشق ناتمام اور ذوقِ رسوائی دل ہی رہ گیا۔

۱۴۰

مرگشتی میں عالمِ ہستی سے یاس ہے، تشکیں کو نے نویدِ مرنے کی اس ہے

لیتا نہیں مرے دل آوارہ کی خبر ۲۔ اب تک وہ جانتا ہے کہ میرے ہی پاس ہے  
 کبھی بیاں سرورِ چہ غم کہاں تک ۳۔ ہر سو میرے بدن پہ زبانِ سپاس ہے  
 ہے وہ غرورِ حسن سے بیگانہ و وفا ۴۔ ہر چند اُس کے پاس دلِ حق شناس ہے  
 جی جس قدر لے شبِ متاب میں شراب ۵۔ اس بطنی مزاج کو گرمی ہی داس ہے  
 ہر اک مکان کو ہے یکسے شرفِ اسد

مجنوں جو مر گیا ہے تو جنگلِ اُداس ہے

۱۔ سرکشنگی .. جنونِ عشق + نوید .. خوشخبری، امرِ وہ -

سرکشنگی کی وجہ سے زندگی سے بالکل دایوس ہو گیا ہوں۔ اب تسکین کو  
 کو خوشخبری دو کہ تیری بلائیں دور ہونے کا وقت آ رہا ہے۔ یعنی وقتِ مرگ  
 قریب ہے ظاہر ہے کہ موت آ جانے سے جنون و سرکشنگی کو ہمیشہ کھلے  
 تسکین ہو جائے گی۔

۲۔ معشوق یہ سمجھتا ہے کہ میرا دل اب تک میرے ہی پاس ہے اس لئے  
 اس کی خبر نہیں لیتا۔ حالانکہ وہ عشق میں آوارہ ہو چکا ہے اور میرے پاس نہیں رہا۔  
 ”میرے ہی پاس ہے۔“ یہ بھی معنوم پیدا کر رہا ہے کہ معشوق سمجھتا ہے  
 دل اسی کے پاس ہے اس لئے وہ اس سے بے فکر ہے۔

۳۔ جب تپ چڑھتی ہے تو دھنگے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ شاعر نے  
 انہیں زبانِ شکر گزار قرار دیا ہے۔ کہتا ہے میں تپِ غم کا سرور کہاں تک  
 بیان کروں بس یہ سمجھ لو کہ اس کی شکر گزاری میں میرے بدن کا ہر دو ٹکڑا  
 زبانِ سپاس بن گیا ہے۔

۴۔ آتھی : معشوق حق شناس دل رکھتا ہے اور وفا کی قدر کرنے والا  
 ہے۔ محض غرورِ حسن کی وجہ سے وہ مائل بہ جھلے اور بیگانہ و وفا ہے۔

دیگر شارحین اور طباطبائی: میرا دل حق شناس اسی کے پاس ہے اور اُس نے حق و فاسے اُسے آگاہ کر دیا ہے، مگر وہ غورِ حسن میں کب مُنتہا ہے۔ اگر دل حق شناس سے معشوق کا دل مراد لیں تو محاورہ کے خلاف ہو گا۔ یہ کوئی نہیں کہتا کہ اس کے پاس چشمِ روشن اور دلِ مینا ہے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ اس کا دل روشن ہے اور چشمِ مینا ہے۔

۵۔ شبِ مہتاب میں جس قدر بھی شراب ملے پی جا۔ کیونکہ شبِ مہتاب ٹھنڈی ہونے کی وجہ سے بلغمی مزاج ہے اور بلغمی مزاج کو اطباء ٹھنڈی دوائیں نہیں دیتے بلکہ اس کے لئے گرم ادویات تجویز کرتے ہیں، گویا برودت کو قلعہ کرنے کے خوب شراب پینی چاہئے۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ چاندنی رات ٹھنڈی ہوتی ہے اور میرا مزاج بلغمی ہے پھر کیونکہ شراب نہ پیوں۔ شرابِ ببر لئے اس نوکم میں از حد مفید ہے۔

۶۔ مکین ... مکان میں رہنے والا + شرف .. عزت۔

مکان کی عزت ہمیشہ مکین سے ہوتی ہے۔ مجنوں کا مکان جنگل تھا اور وہ اس کے دم سے آباد تھا۔ اب وہ مر گیا ہے تو جنگل کو اس معلوم ہوتا ہے۔ گویا جنگل کی رونق مجنوں کے دم قدم سے تھی۔ اس کے اُٹھ جانے سے جنگل پر اُداسی چھا گئی ہے۔

۱۴۱

گر خامشی سے فائدہ اُٹھائے حال ہے ۱ خوش ہیں کہ میری بات سمجھنی محال ہے کس کو سناؤں حسرتِ اظہار کا گلہ ۲ دل فرو جمع و خرچِ زبان لال ہے کس پردہ میں ہے آئینہ پر وار لے خدا ۳ رحمت کہ عذرِ خواہ لب بے سوال ہے ہے خدا نخواستہ وہ اور دشمنی ۴ اسے شوقِ منفعل یہ تجھے کیا خیال ہے

مشکیں لباس کعبہ علی کے قدم سے جان ۵ نافِ زمین ہے نہ کہ نافِ غزال سے  
 وحشت پر میری عود آفاق تنگ ہے ۶ دریا زمین کو عرقِ اشغال ہے  
 ہستی کے مت فریب میں آجائیو اسد  
 عالم تمام حلقہٴ دامِ خیال ہے

اگر خاموشی سے ہی فائدہ ہے کہ حالِ دل پوشیدہ رہے تو میں بہت  
 خوش ہوں کیونکہ مجھے خاموش ہونے سے یہ فائدہ حاصل ہے۔ یعنی میری  
 بات ہم سب کوئی نہیں سمجھتا۔ بقولِ بخود۔ خاموشی اور گفتگو کو مساوات کا درجہ  
 دینا نہایت بلیغ خیال ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے اس میں اپنا کلام عام فہم نہ ہونے کی طرف  
 اشارہ کیا گیا ہے۔ طباطبائی حال سے وارداتِ قلبی مراد لیت لیتے ہیں۔ اسی  
 نے ”موسل مخدوم“ لکھا ہے۔ ”لوگ کہتے ہیں جو لوگ بیوقوف ہیں ان کو خاموش  
 رہنا مناسب ہے تاکہ ان کے باز کسی پر نہ کھلیں۔“ اگر یہ واقعی ہے تو میں  
 بہت خوش ہوں کہ مجھے ہر وقت خاموش بیٹھے رہنے کی عادت ہو گئی ہے۔  
 میرا باز کوئی نہ سمجھ سکے گا۔ مگر یہ خیال غلط ہے۔ میری خاموشی ایسی جویرے  
 لئے الٹی غماز ثابت ہوگی۔ ”یہ مخدوم قرین قیاس نہیں۔“

۲۔ فرو جمع و خرچ .. جمع و خرچ کا دفتر + زبان ہائے لال .. گونگی  
 زبانیں۔

حسرت: ہزاروں حسرتیں ایسی تھیں جن کے اظہار کی حسرتِ دل کی  
 دل ہی میں رہ گئی۔ پس گویا دلِ زبان ہائے لال کی فرو جمع و خرچ ہے۔ یعنی  
 شکوہ کا ایک دفتر ہے (مستعبد)

طباطبائی: حسرتِ اظہارِ زبان کے گویا نہ ہونے سے گلہ مند ہے کہ کسی

آگے اس گلہ کو بیان کر دو اور فرد جمع و خرچ سے طہار شکایت مراد ہے یعنی اظہار شوق زبان سے نہ ہو گا تو دل میں زبان کی شکایتیں بھری ہوتی ہیں۔ مصنف نے زبان کو لال اس اعتبار سے کہا ہے کہ بہت سے موقعوں پر زبان نے اظہار شوق میں کوتاہی کی ہے۔ اور ممکن ہے کہ احباب کی زبانیں ملاد لیں۔ جمہود: حسرت اظہار ان لوگوں سے گلہ مند ہے جو گونگوں کی طرح زبانوں کو منہ میں رکھتے ہیں۔ یعنی مجھ سے میری مصیبتوں کا حال نہیں پوچھتے باوجود میرے چہرے سے حسرت اظہار ظاہر ہو رہی ہے۔

آہی: میں اپنی حسرت اظہار کا کس کے سامنے گلہ کر دوں۔ بس میرا دل خوب جانتا ہے کہ کس قدر مجھے حسرت دل کا اظہار کرنا چاہئے تھا اور زبان سے کس قدر اظہار ہو سکا۔ گویا میرا دل ایک جمع و خرچ کی فرد ہے۔ اس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جس قدر حسرت اظہار اس میں جمع ہے وہ زبان کے ذریعہ سے کچھ بھی خرچ نہیں ہو سکی۔

۳۔ آئینہ پرواز .. جلوہ گر، محو آرائش۔

اے خدا تیری رحمت جو لب بے سوال کی عذر خواہ ہے وہ کس پر ہے میں آئینہ پرداز ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میں لب بے سوال رکھتا ہوں اور راضی برضا ہوں۔ وہ میری عذر خواہی میں کیوں دیر کر رہی ہے۔

طباطبائی: لب بے سوال کا بے نفس ہونا ضرور ہے اور لب کو بے سوال اور بے نفس اسی مناسبت سے کہا ہے کہ نفس کے پیچھے سے آئینہ نکدہ جاتا ہے تو ضرور ہوگا کہ آئینہ پرداز کے ملنے کی خواہش لب بے سوال سے کرنا چاہئے اور آئینہ پرداز وہ جو آئینہ کو جلا کرے۔ رحمت کا فعل مخدوف ہے یعنی رحم کر (ظاہر ہے یہ شرح بہت ہی مبہم ہے)



بیخود نے مزید شرح یہ لکھی ہے۔ میرے لب رحمت کا سوال اس شرم سے نہیں کرتے کہ میں نے بے انتہا گناہ کئے ہیں اور میری یہ خاموشی گویا میرے گناہوں کا عذر ہے۔ اس صورت میں اظہار رحمت ضروری ہے۔  
۴۔ منفعل .. شرمندہ ہونا۔

اے شوق تو اپنے اس خیال پر شرمندہ ہو۔ بھلا وہ اور تیرے ساتھ خدا کا دوستہ دشمنی کرینگے یہ بالکل غلط خیال ہے دوسرا مفہوم یہ ہے کہ اے شوق تو اس غلطی پر شرمندہ ہے کہ تو نے دشمن کو دوست سمجھا۔ یہ تیری شرمندگی بیجا ہے، وہ دشمن نہیں ہو سکتا۔

۵۔ مشکیں لباس .. کعبہ پر سیاہ غلاف چڑھایا جاتا ہے اور اس طرح طرح کے عطر لگائے جلتے ہیں + نافِ غزال .. نافہ کستوری کی پھیلی ہوئی ایک قسم کے ہرن کی ناف میں ہوتی ہے + غزال .. ہرن + نافِ زمین .. مرکزِ زمین۔ کسی زمانے میں کعبہ مرکزِ زمین تھا

حضرت علیؓ کعبہ میں تولد ہوئے تھے، اس لئے کہنا ہے کہ غلافِ کعبہ کو حضرت علیؓ کے قدم سے مشکیں سمجھو، ورنہ کعبہ نافِ زمین ہے، نافِ غزال نہیں ہے کہ وہ مشکیں ہوتا۔

۶۔ عرصہٴ آفاق .. میدانِ عالم + عرقِ انفعال .. وہ پسینہ جو شرمندگی سے آجاتا ہے۔

میری وحشت اور آوارگی کے لئے زمین کی وسعت بہت کم تھی۔ اس لئے زمین عرقِ شرم سے تر ہتر ہو گئی یہ دریا وغیرہ جو نظر آتے ہیں۔ یہ اسی شرمندگی کا نتیجہ ہیں اور عرقِ انفعال کا حکم رکھتے ہیں۔

۷۔ خیالِ زہم + کسے زمین کو حلقہٴ ہوا میں خیال سے تشبیہ دی ہے

کہتے ہیں۔ دیکھنا اس قدر ہستی کے قریب میں نہ آجائے۔ تمام عالم وہم و خیال کے جال کا ایک حلقہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تمام عالم ایک خیالی دامن ہے جس میں تمام عالم پھنسا ہوا ہے۔ گویا ہستی کو ہستی نہیں بلکہ نیستی خیال کرنا چاہئے۔  
ہاں کھائی موت قریب ہستی، ہر چند کہیں کہے نہیں ہے

۱۴۲

تم اپنے شکوہ کی باتیں نہ کھود کھود کے پوچھو ۱۔ حذر کرو مسئلے سے کہ اس میں آگ لگتی ہے  
دلایہ دردِ الم بھی تو مفتنم ہے کہ آخر ۲۔ نگر یہ سحری ہے، نہ آؤ نیم شبی ہے  
۱۔ کھود کھود کر پوچھنا۔ کرید کرید کر پوچھنا + حذر کرو۔ ڈرو۔  
برائے خدا تم اپنی شکایتیں مجھ سے کرید کرید کر نہ پوچھو۔ تم ان باتوں کو شکوہ سمجھتے ہو یہ شکوہ نہیں بلکہ آگ ہے جو میرے دل میں جلی ہوئی ہے، اس لئے ان باتوں کو جلنے دو۔ اگر یہ آگ بھڑک اٹھیں گی تو قیامت آجائیں گی۔  
بیخود اور طباطبائی حذر کرو کی توجیح یہ کہتے ہیں کہ اظہارِ شکایت سے اکثر آتشِ عناد مشتعل ہو جاتی ہے۔

۲۔ مفتنم۔ غنیمت۔

اے دل تو دردِ الم کو غنیمت جان۔ کیونکہ چند روز کے بعد نہ یہ گریہ سحری نہ آؤ نیم شبی، دوسرا غموم یہ ہے کہ آخر کار یہ دردِ الم ہمارا کام تمام کر کے ہمیں تکلیف و اذیت سے ہمیشہ کے لئے نجات دیدیگا۔  
نغمہ دے دل کو بھی لے دل غنیمت جانے بے صدا ہو جائیگا یہ سازِ ہستی ایک دن

۱۴۳

ایک باحرفِ وفا لکھا تھا وہ بھی مٹ گیا ۱۔ ظاہر کا غد تیرے خط کا غلط بردار ہے  
جی جھے ذوقِ فنا کی ناتوامی پر نیکیوں ۲۔ ہم نہیں جلتے نفس ہر چند آتشا ہے

آگ سے پانی میں بجھتے وقت مٹھتی ہے صد ۳ ہر کوئی درماندگی میں نالہ سے لاپا رہے  
ہے وہی بدستی ہر ذوق کا خود غلظت خواہ ۴ جس کے جلوہ سے زیریں تا آسمان سرشار ہے  
مٹھ سے مت کہہ تو ہمیں کہتا تھا اپنی زندگی ۵ زندگی سے بھی مزاحیہ ان دنوں بیزا ہے  
آنکھ کی تصویر سزاوارتہ لکھی ہے کہ تا ۶ تجھ پر کھل جائے کہ اس کو حسرت فیدار ہے  
۱۔ حثالی: غلط بردار اس کا غلظت کو کہتے ہیں جس پر حرف بہ آسانی کوڑا لگ دیتے ہیں  
اڑکے اور کاغذ پر اس کا نشان باقی نہ رہے۔ مگر یہاں اذراہ طرافت غلط بردار کے  
یہ معنی لئے ہیں کہ جس پر سے حرف خود بخود اڑ جائے۔ کتاب ہے کہ تو نے اپنے خط میں  
صرف ایک جگہ حرف دفا لکھا تھا۔ سو وہ بھی مٹ گیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تیرے  
خط کا کاغذ غلط بردار ہے کہ جرات پہنچے دل سے اس پر نہیں لکھی جاتی وہ خود بخود  
مٹ جاتی ہے۔

۲۔ میرا دل ذوق فنا کی ناتامی پر کیوں نہ جلے۔ کیونکہ باوجود نفس کی آتشباری  
کے تم نہیں جلتے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا ذوق فنا ناتام یعنی ناقص ہے  
اور یہی دل کے جلنے کا سبب ہے (حسرت۔ آستہ)

دوسرا مفہوم یہ ہے کہ انسان کے سینے میں ایک شعلہ روشن ہے، اسان  
کی آمد و رفت اس کو ہر دم مشتعل کرتی رہتی ہے۔ اس آگ کی گرمی سے تخریب  
تعمیر کے عمل کے ساتھ ساتھ انسان کی زندگی قائم رہتی ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے  
کہ ہر انسان کو فنا کا ذوق ہے۔ لیکن ہمارا دل اس ذوق فنا کی ناتامی پر جلتا ہے کہ  
ہم اس نفس شعلہ بار سے ایک دم ہی کیوں نہ جل گئے۔ یہ مضمون غالب کو بہت  
مرغوب ہے۔ کئی جگہ اس کا اعادہ کر چکے ہیں۔

جلتا ہے دل کہ کیوں نہ ہم اک بار جل گئے اے ناتامی نفس شعلہ بار حیف  
۳۔ شاعر کے دل میں یہ خیال ہے کہ آگ خاموشی سے جلتی ہے لیکن جب

اس کو پانی میں ڈال کر بکھاتے ہیں تو اس میں بکھنے کی آواز پیدا ہوتی ہے وہ اس سے یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ در ماندگی کی حالت میں انسان کے منہ سے نالہ نکل ہی جاتا ہے۔ دیکھ لو آگ جیسی خاموش جلنے والی چیز بھی اس حالت میں خاموش نہیں رہ سکتی۔

۴۔ حالی : ہر ذہن یعنی ہر مخلوق غدر خواہ یعنی چاہنے والا یا معذور رکھنے والا ہے اس شعر میں دعویٰ ایسے طریقہ سے کیا گیا ہے کہ خود دعویٰ متضمن دلیل واقع ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ذرات عالم یعنی ممکنات جو فی الحقیقت معدوم محض ہیں ان کی بدستی و غفلت کا غدر خواہ وہی ہے جس کے برتو وجود سے یہ تلم معدومات وجود کا دم بھرتے ہیں (خود اسعید)

آتشی : جس کے جلو سے زین سے لے کر آسمان تک کائنات کا ایک ایک ذرہ بدست اور سرشار ہو رہا ہے۔ یہ اس بدستی کا خود ہی غدر خواہ بھی ہے کہ میرا حال اور حسی ایسا ہے کہ جس سے ہر کسی کو بدست اور سرشار ہونا چاہئے۔

۵۔ معشوق عاشق کو خدا دیکھ کر اس سے کہتا ہے تم تو میں اپنی زندگی کہا کرتے تھے۔ آج کیا بات ہے ؟ عاشق جواب دیتا ہے۔ تم میرے سامنے یہ بات نہ دہراؤ۔ کیونکہ آج کل میرا دل زندگی سے بھی بیزار ہے۔ خوب پُر لطف شعر ہے۔ باوجود زندگی سے بیزار ہونے کے معشوق سے بیزار ہونا گوارا نہیں۔

۶۔ سرنامہ .. لفاظہ + کھل جائے .. ظاہر ہو جائے۔  
میں نے خط کے لفاظہ پر آنکھ کی تصویر کھینچ دی ہے تاکہ تجھ کو دیکھتے ہی معلوم ہو جائے کہ مجھے دیدار کی حسرت ہے۔

۱۲۲

پیش پر گزرتے ہیں جو کچھ سے وہ میرے ۱۔ کنہا بھی کہاؤں کو بدلنے نہیں دیتے

منا ہے کہ مولانا آردہ ایک دن غالب کے مکان کے سامنے سے گزرے  
اُس وقت فدا جلدی میں تھے اس لئے اُنہوں نے غالب کے پاس ٹھہرنا نہ چاہا۔  
کہاؤں سے تاکید کی، جلد چلو وہ کندھا بد لئے گئے مگر آردہ صاحب مرحوم  
نے ان کو کندھا نہ بد لئے دیا۔ غالب نے یہ حالت دیکھ لی اور فوراً یہ شعر لکھ کر  
ان کے پاس بھیج دیا۔ جس کی مودرت کے لئے وہ خود آئے۔

وہ مجھ سے اس قدر سزاوار ہیں کہ اگر اتفاق سے اُن کا گزر میرے کوچے سے ہوتا  
ہے تو کہاؤں سے کہتے ہیں کہ سیدھے نکل چلو۔ سانس کے لئے کندھا بھی  
نہ بدلو۔

## ۱۲۵

میری ہستی خندا نے حیرت آباد تمنا ہے ۱ جسے کہتے ہیں نالہ وہ اسی عالم کا علقا ہے  
خزاں کیا فصل گل کہتے ہیں کس کو کوئی کوکب ۲ وہی ہم میں نفس ہے اور ماتہ بال دیر کا ہے  
وفاتے دلوں ہے اتفاق ورنہ اسے مردم ۳ اثر فریاد دلائے حیریں کا کس نے دیکھا ہے  
نہ لائی شوخی اندیشہ تاب رنج (میری) ۴ کفِ اسوس ملنا عید تجدید تمنا ہے  
۱۔ اس نظریہ کے پیش نظر کہ حیرت کے عالم میں انسان کا نالہ بھی بھول جاتا ہے  
اپنی ہستی کو حیرت آباد تمنا اور نالے کو اس عالم حیرت کا علقا قرار دیا ہے۔ علقا  
ایک پرندہ ہے جو موجود ضرور ہے۔ لیکن مثل علقا مفقود ہے کہتے ہیں میری  
ہستی حیرت آباد تمنا کی ایک تمنا ہے اور اس میں نالہ کا مثل علقا کہیں پتہ نہیں ملتا۔  
مطلب صرف اس قدر ہے کہ میری حیرت ہی فریاد ہے کیونکہ حیرت میں انسان  
نالہ کرنا بھول جاتا ہے۔

بیخود: میری ہستی حیرت آباد تمنا کو رونق بخشنے والی ہے۔ نالہ و فریاد جس  
آواز کا نام اہل دُنیا نے مفقود کر لیا ہے، وہ اس عالم کا علقا ہے۔ یعنی کسی قسم کی آواز

بلند نہیں ہوتی۔ صوفیا کی زبان میں مقام حیرت اس مقام کو کہتے ہیں جہاں طالب پر تجلی ذات وارد ہوتی ہے۔

۲۔ نہیں کوئی مطلب نہیں کہ خواں کیا ہے اور فضل بہار کسے کہتے ہیں۔ غرض کوئی موسم ہوا یہاں تو ہمیشہ اپنے بال و پیکانہم رہتا ہے۔ اس شعر کی بندش نہایت پخت ہے۔ چھ جملے دو مصرعوں میں نہایت صنائی سے نظم کئے ہیں اور لطف یہ ہے کہ بیل اسیر کی زبانی۔

۳۔ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ نالہ و فریادیں کوئی اثر نہیں ہوتا۔ لوگوں نے یہ ڈھکوسلا بنا رکھا ہے کہ آہ میں بڑی تاثیر ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں اسے ہندم معشوقوں کی دفا کو اتفاقی خیال کرنا نالہ و فریاد میں یہ تاثیر نہیں ہے کہ وہ کسی کو اپنے اثر سے ہریان بنا دے۔

۴۔ تجدید تمنا.. از سر نو امید کرنا۔ جب کوئی چیز ضائع ہو جاتی ہے تو انسان ہاتھ مل کر اس کا انوس کرتا ہے۔ نیز جب کوئی نیا عہد کیا جاتا ہے تو اس وقت ہاتھ پر ہاتھ مارتے ہیں۔ اس طرح سے کف انوس ملنا گویا تجدید تمنا ٹھہرا یعنی ہاتھ مل کر جس چیز کا ہم انوس کرتے ہیں یا ساتھ کے ساتھ اس کی تمنا بھی کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔ میری شوخی اندیشہ یا بوسی کا رنج نہ اٹھا سکی۔ اس نے ناکامی پر کف انوس ملا اور اس سے ظاہر ہو کہ وہ تجدید تمنا کا عہد کر رہی ہے۔

۱۲۶

رحمہ کر ظالم کہ کیا بود چراغ کشتہ ہے ۱ نبض بیمار و قاف و چراغ کشتہ ہے  
دل لگی کی آرزو بے چین رکھتی ہے میں ۲ درنریاں بیردلقی سو چراغ کشتہ ہے  
۱۔ بود.. بہستی + چراغ کشتہ بیمار و قاف سے استعارہ ہے۔

سے ظالم تو بیمار و فاد چراغ کشتہ پر رحم کر۔ اس کی ہستی ہی کیلئے ہے۔  
اس کی نبض مجھے ہوئے چراغ کے دھوئیں کی کیفیت ایسی ہی ہوتی ہے اور اظہار  
اسے دودی کہتے ہیں۔

آئی کہتے ہیں کہ طباطبائی نے آخری نبض کو دودی لکھا ہے۔ دودی کمزور  
ضرور کرتی ہے، مگر وہ بالکل قوت کو ساقط نہیں کرتی۔ ان کے نزدیک  
آخری مصرعہ کی شرح یہ ہونی چاہئے۔ ”بیمار و فاد کی نبض چراغ کشتہ کا دھواں  
ہے کہ وہ بتدریج کم اور سرد اور کمزور ہوتا جاتا ہے۔ اسی صورت سے آخری  
وقت کی نبض ہوتی ہے۔

۲۔ سود .. فائدہ ۔

ہم کیا کریں، مجبور ہیں کہ دل لگی کی آرزو ہمارے دل کو بے چین رکھتی  
ہے۔ ورنہ ہم ہرگز عشق نہ کریں۔ ہم بدواً نہ دیکھتے ہیں کہ رونق چراغ یعنی  
چراغ کا جلنا چراغ کے لئے باعث نقصان ہے۔ کیونکہ جلنے سے چراغ  
کا تیل اور بتی دونوں جل جلتے ہیں اور اگر وہ نہیں جلتا تو اس کو یہ نقصان  
نہیں پہنچتا۔ اس لئے نہ جلنا اور بے رونق رہنا اس کے لئے نفع کا باعث  
ہے۔ اسی طرح اگر ہم بھی شعلہ عشق سے نہ جلیں تو ہمیں بھی یقیناً فائدہ پہنچے  
لیکن کیا کریں دل لگی کی آرزو سے مجبور ہیں۔

۱۴۷

چشمِ خوباں غاشی میں بھی نوا پر داز ہے ۱ سرسہ تو کوسے کہ دودِ شعلہ آواز ہے  
پیکرِ عشاق سازِ طالعِ ناساز ہے ۲ نالہ گرا اگر دشنِ سیارہ کی آواز ہے  
دستِ گاہ دیدہٗ نونبارِ مجبور دیکھنا ۳ یک بیاباں جوہ گُلِ قریش یا انداز ہے  
۱۔ نوا پر داز .. گویا سخن گو + تو کوسے .. یعنی تو گوئی۔ گویا۔

معشوق کی آنکھیں خاموشی کی حالت میں بھی باتیں کرتی ہیں (نوا پڑاؤ سے مراد اشارہ گردش چشم ہے)

گویا ان کی آنکھوں کا کاجل شعلہ آواز پر بنایا گیا ہے۔ یہ بات عام طور پر مشور ہے کہ جو شخص سرمہ کھالے اس کی آواز ہمیشہ کئے لئے بیٹھ جاتی ہے اور وہ بات نہیں کر سکتا۔ مرزا صاحب کہتے ہیں کہ معشوقوں کا سرمہ وہ سرمہ نہیں بلکہ یہ کاجل شعلہ آواز پر بنایا گیا ہے۔ اس لئے اس کا اثر علم سرمہ جیسا نہیں بلکہ اس کا اثر قوت گویائی بخش ہے، جیسا کہ حالت خاموشی میں معشوق کی آنکھوں کی گویائی سے ثابت ہے۔

معشوق کو شمع۔ اس کی آواز کو شعلہ اور شعلہ کے دھوئیں کو ایسا سرمہ قرار دیتا جو سرمہ کی علم خاصیت کے خلاف گویائی بکشتے۔ شاعرانہ لطف سے قافی نہیں اور یہ مرزا صاحب کی شاعری کا ادنیٰ کرشمہ ہے۔

پیکر .. جسم + ساز .. باجرہ + طالع ناساز .. گردش سیارہ بد فہمی -

عشاق کا جسم بد نصیبی اور بد بختی کا ساز ہے اور ان کا نالہ و فریاد گردش سیارہ کی آواز ہے۔ عاشقوں کے ہمہ تن نالہ و فریاد ہونے کے سبب سے ان کے جسموں کو طالع ناساز کا ساز کہلے۔ بقول طباطبائی لفظ عشاق اس مقام پر ساز کے ضلع کا لفظ ہے اور اہل فارس کی موسیقی میں مقام عشق ایک راگ کا نام ہے۔

۳۔ دستگاہ .. قدرت اکمال + دبیدہ خونبار .. چشم خونفشاں۔  
یک بیاباں .. بکثرت + فرش پا انداز .. وہ فرش جو راستے میں بچھا دیا جاتا ہے یہ عام طور پر سرخ پانٹ کا ہوتا ہے۔



مجنوں کی چشمِ نوغشاں کا کمال ملاحظہ فرمائیے۔ اس نے اس قدر خون بہایا ہے کہ ایک صحرا کو خونی اشکوں سے گلزار رنگیں بنا دیا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مجنوں کا فرش پا اندازِ جلوہ گل سے بنا ہے۔  
اشکِ خونی اور گل کی تشبیہ ظاہر ہے۔ نیز فرش پا اندازِ پھولوں کا بنانے سے مجنوں کی بلند پایگی کا ثبوت پہنچتا ہے۔ دستِ گاہ اور پا انداز میں بھی رعایت لفظی ہے۔

## ۱۲۸

عشق مجھ کو نہیں وحشت ہی سی ۱ میری وحشت تری شہرت ہی سی  
قطعِ خیمے نہ تعلقِ ہم سے ۲ کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی سی  
میرے ہونے میں ہے کیا رسوائی ۳ اے وہ مجلس نہیں خلوت ہی سی  
ہم بھی دشمن تو نہیں ہیں اپنے ۴ غیر کو تجھ سے محبت ہی سی  
اپنی ہستی ہی سے ہو جو کچھ ہو ۵ آگہی گر نہیں غفلت ہی سی  
عمر ہر چند کہ ہے برقِ خرام ۶ دل کے خون کرنے کی فرصت ہی سی  
ہم کوئی ترکِ وفا کرتے ہیں ۷ نہ سہی عشقِ مصیبت ہی سی  
کچھ تو دے اے ناکِ ناقصان ۸ آہ و فریاد کی رخصت ہی سی  
ہم بھی تسلیم کی خود ایں گے ۹ بے نیازی تری عادت ہی سی

یار سے چھیرا چلی جاتے اندر

گر نہیں وصل تو حسرت ہی سی

۱۔ تم میرے عشق کو وحشت اور دیوانگی قرار دیتے ہو۔ چلو یہ نئی سی فیکن

یہ کیا کم ہے کہ میری وحشت تمہاری شہرت کا باعث ہے (آستی)

سجید: اگر میرے عشق سے تمہاری بدنامی ہوتی ہے اور اس کو وحشت

کنا تہارے لئے شہرت کا باعث ہو سکتا ہے تو تم میرے عشق کو دہشت ہی  
کہو مجھے یہ بھی منظور ہے۔

طباطبائی و بنجود: تو میرے اظہارِ عشق پر کتنا ہے کہ دیوانہ ہو گیا ہے۔  
ایسی دہشت ہوتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ”عشق مجھ کو نہیں۔“

۲۔ آپ مجھ سے قطعِ تعلیق نہ کریں۔ اگر محبت نہیں کرتے تو کیا مضائقہ  
ہے، عداوت ہی سمجھئے۔ اس مضمون کو مرزا نے مفرد مرتبہ نظم کیا ہے اور  
ہر جگہ نئے اسلوب سے ۵

اب جفا سے بھی ہیں محروم ہم اسرارِ خدا  
اس قدر دشمنِ اربابِ وفا ہو جاتا  
دارستہ اس سے ہیں کہ محبت ہی کیوں ہو  
کیجئے ہمارے ساتھ صلوات ہی کیوں ہو  
ہم کو شکایت کی بھی باقی نہ رہے جا  
مُن لیتے ہیں گو ذکرِ ہمارا نہیں کرتے  
۳۔ مجھ سے کلمہ خلا ملنے میں تمہاری کیا رسوائی ہے؟ اگر تم مجھ سے مجلس  
میں ملنا باعثِ رسوائی خیال کرتے ہو تو درپہ وہ خلوت ہی میں سی۔ ہمیں کوئی  
اعتراف نہیں۔ بقولِ حسرت اس لئے کہ ہم پاکدامن ہیں۔

طباطبائی: اے وہ کالفاظ اس میں بہت رکبک ہے۔ اہل زبان ہی  
اس کو سمجھینگے۔ واضح ہو کہ یہ غالب کے دور کی زبان ہے۔

۴۔ اگر غیرے تمہیں محبت سے تو وہی سی۔ ہم اپنے دشمن نہیں ہیں کہ  
یہ بات جانتے ہوئے ہم تمہارے عشق کے دکھ اور شرک کی تکلیف برداشت  
کریں۔ محض اُسی کو اس سحر سے اختلاف ہے لکھتے ہیں ”بھی“ اور ”سہی“  
اس بات کے شاہد ہیں کہ مصنف یہ کنا چاہتا ہے کہ تجھ کو غیرے محبت  
ہے تو سہی۔ ہم بھی جانتے ہیں۔ مگر ہم بھی تو دشمن نہیں۔ ہم بھی تو اپنے  
ای ہیں۔ ہم کو بھی تجھ سے محبت ہے۔ پھر ہم کو اس کے مقابلے پر ذلیل

کیوں سمجھا جاتا ہے۔

۵۔ جو کچھ حاصل کرتا چاہئے وہ اپنی ذات اور اپنی ہستی ہی سے حاصل کرنا چاہئے۔ اگر اپنی ذات سے آگئی اور معرفت حاصل نہیں ہو سکتی تو پھر غفلت ہی حاصل کرنی چاہئے مطلب یہ ہے کہ دوسرے کا احسان اٹھانا درست نہیں۔ اس شعر میں تصوف کا پہلو بھی نکلتا ہے۔ حدیث نبوی ہے: "مَنْ كَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ سَرَبُدَّ" یعنی اپنی ہستی سے آگاہی عین عرفان الہی ہے اور اگر نفس سے آگاہی حاصل نہ ہو تو پھر اپنی ہستی سے غافل ہو جانا چاہئے کیونکہ جب انسان اپنے آپ کو نیست سمجھ لیتا ہے تو پھر اسے حلوۃ حق نظر آتا ہے۔ مطلب وہی نکلا کہ آگاہی اور غفلت کا تعلق اپنی ہستی سے رکھنا چاہئے۔

۶۔ برق خرام .. برق رفتار۔ جلدی سے غائب ہونے والی +

فرست .. حملت۔

ہم تسلیم کرتے ہیں کہ عمر بھلی کی طرح بہت جلد گزر جاتی ہے لیکن زندگی میں آنی حملت اور فرصت تو ضرور ملتی ہے کہ دل کو خون کر لیا جائے (بیخود) طباطبائی و اسی: وجہ مناسبت یہ ہے کہ برق بھی خون رگ ابر ہے۔

۷۔ ہم عشق کو تخلیقوں کی وجہ سے ہرگز ترک نہ کریں گے۔ اگر عشق میں مصائب سے نجات نہیں تو ہم عشق کو عشق نہ سمجھیں گے، بلکہ اسے "معیبت" خیال کر لیں گے۔

۸۔ رخصت .. اجادات۔

اے نا انصاف آسمان! میں تجھ سے یہ نہیں کہتا کہ تو میری مراد پوری کر اور کچھ نہیں تو تو مجھے آہ و فریاد کی اجادات ہی دے دے۔ خوب شعوبے دے دے داد اے فلک دل حسرت پرست کی ہاں کچھ نہ کچھ تلافی و مافات چاہئے

۹۔ ابھی ہماری طبیعت میں بے نیازی کی فونہیں ہے لیکن یہ دیکھ کر کہ بے نیازی تیری عادت ہے اور تو ہمارے عجز و نیازی کوئی پروا نہیں کرتا۔ ہم بھی تسلیم و رضا کی عادت ڈال رہی ہیں گے تاکہ تیری بے نیازی سے ہم بدل نہ ہونے پائیں اور اس کو برداشت کرنے کے خوگر ہو جائیں۔

۱۰۔ حسرت سے سراپا اطہارِ حسرت وصل ہے۔ یار سے کچھ نہ کچھ چھیرا جاری رہنی چاہئے۔ اگر وصل میسر نہیں تو نہ سہی 'اطہارِ حسرت' وصل ہی سہی لطف یہ ہے کہ اطہارِ حسرت دل ہی سے چھیرا کی صورت پیدا ہوتی ہے۔ خاموش ہو جانا چھیرا پیدا نہیں کرتا۔ بغفل تھا، آخر زندگی کے لئے کوئی نہ کوئی مشغلہ چاہئے۔

آتشی : اس سے یہ لطیف معنی بھی پیدا ہوتے ہیں کہ ہم جو اس کو حال نہانے کے لئے مجبور کرتے ہیں تو وہ اس کو چھیرا سمجھتا ہے۔ اچھا خیر۔ یہ چھیرا جاری رہنی چاہئے۔

۱۲۹

۱۔ آرمیدگی میں نکو ہوش بجا مجھے ۱ صبح وطن ہے خنداۓ دندان نمائے  
ڈھونڈھے ہے اس مفتی آتش نفس کو جی ۲ جس کی صدا ہو جلوہ برق فنا مجھے  
مستانہ طے کروں ہیں رہ دادی خیال ۳ تابا ز گشت سے نہ رہے مدعا مجھے  
کرتا ہے بسکہ بلغ میں تو بے حجابیاں ۴ آنے لگی ہے نکبت گل سے جیا مجھے  
کھلیا تھی پہ کیوں مرے دل کا معاملہ ۵ شعروں کے انتخاب لے دسا کیلئے  
۱۔ آرمیدگی .. آرام طلبی + نکو ہوش .. ملامت + بجا .. درست +  
صبح کو خنداۓ دندان تھا اس کی سفیدی کی وجہ سے کہا ہے۔

میں اپنی آرام طلبی کی وجہ سے واقعی قابل ملامت ہوں۔ یہی وجہ ہے

کہ صبح وطن میرے اوپر منہ رہی ہے۔ گویا جستجوئے یار میں مجھے آواز کی قیامت  
 کرنی چاہئے۔ چونکہ عاشق اپنا فرض ادا نہیں کرتا۔ اس لئے اداسے فرض کا  
 خیال دل میں بے چینی پیدا کر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ صبح کی سفیدی اسے  
 خندہ دندان نامعلوم ہونے لگتی ہے۔ خوب شعر کہا ہے۔

۲۔ مٹتی .. گلنے والا + آتش نفس .. ایسا نفس یا آواز جو دل  
 میں سوز و گداز پیدا کر دے۔

میرا دل اس گلنے والے کو ڈھونڈ رہا ہے جس کی آواز میں ایسا  
 سوز و گداز ہو کہ وہ فنا کر دینے والی بجلی کی طرح مجھ پر گرے اور مجھے جلا کر  
 خاک کر ڈالے۔ یہ آرزو عشق کا معمولی کرشمہ ہے۔

۳۔ بازگشت .. واپسی۔

میں دادی خیال کے راستے کو مستانہ وار طے کر رہا ہوں تاکہ اس  
 بیخودی کے عالم میں مجھے واپس آنے کا ہوش نہ رہے۔ لطف اس شعر میں یہ  
 ہے کہ جب کوئی بیہوشی کی حالت میں راستہ طے کرتا ہے تو پھر اسے راستوں  
 کے ٹوڑ توڑ اور ہیر پھیر یاد نہیں رہ سکتے اور وہ اسی راستے سے واپس  
 نہیں آ سکتا۔ شاعر دادی خیال میں اسی استغراق سے گامزن ہونا چاہتا ہے  
 اور یہ نہیں چاہتا کہ دوبارہ ہوش میں آئے اور اپنے مقام پر واپس آ سکے۔

۴۔ چونکہ تو باغ میں نگہت گل کے سامنے بہت زیادہ بے حجابیاں  
 کرنے لگا ہے اس لئے مجھے نگہت گل سے شرم آنے لگی ہے۔

شرم آنے کے اور بھی سبب ہو سکتے ہیں۔ مثلاً بقول آتشی وہ میری  
 ایک کامیاب رقیب ہے۔ اس لئے میری نظر اس کے سامنے نہیں اٹھتی۔  
 بقول مستبد و تجدد طلبا طبائی۔ میں تو نگہت گل کو بے حجب کہا کرتا تھا۔

اب تیری بے حجابیاں دیکھ کر بوئے گل کو کیسے بے حجاب کہوں۔ تو اس سے بھی زیادہ بے حجاب نکلا۔

۵۔ جس قسم کی انسان کی طبیعت اور خیالات ہوتے ہیں وہ ویسے ہی اشعار پسند کرتا ہے۔ اس لئے کہتے ہیں کہ میرے دلی معاملات اور پوشیدہ راز کسی کو معلوم نہ ہوتے۔ لیکن شعروں کے انتخاب نے میرا بھانڈا پھوڑ دیا۔ گویا اللہ کے ذریعہ سے لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ میں عاشق مزاج ہوں۔

۱۵۰

زندگی اپنی جب اس شکل سے گزری غالب ! ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا کہتے تھے ا۔ ”اس شکل سے“ محاورہ ہے، بمعنی بڑے عالوں سے بعض نسخوں میں ”دنگ سے“ اس کے بھی وہی معنی ہیں۔

فرماتے ہیں۔ جب ہماری زندگی ایسے بڑے عالوں میں گزری کہ کبھی کوئی آندو ہی پھدی نہ ہوئی تو ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ ہمارا بھی کوئی خدا تھا۔

۱۵۱

اُس بزم میں مجھے نہیں بنتی حیا کئے ۱ بیٹھا رہا اگرچہ اشلہ سے ہٹا کئے دل ہی تو ہے سیاستِ دریاں سے ڈگیا ۲ میں اور جادو دے تو بے بن صدائے رکھتا پھر مل ہوں خرقہ و سجودہ رہن سے ۳ مدت ہوئی ہے دعوتِ آبِ دہو کئے بے صرفہ ہی گزرتی ہے ہو کر چہ عمرِ خضر ۴ حضرت بھی کل کیشکے کہ ہم کیا کیا کئے مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ ایسے تم ۵ تو نے وہ گنجائے گرا نایہ کیا کئے کس روز تمہیں دترا شا کئے عذرا ۶ کس دن ہمارے سر پہ نہ آئے چل کئے صحبت میں غیر کی زبڑی ہو کہیں یہ غم ۷ دینے لگا ہے بوسہ بغیر التماس کئے ضد کی ہے اور بات مگر خوبری نہیں ۸ بھولے اُس نے سینکڑوں دفعہ نہا کئے

غالب تمہیں کہو کہ لے گا جواب کیا  
مانا کہ تم کہا کئے اور وہ سنا کئے

۱۔ میں اس کی بزم میں بے جیابنا بیٹھا رہا۔ اگرچہ لوگ آپس میں لٹالے  
کیا کئے اور مجھ پر آوازے کئے رہے۔ میں کیا کرتا۔ مجبور تھا۔ کیونکہ بغیر بھیا  
بنے میں وہاں بیٹھ نہ سکتا تھا (سعیہ، طباطبائی، بخود)  
بخود: غیرے ان کے اشارے ہوتے رہے۔ اسی نے دونوں منہم  
کھینچے ہیں۔

۲۔ سیاست .. سزا، خوف۔

آخر دل ہی تو ہے۔ کوئی فولاد یا پتھر کا ٹکڑا نہیں۔ وہ سودا اتفاق سے  
دربان سے ڈر گیا اور میں تیرے در پر بغیر صدا لگائے چلا آیا۔ ورنہ ایسا ممکن  
ہو سکتا ہے کہ میں تیرے دروازے پر بغیر صدا کئے چڑھا جاتا۔

۳۔ خرقہ .. گردی، لباس فقرا + سجادہ .. مصطفیٰ + مہمن مے ..  
مشراب کے بدلے گردی رکھنا + دعوت آب و ہوا .. یعنی دعوت بہار۔  
میں اپنی گودڑی اور مصطفیٰ شراب کے بدلے گردی رکھتا پھرتا ہوں کیونکہ  
موسم بہار کی دعوت کئے ہوئے ملت ہو گئی ہے۔ بقول بخود اس شراب معنی  
یہ ہے کہ ایک چیز سے قیمت شراب ادا نہ ہو سکی۔ اس لئے دونوں چیز  
کو ملا کر گردی رکھا ہے۔

۴۔ بے صرفہ .. بے فائدہ + کل .. روز قیامت۔ عمر چاہے کتنی  
ہی بڑی کیوں نہ ہو۔ دنیاوی مخصوص کی وجہ سے مہلت نہیں ملتی اور وہ  
یہ نہی گزار جاتی ہے۔ چنانچہ حضرت خضر بھی کل قیامت کے دن باوجود اتنی  
طویل عمر کے یہی کہیں گے کہ ہم کیا کیا کئے۔ یعنی ہم نے کچھ نہیں کیا۔

۵۔ لیٹیم .. کنجوس، بخیل + گنج گرانمایہ .. بیش قیمت خزانے۔ اگر مجھے مقدور ہو تو میں زمین سے دریافت کروں کہ اسے کنجوس وہ قیمتی خزانے جو تجھ میں دفن تھے تو نے کیا کئے۔ مطلب یہ ہے کہ تو نے ان خزانوں کو بیکار ضائع کر دیا۔ خود ان سے کچھ فائدہ اٹھایا نہ دوسروں کو اٹھانے دیا۔

اسی: مقدور کا لفظ پتہ دیتا ہے کہ مصنف یہ کہنا چاہتا ہے کہ اگر یہ دولت میرے پاس جمع ہو جائے تو میں لوگوں کو فائدہ پہنچاؤں اور زمین کو طعنہ دوں کہ آخر تو نے اس قدر خزانوں سے کیا کام لیا۔ یا کسی کو فائدہ پہنچایا۔ دیگر شراہین گنج گرانمایہ سے وہ لوگ مراد لیتے ہیں جو زمین میں دفن ہیں۔

۶۔ ہر روز دشمنوں نے ہم پر تہمتیں اور الزام لگائے اور ہمیشہ انہوں نے ہم پر سخت ترین ظلم کئے۔ تہمت تراشنا اور اسے چلانا میں رعایت ہے۔

۷۔ معشوق بغیر التجا کئے بوسہ دیتا ہے۔ اس بات سے عاشق کے دل میں یہ دہم پیدا ہوتا ہے کہ پہلے تو یہ بات نہ تھی۔ ہم بار بار التجائیں کرتے تھے۔ پھر کہیں جانکر بوسہ ملتا تھا۔ اس خلافِ عادت عنایت سے وہ فوراً اس قبح پر پہنچتا ہے کہ کہیں یہ عادت اسے رقیب کی صحبت میں نہ پڑی ہو۔ بہر حال شاعر نے اس شعر میں اس عاشق کی دلی کیفیت دکھائی ہے، جو اس قدر غمگین ہو چکا ہے کہ خوشی میں بھی غم کا پہلو ڈھونڈ نکالتا ہے۔

۸۔ ضد کی اور بات ہے۔ جب اُسے ضد پڑ جاتی ہے تو واقعی وعدہ وفا نہیں کرتا۔ لیکن اس کی عادت بُری نہیں۔ چنانچہ جب کبھی وہ اپنی ضد کو بھول گیا ہے تو اُس نے سینکڑوں وعدے و فکے کئے ہیں۔

۹۔ ہم نے مان لیا کہ تم اپنے دل کی بات ان سے کہتے رہے اور وہ تمہاری باتوں کو سنتے رہے۔ لیکن یہ بتلاؤ کہ تمہاری باتوں کا وہ کیا جواب



دیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ اوّل تو وہ تمہاری بات کا جواب نہ دیں گے اور اگر بالفرض جواب بھی دیا تو نفی میں ہوگا۔

۱۵۲

رفتارِ عمر قطع رہ اضطراب ہے ۱۔ اس سال کے حساب کو برقِ آفتاب ہے  
 مینٹے مے ہے سر و نشاط بہار ہے ۲۔ بال تدر و جلوہ موجِ شراب ہے  
 زخمی ہوا ہے یا شہرِ پائے ثبات کا ۳۔ نے بھول گئے کی گونہ اقامت کی تاب ہے  
 جادو بادہ لوشی زنداں کچے شجرت ۴۔ غافل گماں کیسے ہے کہ گیتی خراب ہے  
 تقارہ کیا حریف ہوئیں برقِ حسن کا ۵۔ بوش بہار جلوے کو جس کے نقیب ہے  
 میں نامراد دل کی تسلی کو کیسے اکروں ۶۔ مانا کہ تیرے رُخ سے نگہ کامیاب ہے  
 گنہا اسدِ مسرت پیغامِ یار سے  
 قاصد پہ مجھ کو رشکِ سوالِ جواب ہے

۱۔ رہ اضطراب .. وہ راستہ جو حالتِ اضطراب میں طے ہو، رالی سے مراد عمر۔

جس طرح سال کا حساب گردشِ آفتاب سے طے کرتے ہیں اسی طرح عمر گریزاں کے سال کا حساب رفتارِ آفتاب کے بدلے تقاریرِ برق سے کرنا چاہئے۔ مطلب یہ ہے کہ انسان کی مدتِ عمر ایک چشمکِ برق کے برابر ہے۔ اس کی عمر کے سال پلک بھپکتے میں گزر جاتے ہیں۔ چونکہ عمر راہِ اضطراب کو طے کر رہی ہے اس لئے برق کو آفتاب قرار دے کر انسان کی عمر کے سالوں کا حساب کرنا چاہئے۔

۲۔ مینٹے مے .. شراب کی صراحی + تدر و .. چکر۔

بال تدر سے ابر کا استعارہ کیا ہے۔ شراب کی صراحی بہار کی خوشی

میں سرور بہار سے بن گئی ہے اور یہاں تندر و موج شراب کا نظارہ پیش کر رہی ہے۔

طبااطہائی: نشاط بہار میں بینائے سبز رنگ کشیدہ بالا سر و کاندھا دکھا رہا ہے اور شراب سرخوش کی لہریاں تندر کی جھلکی دکھا جاتی ہے حاصل یہ ہے کہ صحبت شراب میں تماشائے باغ کا مزہ آ رہا ہے۔

۳۔ پاشنہ .. ایڑی + ثبات .. استقلال و پائندگی + گوں .. مراد ہمت۔

پاشنہ ثبات کی ایڑی زخمی ہو گئی ہے۔ اب میدان عشق میں نہ بھلنے کی ہمت ہے اور نہ ٹھہرنے کی قوت۔ مطلب یہ ہے کہ ایڑیاں رگڑنے کی نوبت آ گئی ہے۔ ایک اور جگہ لکھا ہے۔

ہوئے ہیں پاؤں ہی پٹے نیرو عشق میں زخمی  
نہجائے گئے ہے مجھ سے نہ ٹھہرائے ہے مجھ سے

۴۔ جاداد .. یعنی جائداد + گیتی خراب .. آوارہ + بے سرو سامان .. بالکل مفلس + شش جہت .. تمام دنیا۔

غافل تو یہ خیال کرتا ہے کہ ہم زند لوگ بالکل بے سرو سامان اور آوارہ ہیں۔ نہیں حقیقت یہ ہے کہ تمام دنیا زندوں کی بادہ نوشی کی جاگیر ہے۔ نشہ کی ترنگ زند کو بادشاہ بنا دیا کرتی ہے۔

طبااطہائی: بادہ سے عرفان اور رند سے عارف مراد ہے اور عالم کے غلبہ دوران ہونے سے یہ مطلب ہے کہ کوئی صانع و مدبر اس کے زعم میں نہیں ہے جو شخص بلوئے حقیقت سے غافل ہے (بہخود رستید)

۵۔ حریف .. مقابل۔

نظارہ میں یہ طاقت نہیں کہ اس برقِ حُسن کا نظارہ کر سکے۔ جس کے جلوہ کے لئے جوش بہار نقاب بن گئی ہے یعنی بہار کی رنگینی کا جوش نقاب کا کام دے رہا ہے۔ یا اس کے جلوہ میں اس قدر جوش بہار ہے کہ اُس نے جلوہ کو چھپا لیا ہے (آئسی - حسرت) ۵

نظارہ نے بھی کام کیا وہاں نقاب کا مستی سے ہرگز ترے رخ پر کھ گئی طباطبائی: عالمِ اجسام کا ظہور حینِ شہدِ حقیقی کے لئے حفاظت کا عاث ہے اس کو نظر کیونکر دیکھ سکتی ہے۔ نظر جب پڑیگی نقاب ہی پر پڑے گی۔ یعنی آنکھ جب دیکھے گی اجسام ہی کو دیکھے گی۔ جوش بہار ظہورِ عالم سے استعارہ ہے اور نقاب اسے اس وجہ سے کہا کہ جس طرح نقاب چہرے کی آڑ کر لیتی ہے۔ اسی طرح تاشائے عالمِ اجسام صوفیہ کے نزدیک عالمِ لاہوت تک جانے سے مانع ہے (بیخود)

۶۔ نامراد کا تعلق دل اور میں دونوں کے ساتھ ہو سکتا ہے۔

کہتے ہیں میں مانتا ہوں کہ میری نگاہ تیرے دیدار سے لطف اندوز ہوتی رہی ہے لیکن میں اپنے دل نامراد کو تسلی کیونکر دوں، وہ کسی اور چیز کا طلبگار ہے۔ یعنی دل کو تسلی محض دیدار سے نہیں ہو سکتی۔

آئسی: میں نے مان لیا کہ چشمِ تصور سے میں سب وقت تم کو دیکھ رہا ہوں۔ یا ہوں ہی تمہارے رخ پر میری نگاہیں پڑ رہی ہیں مگر میں تو نامراد ہوں۔ اس سے بھی میری مراد بر نہ آئی۔ یعنی دل کی تسلی نہ ہوئی۔ ایک اور جگہ لکھا ہے ۵ قسط نہ تھا ہمیں خط پر گماں تسلی کا نہ مالے دیدار جو تو کیونکر ہو ۷۔ گزرا ۱۰۔ باز آیا۔

یار کا پیغام آنا یقیناً مسرت بخش ہے۔ لیکن میں ایسی خوشی سے باز آیا۔

کیونکہ میں قاصد کا ان سے سوال و جواب کرنا برداشت نہیں کر سکتا۔ شاعر کے نزدیک معشوق کا قاصد سے ہمکلام ہونا ناقابل برداشت رشک ہے اس لئے وہ پیغام بارہی سے درگزا۔

## ۱۵۳

دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پہ رشک آجائے ہے ۱ میں اسے دیکھوں بھلا کب مجھے دیکھا جائے ہے  
ہاتھ دھوئل سے بھی گرمی گزاندیشیں ہے ۲ ابگینہ تندی صبا سے پھیلا جائے ہے  
غیر کو راب وہ کیونکر منع گستاخی کرے ۳ گر حیا بھی اُس کو آتی ہے تو خراب جائے ہے  
شوق کوے لت کہ ہر دم نالہ کھینچے جاوے ۴ دل کی وہ حالت کہ دم لینے سے گھبرا جائے ہے  
دور چشم بدتری بزم طرب سے واہ واہ ۵ نغمہ ہو جانا ہے داں گزاندیز جائے ہے  
گرچہ ہے طرزِ تغافل پر وہ دوارِ رازِ عشق ۶ پر ہم ایسے کھوئے جلتے ہیں کہ دوبا جائے ہے  
اُس کی بزمِ آرائیاں سن کر دل پھوڑیاں ۷ خُش نقش دہلے غیر ہنسا جائے ہے  
ہوس کے عاشق وہ یرمی بُرخ اور نازک ہو گیا ۸ رنگ کھلتا جائے ہے قنارہ اڑا جائے ہے  
نقش کو اُس کے منور پر بھی کیا کیا ناز ہیں ۹ کھینچتے ہیں حق لٹا ہی کھینچتا جائے ہے

سایہ میرا مجھ سے مثلِ دود بھلگے ہے اسد

پاس مجھ آتش بچاں کے کس سے ٹھہرا جائے ہے

۱۔ انتہائے رشک یہ ہے کہ عاشق کو اپنے سے رشک پیدا ہو گیا ہے اور وہ یہ گوارا نہیں کرتا کہ خود اس کو دیکھے، اس لئے اپنی قسمت پر افسوس کرتا ہے کہ رشک نے اسے دیدار سے بھی محروم کر دیا۔ رشک کے مضمون غالب نے ہر جگہ بڑھ چڑھ کر بیان کیے ہیں مثلاً ۵

ہم رشک کو اپنے بھی گوارا نہیں کرتے مرنے ہیں مگر اُن کی تمنا نہیں کرتے  
مختلف بر طرف نظرِ رنگی میں بھی سس سس یکن وہ دیکھا جائے کب یہ ظلم دیکھا جائے ہے مجھ سے

۲۔ گرمی اندیشہ سے اندیشہ و فکر کا وہ اثر مادے جو دل و دماغ کو بے چین اور معطل کر دیتا ہے۔ اسے تندہی صہب سے اور دل کو آہٹینہ سے تشبیہ دی ہے۔ اگر اندیشہ (فکری) میں ہی گرمی ہے تو دل سے ہاتھ دھو لیجئے۔ کیونکہ دل یہ گرمی برداشت نہیں کر سکتا۔ یہ ایسی تندہی شرب ہے کہ شیشہ دل اس سے پگھلا جاتا ہے۔

۳۔ حالی: یہ شعر معاملہ ہے جو طالب و مطلوب کے درمیان اکثر گزرتا ہے اور شاعرانہ نزاکت و دوسرے مصرعے میں پائی جاتی ہے۔ ظاہر ہے جی آتی اور شرابا جانا درحقیقت ایک ہی چیز ہے۔ پھر اس کے کیا معنی؟ کیا یہ بھی آتی ہے تو شرابا جاتا ہے۔ بات یہ ہے کہ اس مقام پر جی آنے کا متعلق اور ہے اور شرابا جانے کا متعلق اور۔ اگر جی بھی اس کو آتی ہے یعنی غیر کی گستاخی اور خواہش بے جا سے اور شرابا جلتے ہے یعنی غیر سے یا اس کے ساتھ مکمل کرنے سے۔

آہستی: (۱) غیر کو چھیرنے اور گستاخی کرنے سے اُسے شرم آتی ہے تو وہ اس شرم سے بھی شرابا جاتا ہے (۲) اس کو شرم منور آتی ہے مگر وہ شرم نے سے بھی شرابا ہے۔

۴۔ لبت... بُری عادت۔

اُدھر شوق کو یہ بُری عادت پڑی ہے کہ وہ ہر دم نالہ کشی کا تعلق کرتا ہے اور اُدھر کمزوری اور ناتوانی کے سبب سے دل کی یہ حالت ہے کہ وہ سانس تک لینے کی تکلیف سے گھبراتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ سانس لینے کی طاقت نہیں۔ نالہ کیسے کروں۔

آہستی نے دوسرا مضمون یہ لکھا ہے جیسا میرا شوق دیوانہ ہے۔ ایسا ہی

دل ہے کہ میں دم لیتا ہوں۔ یعنی ذرا مالہ کشی سے باز رہتا ہوں تو گھبرا جاتا ہے۔ ہنرمیں  
دونوں یکساں ہیں اور میری حالت تباہ کر رہے ہیں۔

۵۔ خدا تیری بزمِ مسرت کو نظر بد سے بچائے۔ اس کی تاثیر ایسی ہے کہ  
مگر میں نالہ کرتا ہوں تو وہاں پہنچ کر غمہ بن جاتا ہے۔

ہم لاشیں مت کہہ کریم کریم غمِ عیش و مست ہاں تو میرے نالے کو بھی اعتبارِ غمہ ہے  
طبا طبائی لکھتے ہیں کہ اس اثر سے مقصود تشنّع ہے۔ یعنی میرے نالے سے  
تو خوش ہوتا ہے۔

۶۔ ہم اس پر عاشق ہیں۔ لیکن اپنا عشق اس پر ظاہر کرنا نہیں چاہتے کہ  
کہیں وہ ہم پر ظلم و ستم نہ کرنے لگے۔ اس لئے ہم نے طرزِ تغافل اختیار کر لی ہے  
تاکہ وہ بازِ عشق کو معلوم نہ کر سکے۔ لیکن مصیبت یہ ہے کہ جب ہم اسکے سامنے  
جلتے ہیں تو بالکل کھوئے جاتے ہیں اور وہ ہماری غیر حالت دیکھ کر ہمارے عشق کو  
پا جاتا ہے (حسرت ہم خیال) اس سے ذرا بچ کر کہتے ہیں۔

کل تم جو بزمِ غیر میں آگمیں چڑا گئے کھوئے گئے ہم ایسے کہ اغیار پا گئے  
سجیدہ اگرچہ معشوق کے طرزِ تغافل سے ہمارے عشق کی پردہ پوشی ہوتی  
ہے۔ لیکن اس کے تغافل سے مجھے ایسی شرمندگی ہوتی ہے کہ لوگ تاراج کرتے  
ہیں کہ اس کو ضرور عشق ہے۔

طبا طبائی، بخود، آتھی، اگرچہ وہ ہمارا دلو عشق چھپانے کے لئے ہم  
سے اپنی بزم میں تغافل برت رہا تھا مگر وائے بر حال تاکہ اس تغافل سے  
ہم حیران و پریشان ہو جاتے ہیں اور وہ اس کو سمجھ جاتا ہے۔ مجبوراً اس کو ہم پر  
ستم کرنا پڑتا ہے۔

۷۔ بیٹھنا کا تعلق دو لفظوں سے ہے۔ یعنی ایک تو بیٹھنا نقشِ مدح سے

کا یعنی رقیب کا مدعا برآتا۔ دوسرے عاشق کے دل کا بیٹھنا بے طاقتی اور مایوسی کے سبب ہے۔

جب میں اغیار کے ساتھ اس کی بزم آرائیوں کا حال سُنتا ہوں تو میرا دل رنجور یہاں اس طرح بیٹھتا ہے جیسے رقیب کا نقش بزمِ یار میں بیٹھتا ہے۔ رنجور کہتے ہیں کہ اس طرح جیسے رقیب کی وفا کا سکہ اس کے دل پر بیٹھتا ہے۔

۸۔ عشق میں رنگ سفید ہونے کو رنگ کے کھلنے سے تعبیر کیا ہے۔ کہتے ہیں وہ پری دیش عاشق ہو کر اور بھی زیادہ حسین و نازک بن گیا۔ زیلوہ حسین اس لئے بنا کہ اس کا رنگ اڑ کر ادا کھل گیا اور نزاکت اس لئے بڑھی کہ وہ عشق کے صدمے سے کمزور ہو گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ عشق عموماً لوگوں کی شکل بگاڑ دیتا ہے۔ لیکن معشوق کا عشق سب سے نرالا ہے کہ اس سے حسن و خوبصورتی میں اضافہ ہو گیا۔

۹۔ اس کی تصویر مصوّر سے کیا کیا نا ذکر رہی ہے۔ وہ جس قدر اُسے کھینچتا ہے تصویر اس سے اتنی ہی کھینچتی چلی جاتی ہے۔ یعنی کھینچتی نہیں۔ شاید اس لئے کہ وہ مصوّر کو بھی اپنا عاشق سمجھتی ہے۔ نقش کے ساتھ ”کھینچا جائے ہے“ خاص لطف رکھتا ہے۔

۱۰۔ دود .. دھواں + مجھ سے میرا سایہ اس طرح بھاگتا ہے جیسے دھواں آگ سے اور اُس کی وجہ یہ ہے کہ میں آتش بچاں ہوں۔ میری جان میں ایک آگ لگ رہی ہے اس لئے میرے قریب میرا سایہ جو دھوئیں کی مانند ہے نہیں ٹھہر سکتا۔ مطلب یہ ہے کہ جب کسی کے دل میں عشق کی آگ سلگتی ہے تو ادا لوگوں کا تو ذکر ہی کیا ہے سایہ بھی جدا ہو جاتا ہے۔

## ۱۵۲

گرم فریاد رکھا شکل نہالی نے مجھے ۱ تب اماں ہجر میں دی بردلیالی نے مجھے  
 نسیہ و نقد و عالم کی حقیقت معلوم ۲ لے لیا مجھ سے مری ہمت عالی نے مجھے  
 کثرت آرائی و حدت ہے پرستاری وہم ۳ کردیا کا فران اصنام خیالی نے مجھے  
 ہوس گل کا تصور میں بھی کھٹکا نہ رہا ۴ عجب آرام دیا بے پرو بالی نے مجھے  
 ۱۔ نہالی .. فرش - بستر + شکل نہالی .. وہ حسین تصویر جو بستریا  
 فرش پر بنائی جاتی ہے + برد .. سردی + لیالی .. جمع لیل کی معنی رات۔  
 شب، ہجر میں شکل نہالی کو دیکھ کر میں نالود فریاد کرنے لگا۔ کیونکہ اسے  
 دیکھ کر مجھے اپنے معشوق کی شکل یاد آگئی اور اس خیال نے میرے دل کو چھین  
 کر دیا کہ یہ شکل میرے سامنے ہو اور میرا معشوق میرے پہلو میں نہ ہو۔ غرض  
 گرمی فریاد کی بدولت مجھے شب ہائے ہجر کی سردی سے امان ملی۔ ورنہ شبِ اِراق  
 کی سردی میرا خاتمہ کر دیتی۔

۲۔ نسیہ .. ادھار، قرض۔

میری عالی ہمتی نے مجھ کو مجھ سے لے لیا گویا میری عالی ہمتی نے یہ گوارا کیا  
 کہ میں نقد دنیا اور عقبی کے عیوض پاک جاؤں کیونکہ اُن کی قیمت میری خریداری  
 کے لئے کافی نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میری بلند ہمتی کی وجہ سے میرا رتبہ دنیا  
 عقبہ دونوں سے بلند ہے۔ کیونکہ وہ غم کو نہیں سے مستغنی ہے۔

۳۔ علم قاعدہ یہ ہے کہ لوگ وحدت کو کثرت میں جلوہ گر بتاتے ہیں اور  
 کہتے ہیں کہ ہر جگہ اسی وحدت الوجود کا جلوہ ہے۔ شاعر کہتا ہے۔ یہ خیال  
 کرنا وہم پرستی ہے اور انہی اصنام خیالی نے یعنی وحدت کو کثرت میں جلوہ گر  
 سمجھنے مجھ کو کافر بنلویا۔ کیونکہ وحدت کو وحدت نہ سمجھنا ہی شرک و کفر ہے۔



۴۔ جب تک پردہ بال تھے۔ اس وقت تک مجھے ہو بس گل تھی۔ لیکن جب پردہ بال نہ رہے تو مجھے ہو بس گل کا تصور میں بھی کھٹکانہ رہا۔ گویا بے پردہ بالی نے مجھے تمام فکروں سے آزاد کر دیا۔ اور میں آرام سے ہو گیا۔  
نہ لستادن کو تو کب رات کو آرام سے سوتا رہا کھٹکانہ چوری کا ڈو عادی تا ہوں ہرن کو

## ۱۵۵

کار کاہستی میں لالہ داغ سلاں سے ۱۔ برق خرمین راحت غولن گرم دہقان ہے  
غنچہ ناشفتن ۲، برگ عافیت معلوم ۲ باوجود جمعی، غراب گل پریشاں ہے  
ہم سے رنج بیتابی کس طرح اٹھایا جائے ۳۔ داغ پشتِ سب عجزِ شاعرِ بندان ہے  
۱۔ غالب نے ان تینوں شعروں کی شرح محمد ہندی میں اپنے قلم سے لکھی ہے۔  
فرماتے ہیں۔ داغ سلاں جل انجمن وہ شخص کہ داغ جس کا سراپا وہ سلامی ہو موجودیت  
لالہ کی منحصر نمائش داغ پر ہے۔ ورنہ رنگ تو اور بھولوں کا بھی لال ہوتا ہے۔ بعد اس کے  
یہ سمجھ لیجئے کہ پھول کے درخت یا غلہ جو کچھ پویا جاتا ہے۔ دہقان کو جوتے بولنے پانی دینے  
میں مشقت کرنی پڑتی ہے اور ریاضت میں لہو گرم ہو جاتا ہے۔ مضمود شاعر کا یہ ہے  
کہ وہ جو محض رنج و الم ہے اور مزارع کا وہ لہو جو کشت و کار میں گرم ہوا ہے وہی  
لالہ کی راحت کے خرمین کا برق ہے۔ حاصل موجودیت، داغ اور داغ مخالف راحت  
اور صورت رنج ہے۔

حسرت: دہقان کی سعی گل کے خرمین راحت کے لئے برق کا کام دیتی ہے۔  
دیکھو وہ لالہ کے درخت پر اس قدر کوشش کرتا ہے لیکن اس کا نتیجہ صرف یہ ہوتا  
ہے کہ گل لالہ داغ بدل ہو جاتا ہے۔

۲۔ کلی جب نئی نکلے، بصورتِ قلب صنوبری نظر آئے اور جب تک پھول  
بنے برگ عافیت معلوم۔ یہاں معلوم معنی معدوم ہے اور برگ عافیت بمعنی

باب آرام۔ مصرعہ :- برگ بیش بگور خویش فرست، برگ اور سر و برگ بمعنی ساند ساند ہے۔ خواب گل و شخصیت گل یا اعتبار خاموشی و برجاماندگی پریشانی ظاہر ہے یعنی شگفتگی وہی پھول کی پنکھڑیوں کا بکھرا ہوا ہونا۔ غنچہ بصورت دل جمع ہے باوصف حمیت دل۔ گل کو خواب پریشانی نعیم ہے۔

طباطبائی کی تشریح مزید ملاحظہ ہو۔ لکھتے ہیں۔ کلی حب تکس کھلے کھلے سازد برگ عافیت کا حاصل ہونا۔ یعنی آفت سے اس کا محفوظ رہنا کہاں سے معلوم ہے۔ جب یہ حال ہوا تو گل کو باوجود دلجمعی پریشانی ہے اور غنچہ کو دل سے تشبیہ دی ہے اور حمیت دل کی صورت بھی اس سے ظاہر ہے۔ اسی طرح گل شگفتگی کی پنکھڑیوں کا بکھرا ہوا ہونا پریشانی کی صورت ظاہر کر رہا ہے۔ اور گل کی خاموشی اور برجاماندگی خواب کا عالم دکھا رہی ہے۔ غرض یہ کہ تینوں حالتیں گل پر طاری رہتی ہیں تو باوجود دلجمعی خواب گل پریشان رہتا ہے اور سب پریشانی کا یہ ہے کہ اندیشہ ہے کہ دیکھئے کہ ساز و برگ عافیت اس درہلایں ممکن ہوتا ہے یا نہیں۔

۳۔ پشت دست، صورت مجز اور حسن بدن اور کاه بدداں گرفتار بھی اظہار عجز ہے۔ پس جس عالم میں کہ دارغفر پشت دست زمین پر رکھ دئی اور شعلہ نے تمکا دانوں میں لیا ہو۔ ہم سے رنج و اضطراب کا تحمل کس طرح ہو۔ ان اشعار کے متعلق مرزا لکھتے ہیں :- ”ابتداءً حکم سخن میں بیدل و اسیر و شوکت کے طرز ریختہ لکھتا تھا۔ چنانچہ ایک غزل کا مقطع ہے :-

طرز بیدل میں ریختہ لکھتا اسد اللہ خاں قیامت ہے

۱۵ برس کی عمر سے ۲۵ برس کی عمر تک مضامین خیالی لکھے گئے۔ دس برس میں بناد دیوان جمع ہو گیا۔ آخر جب تمیز آئی تو اس دیوان کو دور کیا، اور ان کی نظم

چاکلے۔ دس پندہ شعر واسطے ٹوٹنے کے دیوان حال میں رہتے دیکھئے۔

۱۵۶

اگ رہا ہے دردِ دیوار پر سبزہ غالب ہم بیابان میں ہیں اور گھر میں بہار آئی ہے  
یہ مضموع بھی غالب کو بہت مرغوب تھا۔ اسے دوسرے الفاظ میں اس

طرح نظم کیا ہے ۵

اگاہے گھر میں ہر سو سبزہ دیرانی تماشہ ۱ مدار اب کھونڈنے پر گھاس کے ہے میرے دیوار کا  
۱۔ گھر میں گھاس اگنا دیرانی کی نشانی ہے۔ لیکن شاعر عالم وحشت میں اسے  
بہار قرار دیتا ہے۔ کہتا ہے ہم جنگلوں میں خاک چھلتے پھرتے ہیں اور ہمارے نہ ہونے  
سے گھر اس قدر دیران ہوا ہے کہ اس کی حدود دیوار پر سبزہ اگ آیا ہے۔ گویا بہار اگئی  
ہے۔ اس شعرے مختلف مفہوم پیدا ہوتے ہیں۔ (۱) جب گھر میں اس قدر دیرانی  
ہے تو پھر بیابانوں میں ہم ناحق پھرتے ہیں (۲) ہم دیوار نے ہونے ہیں کہ گھر  
کی بہار چھوڑ کر جنگلوں میں پھرتے ہیں اور بہار کی پیدا نہیں کرتے (۳) اپنی  
دیوانگی اور یہ نفسی کی تصویر نہایت سادہ الفاظ میں کھینچ دی ہے (۴) یہ  
بھی ظاہر ہوتا ہے کہ گھر کو چھوڑے ہوئے میں گزند چکی ہیں اس لئے دیرانی  
کے سبب سے گھر جنگل بن گیا ہے (۵) نیز اپنی فائدہ دیرانی دیکھنے کے لئے  
اس لئے بے چین ہے جیسے جلوہ بہار دیکھنے کے لئے ہوتا ہے۔

۱۵۷

سلوگی پر اس کی کہ جانے کی خبر دل میں ہے ۱ بس نہیں جانتا کہ پھر خجرف قافلی میں ہے  
۲ دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا ۲ میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے  
گرچہ ہے کس کس بٹائی سے نے بایں ہمد ۳ ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے  
بس بجوم ناامیدی خاک میں مل جائے گی ۴ پر جو اک لذت ہماری سعی بے حاصل میں ہے

سج رہ کیوں کھینچے دامنگی کو عشق ہے ۵ اٹھ نہیں سکتا ہمارا جو قدم منزل میں ہے  
جلوہ نادر آتشِ دو رخ ہمارا دل بھی ۶ فتنہ شو قیامت کس کی آپ گل میں ہے  
ہے دل شوریہ غالبِ طلسم بیچ و تاب  
رحم کر اپنی تمنا پر کہ کس مشکل میں ہے

۱۔ میرے دل میں حسرت ہے کہ میں ان کی سادگی پر جان دیوں۔ مگر چہ جرت  
پوری ہوتی نظر نہیں آتی۔ کیونکہ قتل کرنے کے لئے ان کے ہاتھ میں خنجر ہے۔  
جب خنجر سے قتل کر دیتے تو پھر میں سادگی پر کیسے جان دوں گا۔ گویا مجھے کشتہ خنجر  
ہونا پڑے گا اور دل کی حسرت نہ نکلے گی۔

طبیبِ طبائی: سادگی سے یہاں ترکِ زینت و آرائش مراد ہے جو کہ بے تلوار  
کے قتل کرتی ہے۔ یعنی بے تلوار باندھے، رتے جو عالم اس پر ہوتا ہے میں اس کی  
انداز پر گلا کاٹ کر مر جانے کی حسرت میں ہوں۔ لیکن وہ گلا کاٹنے نہیں دیتا اور  
خنجر اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے۔ خنجر اس کے ہاتھ میں ہونے سے دو جہوں سے  
حسرت نہیں نکل سکتی۔ ایک تو یہ کہ جب خنجر اس کے ہاتھ میں ہو تو وہ سادگی  
کہاں رہی۔ جس پر ہم جان قربان کرتے تھے اور پھر کے لفظ سے یہ معنی نکلتے ہیں  
کہ پہلے بھی ایسا ہو چکا ہے کہ ہم گلا کاٹتے تھے، مگر اس نے خنجر ہاتھ میں لے لیا  
کہ پھر نہ وہ سادگی باقی رہی۔ جس انداز پر ہم جان دیتے تھے نہ خنجر ہی چلیم قابو  
پاسکے (یعنی خود آستی)

حسرت (۱) میرے ہم خیال (۲) اس کی اس سادہ لوحی پر مر جانے کی حسرت  
ہے جو ہم کو خنجر سے مارنا چاہتا ہے اور یہ نہیں جانتا کہ وہ میں بغیر خنجر ہی  
شہید کر سکتا ہے۔

۲۔ حالی: کسی کے حُسنِ بیان کی اس سے بہتر تعریف نہیں ہو سکتی کہ

جوابت قاف کی مٹنے سے نہ نکلے وہ سامعہ کے دل میں اس طرح اتر جائے کہ  
 اُس کو یہ شبہ ہو کہ یہ بات پہلے ہی سے میرے دل میں تھی (مستقید حسرت، بخود)  
 آسے: (۱) ہم خیال مانی (۲) جو بات وہ کہتا ہے میں خیال کرتا ہوں کہ اسی  
 بات کے سننے کی مجھے حسرت ہے (۳) اس کی ہر بات اتنی دلفریب ہے کہ اس  
 کے ہونٹوں سے نکلتے ہی میرے دل میں اتر جاتی ہے۔

۳۔ عاشق اپنے دل کو تسلی دیتا ہے کہ میرا ذکر مجھ سے بہتر ہے کہ ان کی  
 محفل میں ہے، اگرچہ بہت بُرائیوں کے ساتھ ہے۔ مگر یہ بھی کیا کم شرف ہے  
 کہ وہاں مذکور ہے۔ کیونکہ میں تو باوجود کوششوں کے وہاں تک نہیں پہنچ سکا۔  
 ۴۔ اسے ہجوم ناامیدی، بس بس کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ لذت جو میں سعی  
 بے حاصل میں ملتی ہے اپنا مال ہو جائے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم جانتے ہیں کہ ماری  
 سعی و کوشش بیکار ہے۔ پھر بھی ہیں اس میں ایک قسم کی لذت حاصل ہوتی  
 ہے۔ بقول طباطبائی ناامیدی کی حالت بُری اور سعی گو بے نیل و مرام ہو مگر  
 لذت سے غالی نہیں۔

۵۔ رنجِ رہ .. راستے کی تکلیفیں + داماندگی .. تھکان۔

داماندگی کو میرے قدم سے عشق ہو گیا ہے اور وہ نہیں چھوڑتی کہ میں  
 منزل مقصود کی طرف جاؤں مگر منزل کے راستے کی تکلیفیں اٹھاؤں، اس لئے  
 جو قدم مارا منزل میں رکھتا ہے داماندگی کی بدولت وہیں کلاہیں پڑا ہے۔  
 حسرت: "چونکہ داماندگی سے ہمارا عاشقانہ تعلق ہے اس لئے ہمارا جو  
 قدم اٹھ نہیں سکتا (یعنی داماندہ ہے) وہ گویا منزل میں ہے یعنی اپنے مقصد  
 کو پہنچ چکا ہے پس پھر ہم رنجِ راہ کیوں اٹھاؤں؟"  
 مستقید نے دونوں مفہوم لکھے ہیں۔ آسے حسرت کے ہم خیال ہیں طباطبائی

(۱) میرے ہم خیال (۲) ہم واپاندگی کے نیاز مند ہیں کہ اس کی بدولت اٹھ نہیں سکتا ہمارا جو قدم منزل میں ہے۔

۶۔ معشوق عاشق سے کہتا ہے کہ تمہارے دل میں دوزخ کی آگ بھری ہوئی ہے۔ عاشق جواب دیتا ہے کہ اچھا یونہی سہی کہ ہمارا دل جلوہ ناز دوزخ ہے مگر صربانی فرما کر یہ بتلائیے کہ فتنہ شور قیامت کس کے خمیر میں ہے۔ یعنی اگر میرا دل جلوہ ناز دوزخ ہے تو تمہارا خمیر بھی تو فتنہ شور قیامت سے اٹھایا گیا ہے۔ اس شعر میں نکلتے یہ ہے کہ آتش دوزخ قیامت ہی کے دن بھڑکائی جائیگی۔

۷۔ غالب کا دل شوریدہ ایک طلسم بیچ و تاب بنا ہوا ہے اور تمہاری تمنا اس میں پھنسی ہوئی ہے۔ اس لئے تم اپنی تمنا پر رحم کرو اور اسے اس طلسم بیچ و تاب سے نکال لو۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تم غالب پر رحم نہیں کرتے تو نہ کرو لیکن اپنی تمنا پر رحم کرو کہ وہ سخت مشکل میں پھنسی ہوئی ہے۔ خوبی اس شعر میں یہ ہے کہ تمنا اپنی نکالنا چاہتے ہیں، لیکن اسے معشوق کی تمنا قرار دے کر معشوق کو آمادہ کرتے ہیں کہ اپنی تمنا پر رحم کرے۔ اس شعر میں تمنا بر آنے کا مضمون بالکل نئے انداز سے ادا کیا گیا ہے۔

### ۱۵۸

دل سے حسی نگاہ جگرتک اتر گئی ۱ دونوں کو ایک ادا میں رضا مند کر گئی  
 شق ہو گیا ہے سینہ خوشالذاتِ فدا ۲ تکلیف پریدہ داری زخم جگر گئی  
 وہ بادہ شبانہ کی سرسٹیاں کساں ۳ اٹھئے بس اب کہ لذتِ خواب سحر گئی  
 اڑتی پھرے ہے خاک مری کوئے یار ۴ باہے اب لے ہوا ہوں بال دیر گئی  
 دیکھو تو دلفریبی اندازِ نقش پا ۵ موجِ خرامِ یار بھی کیا گل کست گئی  
 ہر فواہوس نے سخن پرستی شعار کی ۶ اب آبروئے شیوہ اہل نظر گئی

نظارہ نے بھی کام کیا وہاں نقاب کا ، مستی سے ہر نگہ ترے رخ پر کھر گئی  
خرد ادھی کا تھنہ قریک باہر نکلا ، کل تم گئے کہ ہم پہ قیامت گزر گئی  
مارا زمانے نے اسد اللہ خاں تمہیں

وہ دلوں کے کہاں وہ جوانی کدھر گئی

۱۔ تیری نگاہ کا تیرا دل کو چیرتا ہوا جگرتا پہنچ گیا۔ چونکہ دل و جگر دونوں  
تیرا نگاہ سے زخمی ہونے کے آئندہ مند تھے۔ اس لئے وہ دونوں اس ادا  
سے خوش ہو گئے۔

۲۔ عاشق کو زخم جگر کی پر وہ داری سے سخت تکلیف تھی۔ جب اس  
کا سینہ شق ہو گیا تو اس کو عجب سرور حاصل ہوا۔ کیونکہ اسے زخم جگر کو چھپا  
رکھنے کی تکلیف سے نجات مل گئی اور وہ کھلم کھلا لذتِ فراق کے لطف  
اٹھانے لگا۔

۳۔ وہ بادۂ شبانہ کی سرسرتیاں ختم ہو گئیں جب ساری ساری رات  
شراب نوشی میں مشغول اور ہرست رہا کرتے تھے۔ جب صبح کی ٹھنڈی ہوا ملتی  
تو بیخبر ہو کر سو جاتے اور نیند کے لطف اٹھاتے تھے اب اب بیدار ہو جائیے۔  
کہ وہ لذتِ خواب بھر جاتی رہی۔

طیبا طیبائی؛ اگر اس شعر کے الفاظ معنی حقیقی پر محمول کریں تو کچھ لطف  
نہیں۔ غالباً مصنف کو استعارہ مقصود ہے۔ یعنی بادۂ شبانہ سے نشہ شبانہ  
اور سحر سے سہری کا استعارہ ہے اور اٹھنے کا خطاب اپنے نفسِ فاضل کی طرف  
ہے۔ جملہ شارحین نے یہی معنی بیان کئے ہیں۔

۴۔ بقول طیبائی یہ مضمون بہت ہی پامال ہے اور غالب کے مرتبہ  
کلام سے گرا ہوا ہے۔ مضمون پامال سی۔ طرز بیان نے اسے بلند کر دیا ہے۔

ہوا کو خطاب کر کے کہتے ہیں کہ اے ہوائیں تیرا منوں ہوں کہ تیری اس  
مہربانی کی بدولت میرے دل میں سے بال و پر کی ہوس جاتی رہی۔ اگر تو یہ ملتی  
مجھ پر صرف نہ کرتی تو پھر مجھے بال و پر کی آرزو ہوتی کہ آؤ کہ اس کی گلی میں جاؤں  
اور اپنی دیرینہ آرزو پوری کروں۔

۵۔ گل کترنا۔ شگوفہ چھوڑنا، یعنی کوئی ایسی بات کرنا جس سے فساد  
پیدا ہو اور آپ الگ رہیں۔ خرام یا ر کی موج اس لئے کہا ہے کہ موج کے  
تحرک سے سطح آب پر نقش پیدا ہو جاتے ہیں (۱) کہتے ہیں۔ جہاں جہاں سے  
موج خرام یا ر گزری ہے وہاں گل بکھیرتی چلی گئی ہے۔ گویا اس کے نقش قدم  
دیکھنے والے اُن پر فدا ہو رہے ہیں (آستی)

(۲) موج خرام یا ر بھی کیا گل کتر (شگوفہ چھوڑ) گئی ہے کہ اس کے  
دلفریب نقوش دیکھ کر عشاق و اختیار میں باہم فساد ہو رہا ہے یا اس کا  
نقش قدم ایسا دلفریب ہے کہ دنیا اس کے پھنسے میں پھنسی ہوئی ہے  
(سید) بخود نے دونوں مفہوم لکھے ہیں۔

۶۔ بواہوس ۰۰ ہوس پرستی۔

حسن پرستی اصل میں اہل نظر کا شیوہ تھا کہ وہ حسن کی خوبیاں دیکھ کر  
اس کی قدر کیا کرتے تھے۔ لیکن اس زمانے میں ہوس پرستوں نے حسن پرستی  
اپنا شعار بنا لیا ہے۔ چونکہ ان کا عشق صادق نہیں ہوتا۔ ہوس پرستی پر  
معنی ہوتا ہے۔ اس لئے اہل نظر یعنی عشاق صادق کا اعتبار اور وقار بھی ہٹا  
رہا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حسن پرستی اب معزز لوگوں کا شیوہ نہیں رہا بلکہ  
ایسے ویسے لوگوں کا پیشہ ہو گیا ہے۔ اس لئے اہل نظر کے عشق صادق کی  
قدر جاتی رہی ہے۔



۷۔ میری نگاہ تیرے رخ پر پہنچ کر ایسی خود رفتہ اور بدست ہوئی کہ وہ بکھر گئی اور بکھر جانے سے وہ دیدار میں مانع ہوئی۔ گویا نگاہ بکھر جانے اور مانع دیدار ہونے سے نقاب بن گئی۔

نگاہ کو تار سے تشبیہ دی ہے اس مضمون میں ندرت یہ ہے کہ تار نگاہ کے بکھر کر مانع دید ہونے سے نقاب کا تصور پیدا ہوا کیونکہ نقاب بھی تاروں سے بنائی جاتی ہے۔

۸۔ وی .. گزشتہ کل + فردا .. مرنے والی کل۔

(۱) حالی، اکتاہے کہ تمہارے جلتے ہی سبب خود فحشی و خود فراموشی کے یہ حالت ہو گئی کہ آج اور کل کی مطلق تمیز نہیں رہی اور ایسا ہی قیامت کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہاں ماضی و مستقبل دونوں مبدل بہ زمانہ حال ہو چکے ہیں۔ پس تم کیا گئے گویا ہم پر قیامت گزر گئی۔ قیامت گزر جانے کے دو معنی ہیں۔ نہایت سختی کا زمانہ گزر جانا اور خود قیامت کا آ جانا۔

(۲) سیدھے اور صاف معنی یہ ہیں کہ کل جب تم ہمارے پاس سے چلے گئے تو ہماری ایسی بُری حالت ہوئی کہ قیامت ہی برپا ہو گئی اور اس حالت میں فردا وی کا تفرقہ یکبار مٹ گیا۔ گویا گزشتہ کل ہی میرے لئے فردائے قیامت بن گئی (رآستی، سفید)

۹۔ افسوس صد افسوس اسد اللہ خاں تمہیں زمانے نے مار ڈالا۔ یعنی محبت کی بدولت تم موت آنے سے پہلے مر گئے۔ اب وہ تمہارے جوش اور دلولے اور جوانی کیا ہوئی۔ مطلب یہ ہے کہ سب غارت ہو گئے۔ طباطبائی: نام کے ساتھ خاں کا لفظ لالنے سے یہ معنی نکلتے ہیں کہ کسی زمانے میں قوت و سطوت حاصل تھی، جواب نہیں رہی۔

تسکین کو ہم نہ روئیں جو ذوقِ نظر سے ۱ حورِ انِ خلد میں تری صورت مگر سے  
 اپنی گلی میں مجھ کو نہ کر دفن بعدِ قتل ۲ میرے پتے سے خلق کو کیوں تیرا گھر سے  
 ساقی گری کی شرم کر آج ورنہ ہم ۳ ہر دم پیاسی کرتے ہیں جس قدر سے  
 تجھ سے تو کچھ کلام نہیں لیکن بے ندم ۴ میرا سلام کیسوا اگر نامہ بر سے  
 تجھ کو بھی ہم دکھائیں کہ مجھوں نے کیا کیا ۵ فرصت کشائش غم نہاں سے گھر سے  
 لازم نہیں کہ حضور کی ہم پیروی کریں ۶ جہاں کہ ایک بزرگ ہمیں ہم سفر سے  
 اے ساکنانِ کوچہ دلدار و یکعنا

تم کو کہیں جو غالبِ آشفقہ سے

۱۔ تسکینِ قلب اس طرح ہو سکتی ہے کہ تو مل جلے اور ذوقِ نظر سے  
 یہ مطلب ہے کہ تو نہیں تو کوئی تیرا ہم شکل ہی مل جائے اور اسے دیکھ کر ہمارا  
 ذوقِ نظر پورا ہو جائے۔ کہتا ہے۔ اگر جنت میں ہمارا ذوقِ نظر پورا ہو جائے  
 تو ہم تسکینِ قلب کا ماتم نہ کریں اور اسی پر قناعت کر لیں۔ مگر مصیبت یہ  
 ہے کہ بہشت میں کوئی حور تیری ہم شکل نہیں۔ اس لئے ہم ذوقِ نظر اور تسکینِ قلب  
 دونوں سے محروم ہیں۔

۲۔ مجھے قتل کرنے کے بعد اپنی گلی میں دفن نہ کر، کیونکہ رشک کی وجہ  
 سے مجھے یہ گواہ نہیں کہ میرے دفن کے پتے سے لوگوں کو تیرا گھر ملے۔ اس  
 شعر کے کئی پہلو ہیں۔ مثلاً (۱) لوگ یہ کہیں گے کہ جس گلی میں غالب کی قبر  
 ہے وہاں فلان شخص ہے (۲) اس سے تیرے قاتل ہونے کا حال معلوم ہو گیا  
 (۳) اور تجھ سے مواخذہ ہو گا (۴) تیری بدنامی ہو گی (۵) تیرے نام کے ساتھ  
 میں اپنا ذکر پسند نہیں کرتا (۶) مجھے عشق میں قتل ہونے سے شہرت

مطلوب نہیں۔

۳۔ ویسے تو ہر شب کو جتنی تھوڑی بہت شراب مل جاتی ہے، ہم پانی ہی لیتے ہیں۔ لیکن آج تم ساقی بنے ہو، اپنی ساقی گری کی لالچ رکھو۔ اور خوب جی بھر کر پلا دو۔

حسرت : مے باندازہ حوصلہ دو۔

آہی : ساقی دو چار جام پلا چکا ہے اور ان کا دل سیر نہیں ہوا بار بار سوال جاری ہے۔ وہ کہتا ہے بس جتنی تو پیتا ہے، اس کے موافق ہم تجھے پلا چکے اب نہ دینگے۔ یہ کہ ساقی گری کی الخ۔

۴۔ غالب ایک خط میں اس کی شرح لکھتے ہیں :- شاعر کو ایک قاصد کی ضرورت ہوئی۔ مگر کھٹکایہ کہ قاصد کہیں معشوق پر عاشق نہ ہو جائے ایک دوست اس عاشق کا ایک شخص کو لایا اور اس نے عاشق سے کہا کہ آدمی معتدل اور معتدلیہ ہے۔ میں ضامن ہوں کہ یہ ایسی حرکت نہ کرے گا۔ خیر اس کے ہاتھ خط بھیجا گیا۔ قضا عاشق کا گمان بچ ہوا۔ قاصد مکتوب الیہ کو دیکھ کر دالہ شیفقت ہو گیا۔ کیسا خط، کیسا جواب، دیوانہ پن کپڑے پھاڑ جنگل کو مل دیا۔ اب عاشق اس واقعہ کے بعد نیرم سے کہتا ہے کہ غیب جان تو خدا ہے کسی کے باطن کی کسی کو کیا خبر ہے۔ اس نیرم تجھ سے کچھ کلام نہیں۔ لیکن اگر نامہ بر کہیں مل جائے تو اس کو میرا سلام کہیو کہ کیوں صاحب کیا کیا دھڑے عاشق نہ ہونے کے کر گئے تھے اور انجام کا کیا ہوا۔

۵۔ کہتے ہیں اگر غم پنہاں کی کشاکش سے ہمیں نجات مل جائے یعنی اگر غم دل ساری ہو کہ تمام نہ کرے تو پھر ہم تمہیں بتائیں کہ مجنوں نے کیا کیا تھا۔ اور ہم کیا کر سکتے ہیں۔ ”مجنوں نے کیا کیا“ کا معنی فیض ہے۔ مثلاً یہ کہ ہم مجنوں کی طرح

جنگل میں نکل جائیں اور محضوں کا توبہ ہی کر دکھائیں، یا یہ ثابت کر دکھائیں کہ محضوں نے کچھ نہ کیا تھا اور ہم کچھ اس سے بڑھ چڑھ کر کر سکتے ہیں۔

نہ خود: غم نہاں سے اپنی پردہ دری اور رسوائی کا خیال ہے کہ وہ ہمیں جنگل کی طرف جانے سے روکتا ہے اور کھینچ کھینچ کر واپس لے آتا ہے ورنہ ہم تمہیں دکھاتے کہ محضوں نے عاشقی کو کس حد تک ترقی دی ہے۔

۶۔ حضرت بھٹکے ہوئے مسافروں کی رہنمائی کرنے میں مشہور ہیں کتنے ہیں، ہم پر یہ لازم نہیں آتا کہ ہم حضرت خضر کی پیروی کریں۔ ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ راہ سلوک میں ہم گامزن تھے اور اس سفر میں ہمیں ایک بزرگ ہم سفر ملے تھے جو حضرت خضر کہلاتے تھے مطلب یہ ہے کہ جیسے ہم بھٹکے ہوئے تھے ویسے ہی خضر بھی تھے، ہمارا مرتبہ سلوک ان سے کچھ کم نہ تھے۔

۷۔ اے ساکنانِ کوچہ دلدار، اگر تمہیں کہیں غالب خستہ چلتا پھرتا یا گسار پڑا مل جائے تو ذرا دیکھنا کہ اس کی کیا حالت ہے یا اس کا خیال رکھنا۔

۱۶۰

کوئی دن گر زندگانی اور ہے ۱ اپنے جی میں ہم نے ٹھانی اور ہے  
آتشِ دوزخ میں یہ گرمی کہاں ۲ سوڑ غمہائے نہانی اور ہے  
مار با دیکھیں ہیں اُبی کی رنجشیں ۳ پر کچھ اب کے سرگمگنی اور ہے  
دے کے خطائے دیکھتا ہے نامربر ۴ کچھ تو پیغامِ زبانی اور ہے  
قاطعِ اعمار ہیں اکثرِ نجوم ۵ وہ بلائے آسمانی اور ہے  
ہو چکیں غالبِ بلائیں سب تمام  
ایک مرگِ ناگسائی اور ہے

۱۔ طباطبائی: بندش کی خوبی اور محاورہ کے لطف نے اس شعر کو سنبھال لیا، ورنہ آخری مصرعہ مبہم ہے۔ حسرت، اتخود اور سجد اس کے یہ معنی لیتے ہیں کہ کچھ روز اور زندگی ہوئی تو ہم ترکِ محبت کی کوشش کریں گے۔

غالب نے اپنے ایک خط میں اس شعر کی شرح ان الفاظ میں بیان کی ہے: ”اس شعر میں کوئی اشکال نہیں ہے، جو لفظ ہیں وہی معنی ہیں شاعر اپنا مقصود کیوں بتائے کہ میں کیا کروں گا؟ یہم کہتا ہے کہ میں کچھ کر چکا خدا جانے شہر یا نواح شہر میں تکیہ بنا کر فقیر ہو کر بیٹھ رہے یا دیس چھوڑ پمدیں کو چلا جائے“ (سقیم)

آسی: حقیقتاً دوسرا مصرعہ بہت سے معانی پیدا کرتا ہے جو عین فصاحت ہے۔

۲۔ حق یہ ہے کہ آتشِ دوزخ میں بہت گرمی ہے۔ لیکن اس میں ایسی گرمی نہیں جیسی کہ سوزِ غم ہائے نہانی میں ہوتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ سوزِ غم آتشِ دوزخ سے زیادہ سخت ہے۔

۳۔ سرگِلانی .. رنخش، خٹکی۔

ہم نے ان کی رنخیش اور خٹکیاں یاد یاد کی ہیں۔ لیکن اب کی مرتبہ ان کی خٹکی کسی آدمی کی قسم کی ہے۔ گویا یہ خٹکی ایسی نہیں کہ پھر صفائی ہو جائے۔

۴۔ نامہ بر نے ان کا خط مجھے دے دیا ہے، لیکن وہ خط دے کر میرا مُنہ تک رہا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس خط کے علاوہ ان کا کچھ نہ بانی پیغام بھی ہے جسے پہنچانے میں وہ بچکچا رہا ہے۔

بقول طباطبائی شاید کچھ گالیاں بھی کہلائی بھی ہیں کہ ان کو دہرانے میں

وہ حجاب کرتا ہے یا بقول اُسی یہ کہہ دیا ہے کہ اب تو میں نے جواب دے دیا ہے، آئندہ مجھے کوئی خط نہ لکھنا۔

۵۔ قاطع .. قطع کرنے والے + اعمار .. جمع عمر کی + نجوم .. ستارے + بلائے آسمانی .. مراد معشوق۔

اکثر ستارے عموں کو قطع کرنے والے ہیں۔ یعنی اُن کے اثر بہرے سے انسان مر جاتا ہے۔ لیکن جس بلائے آسمانی (ستمگہ معشوق) سے میرا سابقہ بڑا ہے، وہ ان ستاروں سے بھی زیادہ تباہ کن ہے جو قاطع (زندگی) ہیں مطلب یہ ہے کہ معشوق عمر قطع کر کے مصائب کا خاتمہ نہیں کر دیتا بلکہ وہ زندگی کو موت سے بدتر بنا دیتا ہے۔

۶۔ مرگِ ناگہانی .. وہ موت جو بہن کے ایک دم آجائے۔  
 کہتے ہیں سب بلائیں ہم پر ختم ہو چکیں اور ہم نے انہیں برداشت کر لیا۔  
 اب فقط مرگِ ناگہانی باقی رہ گئی ہے۔ طباطبائی لکھتے ہیں کہ یہاں مرگِ ناگہانی سے محض موت مراد ہے۔ چونکہ موت کہہ کر نہیں آتی بلکہ ناگہانی آتی ہے۔

۱۶۱

کوئی امید بر نہیں آئی ۱ کوئی صورت نظر نہیں آتی  
 موت کا ایک دن معین ہے ۲ نیند کیوں رات بھر نہیں آتی  
 آگے آتی تھی حالِ دل پہ منہ ہی ۳ اب کسی بات پر نہیں آتی  
 جانتا ہوں ثوابِ طاعتِ زہد ۴ پر طبیعتِ ادھر نہیں آتی  
 ہے کچھ ایسی ہی بات جو چپکے ۵ در نہ کیا بات کر نہیں آتی  
 کیوں نہ چھوڑ کر یاد کرتے ہیں ۶ میری آواز گر نہیں آتی  
 داغِ دل گر نظر نہیں آتا ۷ بوجھ بھی اسے چارہ گر نہیں آتی

ہم دناں ہیں جہاں سے ہم کو بھی ۸ کچھ ہماری خبر تھیں آتی  
 مہتے ہیں آرزو میں مرنے کی ۹ موت آتی ہے پر نہیں آتی  
 کہے کس منہ سے جاؤ گے غالب  
 شرمِ تم کو مگر نہیں آتی

۱۔ نہ تو میری کوئی امید برآتی ہے اور نہ امید بر آنے کی صورت نظر  
 آتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تمام عمر نامرادی میں بسر ہو گئی اور آئندہ بھی یہی  
 ہے۔

نہ اتنی نے دوسرا مفہوم یہ لکھا ہے کہ اتنی امید بھی پوری نہ ہوئی کہ کوئی صورت  
 معشوق کے وصل کی نظر آجائے۔

۲۔ موت تو اس لئے نہیں آتی کہ اس کے آنے کا وہی مقرر ہے۔ لہذا وہ  
 اپنے وقت پر آئیگی۔ لیکن نیند کو کیا ہو گیا ہے۔ وہ موت تو نہیں ہے کہ وقت پر  
 ہی آئیگی۔ اسے تو آنا چاہئے۔

دوسرا پہلو یہ ہے کہ جب موت کا ایک دن مقرر ہے تو پھر موت کے خوف  
 کی وجہ سے نیند رات بھر کیوں نہیں آتی۔

۳۔ اس شعر کی تعریف نہیں ہو سکتی۔ بقول طباطبائی تیر کو بھی اس  
 پر رشک کرنا چاہئے۔ کہتے ہیں پہلے یہ حالت تھی کہ کبھی مجھے اپنے حالِ ناز  
 پر ہنسی آجاتی تھی کہ میں نے اپنی کیسی شکل بنالی ہے لیکن اب افسردگی کا یہ  
 عالم ہے کہ مجھے اپنے حال پر بھی ہنسی نہیں آتی۔

۴۔ طاعت .. عبادت۔

میں عبادت و زہد کے ثواب کو اچھی طرح جانتا ہوں لیکن کیا کمال اپنی طبیعت  
 سے مجبور ہوں کہ وہ اس طرف مائل ہی نہیں ہوتی۔ مطلب یہ ہے کہ عبادتِ مخلوق

سے کرنا چاہتے ہیں لیکن یہ درجہ ابھی حاصل نہیں ہوا۔

۵۔ کچھ ایسی ہی بات ہے جس کی وجہ سے میں بات نہیں کرتا۔ ورنہ یہ بات نہیں کہ میں بات کرتی نہیں جانتا۔ پہلا مصرعہ بہت سے پہلو رکھتا ہے۔ مثلاً (۱) میرے خاموش رہنے میں کچھ مصلحت ہے جسے میں ظاہر کرنا نہیں چاہتا (۲) رسولی معشوق کے خوف سے بات نہیں کرتا (۳) اسے معشوق کے کچھ راز معلوم ہو گئے ہیں (۴) دل گلہ مند ہے، مڑے کھلے گا تو شکایتیں مڑے سے نکلینگی (۵) شکایتیں سن کر وہ ناراض ہو جائے گا (۶) شکایتیں کون سنتا ہے اس لئے خاموش رہنا ہی بہتر ہے (۷) ممکن ہے معشوق ہی نے بولنے سے منع کر دیا ہو (۸) عشق نے منہ پر مہر لگا دی ہو۔

ہمیں عشق میں میر چپ لگ گئی ہے نہ شکر و شکایت نہ حرف حکایت ۶۔ اگر میں نہ چھوؤں اور اُن تک میری گریہ و زاری کی آواز نہ پہنچے تو وہ کہتے ہیں آج وہ شور مچانے والا کہاں گیا۔ اس کی آواز نہیں آتی۔ اس کے کئی ایک پہلو ہیں۔ مثلاً (۱) میری نالہ کشی وہ پسند کرتے ہیں اور اس میں انکو لطف آتا ہے اس لئے میں کیوں نہ چھوؤں۔ (۲) میری گریہ و زاری کو وہ اپنی شہرت کا ذریعہ خیال کرتے ہیں (۳) اگر میں نہیں روتا تو وہ مجھ کو بلاتے ہیں اور بلا کر نالہ و فزاد کی تاکید کرتے ہیں (۴) مجھ پر ظلم کرتے ہیں تاکہ میں ضرور نالہ کشی کروں۔

۷۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چارہ گر کو یقین نہیں آتا کہ عاشق کے دل میں درغ ہے، عاشق اس سے کہتا ہے اسے چارہ گر تجھے داغ دل نظر نہیں آتا تو کیا اس کی پوچھی نہیں آتی۔ گوشت جلنے کی بو بہت جلد آ جاتی ہے اس لئے اس سے کہتے ہیں کہ اگر تو دیکھ نہیں سکتا ہے تو کیا تیری قوتِ شام بھی سلب ہو گئی ہے۔ دوسرے مصرعہ میں استفہامِ انکاری استفہامِ انکاری ہی کر طنز



کی صورت پیدا کر رہا ہے۔

آسی: اے چارہ گر تجھے میری محبت سے انکار ہے تو کیا میرے اندازِ مجنونانہ سے بھی پہچان نہیں سکتا۔

۸۔ اب ہماری خود رفتگی اس درجہ بڑھ گئی ہے کہ ہمیں خود بھی اپنے حال کی کچھ خبر نہیں رہی۔ پھر دوسروں کا تو پوچھنا ہی کیا ہے۔

۹۔ میں مرنے کی آرزو میں مرا جاتا ہوں۔ یعنی مجھے موت کا بے حد شوق اور انتظار ہے مگر موت نہیں آتی۔ گویا مجھے آرزوئے موت میں موت آتی ہے۔ حقیقی معنوں میں میں نہیں مرتا۔ موت کے آنے نہ آنے سے زندگی عجیب کشمکش میں مبتلا ہے۔

۱۰۔ بخود: رات دن سینکڑوں آدمیوں کا مرنا سنتے ہیں مگر مجھ کو موت نہیں آتی۔

۱۔ مگر... شاید۔

غالب: تم خانہ کعبہ کی زیارت کا ارادہ رکھتے ہو۔ شاید تمہیں وہاں جاتے ہوئے مشرم نہیں آئے گی۔ بندہ خدا ساری عمر تو تم نے شاید پرستی، شراب خواری اور قمار بازی میں صرف کی۔ اب وہاں جا کر خدا کو کیا منہ دکھاؤ گے۔

۱۴۲

دلِ نادانِ تجھے ہوا کیا ہے ۱ آخراںِ درد کی دوا کیا ہے  
ہم ہیں مشتاق اور وہ بیزار ۲ یا الہی یہ ماجرا کیا ہے  
میں بھی منہ میں زباں رکھتا ہوں ۳ کاش پوچھو کہ مدعا کیا ہے  
جب کہ تجھ بن نہیں کوئی مرعہ ۴ پھر یہ ہنسا کہ اے خدا کیلے

یہ پر سی چہرہ لوگ کیسے ہیں ۵ غمزہ و عشوہ و ادا کیا ہے  
 شکن زلفِ عنبریں کیوں ہے ۶ رنگہ چشمِ سرمہ سا کیا ہے  
 لالہ و گل کہاں سے آئے ہیں ۷ ابر کیا چیز ہے، ہوا کیا ہے  
 ہم کو ان سے وفا کی امید ۸ جو نہیں جانتے وفا کیا ہے  
 ہاں بھلا کر تیرا بھلا ہو گا ۹ اور درویش کی صدا کیا ہے  
 جان تم پر نثار کرتا ہوں ۱۰ میں نہیں جانتا دعا کیا ہے  
 میں نے مانا کہ کچھ نہیں غالب  
 مفت ہاتھ آئے تو سنا کیا ہے

۱۔ درد سے مراد عشق ہے۔ اپنے دل کو ملامت کرتے ہیں کہ اے نادان  
 تجھے ہڑا کیا ہے۔ ہوش کر۔ باز آ جس مرض میں تو مبتلا ہو رہا ہے، اس  
 کا کوئی علاج نہیں

دوسرا پہلو یہ ہے کہ تجھے ہڑا ہی کیا ہے۔ جس کا معالجہ کیا جائے۔  
 تیسرا مفہوم۔ دل نادان تجھے کیا ہو گیا ہے۔ اپنا مرض بتا۔ زیادہ نہ چھپا  
 تاکہ میں اس کا علاج کر دوں۔ یا یہ کہ تو اپنی حرکتوں سے باز آئے تو تیرے علاج  
 کی طرف رجوع کروں۔

۲۔ حالی: گو با ابھی عشق کے کوہ میں قدم رکھا ہے اور معشوق و عاشق  
 میں جو ملا دنیا کی باتیں ہوتی ہیں، اُن سے ناواقف ہے۔ اس لئے باوجود  
 اپنے مشتاق ہونے کے بیزار ہونے پر تعجب کرتا ہے بقول بیخود یہ شعر  
 بھی مرزا کے نشتر میں سے ہے۔

آسی: یہ سنا ہے کہ دل کو دل سے ماہ ہوتی ہے مگر یہاں عجبات  
 ہے کہ ہم اس کے مشتاق ہیں اور وہ ہم سے بیزار ہے۔

۳۔ معشوق عاشق سے کوئی بات نہیں کرتا۔ عاشق غاموش رہتا ہے لیکن دل ہی دل میں اُبل رہا ہے اور ٹپلا بیٹھا ہے کہ ذرا سا موقع مل جائے تو داستانِ دل کے دفتر کھول بیٹھے۔ آخر باپوس ہو کر کتا ہے۔ میں بھی منہ میں زبان رکھتا ہوں۔ گونگیا نہیں ہوں۔ کاش تم مجھ سے میرا علٹے دل پوچھو تو پھر میں اپنی داستانِ ظلم بیان کروں دوستی۔ سعید

یخود و طباطبائی: تم غیروں سے استفسار حال کرتے ہو، مجھے بھی خدا نے زبان دی ہے۔ مجھ سے بھی پوچھ کر دیکھو کہ تیرا مدعا کیا ہے۔

۴۔ یہاں سے اشعار قطعہ بند ہیں۔ اسے خدا جبکہ تیرے سوا کوئی لؤ موجود نہیں ہے تو پھر یہ ہنگامہ کیا ہے یعنی

- ۵۔ یہ پری چہرہ اور حسین لوگ کیسے ہیں اور یہ ان کے ناز و انداز کیا چیز ہیں
- ۶۔ یہ عیسویں زلفوں کے شکن کیسے ہیں اور یہ ہنگہ چشم سرگیش کیا جملہ ہے۔
- ۷۔ یہ سبزہ دگل اور بہاؤ کہاں سے آئی ہے۔ ایر کیا ہے اہوا کیا ہے۔

ان پے درپے استفسارات سے مطلب یہ ہے کہ جب خدا کی ذات کے سوا تمام چیزیں ہیچ اور معدوم ہیں تو پھر یہ چیزیں کیا ہیں جو انسان کے دل کو اپنی طرف کھینچتی ہیں اور اطمینان کے ساتھ اسے ذاتِ باری کی طرف رجوع ہونے سے روکتی ہیں اشعار متذکرہ ان ہنگامہ خیز اشیاء کے خلاف مدلے احتجاج بلند کرتے ہیں اور اس حقیقت کا اظہار کرتے ہیں کہ ہم ضرور ذاتِ باری کی طرف رجوع کریں۔ لیکن یہ دلقریاں ہمارے دامنِ دل کو اپنی طرف کھینچتی ہیں اور سکونِ قلب سے ذاتِ باری کی طرف متوجہ نہیں ہونے دیتیں۔

۸۔ عشق نے عقل ضبط کر دی ہے کیونکہ ہم ان لوگوں سے وفا کی امید رکھتے بیٹھے ہیں جن کو معلوم نہیں کہ وفا کس چیز کا نام ہے۔ بقول اسی جفا کاروں

امید و قائل عام ہے۔ طہا قلبائی و متحد کا خیال ہے کہ وہ کسی کی وجہ سے ایسے نادان ہیں کہ وہ قاضی کو نہیں جانتے۔

۹۔ ہم درویشوں کی یہی صدا ہے کہ "ہاں بھلا کر تیرا بھلا ہوگا"۔ الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ خود ایک فقیر ہیں اور یہ صدا لگا کر معشوق کو بھلائی کرنے پر آمادہ کر رہے ہیں۔

۱۰۔ میں اوروں کی طرح خالی دعا میں دینی نہیں جانتا بلکہ اپنی جان تم پر نثار کرتا ہوں۔ اسی نے دوسرا مفہوم یہ پیدا کیا ہے کہ میں اپنے مرے کی دعا کیوں مانگوں۔ ایلو، اپنی جان دیئے دیتا ہوں

۱۶۳

کہتے تو ہوں سب کہ بتِ عالیہ منائے ۱ اک مرتبہ گھبر کے کہو کوئی کہ وہ آئے  
ہوں کشکشِ نزع میں ہاں جذبِ محبت ۲ کہہ کہ نہ سکوں پردہ مرے پوچھنے کو آئے  
ہے صاف حق و شعلہ و سیلاب کا عالم ۳ آنا ہی کبھی مری آتا نہیں تو آئے  
ظاہر ہے کہ گھبر کے نہ بھاگیں گے بکیری ۴ ہاں منہ سے مگر یادِ روئینہ کی برائے  
جلاوے سے ٹھٹھ میں نہ داخل سے جھگڑتے ۵ ہم کچھ ہوتے ہیں اے جس جیس میں جو آئے  
ہاں اہل طلب کو نئے طعنے نایافت ۶ دیکھ کہ وہ ملتا نہیں اپنے ہی کو کھدائے  
پتا نہیں وہ شیوہ کہ آسام سے بیٹھیں ۷ اُس در پہ نہیں بار تو کعبہ ہی کو ہوائے  
کی ہم نفلوں نے اثر کر یہ میں تعسیر ۸ اچھے رہے آپ اُس سے مگر کچھ کو ڈوبائے  
اُس انجمن ناز کی کیا بات ہے غالب

ہم بھی گئے قال اور تری تقدیر کو رو آئے

۱۔ غالبہ اُس مرکب خوشبو کو کہتے ہیں جو مشک و عنبر اور کاقد و غیرہ کو ملا کر

بناتے ہیں۔ غالبہ مرکبیں و معنبر زلفوں والا محبوب۔

اے ہمدرد تم میری حالت زاد کو دیکھ کر یہ دعا کہتے ہو کہ وہ جنہرں زلفوں والا  
محبوب آجائے تاکہ غالب کو سکون قلب حاصل ہو جائے، لیکن میری تنہا یہ ہے۔  
کہ تمہاں سے کوئی گھبرا کر کہے کہ لوہ آگئے۔

۲۔ میں کشمکشِ مزاج میں مبتلا ہوں۔ اس لئے اُن سے کلام کرنے کی ہمت  
نہیں۔ بلکی اے جذبہ الفت اتنا تو کر کہ تو اُن کو میری عیادت کے لئے بھیج لا۔  
تاکہ اور کچھ نہیں تو مرنے وقت میں انہیں دیکھ ہی لوں۔

۳۔ صاعقہ۔۔ گولے والی بجلی + سیلاب۔۔ پارہ۔۔ یہ دونوں چیزیں ایک  
جگہ قرار نہیں پاتیں۔

اگرچہ معشوق آیا۔ لیکن اس کا آنا میری سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ بجلی کی  
طرح تڑپتا، شعلہ کی طرح بھراکتا اور سیلاب کی طرح چھلتا ہوا آیا۔ گویا ایک دم پھر  
بھی جیسی سے نہ بیٹھا کہ چل دیا۔

دوسرا مفہوم یہ ہے کہ ہم لوگوں کو دنیا میں آنا سمجھ میں نہیں آتا کہ شعلہ برق  
سیلاب کی طرح ایک دم کو قرار نہیں مانتا۔ جتنی مدت زندہ رہتے ہیں۔ بے قرار  
ہی رہتے ہیں۔

۴۔ حالی: نکیرین وہ فرشتے جو دفن ہونے کے بعد مردے کا حساب لینے  
قبر میں آتے ہیں۔ بادۂ دو شبنم یعنی رات کی پانی ہوئی شراب جو مرنے سے پہلے  
پنی خمی۔ ازراہ شوخی کہتا ہے کہ نکیرین کے سوال و جواب سے سمجھنے کی کوئی  
تدبیر اس کے سوا نہیں کہ شراب پی کر مرے تاکہ نکیرین اس کی بولی کرے امت  
سے بغیر سوال و جواب کئے چلے جائیں۔

۵۔ یہ شعر تصوف میں ہے کہ ہم ہر چیز میں محبوب حقیقی کا جلوہ دیکھتے  
ہیں اس لئے نہ تو جلا دے جھگڑتے ہیں اور نہ داخل سے لٹکتے ہیں۔ گویا ہم یہ خوب

جگتے ہیں کہ یہ تو ہی ہے کہ اپنا بھیس بدل کر مختلف شکلوں میں ظاہر ہوتا ہے۔  
 یہ ہر رنگ کے خواہی جامہ سے پوش من اعجاز قدرت را می شناسم  
 ۶۔ اسے اہل طلب یہ طعنہ کون شتا کہ اُس نے راز معرفت کو ڈھونڈا اور نہ پایا۔  
 اس بلئے جب میں نے دیکھا کہ وہ کسی طرح نہیں ملتا تو اپنے آپ ہی کھو دیا تاکہ یہ  
 طعنہ نایافتہ سننے کی صلاحیت ہی باقی نہ رہے۔

۷۔ اپنا شیوہ اور دستور یہ نہیں ہے کہ مایوس ہو کر محنت ہار دوں۔ جب ہم  
 نے دیکھا کہ معشوق مجاہزی کے در پر ہیں ہار نہیں تو ہم خانہ کعبہ ہی سے ہواٹھے کہ  
 وہ معشوق حقیقی کا گھر ہے۔ مطلب یہ نکلا۔ مایوسی نے ہمارے درجہ کو اور بھی  
 بلند کر دیا۔

آسی۔ طباطبائی اور سجد کا خیال ہے کہ شاعر خانہ کعبہ کو جانا ہرزہ گردی  
 اور شغلہ بیکاری سمجھتا ہے۔۔۔ بیخود لکھتے ہیں۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ اس کا  
 پتہ کہیں نہیں ملتا تو جا کر خانہ کعبہ کی زیارت سے مشرف ہو آئے یعنی یہاں  
 یار نہ ملا تو یار کے گھر ہی کو دیکھ آئے۔

۸۔ ہم نض .. دوست + اثر گریہ میں .. اثر گریہ کے بارے میں۔

میرے دوستوں نے ازراہ ممدودی معشوق کے پاس جا کر اثر گریہ کے  
 بارے میں گفتگو کی اور کہا کہ غالب دن رات روتا ہے اور رو کر اس کا ثما  
 حال ہو گیا ہے۔ دیکھنا اس کی گریہ و زاری تمہیں بر باد کر دے گی۔ اس بیان  
 سے معشوق پر ثابت ہو گیا کہ عاشق کے رونے کا معشوق پر کوئی اثر نہیں  
 ہوتا۔ کیونکہ اگر گریہ میں اثر ہوتا تو اس پر ضرور کچھ نہ کچھ اثر ہوتا۔ چنانچہ اُس  
 نے میرے دوستوں کو یہی دلیل پیش کر کے قائل کر دیا اور انہوں نے بھی مان لیا  
 کہ ہاں واقعی گریہ و زاری میں کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اہل لوگوں کے منہ خال ہوئے۔

معتشوق خوش ہو گیا۔ گویا یہ لوگ تو اس سے اچھے رہے۔ لیکن مجھ کو ڈبو آئے۔  
 ”ڈبو آئے“ کے متعدد مفہوم ہیں۔ بقول بیخود میرے گریہ کی بے اثری کا قائل  
 ہو جانا میرے لئے مشرمدنی کا سبب تھا۔ بقول آتشی، ابھی کبھی جو میں اس  
 کو اپنے نالہ و فریاد کے اثر کی دھکی دیتا تھا اب وہ گئی۔

حسرت، سعید: اس طرح سے اس پر میرے رونے کی بے اثری ثابت  
 ہو گئی۔ بیخود نے دوسرا مفہوم یہ لکھا ہے کہ معتشوق سے میرے گریہ کا مالی  
 کمبیا۔ جس کو میں ہمیشہ پوشیدہ رکھتا تھا۔ اب اس حال کے ظاہر ہو جانے کے  
 بعد میں اس کی نگاہوں میں خیر ہو جاؤں گا۔

آتشی کی شرح میں ”اچھے رہے آپ اس سے“ کی شرح دوست نہیں  
 لکھتے ہیں کہ اس حساب سے دوست تو اچھے رہے کہ انہوں نے میرے  
 اوپر احسان ثابت کر دیا۔ سعید نے بھی ”اس سے“ کی تشریح بہم رکھی  
 ہے: ”لکھتے ہیں“ ایسا کرنے سے وہ اپنے آپ تو مخرخو بن گئے۔ الخ

۹۔ تقدیر سے مراد بُری تقدیر ہے۔ لکھتے ہیں اس بزمِ ناز کی کیا بات  
 ہے یعنی وہ ایسی بُر لطف ہے کہ اس کی تعریف نہیں ہو سکتی۔ ہم وہاں گئے  
 اور اس سے لطف اندوز ہوئے۔ اس وقت معاً ہمیں یہ خیال آیا کہ غالب  
 افوں تیری قسمت کہ تو اس انجمنِ ناز کے لطفِ صحبت سے محروم ہے۔

دوسرے مصرعہ کی شرح میں طباطبائی لکھتے ہیں۔ تیسرے مصرعہ دوری کا  
 حال ہم اس سے جا کر بیان کر آئے۔ آتشی نے دونوں مفہوم بیان کئے ہیں۔

۱۶۴

پھر کچھ اک دل کو بے قراری ہے ۱ سینہ جو یائے زخمِ کاری ہے  
 پھر جگر کھودنے لگا ناخن ۲ آید فصلِ لالہ کاری ہے

قبلہ مقصدِ نگاہِ نیاز ۳ پھر وہی پردہِ عماری ہے  
 چشمِ دلال جس رسوائی ۴ دلِ خربدار ذوقِ خواری ہے  
 وہی صد رنگ لالہ فرسائی ۵ وہی صد گونہ اشکباری ہے  
 دل ہوائے خرامِ ناز سے پھر ۶ محشرِ تان بے قراری ہے  
 جلوہ پھر عرضِ ناز کرتا ہے ۷ روزِ بازارِ جانپاری ہے  
 پھر اُسی بے وفا پہ مرتے ہیں ۸ پھر وہی زندگی ہماری ہے  
 پھر کھلا ہے وہ عدالتِ ناز ۹ گرم بازارِ فوجداری ہے  
 ہو رہا ہے جہان میں اندھیر ۱۰ زلف کی پھر سرشتِ داری ہے  
 پھر دیا پارہ جگر نے سوال ۱۱ ایک فریادِ آہ و ناری ہے  
 پھر ہوئے ہیں گواہِ عشقِ طلب ۱۲ اشکباری کا حکم جاری ہے  
 دل و مرگاہ کا جو مقدمہ تھا ۱۳ آج پھر اس کی رو بکاری ہے  
 بے خودی بے سبب نہیں غالب

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

- ۱- میرا دل پھر بے چین ہو رہا ہے اور میرا سینہ عشق کا کاری زخم کھانے کا  
 مشتاق ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دل و جگر کسی کی تیز نگاہ کا نشانہ بننا چاہتے ہیں۔
- ۲- چونکہ لالہ بونے کی خصل آ رہی ہے، اس لئے میرا ناخن غم پھر جگر کو کرینے  
 لگا ہے۔ الفاظِ نہایت مناسب صرف کئے گئے ہیں۔

۳- نیاز .. حاجت + پردہِ عماری .. وہ محل جس میں معشوق  
 فروکش ہے۔

کہتے ہیں پھر ہماری نگاہِ نیاز مند کا قبلہ وہی پردہِ عماری بن گیا ہے جس  
 میں معشوق فروکش ہے۔ یعنی ہم پردہِ عماری کی طرف متوجہ ہیں .. پردہِ عماری



اور خلافت خانہ کعبہ کی رعایت ملحوظ رہے۔

۴۔ ہماری آنکھ دلال ہے اور وہ جنس رسوائی کی دلالی کر رہی ہے۔  
ذوق خواری کی وجہ سے دل اور جنس رسوائی کا خریدار بننا ہے۔ مطلب یہ ہے  
کہ آنکھ ہی دلالی کے دل کو سودائے عشق میں پھنساتی ہے۔

۵۔ پہلے شعر کی تفصیل اس شعر میں بیان کرتے ہیں کہ دل پھر اسی طرح  
سوسورنگ سے نالہ فرسائی میں مشغول ہے اور میں پھر وہی سینکڑوں طرح  
سے میقرار ہوں۔ گویا کسی پہلو میں نہیں۔

۶۔ یار کے خرام ناز کی آرزو میں میرا دل پھر محشرستان بے قراری بن گیا  
ہے خرام یار کو محشر سے تشبیہ دیا کرتے ہیں اور محشرستان اس مقام کو  
کہتے ہیں۔ جہاں بیشمار قیامتیں برپا ہوں۔ دل کے محشرستان میقاری دھننے  
سے یہ مطلب ہے کہ دل میں میقرار ہوں کے ہزار ہا حشر برپا ہیں۔

۷۔ حسرت : یعنی جلوۂ یار پھر سرنا ہے اور جاں سپاری عشق کا بازار گرم  
ہے۔ (سجید)

طباطبائی : جاں سپاری عاشق کا روزِ بازار ہے کہ جلوۂ معشوق متاعِ ناز  
کو غنیمت کر رہا ہے کہ کون اس کا خریدار ہے۔

آکشی : جلوۂ یار نے ظاہر ہو کر سر بازار جاں سپاری عاشق کو آبِ تاب  
اور رونق دی ہے اور جاں سپاری کا بازار گرم ہے۔

بیخود : جلوۂ یار متاعِ ناز و غرور کو دکھا کر کہہ رہا ہے کہ کون عاشقِ جانِ  
اس کا خریدار بنتا ہے۔ گویا بازار جاں سپاری کی ہر روز گرم بازاری ہے۔

۸۔ پھر اسی بے وفا پر مرتے ہیں اور ہماری زندگی پھر اسی طرح وقفِ آلام  
ہے۔ یا بقول طباطبائی جس پر مرتے ہیں، اسی کو دیکھ کر جیتے ہیں۔

۹۔ عدالتِ ناز کے دروازے پھر کھل گئے ہیں اور پھر فوجداری کا بازار گرم ہو گیا ہے یعنی عدالتِ ناز کے کھلنے سے عشاق میں وارداتیں ہونے لگیں اور ان کے مقدمات عدالت میں پیش ہونے لگے یا بقول بیخود، فصلِ گل کے آتے ہی پھر جنون و عشق کے دلوں دلوں میں پیدا ہونے شروع ہو گئے۔  
۱۰۔ جہاں میں ایک اندھیر ہو رہا ہے۔ کیونکہ زلفِ سررشتہ داری کے عہدہ پر فائز ہے۔ اُس نے تہنکہ مچا رکھا ہے، سررشتہ اور اندھیر زلف کے مناسبات بھی ہیں۔

۱۱۔ ”سوال دیتا“ قانونی زبان میں درخواست دینے اور دعویٰ دائر کرنے کو کہتے ہیں۔ پھر بارہ جگہ نے دعویٰ دائر کیا ہے۔ اس لئے فریاد و آہ و زاری جلا بھی کے لئے جمع ہوئی ہیں کہ یہ دعویٰ جھوٹا ہے۔

۱۲۔ اس مقدمہ میں گواہِ عشق پھر طلب ہوئے ہیں کہ اپنا بیان دیں اور اشکباری کا حکم جاری ہوا ہے۔ یعنی اشکباری کو بھی طلب کیا گیا ہے۔  
۱۳۔ رویکاری ۰۰ پیشی ۰۰ تاریخ ۰۰ حاضری ۰۰

دل اور مڑگاں کے درمیان جو مقدمہ تھا۔ آج پھر اس کی تاریخ ہے کہ اپنا اپنا دعویٰ اور جواب دعویٰ پیش کریں۔

۱۴۔ غالب یہ بیخودی اور خود فراموشی بے سبب نہیں ہے۔ کچھ نہ کچھ بات ضرور ہے جسے چھپانے کے لئے بے خودی کی آڑ لی گئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ رازِ عشق کو چھپانے کی غرض سے تم نے بیخودی اختیار کی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ رازِ عشق کو چھپانے کی غرض سے تم نے بے خودی اختیار کی ہے۔

اُسی کہتے ہیں کہ مقطع بھی قطع میں شامل ہے۔ گویا پوچھا گیا ہے کہ اگر

تم کو مرگاں نے نہیں ستایا ہے تو تم یہ بتاؤ کہ بے خود کیوں ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ تصور تمہارا ہے اور تم اس کو پھیلاتے ہو۔ یعنی تم کو عشق ہے اسی وجہ سے تم کو بیخودی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مرگاں کا کوئی قصود نہیں۔

۱۶۵

جنوں تہمت کش تسکین نہ ہو کر شادمانی کی ۱۔ تمک پاش خوش دل ہے لذت زندگانی کی کشاکشائے ہستی سے کسے کیا سعی ملدی ۲۔ ہوئی زنجیر موج آب کو فرصت روانی کی پس از مردن بھی یوانہ زیار نگاہ غفلاں ہے ۳۔ شراب سنگ سیرت پہ میری گلغشتانی کی ۱۔ اگر زنجیر یا تکلیف کی حالت میں انسان کو تھوڑی سی راحت یا آرام مل جائے تو اس کے بعد تکلیف کا احساس اور بھی زیادہ ہو جاتا ہے۔ شادمانی کی۔ شادمانی کرم "کا ترجمہ ہے۔ فرماتے ہیں۔ اگر ہم نے کسی قدر نطف زندگی اور شادمانی حاصل کی تو اس سے ہمارے جنوں پر تسکین کا الزام نہیں لگایا جاسکتا۔ کیونکہ یہ شادمانی تو زخم دل پر اور بھی زیادہ تمک پاشی کرتی ہے (حسرت۔ سعید) طلبا طلبائی، اگر میں نے شادمانی کی تو اس پر مجھ پر تسکین کی تہمت نہیں لگ سکتی بلکہ میری شادمانی تمک پاشی زخم دل کے سبب سے ہے نہ کہ تسکین کے سبب سے اور لذت زندگانی کا تمک پاش ہونا یہ مطلب رکھتا ہے کہ ان بُرے حالوں جیسے رہنا زخم دل پر نمک چھڑکتا ہے اور زخم دل پر نمک چھڑکنے سے اور سوزش زیادہ ہوتی ہے، تسکین کجا (بیخود، آسٹی)

آسٹی کا دوسرا مفہوم۔ اے جنوں چونکہ ہم نے کچھ خوشی کی ہے تو تجھ پر اس سے تسکین کی تہمت جو تیرے لئے باعث ننگ ہے، انہیں رکھی جاسکتی۔ بلکہ اگر ہم نے لذت زندگی کچھ اٹھائی ہے تو وہ اس لئے اٹھائی ہے کہ کچھ دیر بعد وہ ہم سے چھن جائے گی۔ یا ہم اس کو چھوڑ دیں گے اور یہ ظاہر ہے کہ جو عیش فانی

ہو وہ اور بھی باعث تکلیف ہے۔

۲۔ چونکہ زندگی کی کشاکش سے کوئی شخص آزاد نہیں ہو سکتا۔ اس لئے سعی آزادی فضول ہے۔ اس کے ثبوت میں یہ مثال پیش کرتے ہیں کہ موج آب کو دیکھئے۔ ظاہر طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی روانی آزاد ہے لیکن اگر یہ نظر غور دیکھیں تو وہ آزاد نہیں بلکہ وہ اپنی روانی ہی کی وجہ سے پابند ہے نیز کہ موج کی روانی زنجیر کی صورت پیدا کرتی ہے اور جس کے پاؤں میں زنجیر پڑی ہوئی ہو اُس کو آزاد نہیں کہا جاتا۔ پس معلوم ہوا کہ موج گرفتار ہے اور وہ سعی آزادی بھی بے بار کر رہی ہے۔ لیکن باوجود متواتر کوششوں کے اس کی سعی آزادی کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوتا۔ بلکہ اور زیادہ اُجھڑتی چلی جاتی ہے۔ اُسی نے اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یہاں آزادی بھی گرفتاری ہے۔

۳۔ مرنے کے بعد بھی تیرا دیوانہ لڑکوں کی زیارت گاہ بنا رہا۔ وہ پتھر جو انہوں نے بھ دیوانے کی قبر پر مارے۔ ان کے شرابوں سے میری قبر پر خوب گلخشاں ہوئی۔ وہ قبریں جو زیارت گاہ بن جاتی ہیں ان پر ہمیشہ پھول چڑھاتے جاتے ہیں۔ چونکہ یہ عشق کے دیوانے کی قبر تھی۔ اس لئے اس پر گلہائے آتشیں چڑھاتے گئے۔ جو سنگباری سے پیدا ہوئے۔

۱۶۶

۱۔ مبادا خندہ دندان نہا ہو صبح محشر کی  
 ۲۔ اگر بوسے بجائے دانہ دہقان لوگ نشتر کی  
 ۳۔ ہوتی محبس کی گرمی سے روانی دور سلنگ کی  
 ۴۔ کہ طاقت اڑ گئی اُڑنے سے پہلے بھٹکے پر کی  
 ۵۔ مری قسمت میں یا رب کیا نہ تھی دیوانہ پتھر کی

۱۔ نگو ہمش... ملاحت۔ چونکہ بیدار دلیہ کے فریادی کی سزا آئین عشق کے مطابق ملاحت مقرر ہے۔ اس لئے میں ڈرتا ہوں کہیں ایسا نہ ہو کہ اسی قانون کے مطابق قیامت کے دن صبح محشر بھی اس پر خندہ زن ہو یا خندہ دندان نما کرے و طباطبائی، بیخود، آتشی، معید و حسرت کا خیال ہے کہ مبادا ربح و قعجب کے لئے لائے ہیں۔

۲۔ ریشگی یعنی خلش مشہور ہے کہ ایک مرتبہ یلی نے قصد کھلوٹی۔ اس کا اثر مجنوں پر یہ ہوا کہ اُس کے ہاتھ سے خود بخود خون جاری ہو گیا۔ اس شعر میں اسی واقع کی طرف اشارہ ہے۔ فرماتے ہیں، اگر دشت مجنوں میں دہقان بجائے دانہ بونے کے نشتر کی نوک ہوئے تو اختلاج و عشق کے اثر سے نوک نشتر کی خلش یلی کو بھی اسی طرح محسوس جس طرح یلی کی قصد کھلنے سے مجنوں کی قصد خود بخود کھل گئی تھی (حسرت) باقی شارمین ریشگی سے مراد اگنا لیتے ہیں یعنی اگر دشت مجنوں میں دہقان دانہ کی جگہ نوک نشتر ہو دے تو اس زمین میں سے رگ یلی اُگے۔ طباطبائی کا خیال ہے کہ کاتب نے نقطے لگا کر دست کو دشت بنا دیا ہے۔ آتشی کہتے ہیں۔ دست مجنوں سے یہ لطیف معنی پیدا نہیں ہوتے اور نہ لفظ خاک با معنی رہتا ہے۔

۳۔ "کشتی مے .. وہ سینہ جس میں شراب کے بریز ساغر رکھ کر مے نوشوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

فرماتے ہیں۔ شاید پروانے کا پر کشتی مے کا بادبان تھا۔ کیونکہ جب مصل گرم اور شمع روشن ہوئی تو پروانے آگئے اور پروانوں کے آتے ہی کشتی مے گرم دیش کرنے لگی ہے۔ یعنی ساغر کا دور چلنے لگا۔ اس شعر میں یہ خوبی ہے کہ ہوا گرمی سے تحریک میں آتی ہے اور جب ہوا میں حرکت پیدا ہوتی ہے تو

باد بانوں کی مدد سے کشتی کو بھی حرکت ہوتی ہے۔

حسرت : دورِ ساغر کی روانی گرمی مجلس پر منحصر تھی اور گرمی محفل سوز پر فائدہ پر، اس دلچسپی پر پروانہ گویا کشتی سے کا بادبان ٹھہرا کہ اس کی دہرے سے دورِ ساغر و کشتی سے ظہور میں آیا۔

۴۔ پر فشانے .. پرواز، اڑنا + کیا قدرت .. مجھ میں قدرت نہیں۔ طاقت اڑ گئی .. نابل ہو گئی + شہسپر .. وہ پر جس کی مدد سے پر نہیں اڑتے ہیں۔

مجھ میں اتنی قدرت نہیں کہ میں ذوقِ پرواز کے ظلم و ستم پر پرواز کروں بس یہ مجھ کو کہ اڑنے سے پہلے میرے پر پر پرواز کی طاقت دائل ہو گئی لو پر فشانے کا شوق دل کا دل ہی میں رہ گیا۔ اب یہی ذوق پر فشانے کے ناقابلِ برداشت تکلیف پہنچا رہا ہے۔

۵۔ یارب میں خیمہ یار کے پیچھے کہاں تک روئے جاؤں! کیا میری قسمت میں پتھر کی دیوار بھی نہ تھی کہ میں اُس سے اپنا سر بھونک کر قصہ تمام کر لیتا اور اس روئے کی تکلیف سے نجات پاتا۔

۱۶۷

بے احتیالیوں سے سبک سب میں آئے ۱ جتنے زیادہ ہو گئے اتنے ہی کم ہوئے پہناں تعدادِ محنتِ قریب آخیاں کے ۲ اڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے ہستی ہماری اپنی فنا پر دلیل ہے ۳ یاں تک مئے کہ آپ ہم اپنی قسم ہوئے سخنِ کشائی عشق کی پرچھے ہے کیا خبر ۴ وہ لوگ رفتہ رفتہ سراپا الم ہوئے تیری وفا سے کیا ہوتا ہے کہ دہریں ۵ تیرے سوا بھی ہم بہ بہت سے ستم کئے لکھتے ہے جنوں کی حکایاتِ فوجکھاں ۶ ہر چند اس میں اتنے ہمارے قلم ہوئے

اللہ سے تیری تندی خو جس کے بیم سے ۷ اجڑائے نالہ دل میں مرے رذق ہم ہوئے  
اہل ہوس کی فتح ہے ترکِ نیر و عشق ۸ جو پاؤں اٹھ گئے وہی اُن کے علم ہوئے  
نالے عدم میں چند ہمارے پہنچے ۹ جو داں نہ کھنچ سکے سوداں آگے اٹھ گئے  
چھوٹی آس نہ ہم نے گدائی میں دل لگی  
سائل ہوئے تو عاشقِ اہل کرم ہوئے

۱۔ سُبک .. خفیف، ذیل۔ اپنی بے اعتدالیوں کی بدولت ہم سب  
کی نگاہوں میں ذیل ہو گئے ہیں۔ یوں سمجھ لیجئے کہ ہم جس قدر زیادہ (اپنی حد  
سے پہلے) اتنے ہی لوگوں کی نظروں میں گھٹ گئے۔  
۲۔ سخت قریب .. بہت ہی قریب۔

صیاد نے ہمارے آشیانے کے بہت ہی قریب جال پھیلایا تھا اور ہم  
کو اس کی خبر نہ تھی۔ اس لئے اپنے گھونسلے سے ابھی اڑنے بھی نہ پائے گئے  
کہ گرفتار ہو گئے۔

حالی: اس شعر کا مطلب یہ ہے کہ ”ہم کو ہوش سنبھالنے سے پہلے  
ہی مصائب و شدائد نے گھیر لیا۔ واقعہ یہ ہے کہ مرزا صاحب کی زندگی  
شروع سے لیکر آخر تک وقفِ آلام رہی، اس لئے یہ شعر آپ بیتی ہے۔

۳۔ کسی چیر کے نہ ہونے کو محاورے میں اس طرح کہتے ہیں کہ خلاں چیز  
ہمارے پاس قسم کھانے کو بھی یا نام کو بھی نہیں ہے۔ گویا وہ برائے نام بھی  
ہوئی تو ثبوت کے لئے قسم کھانے کو کافی تھی۔ اس شعر میں کہنا یہ چاہتے ہیں  
کہ ہماری ہستی فنا ہے اور اس کا وجود برائے نام صرف قسم کھانے کے لئے  
ہے یعنی ہم اس حد تک مٹ چکے ہیں کہ بس قسم کھانے کو رہ گئے ہیں۔ اس  
لئے ہماری ہستی فنا کی دلیل ہے۔

۴۔ عشق کی سختیاں اٹھانے والے لوگوں کی حالت تم کیا پوچھتے ہو۔ وہ لوگ رنج و غم سے گھٹتے گھٹتے از سر تریا الم بن گئے۔ یعنی غم نے گھلا گھلا کر ان کو اپنی طرح غیر مٹی بنا دیا۔

۵۔ تیری وفا سے بھلا ظلموں کی کیا تلافی ہو سکتی ہے۔ بیشک تو وفا کر کے اپنے ظلموں کی تلافی کر سکتا ہے۔ لیکن ان ظلموں کی تلافی کیونکر ہو سکتی ہے، جو تیرے علاوہ اور لوگوں نے ہم پر کئے ہیں۔

طبا طبائی کہتے ہیں کہ معشوق کو تلافی ستم کرنے پر آمادہ پاتا ہے، چاہتا ہے کہ اسے اور زیادہ ترس آئے۔

۶۔ قلم ہوئے، یعنی لٹ گئے، لکھتے رہے کی رعایت سے قلم ہوئے لائے ہیں۔ یعنی بادِ حمدیکہ ہمارے ہاتھ کاٹ ڈالے گئے لیکن پھر بھی ہم جنون عشق کی داستان خونچکاں لکھنے سے باز نہ آئے یا یہ کہ ہاتھ کٹوانے منظور کئے۔ لیکن جنون کی خونچکاں لکھنی ترک نہ کی۔

۷۔ بیم .. خوف، ڈر + رزق ہم ہوئے .. ایک دوسرے کا رزق ہو گئے یعنی ایک کو دوسرا کھا گیا۔

انشائے تند خوئی کہ جس کے خوف سے میرے نالے کے اجزا ایک دوسرے کا رزق بن گئے۔ یعنی ایک دوسرے کو کھا گئے یا منہ سے باہر نہ نکلے۔ مطلب یہ ہے کہ نالے تیرے خوف سے منہ سے باہر نہ نکلے۔ دل کے دل میں ہی فنا ہو گئے۔

۸۔ فخرِ عشق .. میدانِ عشق، جنگِ عشق پاؤں کے اٹھنے کو علمِ فتح فتح قرار دیا ہے اور اس سے مراد پاؤں کا اکھڑنا ہے۔

میدانِ عشق کو چھوڑ کر بھاگ جانا اہل ہوس کی فتح ہے۔ کیونکہ میدان سے



بھاگتے ہیں تو قدم ان کے آگے وہ گویا ان کی فتح کے علم بلند ہو گئے۔ بقول بخاری  
جان بچی سولا کھوں پاس آئے۔  
۹۔ دم بھنی سانس۔

جب ہم عدم میں تھے تو ہمارے سپرد چند نالے کٹے گئے، ان نالوں میں  
سے کچھ نالے تو ہم نے عدم میں بھیجے۔ جو باقی رہے وہ ہمارے ساتھ اس دنیا  
میں آگئے اور وہ ہمارا سانس بن گئے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ جو ہم سانس لیتے  
ہیں یہ سانس نہیں ہے۔ بلکہ وہ نالے ہیں جو ہم عدم میں نہ بھیج سکتے تھے۔  
بقول حسرت، اپنے سر پا درد ہونے کو اس پہلو سے بیان کیا ہے کہ میرا نفس  
گویا نالہ ہے۔

۱۰۔ ہم عشق و عاشقی کے اس قدر دلدادہ ہیں کہ فقیر ہو گئے لیکن عاشقی  
نہ چھوڑی۔ پہلے عشق حسینوں سے تھا اب اہل کرم کے عاشق ہیں اور ان  
کی تلاش میں دہریا ان کے پیچھے مارے مارے پھرتے ہیں۔

## ۱۶۸

جو نقد داغ دل کی کرے شعلہ پاسبانی ۱ تو فرودگی نہاں ہے بہ کہیں بے زبانی  
مجھے اُس سے کیا توقع بہ زمانہ جوانی ۲ کبھی کودکی میں جس نے نہ نشی میری کہانی  
نہیں دکھ کسی کو دینا نہیں خوب زندگیاں ۳ کہ مرے عدو کو یارب ملے میری زندگانی  
۱۔ داغ کی صورت اشرفی کی سی شرف ہوتی ہے، اس لئے اس کو نقد دل  
کہا ہے۔ شعلہ کو زبان سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ شعلہ کا پاسبانی نہ کرنا بے زبانی  
ہے اور اس بے زبانی کا انجام اشرفی یعنی کجھ جانا ہے۔ کہیں ..  
گھات۔

کہتے ہیں۔ اگر شعلہ عشق میرے دل کی نقدی کی پاسبانی نہ کرے

تو افسردگی جو کہ بے زبانی کی اوٹ میں چھپی بیٹھی ہے۔ وہ داغِ دلِ افسردہ ہو جائے۔

۲۔ بچپن میں بچوں کو کہانیاں سننے کا بہت شوق ہوتا ہے فرماتے ہیں کہ اس نے کبھی بچپن کے زمانے میں تو میری کہانی سنی نہیں، اب جوانی کے زمانے میں مجھے اس سے کب توقع ہو سکتی ہے کہ وہ میری داستانِ علم سنے گا۔

۳۔ بے وجہ کسی کو دکھ دینا اچھا نہیں ورنہ میں یہ دُعا مانگتا کہ یا رب میری زندگی میرے دشمن کو درد سے مطلب پہنچے کہ میری زندگی بہت زیادہ دکھوں بھری ہے ویسے تو دشمن کو میری زندگی کا یقین نہیں آتا اور وہ مجھ پر آوازے کستا ہے۔ اگر اس کو مجھ جیسی حالت ہو گی تو پھر کسے حقیقت معلوم ہو گی۔ لیکن مشرافت ذاتی مجھے اس دُعا کی اجازت نہیں دیتی۔

ظلمتِ کدہ میں میرے شبِ غم کا ہوش ہے ۱ اک شمع ہے دلیلِ سحرِ سوخوش ہے  
نے مزدوہ وصال نہ نظارہِ محال ۲ مدت ہوئی گراشتی چشمِ گوش ہے  
سے کیا ہے حُسنِ خود آرا کوئے حجاب ۳ اے شوقِ یارِ اناؤں تسلیم ہوں ہے  
گوہرِ عقیدہ گر دینِ خواباں میں دیکھنا ۴ کیا اوج پر ستارہ گوہرِ فردش ہے  
دیدارِ بادہِ حوصلہ ساقی نگاہِ مست ۵ بزمِ خیالِ میکدہ بے خردش ہے  
استانہ وار دالِ بساطِ ہوائے دل ۶ قطعِ زنداگر تمہیں ہوس نائے دلش ہے  
دیکھو مجھے جو دیدہٗ عبرتِ نگاہِ ہو ۷ میری سنجو گوشِ نصیحتِ نبوش ہے  
ساقی بجلوہ دشمنِ ایمان و اُسی ۸ مطربِ لہرِ زہریلے تکیں و ہوش ہے  
یا شب کو دیکھتے تھے ہر گوشہٗ شبِ ط ۹ دایانِ باغِ ان و کفِ گلِ فروش ہے

لطفِ خرام ساقی و ذوقِ صدائے چنگ ۱۰ یہ جنتِ نگاہ، وہ فردوسِ گوش ہے  
یا صبحِ دم جو دیکھئے آکر تو بزم میں ۱۱ نے وہ سرور و سوزِ نہ روش و خروش ہے  
دارغِ فراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی ۱۲ اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خاموش ہے  
آتے ہیں غیب سے یہ مصلح میں خیال میں

غالب صریحاً خامہ نوائے سروش ہے

۱۔ میرزا نے اس مصلح کی شرح ایک خط میں خود لکھی ہے فرماتے ہیں ع  
”اک شمع ہے دلیلِ سحر سو خاموش ہے“

یہ خبر ہے، پہلا مصرعہ ”ظلمتِ کدے میں میرے شبِ غم کا جوش ہے“  
یہ مبتدا ہے شبِ غم کا جوش یعنی اندھیرا ہی اندھیرا، ظلمتِ علینطا۔ سحر یا پیدائش  
گو یا خلق ہی نہیں ہوئی، ہاں ”ایک“ دلیلِ صبح کی بود پر ہے۔ یعنی بجھی ہوئی شمع  
اس راہ سے شمع و چراغِ صبح کو بچھو جایا کرتے ہیں۔ لطف اس مضمون کا یہ ہے کہ  
جس شے کو دلیلِ صبح ٹھہرایا ہے وہ خود ایک سبب ہے۔ منجملہ اسباب  
تاریکی کے، پس دیکھنا چاہئے جس گھر میں علامتِ صبح موبدِ ظلمت ہوگی،  
وہ گھر کتنا تاریک ہوگا۔

۲۔ آشتی یعنی صلح۔ مدت ہو گئی، نہ تو کانوں نے مژدہ وصل یا رُٹا ہے  
اور نہ آنکھوں نے جمالِ یار کا نظارہ کیا ہے۔ اس لئے کانوں اور آنکھوں میں  
بام صلح و آشتی سے مطلب یہ ہے کہ پہلے چشم و گوش میں جنگ رہتی تھی اور  
اس کا سبب یہ تھا کہ اگر پہلے کان مژدہ وصل سن پاتے تھے تو وہ خوش ہوتے  
تھے اور آنکھیں بوجہ رشکِ ان سے لڑتی اور جلتی تھیں کہ یہ اچھے رہے،  
انہوں نے ہم سے پہلے مژدہ وصل یا رُٹا لیا اور ہم نظارہ جمال  
سے محروم رہے اور اسی طرح جب آنکھیں نظارہ جمال سے لطف اندوز ہوئیں

اور کان مژدہ وصل سے محروم رہتے تو وہ ان سے خائف ہو جلتے بغرض اسی طرح کہ جس میں رشک و حسد سے لڑائیاں جاری رہتیں۔ لیکن ابدیت سے نہ کانوں نے مژدہ وصل سنا اور آنکھوں نے جمالِ یار دیکھا ہے۔ اس لئے استخوانِ نزارِ دُور ہو جلنے سے دونوں میں صلح و صفائی ہے۔

۳۔ اجازتِ تسلیم .. عقل و ہوش سے دست بردار ہونے کی اجازت شراب کے نشہ نے اس شخصِ خود آراء کو بے حجاب کر دیا ہے۔ اسے عشقِ ایسی حالت میں تجھے اجازت ہے کہ تو اپنے ہوش و حواس اور ضبط و قرار کو بالائے طاق رکھ دے۔ مطلب یہ ہے، تو بھی اُن کی طرح بے حجاب ہو جا اور اپنے دل کی آرزو نکال۔

۴۔ عقد .. لڑائی + اوج .. بلندی۔

ذرا دیکھنا گو ہر فروش کا ستارہ کس قدر بلندی پر ہے۔ یعنی وہ کس قدر خوش قسمت ہے کہ اس کا موتیوں کا ہار معشوق کی گردن میں پڑا ہوا ہے۔ گو ہر فروش ہر رشک کیا ہے۔

۵۔ میکہ میں عام طور پر شور مچا کرتا ہے۔ لیکن میکہ بزمِ خیال ایسا میکہ ہے جہاں شور و شر باطل نہیں۔ یہاں دیدارِ معشوق شراب ہے کہ وہ کبھی ختم نہیں ہو سکتی اور عوصلہ ساتی ہے کہ ہر شخص کو اس کے ظرف کے اندازہ سے شراب پلاتا ہے اور نگاہ ایسی مے خوار ہے جو کسی طرح سیر نہیں ہوتی۔ شراب دیدار پٹے جاتی ہے۔ لیکن پھر بھی بدست ہو کر شور و شر نہیں ہوتی۔

۶۔ اس قطع میں ان لوگوں سے خطاب ہے جو بزمِ عشق میں نودارد ہیں۔ کہتے ہیں اسے لوگو! جو فروش آرزوئے دل پر ابھی ابھی آگریٹے ہوئے

بزمِ عشق میں پہلی مرتبہ آئے ہو۔ خبردار اگر تمہیں نغمہ نے کوشننے اور شراب پینے کی خواہش ہے تو۔

۷۔ بزمِ عشق میں قدم رکھنے سے پہلے اگر تم دیدہِ عبرت نہیں رکھتے ہو تو میری حالت کو دیکھو کہ اس شوق کی بدولت میرا کیسا عبرت ناک حشر ہوا ہے اور اگر تم نصیحت شننے والے کان رکھتے ہو تو میری بات سنو۔

۸۔ جب ساقی جلوہ افروز ہوتا ہے تو وہ اپنے دلفریب حسن سے ایمان اور عقل کو غارت کر دیتا ہے اور جب مطرب گاتا ہے تو وہ اپنی خوش نوائی سے تمکین و ہوش لوٹ لیتا ہے۔

۹۔ رات کے وقت تو ہم نے یہ گھما گھمی دیکھی کہ محفلِ عیش و طرب کے فرش کا ہر گوشہ پھولوں کی کثرت سے دامنِ باغبان اور کفِ گلغوش بنا ہوا تھا یعنی ہر طرف پھولوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے اور

۱۰۔ ساقی کی خوش خوامی کا لطف لگا ہوں کو جنت کا سماں دکھلاتا تھا اور چنگ کی میٹھی میٹھی آواز کا دل کو بہشت کا مزہ دے رہی تھی۔ گویا لطفِ آساقی سے آنکھیں اور نے کی نغمہ سرائی سے کان ایسا لطف اٹھاتا ہے کہ جو جنت میں حاصل ہو سکتا ہے یا

۱۱۔ صبح کے وقت بزم میں آکر کیا دیکھتے ہیں کہ ہر طرف اُدا سی چھائی ہے نہ وہ سرود و ساز ہے اور نہ وہ جوش و خروش۔

۱۲۔ بلکہ اس سامانِ عیش و نشاط کے بدلے صرف ایک شمع باقی ہے۔ جو صحبتِ شب کے فراق میں داغِ داغ اور خاموش ہے۔

۱۳۔ یہ قطع نہایت پردرد اور بلیغ ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اردو شاعری میں اپنا نظیر نہیں رکھتا، یہ مقطع اس کا ثبوت ہے۔

نوا .. آواز + سریر خامہ .. قلم کی آواز جو نکتے وقت پیدا ہوتی ہے +  
نوائے سرودش .. فرشتہ مرغیب کی آواز۔

غالب، میرے خیال میں یہ معنائیں بلند و بلخ غیب سے آتے ہیں گویا  
میرے قلم کی آواز فرشتہ مرغیب کی آواز ہے۔ جو یہ اچھوٹے معنائیں  
عرش سے لاتی ہے۔

۱۷۰

اگر مری جان کو قرار نہیں ہے ۱ طاقت بیدار انتظار نہیں ہے  
دیتے ہیں جنت حیات دہر کے بدلے ۲ نشہ باندازہ غمار نہیں ہے  
گریہ نکالے ہے تری بزم سے مجھ کو ۳ ہلے کہ روئے پہ اختیار نہیں ہے  
ہم سے بحث ہے گمان بخش خاطر ۴ خاک میں عشاق کی غبار نہیں ہے  
دل سے اٹھا لطف جلوہ ہائے فانی ۵ غیر گل آئینہ بہار نہیں ہے  
قتل کا میرے کیا ہے عہد تو بارے ۶ دائے اگر عہد استوار نہیں ہے  
تو نے قسم سیکشی کی کھائی ہے غالب  
تیری قسم کا کچھ اعتبار نہیں ہے

۱۔ تو جلدی آ کیونکہ میری جان سخت بیقرار ہے اور اب بیدار انتظار  
برداشت کرنے کی طاقت نہیں رہی۔

۲۔ اٹھ میاں اگر ہم کو حیات دہر کی تکلیفوں کے بدلے میں آپ  
جنت دیتے ہیں تو یہ کچھ فیاضی نہیں ہے۔ کیونکہ یہ نشہ (یعنی آرام جنت)  
خمار (سکایف و نیام) کے مقابلے میں بہت کم ہے۔ اس کا اندازہ وہی زندہ کر سکتا  
ہے جس نے خمار کی تکلیفیں اٹھائی ہوں اور اس کے خمار کی سکایف کی تکلیف  
کرنے کے لئے اس کو بہت کم مقدار میں شراب دی جائے۔ مطلب یہ ہے

کہ تکلیفیں جو انسان کو دنیا میں جھیلتی پڑتی ہیں ان کی تلافی کے لئے جنت کے عیش و آرام بہت کم ہیں۔

دوسرا معنوم: ہم جنت کی کوئی پیمائش نہیں کرتے لہذا حیاتِ دہر کے عیش و آرام کے بدلے جنت سے دست بردار ہوتے ہیں، کیونکہ جس قدر ہم کو خوار کی تکلیف ہے اس کے مقابلہ میں ہمارے پاس شراب بہت ہی کم ہے۔ اس لئے جو شراب ہمیں جنت میں ملے گی بہتر ہے کہ یہیں مل جائے۔ شاعرِ دنیا کی تکلیفوں سے تنگ ہے اور نیپہ کے مقابلے میں نقد کو ترجیح دیتا ہے۔

۳۔ گریہ و اشکباری تیری بزم سے مجھے نکالتے ہیں، افسوس کہ مجھے رونے پر اختیار نہیں۔ اگر میں چپ رہتا تو اس کی بزم سے نہ نکلتا۔ بزم سے نکالنے کے دو پہلو ہیں (۱) محبوب کی رسوائی ہوتی ہے (۲) بزمِ نشاط میں میری اشکباری سے سب متاثر ہوتے ہیں۔

۴۔ آپ کی یہ بدگمانی فضول ہے کہ ہمارے دل میں آپ کی طرف سے کوئی رنجش یا غبار ہے کیونکہ عاشقوں کی تو خاک میں بھی غبار نہیں ہوتا۔

یا ہم عاشق ہیں اس لئے ہمارے دل میں غبار ہونا چہ معنی ؟  
طبا طبائی: عشاق مگر خاک ہو گئے ہیں۔ لیکن ان کی خاک میں بھی غبار نہیں ہے۔ یہ محض ادعا ہے شاعرانہ ہے، جس کے لئے تعلیل کی ضرورت سے بطلبِ مصنف کا یہ ہے کہ عشاق کی طینت میں غبار نہیں ہے۔ لیکن طینت کی جگہ خاک کہنا محاورہ سے گرا ہوا ہے۔ بخود پہلے معنی اور سقیم دوسرے معنی لکھتے ہیں اسی نے دونوں معنوم لکھے ہیں۔

۵۔ جس طرح گل وہ آئینہ ہے جس میں معانی کا جلوہ دکھائی دیتا

ہے۔ اسی طرح دل بھی ایک آئینہ ہے۔ جس میں معانی کا جلوہ نظر آتا ہے۔ اس لئے اگر تجھے جلوہ ہائے معانی کا لطف اٹھانا ہے تو وہ آئینہ دل سے اٹھا۔

حسرت نے دوسرا مضمون یہ لکھا ہے۔ "بہار کی نمود اسی وقت تک ہے جب تک کہ گل قائم ہے۔ لیکن چونکہ قیام شگفتگی گل ناپائیدار ہے اس لئے بہار بھی ناپائیدار ہے، پس اس سے بہتر ہے کہ دل سے جلوہ معانی کا لطف اٹھایا جائے۔ کیونکہ لطف سخن کی بہار بے خزاں ہے۔ ۶۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے قتل کرنے کا عہد کیا۔ اگر یہ عہد مضبوط نہیں ہے تو بہت ہی افسوس ہے۔

۷۔ غالب! تم نے میکشی کی قسم کھائی ہے۔ یعنی یہ عہد کیا ہے کہ اب ہم شراب نہ پیئیں گے۔ مگر تیری قسم کا ہم کو اعتبار نہیں۔ کیونکہ تجھ سے میکشی نہیں چھوٹ سکتی (تمام تنقید)

بیخود! اے غالب تو نے میکشی کی قسم کھائی ہے۔ تیری قسم سے یہ بات ثابت نہیں ہے کہ ترک میکشی کی قسم کھائی ہے۔ یا میکشی کرنے کی اور جب تیری قسم سے یہ دونوں پہلو جھلک رہے ہیں تو میں تیری قسم کا ہرگز اعتبار نہیں ہے۔

۱۷۱

اجرم غم سے یا تیرے رنگوں کی محبت کو حاصل ہے۔ ۱۔ کہ تار دامن و تار نظر میں فرق مشکل ہے  
 رونے زخم سے مطلب لذت زخم سفلن کی ۲۔ سمجھو نہت کیا پس جد سے دیو ز غافل؟  
 وہ گل جس گلستاں میں جلوہ فرمائی کرے غالب  
 چمکنا غنچہ گل کا صدائے خندہ دل ہے



۱۔ کثرتِ غم کے بوجھ سے میرا سراسر قد جھک رہا ہے کہ تارِ دامن سے تارِ نظر میں امتیاز کرنا دشوار ہو گیا ہے۔ مطلب یہ ہے تارِ دامن سے تارِ نظر اس طرح متصل ہو گیا ہے کہ دونوں ایک معلوم ہوتے ہیں۔

۲۔ رفوئے زخم سے میرا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ زخمِ سل کو مند مل ہو جائے بلکہ اس سے زخمِ سوزن کی لذت مطلوب ہے۔ کہیں یہ نتیجہ نہ نکالنا کہ دردِ عشق کے دیوانے کو اب درد کا ذوق نہیں رہا۔ اس لئے وہ زخم کا رُفُو کر رہا ہے اس خیال کو اس طرح بھی ادا کر رہا ہے۔

زخمِ سلوانے سے مجھ پر چارہ جوئی کا ہے طبع غیر سمجھا ہے کہ لذتِ زخمِ سوزن میں نہیں سر۔ لہجہ نگل کے چکھنے کو خندہٴ دل سے تبسیر کیا جاتا ہے۔ کیونکہ گلاب کی کٹی بلحاظ رنگ و صورت دل سے مشابہت قائم رکھتی ہے۔ کہتے ہیں وہ گل (عشوق) جس گُلستاں میں جلوہ فرما ہو، وہاں غنچوں کا چمکتا خندہٴ دل کامِ محبتی ہے مطلب یہ ہے کہ کلیاں اس کو جلوہ افروز دیکھ کر سنستی ہیں۔ بوجہ مشابہت کلیوں کے چکھنے کی آواز کو خندہٴ دل کہتا ہے۔

## ۱۴۲

یادِ امن ہو رہا ہوں بسکہ میں صحراِ نورد ۱ خارِ پاہیں جو ہر آئینہٴ زانو مجھے دیکھنا حالتِ مرغل کی ہم آغوشی کے وقت ۲ ہے نگاہِ آشاہِ ابر کچھ ہر سو مجھے

ہوں سراپا سا زائہٴ شکایت نہ پوچھ

ہے یہی بہتر کہ لوگوں میں نہ پھیرے توجھے

۱۔ زانو کو آئینہ سے تشبیہ دی جاتی ہے کیونکہ آئینہ کو زانو پر رکھ کر دیکھتے ہیں اور آئینہٴ فولاد کے جوہر کاٹھوں سے مشابہت رکھتے ہیں۔

کہتے ہیں میں صحراِ نورد تھا لیکن بلاؤں میں کانٹے چھو جلنے سے میں

صحرا لوروی سے مخدور ہو گیا اور اب پا بدمن بیٹھا ہوں۔ وہ کانٹے جو صحرا فردی میں میرے پاؤں میں چبھتے آئیے زانو کا جو ہر معلوم ہوتے ہیں۔ آہی: لطیف بات اس میں یہ ہے کہ جو کانٹے پاؤں میں چبھے ہیں اُن کا اثر زانو تک محسوس ہو رہا ہے۔

میرے نزدیک یہ صحیح نہیں۔ بلکہ تلووں میں سے کانٹے نکالنے کے لئے جس طریقے سے بیٹھا جاتا ہے مصنف نے اس سے فائدہ اٹھایا ہے۔ یا جب پاؤں میں کانٹا چبھ جائے تو تلوازین پر نہیں ٹیکا جاتا۔ بلکہ آلتی پالتی مارکر میٹھتے ہیں۔ اسی طرح میٹھے سے کانٹے سامنے آ جاتے ہیں اور انہیں نکالنے میں آسانی ہوتی ہے۔

۲۔ میرے دل کی حالت محبوب سے ہم آغوشی کے وقت دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کا بال بال میرے لئے ایک نگاہ آشنا جاتا ہے، جو میرے دل کی حقیقت سے پوری طرح واقف ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم آغوشی کے وقت کسی قسم کی غیریت کا احساس نہیں ہوتا۔ کیونکہ محبوب کا روگنا روگنا مجھ سے واقف ہوتا ہے۔

بہ خود۔ آہی: کیونکہ دل تیری زلف میں مدتوں اسیر رہ چکا ہے اس وجہ سے ہر ایک سر موہم آغوشی کے وقت نگاہ آشنا کا کام دیگا۔

سجید: کیونکہ میں ہمیشہ اپنے تصور میں اس کی ہم آغوشی کا خیال باندھتا رہا ہوں اس وجہ سے اس کا سر موہم میرے قلب سے آشنا ہو گیا ہے۔ طباطبائی: (۱) ان خیال آہی و بہ خود (۲) اور سر موہم کو عام لیں تو بھی معنی درست ہیں۔ یعنی ہنگام ہم آغوشی تیرا سر موہم میرے دل کی حالت دیکھنے کے لئے نگاہ آشنا ہو جائے گا۔

۳۔ میں سراپا شکایتوں کے راگ کا ساز ہوں۔ بہتر یہی ہے کہ تم لوگوں کے سامنے بے نہ چھیڑو، ورنہ بیباختہ میرے منہ سے شکایتیں نکلنے لگیں گی اسی مضمون کو یوں بھی لکھا ہے ۵  
پڑھیں یہ شکوہ سے یوں راگ جیسے باجہ اک ذرا چھیڑے پھر دیکھئے کیا ہوتا ہے

۱۷۳

جس بزم میں تو ناز سے گفتار میں آئے ۱ جاں کا لہر صورت دیوار میں آئے  
سایہ کی طرح ساتھ پھر یہ سرو و صنوبر ۲ تو اس قدر دلکش سے جو گلزار میں آئے  
تب ناز گراں مانگی اشک بجائے ۳ جب سخت جگر دیدہ خونبار میں آئے  
دے مجھ کو شکایت کی اجازت کہ ستمگر ۴ کچھ نچھ کو مزہ بھی مرے آزار میں آئے  
اُس چشمِ صنوبر گر کا اگر پائے اشارہ ۵ طوطی کی طرح آئینہ گفتار میں آئے  
کاشتوں کی زباں سٹھکٹی پیاس سے یارب ۶ اک ابلہ پا وادی پُر خار میں آئے  
مر جاؤں نہ کیوں شکست جب وہ تنہا نک ۷ آغوشِ غمِ حلقہ زنار میں آئے  
غارت گر ناموس نہ ہو گر ہوں زر ۸ کیوں شاہدِ گیل بارغ سے بازار میں آئے  
تب چاک گریباں کا مزہ ہے دلِ نالوں ۹ جب اک نفس الجھا ہوا ہر تار میں آئے  
آتشکدہ ہے سینہ مرا ناز نہاں سے ۱۰ اے دئے اگر معرضِ اظہار میں آئے  
گنجینہٴ معنی کا طلسم اس کو سمجھئے  
جو لفظ کہ غالب مرے اشعار میں آئے

۱۔ کالبد.. قالب، مراد جسم + صورت دیوار.. وہ تصویر جو دیوار پر بنائی جائے۔

جس بزم میں تو ناز و ادا سے گفتگو کرے۔ اگر تیری جان بخش باتوں سے ان تصویرِ بعل کے جسموں میں جان پڑ جائے جو دیوار پر آرائش کے لئے

بنادی جاتی ہیں تو کوئی تعجب نہیں، کیونکہ تیرے لب و دہن میں مسیحا کی صفت ہے۔

۲۔ اگر تو اپنے اس دلکش قد کے ساتھ گلزار میں آئے تو سرو و صنوبر تجھ پر عاشق ہو جائیں اور سایہ کی طرح تیرے ساتھ پھریں مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے قد کی دلکشی کو بھول اور تیرے قدر پر عاشق ہو جائیں۔  
یہ خود اس شعر کو بیت الغزل قرار دیتے ہیں۔

۳۔ اشک کو اس وقت اپنی گرا ناگلی پر ناز کرنا بجا ہے۔ جب دیدہ خونبار میں جگر کے ٹکڑے بھی کٹ کٹ کر آئیں۔

۴۔ کہتے ہیں بے وجہ ستارے میں کوئی لطف نہیں۔ تم مجھے ذرا شکایت کرنے کی اجازت دیدو، کیونکہ جب میں تم سے تمہاری شکایتیں کروں گا تو تمہیں غصہ آئیگا تو مجھ پر ظلم کرو گے۔ پھر جیسی پُر زور میری شکایت ہوگی ویسا ہی سخت مجھ پر ظلم ہوگا۔ اسی طرح تمہیں بھی ظلم کرنے اور آزار دینے کا لطف آئے گا، ادھر میں بھی لطف اندوز ہوں گا۔ خاموشی سے ظلم اٹھانے میں مجھے بھی کوئی لطف نہیں آتا۔ طباطبائی اور بخود اس شعر کو حاصل زمین قرار دیتے ہیں۔

۵۔ فنوں گر یعنی جادوگر + آئینہ اور طوطی میں مناسبت ہے کیونکہ آئینہ سامنے رکھ کر طوطی کو بولنا سکھایا جاتا ہے۔ دوسرے اس تمثیل میں لطف یہ ہے کہ جب محبوب آئینہ کے سامنے اشارہ کریگا تو وہی آئینہ میں بھی دکھائی دیگا۔ گویا اس طرح سے آئینہ میں تو بت گفتر پیدا ہو جائیگی اور یہی چشم فنوں کا جادو ہے کہ بے جان آئینہ اُس کے جادو سے گویا ہو گیا۔

۶۔ وادی پُر خار میں پیاس کے مارے کانٹوں کی زبان سوکھ گئی۔

خدا کرے کوئی آبلہ پا (عاشق) اس وادی پر غار میں آنکھ لگائے کہ اس کے آبلوں کے پانی سے ان کانٹوں کی زبان نر ہو جائے۔ آتشی لکھنے ہیں کہ درپردہ اپنی رہائی کی دعا کی ہے۔

۷۔ معشوق کے گلے میں زنا پر پڑی ہوئی دیکھ کر رشک سے مرے جاتے ہیں میں رشک سے کیوں نہ مر جاؤں کہ میرے سامنے اس کے تن نازک کو حلقہ زنا نے اپنی آغوش میں لے لیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم آغوشی میرا حق تھا نہ کہ کجخت زنا کا۔

۸۔ اگر ہوس نہ غارت گیر ناموس نہ ہو تو شاہد گل (پھول)، بازار میں ہرگز فروخت نہ ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ پھول جیسی خوبصورت چیز کو محض تحصیل زر کے لئے بازار میں فروخت کر دیا جاتا ہے۔ پھول کو شاہد گل کہہ کر اس کو بازار میں لانے سے گل کی سخت توہین مقصود ہے یعنی ہوس رشاد فرشتی کو بھی جائز قرار دیتی ہے۔ جو کہ اس لئے قسم کا انسان بھی گوارا نہیں کر سکتا (آتشی۔ حسرت)

طبا طبائی: گلاب میں جو زیرہ ہوتا ہے اُسے زر گل کہتے ہیں۔ شعر کا مطلب یوں سمجھو کہ گلاب کا کھلنا اور زر گل کا کھلنا کیا ہے۔ گویا زر کی ہوس میں ہاتھ پھیلا نا ہے۔ جس کا انجام یہ ہوا کہ میرا زار آنا پڑا۔ نہیں تو بربادی ناموس کا کیوں سامنا ہوتا۔ غنچہ کی طرح بندھی مٹھی چلا گیا ہوتا۔ جب ہاتھ پھیلا کر زر لیا تو شاہد بازار میں ہو گیا اور ناموس و عورت برباد ہو گئی (بہنو)

۹۔ اے دل نالاں، گریبان چاک کرنے کا لطف تو اس وقت ہے جب ہر تار گریبان کے ساتھ ایک نفس بھی الجھا ہوا ساتھ آئے مطلب

یہ ہے کہ گریبان کے ساتھ اوہن زندگی بھی نازنا ہونا چاہئے۔ عشق میں موت کی آرزو کا اظہار کیا ہے۔

۱۰۔ راز نہاں کی گرمی سے میرا سینہ آتشکدہ بن چکا ہے اگر خط نکلتا کہیں یہ آگ ظاہر ہو جائے تو خدا جانے کیا آفت برپا ہو۔ دنیا جل جائے پتہ نہیں اس سے کہاں کہاں آگ لگے۔

۱۱۔ گنجینہ معنی خزانہ + اے غالب! جو لفظ کہ میرے اشعار میں آئے۔ اس کو گنجینہ معانی کا ظلم سمجھے۔ مطلب یہ ہے کہ میرے ایک ایک لفظ میں بیشمار معانی اور مفہوم ہوتے ہیں اور جوں جوں وہ نظروں کے سامنے آتے ہیں۔ انسان حیران ہوتا چلا جاتا ہے۔

۱۲۲

جن مر گرچہ ہنسگام کمال اچھا ہے ۱ اس سے میرا یہ خورشید جمال اچھا ہے  
بوسہ دیتے نہیں اور دل ہے سرخ و گماہ ۲ جی میں کہتے ہیں کہ مفت آئے تو مال اچھا ہے  
اور بانا رہے لے آئے اگر ٹوٹ گیا ۳ ساغر حم سے مرا جام سفال اچھا ہے  
بے طلب دیں تو مرہ اس میں ہوا ملے ۴ وہ گدا جس کو نہ ہو خوش سوال اچھا ہے  
ان کے دیکھے سے جو آجاتی ہے منہ پر نفق ۵ وہ بکھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے  
دیکھتے پاتے ہیں عشاق تہوں سے کیا فیض ۶ اک برہمن نے کہا ہے کہ یہ سال اچھا ہے  
ہم سخن تیشہ نے فرما د کو شیریں سے کہا ۷ جس طرح کا کہ کسی میں ہو کمال اچھا ہے  
قطرہ دریا میں جو مل جائے تو دیا ہو جائے ۸ کام اچھا ہے وہ جن کا کمال اچھا ہے  
حضرت سلطان کو رکھے خالق اکبر مسکوزہ ۹ شاہ کے باغ میں یہ تازہ منال اچھا ہے

ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن  
دل کے خوش کرے کو غالب خیال اچھا ہے

۱۔ چاند کا حُسن جس وقت کہ وہ تکمیل کو پہنچ چکا ہو یعنی بد بن گیا ہو، اچھا ہے۔ لیکن اس سے میرا خورشید جمال معشوق یقیناً اسی طرح بہتر ہے جس طرح کہ خورشید ماہ سے بہتر ہے۔ بقول حالی وہ دوسرے مصرعہ میں دعویٰ شغف و دلیل ہے کہ معشوق کو میرا خورشید جمال اس لئے کہا ہے تاکہ اس کو ماہ کامل پر ترجیح دینے کی وجہ پیدا ہو جائے۔ آتھی یہ دلیل پیش کرتے ہیں۔ ”کہ از ہر پرتو بود ماہ ما“

۲۔ کہتے ہیں دل کی قیمت بوسہ ہے، وہ تو دیتے نہیں اور ہر وقت دل اڑا لینے کی فکر میں ہیں اور جی میں کہتے ہیں کہ اگر یہ مال مفت میں یعنی بغیر قیمت (بوسہ) دیئے ہاتھ آجائے تو اچھا مال ہے (تلم متفق)

بیحد لکھتے ہیں کہ وہ اس خیال سے دل کو مفت اڑا لینے کی فکر میں ہیں کہ یہ مال اگر مفت مل جائے تو خوب ہے۔ پھر کسی موقع پر بوسہ کو جان کی قیمت میں لگائیں گے۔

حالی : شاعر کے ذہن میں پہلے سے اپنی اپنی جگہ یہ باتیں ترتیب و اُچھال موجود تھیں کہ مٹی کا گوزہ ایک نہایت کم قیمت اور ارزاں چیز ہے۔ جو بازار میں ہر وقت مل سکتی ہے اور جام جمشید ایک ایسی چیز تھی جس کا بدلہ دنیا میں موجود نہ تھا۔ اُس کو یہ بھی معلوم تھا کہ تمام عالم کے نزدیک جامِ سفال میں کوئی خوبی ایسی نہیں ہے جس کی وجہ سے وہ جامِ جم جیسی چیز سے فائق اور افضل سمجھا جائے، نیز یہ بھی معلوم تھا کہ جامِ جم میں شراب پی جاتی تھی اور مٹی کے گوزے میں شراب پی جاسکتی ہے۔ اب تو تخیل نے اس تمام معلوم کو ایک نئے ڈھنگ سے ترتیب دے کر ایسی صورت میں جلوہ گر کر دیا کہ جامِ سفال کے آگے جامِ جم کی کچھ حقیقت نہ رہی اور پھر اس صورت میں موجود فی الذہن کو بیان کا ایک دلغریب پیرایہ دے کر اس قابل کر دیا کہ زبان اس

کو پرہیز کر متکذد اور کان اس کو سن کر محفوظ اور دل اس کو سمجھ کر متاثر ہو سکے۔  
 اس مثال میں وہ قوت جس نے شاعر کی معلومات سابقہ کو دوبارہ ترتیب دے  
 کر ایک نئی صورت بخشی ہے۔ وہ تخیل یا ایمجینشن ہے۔ اور اس نئی صورت  
 موجودہ فی الذہن نے جب الفاظ کا لباس پہن کر عالم محسوسات میں قدم رکھا  
 ہے اس کا نام شعر ہے۔ نیز اس مثال میں ایمجینیشن کا عمل خیالات اور الفاظ  
 دونوں کے لحاظ سے برترتہ غایت اعلیٰ درجہ میں واقع ہوا ہے کہ باوجود کمال  
 سادگی اور بے ساختگی کے نہایت بلند اور نہایت تعجب انگیز ہے۔  
 جام سفال یعنی مٹی کا کوزه۔ فرماتے ہیں۔ میرا مٹی کا پیالہ جام خمشید  
 سے بہتر ہے۔ کیونکہ اگر ہمارا پیالہ ٹوٹ جائے تو ہم ہمارے اورلاشتے  
 ہیں۔ جام جم میں یہ بات کہاں ہے اس لئے وہ ہمیں پسند نہیں۔  
 م۔ اگر اہل کرم بھکاری کو بے مانگے بھیک ملے تو اسے بہت زیادہ  
 خوشی ہوتی ہے۔ کیونکہ سوال کرنے سے اس کے جذبہ خودداری کو ٹھیس  
 لگتی ہے اور بقول بیخود سوال کی تلخی عطا کی شیرینی کو ہر مزہ کر دیتی ہے۔ اس  
 لئے وہ گما جس کو سوال کرنے کی عادت نہ ہو اچھا ہے۔  
 بیخود: اس شعر میں ردیف کی نشست ایسی زبردست واقع ہوئی ہے  
 کہ تعریف نہیں ہو سکتی۔

طباطبائی: سوال کرنے کی مذمت کیا اچھی طرح سے کی ہے۔  
 ۵۔ حالی: شاعر کو پہلے سے یہ بات معلوم تھی کہ دوست کے ملنے  
 سے خوشی ہوتی ہے اور بگڑی ہوئی طبیعت بحال ہو جاتی ہے، نیز یہ بھی  
 معلوم تھا کہ دوست کو جب تک عاشق اپنی حالت زار اور اس کی جدائی  
 کا صدمہ نہ جٹائے۔ دوست عاشق کی محبت اور عشق کا پورا پورا یقین نہیں



کر سکتا۔ یہ بھی معلوم تھا کہ بعض وقت خوشی سے دفعۃً ایسی ہلاکت ہو سکتی ہے کہ رنج و غم اور تکلیف کا مطلق اثر چہرہ پر باقی نہ رہے اور ایجنشن نے اس تمام معلومات میں اپنا تصرف کر کے ایک نئی ترتیب پیدا کر دی یعنی یہ کہ عاشق کسی طرح سے اپنی جدائی کے زمانے کی تکلیفیں معشوق پر ظاہر نہیں کر سکتا۔ کیونکہ جب تکلیف کا وقت ہوتا ہے اُس وقت معشوق نہیں ہوتا اور جب معشوق ہوتا ہے اُس وقت تکلیف نہیں رہتی۔ اس مثال میں ایجنشن کا عمل معنأً اور لفظاً دونوں طرح بدرجہ غایت لطیف اور حیرت انگیز واقع ہوا ہے جیسا کہ ہر صاحب ذوق سلیم پر ظاہر ہے۔

۶۔ حالی : گویا معشوق کی تنہا میں ایسا مستغرق ہے کہ دنیا و مافیہا کی کچھ خبر نہیں۔ یہاں تک کہ پنڈت نے جو سال اچھا بتایا ہے تو اس کے اچھا ہونے کے یہی معنی سمجھتا ہے۔ کہ شاید اس سال معشوق عاشقوں پر مہربان ہو جائیں۔ نہ کہ اس سال قحط نہیں پڑے گا۔ وہاں نہ آئیں گی۔ لڑائیاں نہیں ہونگی وغیرہ وغیرہ۔

۷۔ انسان میں جس طرح کا کمال بھی ہو، وہ بہت اچھا ہے۔ کیونکہ کمال انسان کو کہیں سے کہیں پہنچا دیتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ فرماؤ ایک معمولی مزدور تھا۔ شیروں تک اس کا پہنچنا محال تھا۔ کیونکہ یہ مزدور تھا اور وہ شہزادی۔ مگر اُسے کوہ کئی اور تیشہ زنی میں کمال حاصل تھا اس لئے وہ شیروں تک پہنچا اور اس کو اپنی محبوبہ سے ہمکلامی کا مشرف حاصل ہوا۔ طباطبائی : پہلے مصرعہ میں تنجک ہے۔ دوسرے میں تناظر اور دو میں ربط بھی خوب نہیں اور مضمون بھی کچھ نہیں۔

آسی : اس اعتراض کی تردید کرتے ہیں کہ یہ بالکل غلط ہے۔ بہر حال

یہ ضرور ماننا پڑے گا کہ اوپر کے شعروں کے مقابلہ میں یہ شعر بہت کمزور اور کھسکا ہے۔

۸۔ اس میں مصنف نے قطرہ و دریا کی تمثیل کو نظم کیا ہے۔ یہ مضمون پہلے بھی کئی شعروں میں ادا کر چکے ہیں مثلاً ۷  
عشرتِ قطرہ میں ہے دریا کا فنا ہو جانا درد کا حد سے گزرنا ہے دوا ہو جانا  
دل ہر قطرہ ہے سازِ انا بھر ہم اس کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا  
صوفیائے گرام کا عقیدہ ہے کہ فنا فرع کو اصل سے ملاتی ہے اس  
لئے ہر چیز اپنے مبداء سے اتصال کے لئے کوشاں ہے۔ چنانچہ قطرہ  
جب اپنے آپ کو دریا میں فنا کر دیتا ہے تو وہ قطرہ نہیں رہتا بلکہ دریا  
ہو جاتا ہے اور چونکہ اس کا یہ کام یعنی دریا میں فنا ہو جانا اچھا ہے اس  
لئے اس کا انجام بھی اچھا ہے۔

آسی: اس میں مصنف نے ایک اخلاقی سبق دیا ہے۔  
طبا طبائی: یہ مضمون کثرتِ استعمال سے متبذل ہو گیا ہے۔ جو شخص  
اسے نظم کرتا ہے، شعر ہی بد مزہ ہو جاتا ہے۔ ”سازِ انا بھر“ والے شعر  
کی تعریف کرتے ہیں کہ محاورہ کی چاشنی نے پھیکے مضمون کو چٹ پٹا  
بنا دیا ہے۔

۹۔ یہ شعر شہزادہٴ خضر سلطان فرزند بہادر شاہ بادشاہ متخلص  
بہ ظفر کی مدح میں لکھا ہے۔ کہتے ہیں، خداوندِ کریم خضر سلطان کو ہمیشہ مسوز  
اور شاد کام رکھے کیونکہ گلستانِ شاہ میں یہ تو نہال بہت اچھا ہے۔ اس  
شعر میں الفاظِ نمایاں مناسب ہیں۔ مثلاً ”خضر“ ”مسوز“ ”باغ“ ”تازہ نہال“  
”خاندان شاہی“ ”کو باغ“ اور ”فرزند شاہ کو تازہ نہال“ سے تشبیہ دے کر شعر میں

جان ڈال دی ہے۔

۱۰۔ کہتے ہیں ہمیں جنت کی حقیقت معلوم ہے یعنی وہ کچھ بھی نہیں۔  
محض "ناضول" کو ایک سبز باغ دکھایا ہے "بہر حال دل کو خوش رکھنے کے  
لئے یہ خیال بہت خوب ہے۔

### ۱۷۵

نہ ہوئی گرمی مرنے سے تسلی نہ سہی ۱ امتحان اور بھی باقی ہو تو یہ بھی نہ سہی  
خارِ غارِ الحسرت دیدار تو ہے ۲ شوقِ گل چین گلستانِ تسلی نہ سہی  
مے پرستانِ خمے منہ سے لگائے ہی بنے ۳ ایک دن گنہ ہوا ہزم میں ساقی نہ سہی  
نفسِ قیس کہ ہے چشم و چراغِ صحرا ۴ گر نہیں شمع سیہ خانہ بلی نہ سہی  
ایک ہنگامہ پہ موقوف ہے گھر کی رونق ۵ لوحِ غم ہی سہی، لغزِ شادی نہ سہی  
نہ ستائش کی تمتا نہ صلہ کی پروا ۶ گر نہیں میں مرے اشعار میں معنی نہ سہی  
عشرتِ صحبتِ خواہاں ہی غنیمت سمجھو

نہ ہوئی غالب اگر عمرِ طبعی نہ سہی

۱۔ معشوق کو عاشق کے عشق صادق کا یقین نہیں آیا اور یہاں عاشق  
امتحانِ محبت میں جان تک دے چکا ہے۔ عاشق اس حالت کو دیکھ کر کہتا  
ہے کہ اگر میرے مرجلنے سے تیری تسلی نہ ہوئی تو کچھ مضائقہ نہیں تو اود  
امتحان لینا چاہتا ہے تو وہ بھی خوشی سے بے لے۔ میں بعد از مرگ بھی  
بہ طیب خاطر مزید امتحان کے لئے تیار ہوں۔

سعید: "اگر یہ بات ہے تو امتحان کی خاطر میں نہیں مروں گا۔"

طباطبائی: اس شعر پر اگر غالب خدائے سخن ہونے کا دعویٰ کریں تو  
خدا گواہ ہے کہ لڑبا ہے۔ پھر دیکھئے تو نہ فنِ معانی کی کوئی خبری ہے نہ فنِ بیان

کا کچھ حصہ ہے۔ نہ فنِ بدیع کے تکلفات ہیں۔

۲۔ اگر شوقِ گلستانِ تسلی کا گچھیں نہیں بنا تو نہ سہی۔ اس کے لئے حسرتِ دیدار کا رنج و غم ہی کافی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر شوق کو تسلی حاصل نہیں ہوئی تو کیا ہوا، یہ کیا کچھ کم ہے کہ وہ حسرتِ دیدار کے رنج میں مصروف ہے۔

۳۔ اے مے پرستو اگر ایک دن بزم میں ساقی نہیں کہ وہ جام بھر کر پلائے تو نہ سہی۔ غمِ منہ سے لگا کر پی جاؤ۔ مطلب تو حسی بھر کر پینے سے ہے۔ طباطبائی کو مے پرستوں کی جگہ مے پرستان اور لگائے ہی بنے لانے پر اعتراض ہے۔

۴۔ لطف اس شعر میں یہ ہے کہ لیلیٰ کا رنگ کالا تھا اور وہ کالے خیمہ میں رہا کرتی تھی۔ اس لئے اس کے گھر کو سیہ خانہ کہا ہے۔ بخود و طباطبائی لکھتے ہیں کہ محبوں کو خیمہ لیلے میں بار نہ ملی، اس لئے اظہارِ نفرت کی خاطر اس کو سیہ خانہ کہا ہے۔

نفسِ قیس جو اپنی شعلہ باری کے لحاظ سے چشم و چراغ صحرا بنا ہوا ہے۔ اگر وہ لیلیٰ کے سیاہ خانہ کی شمع نہ بنا تو نہ سہی، یہ کیا کم ہے کہ صحرا اس سے روشن ہے۔ اتنی سیہ خانہ لیلیٰ سے لیلیٰ کا تاریک دل مراد لے کر معنی بیان کرتے ہیں۔ بقول حسرتِ غالب نے اس شعر میں عشق کے استغنا کا اظہار کیا ہے۔

۵۔ گھر کی رونق ایک ہنگامہ پر موقوف ہے۔ اگر نغمہ شادی نہیں ہے تو نہ سہی۔ نوحہ و غم ہی سہی۔ کیونکہ ہنگامہ کے لحاظ سے غم اور شادی دونوں برابر ہیں۔ اس شعر میں کمالِ مجبوری اور انتہائی محرومی کا اظہار کیا ہے

بقول سعید ایسے شخص کی جو نوہ غم اور نذر شادی میں تیز نہیں کر سکتا، عیش و راحت کی محرومی کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔ یا بقول طہا طباطبائی عارف کی نظر میں شادی و غم دونوں کی ایک صورت ہے۔

۶۔ مرزا کے کلام پر عام طور پر اعتراض کیا جاتا تھا کہ وہ مہمل اور مشکل ہوتا ہے کہتے ہیں نہ مجھے کسی سے داد لینے کی تمنا ہے اور نہ صلے کی پروا یعنی جو کچھ کوئی دیتا ہو وہ شوق سے نہ دے۔ اگر میرے کلام میں محنت نہیں اور وہ مہمل ہے تو ہوا کرے، کسی کو کیا؟

۷۔ خیال یہ ہے کہ عشق کے صدمات اور شدائد عاشقی کو عمر طبعی تک نہیں پہنچنے دیتے، وہ گھلا گھلا کر پہلے ہی اسے ختم کر دیتے ہیں۔ غالب اگر ہمیں صدمات عشق نے گھلا گھلا کر عمر طبعی کو پہنچنے سے پہلے مار ڈالا تو کچھ مصداقہ نہیں۔ یہ کیا کم ہے کہ تمہاری جتنی عمر گزری وہ حسبتوں کی صحبت میں گزری، گویا عشرت صحبتِ خرباں کو عمر طبعی پر ترجیح دیتے ہیں۔

۱۷۶

عجب نشاط سے جلاؤ کے چلم میں ہم آگے ۱ کہ اپنے سارے سے مرزاؤں سے قدیم آگے  
تھانے تھا مجھے چاہا خراب بادۂ الفت ۲ فقط خواب لکھا بس نہ چل سکا قلم آگے  
غم زمانہ نے جھاڑی نشاط عشق کی مستی ۳ وگرنہ ہم بھی اٹھاتے تھے لذتِ الم آگے  
خدا کے واسطے داد اس جھون شوق کی دینا ۴ کہ اس کے در پہ پہنچنے میں نامہ برے ہم آگے  
یہ عمر بھر جو پریشانیوں اٹھائی ہیں ہم نے ۵ تمہارے آئینے طرہ ہائے خم بہ خم آگے  
دل دھجک میں پرافشاں جو ایک موجِ خوں ۶ ہم اپنے زعم میں کچھ ہوئے تھے اس کو آگے

قسم خانے پہ آنے کی میرے کھلتے ہیں غالب  
ہمیشہ کھلتے تھے جو میری جان کی قسم آگے

۱۔ ہم قتل ہونے کی خوشی میں جلاؤ کے آگے آگے جا رہے ہیں اور ہماری خوشی کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ شوق شہادت میں ہمارے سر کا سایہ پاؤں سے بھی دو قدم آگے ہے۔ جب آفتاب چلنے والے کی پشت پر ہو تو اس کے سر کا سایہ ہمیشہ پاؤں سے آگے پڑتا ہے۔ مرزا نے اسی شاہد سے یہ مضمون پیدا کیا ہے۔

۲۔ روزِ ازل کا تب تقدیر نے مجھے خراب بادۂ الفت لکھنا چاہا تھا۔ لیکن اُس نے خراب لکھا تھا کہ اُس کا قلم آگے نہ چل سکا۔ گویا میں محض خراب و برباد ہی رہ گیا۔ خراب بادۂ الفت نہ ہو سکا۔

طباطبائی: یہاں مضمون کے ناتمام رہ جانے نے بڑا لطف دیا اور ہر ایک حالت کی ناتمامی کا بیان ہمیشہ لطف دیتا ہے اور قلم کے نہ چل سکنے کی وجہ سستی اور بے ہوشی ہے، جو لفظ خراب لکھنے سے پیدا ہوتی ہے۔

۳۔ غم زمانہ نے ہماری نشاطِ عشق کی مستی کو جھاڑ دیا۔ یعنی غم دُنیا نے عشق کو ٹھنڈا دیا، ورنہ کبھی ہم بھی غمِ عشق کی لذت سے لطف اندوز ہوا کرتے تھے۔

۴۔ خدا کے لئے ہمارے اس جنونِ شوق کی داد دینا کہ ادھر ہم یار کے نام خط لکھ کر نامہ بر کے حوالے کرتے ہیں اور ادھر جواب کے شوق میں یار کے دروازے پر نامہ بر سے پہلے پہنچ جاتے ہیں۔ یہی جنونِ شوق ہے کہ خط پہنچا نہیں اور اس کے جواب کے طالب پہلے سے کھڑے ہیں۔

۵۔ ”تمہارے آگے آئے“ بد دعا ہے۔ مثلاً کہتے ہیں جو کچھ ہم نے کیا ہے ہمارے آگے آئے اور جو کچھ تم نے کیا ہے تمہارے آگے آئے اور جو کچھ تم نے کیا ہے تمہارے آگے آئے۔ فرماتے ہیں۔ اے گیسو رے

خدا ربِار تمہاری بدولت جو ہم نے پریشانیاں اٹھائی ہیں خدا کرے وہ تمہارے  
 آگے آئیں مطلب یہ ہے کہ تم بھی ہمیشہ میری طرح پریشان رہو شاعر  
 نے یہاں بدو عا میں دُعا کا پہلو نکالا ہے۔ چونکہ پریشان ہونا زلف کی  
 صفت ہے، اس لئے عاشق کی بدو عا دُعا بن گئی اور دُعا یہ ہے کہ خدا  
 کرے تمہاری زلف میں یہی دلکشی رہے۔

۶۔ پُرافشاں .. جوشِ زن + موجِ طغول .. خون کی موج + زغم  
 .. گمان + دم .. سانس۔

ہمارے دل دجگرمیں جو ایک موجِ خون جوشِ زن ہے۔ اس کو پہلے  
 ہم سانس خیال کرتے تھے۔ اب جبکہ عشق نے اسے لہو بنا کر بہایا تو ہمیں  
 معلوم ہوا کہ یہ سانس نہیں، موجِ خون ہے۔ مطلب یہ ہے کہ عشق نے یہ  
 حالت بنا دی ہے کہ سانس کے ساتھ سینے سے لہو کٹ کٹ کر آ رہا  
 ہے اور عاشق یہ خیال کرتا ہے کہ سانس ہی حقیقتاً لہو ہے۔ کیا معصوم  
 استنباط ہے۔ اسی کو شاعری اور آرٹ کہتے ہیں۔  
 ۷۔ قسم کھانا .. انکار کرنا + آگے .. پہلے۔

یا تو ان کی یہ حالت تھی کہ پہلے وہ میری جان کی قسم کھایا کرتے تھے  
 اور جان کی قسم اسی کی کھایا کرتے ہیں جس سے محبت جڑا کرتی ہے لیکن  
 اب یہ حال ہے کہ اُن کو میرے جنازے پر بھی آنے سے انکار ہے۔

۱۷۷

شکوہ کے نام سے بے حد رخصا ہوتا ہے ۱ یہ بھی مت کہہ کہ جو کئے تو کھلا ہوتا ہے  
 پہلوں میں شکوے سے ہوں راگے جیتے ۲ اک ذرا چھوڑے پھر دیکھئے کیا ہوتا ہے  
 تو سمجھتا نہیں پر حسنِ تلافی دیکھو ۳ شکوہ جود سے سرگرم جفا ہوتا ہے

عشق کی راہ میں ہے چرخِ کوکب کا چال ۴ سُست و جیسے کوئی آبلہ پا ہوتا ہے  
 کیوں نہ ٹھہریں ہدفِ ناکِ بیدا کہ ہم ۵ آپ اٹھالٹے ہیں اگر تیر خطا ہوتا ہے  
 خوب تھا پہلے سے تجھے جہم اپنے بدخواہ ۶ کہ بھلا چاہتے ہیں اور بُرا ہوتا ہے۔  
 نار جاتا تھا پہلے غش سے میزا اداب ۷ لب تک آتا ہے جو ایسا ہی رہا ہوتا ہے  
 خامہ میرا کہ وہ ہے باریدِ بزمِ سخن ۸ شاہ کی درج میں یوں قدم سر ہوتا ہے  
 اے شہنشاہِ کوکب سپہ و مہرِ علم ۹ تیرے اکرام کا حق کس سے ادا ہوتا ہے  
 ساتِ اقلیم کا حاصل جو فراہم کیجے ۱۰ کو وہ لشکر کا تیرے فعل بہا ہوتا ہے  
 ہر جہنم میں جو یہ بزرے ہوتا ہے ہلال ۱۱ آستان پر ترے مدنا صبیہ سا ہوتا ہے  
 میں جو گستاخ ہوں آئینِ غزل خوانی میں ۱۲ یہ بھی تیرا ہی کرم ذوق فرا ہوتا ہے  
 رکھو غالب مجھے اس تلخ ذاتی میں صاف

آج کچھ درد میرے دل میں سوا ہوتا ہے

۱۔ اگر میں شکوہ کا نام بھی لیتا ہوں تو وہ بے حد خفا ہوتا ہے۔ اس کی خفگی  
 کا یہ عالم ہوتا ہے کہ اگر میں یہ کہتا ہوں کہ ”وہ شکوے کے نام سے خفا ہوتا  
 ہے“ تو یہ بھی وہ گلہ خیال کرتا ہے۔

طبا طبائی: یہ بات بھی یعنی (جو کچھ تو گلہ ہوتا ہے) منہ سے نہ نکالو۔  
 گلہ نہیں تو گلہ کا نام تو زبان پر آگیا (سفید و آستی)

۲۔ میں شکایتوں سے اس طرح بھرا ہوا ہوں جس طرح ماگوں سے باجہ  
 بھرا ہوا ہوتا ہے۔ بس مجھے چھیر ٹرنے کی دیر ہے۔ پھر دیکھئے کیا ہوتا ہے۔  
 اس مضمون کو اس طرح بھی لکھا ہے

ہوں سراپا ساز آہنگِ شکایت کچھ نہ پوچھ ہے یہی بہتر کہ لوگوں میں نہ پھیر دو مجھے  
 ۳۔ وہ لہنی کم سنی یا سادگی کی وجہ سے میرے شکووں کا مطلب میں سمجھتا



لیکن اُس کی حُسنِ ظاہری قابلِ داد ہے کہ شکوہِ مجروح کرنے سے وہ اور زیادہ چاہیں  
کرتا ہے مطلب یہ ہے کہ مجروح کو خیر نہیں کہ میں شکوہِ مجروح سے مزید بھلائی  
کا طلب نگاہ ہوں۔ پہلے کہہ چکے ہیں ۵

نالہ جُز حُسنِ طلب اے ستمِ ایجاد نہیں ہے نقصانے جفا شکوہِ بیدار نہیں  
۴۔ چرخِ مکوکب .. کوکب ستارہ دار آسمان، ستاروں کو آبلوں سے  
اور چرخِ مکوکب کو آبلہ سے تشبیہ دی ہے۔

عشق کی راہ میں ستارہ دار آسمان اس طرح سنبھل سنبھل کر اور رُک  
رُک کر چلتا ہے، جیسے کوئی آبلہ یا شخص چلتا ہے۔

۵۔ ہدف .. نشانہ + ناوک .. تیر۔

معتوق کے ناوکِ بیدار کا نشانہ بننے کے ہم اس قدر آلودہ مند ہیں کہ  
اگر اس کا کوئی تیر خطا ہو جاتا ہے تو دوڑ کر ہم اُسے خود اٹھا لیتے ہیں اور  
اس کو دیتے ہیں کہ تو دوبارہ ہم پر چلاؤ۔ اسی حالت میں بھلا ہم اس کے  
ناوکِ بیدار کے ہدف کیوں نہ ٹھہریں مطلب یہ ہے کہ انہیں تیر کھلنے کا  
مجھ جیسا شوقین اور کہاں مل سکتا ہے؟

۶۔ تجربے سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر ہم اپنا بھلا چاہتے ہیں تو ہمیشہ بُرا  
ہوتا ہے۔ اگر یہ بات ہمیں پہلے معلوم ہو جاتی تو ہم اپنے بدخواہ بن جاتے  
اور اپنی بدخواہی کرتے۔ اس کا یہ نتیجہ نکلتا کہ ہماری بھلائی کی صورت پیدا  
ہو جاتی۔ کیونکہ جو کچھ وقوع میں آتا ہے وہ ہمیشہ ہماری خواہش کے  
برخلاف ہوتا ہے۔

۷۔ پہلے میرے نالوں میں اس قدر زور تھا کہ وہ عرشِ مٹنے سے بھی  
اگے نکل جاتے تھے، لیکن اب کمزوری کا یہ عالم ہے کہ اگر کوئی نالہ

بہت ہی رسا ہوتا ہے تو وہ مشکل سے لب تک آتا ہے۔ ورنہ بیشتر نالے تو سینے میں رہ جاتے ہیں۔

۸۔ باربد .. ایک مشہور ایرانی گویئے کا نام ہے۔ جو بادشاہ ایران کا درباری گویا تھا۔ یہاں مراد مطرب۔

میرا قلم جو کہ بزم سخن کا باربد (مطرب) ہے بادشاہ کی مدح میں اس طرح نغمہ سرا ہوتا ہے۔

۹۔ کواکب سپہ .. جمع کوکب، بمعنی ستارہ یعنی وہ جس کی فوج آسمان کے ستارے ہوں۔ مراد لا تعداد فوج + ہر علم .. جس کا علم آفتاب ہو۔

اے شہنشاہ ستارے تیرا لشکر اور آفتاب تیرا علم ہے، تو اس قدر بڑا بادشاہ ہے کہ کوئی شخص تیرے انعام و اکرام کا حق ادا نہیں کر سکتا۔

۱۰۔ سات اقلیم .. سات سلطنتیں مراد ساری دنیا، حاصل .. محصول + نفل بہا .. وہ روپیہ جو چھوٹی حکومتیں بڑی حکومت کو ادا کرتی ہے تاکہ وہ ان کی سرپرستی اور حفاظت کرے۔  
اگر سات سلطنتوں کا محصول فراہم کریں تو وہ تیرے لشکر کا نفل بہا ہوتا ہے۔

۱۱۔ ہر مہینے جو چاند بدر سے گھٹ کر ہلال ہو جاتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ تیرے آستانے پر اس قدر ناصیہ فرمائی کرتا ہے کہ گھٹے گھٹے بدر سے ہلال بن جاتا ہے۔

۱۲۔ میں جو آئین غزنویانی میں گستاخی کرتا ہوں۔ یہ تیرے ہی کرم کا

اثر ہے کہ وہ میری آتش اشتیاق کو مشتعل کرتا ہے (سعید)  
 - یخخود : میں جو آئین غولخانی کو توڑ کر تیرا مدح سرا ہو جاتا ہوں تیرے  
 کرم کی وجہ سے یعنی تیرا کرم ذوق مدح سرائی پر لھاتا رہتا ہے۔  
 آتشی : میں جو گستاخانہ اور بے تکلفانہ اچھی اچھی غزلیں پر ملتا ہوں  
 اس کی کوئی اور وجہ نہیں بلکہ کرم ہائے تو مارا کر دو گستاخ۔  
 ۱۳۔ اے غالب ! میری تلخ لڑائی سے مدد گزرا۔ اس کی وجہ یہ  
 ہے کہ آج میرے دل کا درد کچھ بڑھ گیا ہے اور ضبط کی تاب نہیں دی۔  
 اس لئے زبان سے تنغ الفاظ نکل رہے ہیں۔ - یخخود تلخ لڑائی سے اشعار پورے  
 مراد لیتے ہیں۔ - سعید تلخ گوئی سے سخت گوئی اور سخت سست کہنا سمجھتے ہیں۔

۱۶۸

ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے ۱ تمہیں کہو کہ یہ انداز گفتگو کیا ہے  
 نہ شعلہ میں یہ کرشمہ نہ برق میں لہذا ۲ کوئی بتاؤ کہ وہ شوخ تندہ کیا ہے  
 یہ رشک ہے کہ وہ ہوتا ہے ہم سخن تم سے ۳ وگرنہ خوفِ بدآموزی عدو کیا ہے  
 چپک رہا ہے بدن پر لہو سے پیرا تم ۴ ہماری جیب کو اب حاجتِ رفو کیا ہے  
 جلا ہے جسم جہاں دل بھی جل گیا ہو گا ۵ کہہ دیتے ہو جوابِ راگھ۔ جنو کیا ہے  
 رگوں میں دوڑتے پھرنے کے ہم نہیں کل ۶ جب آنکھ ہی سے نہ ٹپکا تو پھر لہو کیا ہے  
 وہ چیز جس کے لئے ہم کو جو بہشتِ غنیمت ۷ سوائے بادۂ گلفامِ مشک ہو کیا ہے  
 پیوں شراب اگر خم بھی دیکھ لوں پا ۸ یہ شیشہ و قدح و کنزہ دسبو کیا ہے  
 رہی نہ طاقتِ گفتار اور اگر جو بھی ۹ تو کس امید پہ کیے کہ آرزو کیا ہے  
 ہوا ہے شہ کا مصاحب پھرے ہے اتراتا  
 وگرنہ شہر میں غالب کی آبرو کیا ہے

۱۔ تم میری ہر ایک بات پر کہتے ہو کہ تیری حقیقت ہی کیا ہے تو اپنے آپ کو سمجھتا کیلئے، یا تو ہے کیا چیز، خدا کے لئے تمہیں بتاؤ کہ طریقہ کھنکھو کس قسم کا ہے یعنی تم نے یہ کس قدر توہین آمیز طرز گفتگو اختیار کی ہے۔

۲۔ اگر میں اس کی تند خوئی کے سبب سے اسے شعلہ کہوں تو شعلہ میں وہ کمرہ نہیں جو اس میں ہے اور اگر میں اس کی شوخی کی وجہ سے اس کو برق قرار دوں تو برق میں وہ ناز اور انداز نہیں جو اس میں ہے۔ پھر خدا کوئی مجھے یہ بتا دے کہ آخر میں اس شوخ تند خو کو کیا کہوں۔

۳۔ مجھے اس بات کا خوف نہیں کہ دشمن تمہیں میری طرف سے بدگمان کرتا اور تمہارے کان بھرتا ہے۔ مجھے تو رشک یہ ہے کہ وہ تم سے اہکلام ہوتا ہے۔

۴۔ ہمارے گرمیوں کو اب رو کی ضرورت نہیں رہی۔ کیونکہ لبو سے بدن پر پیرا ہن چپک گیا ہے۔ اسی مضمون کو فارسی میں اس طرح ادا کیا ہے

بہار چسپیدہ ہازم از نیم خونابہ پیرا ہن

خراش سیدہ سطر سجیہ شد چاک گریبانم

طبا طبائی: اس شعر میں سستی یہ ہے کہ کوئی وجہ نہیں بیان کی کہ لڑکوں نے پتھر مار کر خون بہایا ہے یا خود سر پھوٹا الا ہے یا خون کے آنسو بے ہیں یا چھاتی کو پیٹتے پیٹتے زخمی کر لیا ہے یا گریبان پھاٹنے میں ناخن سے نوچا ہے۔ یہ سب احتمال ہیں مگر تعین نہ کرنے سے بے لطفی پیدا ہو گئی ہے۔ یہ خود لکھتے ہیں کہ احتمالات تعین نہ کرنے سے زیادہ لطف پیدا ہو گیا ہے۔

۵۔ عاشق سوزِ عشق سے جل چکا ہے اور معشوق اس کی ناکہ کرید

رہا ہے۔ کہتے ہیں اورے نادان جسم کے ساتھ دل بھی جل گیا ہوگا۔ اب راکھ کسید کر دل کو کیا تلاش کرتا ہے۔

طبا طبائی: کسیدنا بڑا ہے۔ دقیقہ منج لوگ ضرور کیسے کیا معشوق مُرغی تھا۔ اتنی لکھتے ہیں کہ اعتراض آسان ہے۔ اس جگہ کوئی اور لفظ رکھا جائے تو حقیقت تھلے۔

۶۔ ہم اس لہو کو لہو نہیں مانتے جو رگوں میں دوڑتا پھرے۔ ہم تو اس کو لہو مانتے ہیں جو آنکھ سے ٹپکے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ لہو نہیں جو آنکھ سے آنسو بن کر نہ ٹپکے۔

۷۔ وہ چیز جس کی وجہ سے ہمیں بہشت عزیز ہو سکتی ہے اسوائے بادۂ گلغام مشک بو کے اور کیا چیز ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہمیں بہشت اسی وجہ سے عزیز ہے کہ وہاں نہایت عمدہ شراب پیگی اور مقدارِ کثیر پیگی۔

۸۔ ہم اس قدر بلا نوش واقع ہوئے ہیں کہ قدر و شیشہ و کورہ و سبو کو کچھ چیز نہیں سمجھتے۔ ہاں اگر دو چار خم سامنے ہوں تو پھر شراب پیتے ہیں مطلب یہ ہے کہ معمولی شراب پی کر طبیعت بے لطف نہیں کرنا چاہتے۔

۹۔ اول تو مجھ میں طاقتِ گفتار ہی باقی نہیں رہی اور اگر ہو بھی تو کس امید پر کہوں کہ میری کیا آرزو کیا ہے۔ کیونکہ اس سے آرزو پوری ہونے کی بالکل توقع نہیں رہی اور یہ ہرنا امید ہی نتیجہ ہے اس کے گزشتہ سلوک کا، کہ اُس نے کبھی کوئی آرزو پوری نہیں کی۔

۱۰۔ ذرا غالب کو دیکھنا! بادشاہ کے مصاحب بن کر اترتے پھرتے ہیں، اور نہ جو کچھ مشر میں ان کی آہرو ہے، وہ معلوم ہی ہے یعنی کچھ نہیں۔

کہتے ہیں ایک دن استاد ذوق کہیں پاکی میں بیٹھے جا رہے تھے کہ غالب

کی نظر پڑی۔ چونکہ اُن سے معاصرانہ چٹمک تھی۔ مصرعہ اولیٰ فی البدیہہ کہہ کر پڑھا۔ اُستاد ذوق نے سُن لیا اور بادشاہ سے شکایت کی۔ بادشاہ نے غالب کو بلوایا اور پوچھا کہ آپ نے کونسی غزل کہی ہے انہوں نے پوری غزل سُنائی اور مقطع میں یہ مصرعہ بھی شامل کر دیا۔

۱۷۹

میں انہیں پھیرٹوں اور کچھ نہ کہیں ۱ چل نکلتے جوئے پئے ہوتے  
 قہر ہو، یا بلا ہو، جو کچھ ہو ۲ کاش کے تم میرے لئے ہوتے  
 میری قسمت میں گر اتنا تھا ۳ دل بھی یارب کئی دیئے ہوتے  
 آہی جاتا وہ راہ پر غالب  
 کوئی دن اور بھی بچے ہوتے

۱۔ میں انہیں پھیرٹوں اور وہ کچھ نہ کہیں یہ بڑے تعجب کی بات ہے، اگر کہیں اس وقت وہ شراب کی ترنگ میں ہوتے تو میرے پھیرنے پر آفت برپا کر دیتے۔

۲۔ تم قہر ہو یا بلا ہو، خواہ کچھ ہی ہو۔ کاش کے تم میرے لئے مخصوص ہوتے۔ مطلب یہ ہے کہ میں کسی حالت میں بھی یہ گوارا نہیں کرتا کہ تم دوسروں کے لئے ہو۔ بقول طباطبائی قہر بلا اپنے لئے گوارا کر لینا تاڑھ مضمون ہے۔ اس کے علاوہ معشوق کی شوخ مزاحی اور عریبہ جوئی اور شوق و حسرت وغیرہ کی تصویر کھینچ دی ہے۔

۳۔ یارب اگر میری قسمت میں اتنا زیادہ غم لکھا تھا تو اُسے برداشت کرنے کے لئے دل بھی کئی ایک دیئے ہوتے۔ مطلب یہ ہے کہ جس قدر غم مجھے دیا گیا ہے وہ ایک دل کی برداشت سے بہت زیادہ ہے۔ تیسرے

کاشکے دل دو تو ہوتے عشق میں ایک رکھنے ایک کھوتے عشق میں  
۳۔ راہ پر آگیا .. کہا مان لینا۔

غالب وہ عنقریب راہ پر آجاتا اور تمہاری دلجوئی کرتا۔ تم بہت جلد  
بایوس ہو کر چل بسے۔ کوئی دن اور بچے ہوتے کہ لطفِ صحبتِ محبوب اٹھاتے

۱۸۰

غیر میں محفل میں بوسے جام کے ۱ ہم رہیں یوں نشہ لب پیغام کے  
خستگی کا تم سے کیا شکوہ کہ یہ ۲ ہمتکنڈے ہیں چرخ نیلی فام کے  
خط لکھیں گے گرچہ مطلب کچھ نہ ہو ۳ ہم تو عاشق ہیں تمہارے نام کے  
رات بی زمزم پہ سے اور صبح دم ۴ دھوئے دجے جامہٴ احرام کے  
دل کو آنکھوں نے پھنسا یا، کیا مگر ۵ یہ بھی حلقے ہیں تمہارے دام کے  
شاہ کی ہے غسلِ صحت کی خبر ۶ دیکھئے کب دن پھر میں حمام کے  
عشق نے غالب نکلا کر فرمایا  
درتہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

۱۔ محفل سے مراد محفلِ معشوق ہے اور پیغام سے مراد پیغامِ طلبِ نشہ جام  
کی رعایت سے لائے ہیں۔ اپنی حرماںِ نفسی کا نقشہ کھینچا ہے کہتے ہیں افسوس  
کہ غیر تو محفلِ یاریں جام کے بوسے لیں۔ یعنی بے تکلف شلوب پیش اور ہم پیغامِ طلب  
سے بھی محروم رہیں یا ہماری کوئی بات بھی نہ پوچھے۔

۲۔ اپنی بربادی اور خستگی کا تم سے گلہ نہیں یہ سب قلمِ کج رفتار  
کے ہمتکنڈے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ تم سے گلہ نہیں۔ اپنی تقدیر  
سے شکوہ ہے۔

طبا طبائی لکھتے ہیں کہ نیلی فام بھرتی کا لفظ ہے اس کو معافی میں نہ لیں۔

بتا دے کہ سکتے ہیں کہ نیلا رنگ مخموس اور غم کی نشانی ہے۔

۳۔ چاہے خط لکھنے کی ضرورت ہو یا نہ ہو، ہم نہیں برابر خط لکھتے جائینگے، کیونکہ ہم تمہارے نام کے عاشق ہیں اس لئے ہمیں تمہارے نام خط لکھنے سے مطلب ہے۔

۴۔ زمزم .. نکتہ منظر میں ایک کنواں ہے، جس کے پانی کو خاندانِ کعبہ کے قرب کی وجہ سے متبرک خیال کیا جاتا ہے۔ رات کو ہم نے چاہِ نهرم پر بیٹھ کر شراب پی اور صبح کے وقت اُسی کے پانی سے جامۂ احرام کے دھتے دھو ڈالنے یعنی پاک صاف ہو گئے۔ اس شعر میں مرزا صاحب نے زندانِ شوخی دکھائی ہے کہ ہم حج کے موقع پر بھی شراب نوشی سے باز نہیں آتے۔ بلکہ چاہِ زمزم پر بیٹھ کر شراب پیتے رہے اور پھر اسی متبرک پانی سے شراب کے دھتے دھوئے۔

۵۔ مگر معنی شاید۔ میرے دل کو میری آنکھوں نے تمہارے عشق کے جال میں پھنسا یا ہے۔ شاید یہ (میری آنکھیں) تمہارے دام کے حلقے میں۔ چونکہ آنکھوں کی بدولت انسان عشق میں مبتلا ہوتا ہے۔ اس لئے اپنی آنکھوں کو مشوق کا حلقہ دام کہا، حلقہ چشم اور حلقہ دام میں مناسبت ہے۔

۶۔ اغوا ہے کہ بادشاہِ غسلِ صحت کرنے والے ہیں۔ دیکھئے حمام کی تقدیر کب پھرتی ہے۔ یعنی وہ کب حمام میں غسلِ صحت فرما کر اسے شرفِ تدرؤ میمنت لزوم بخشے ہیں۔

۷۔ غالب ہیں عشق نے کسی کام کا نہ رکھا، ورنہ ہم بڑے کام کے آدمی تھے۔

پھر اس انداز سے بہا ر آئی ہے کہ ہونے حرومہ تما شائی



دیکھو اے ساکنانِ خطہ پاک ۲ اس کو کہتے ہیں عالم آرائی  
 کہ زمیں ہو گئی ہے سبز تاسر ۳ روکش سطح چمرخ بینائی  
 سبزے کو جب کہیں جگہ نہ ملی ۴ بن گیا روئے آب پر کاٹی  
 سبزہ و گل کے دیکھنے کے لئے ۵ چشمِ زرگس کو دی ہے بینائی  
 ہے ہوا میں شراب کی تاثیر ۶ بادہ نوشی ہے بادِ پیمائی  
 کیوں نہ دُنیا کو ہو خوشی غالب

شاہِ دیندار نے شفا پائی

پھر اس انداز سے بہا ر آئی ہے کہ ہر وہ اس کو بڑے شوق  
 کی نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔

۲۔ اے زمین کے رہنے والو دیکھو! اے عالم آرائی کہتے ہیں۔

۳۔ روکش .. بد مقابل + چمرخ بینائی .. سبز آسمان۔

زمین کثرتِ سبزہ و گل کی بدولت سبز آسمان کی بد مقابل بن گئی ہے  
 یعنی آسمان بھی سبز ہے اور زمین بھی سبز ہے یا یہ کہ زمین آسمان سے  
 بڑھ گئی ہے۔

۴۔ کثرتِ سبزہ و گل سے سبزہ کو جب روئے زمین پر جگہ نہ ملی تو  
 وہ آخر کار سطح آب پر کاٹی بن کر ظاہر ہو گیا۔ کاٹی بھی سبز ہوتی ہے۔

۵۔ خداوند تعالیٰ نے سبزہ و گل کے نظارہ سے لطف اندوز ہونے  
 کے لئے چشمِ زرگس کو بینائی دی ہے۔ یاد رہے چشمِ زرگس کو عام شعرا نابینا  
 خیال کرتے ہیں۔ لیکن غالب نے اس خیال کو ترک کر کے نیا مضمون پیدا کیا ہے۔

۶۔ حالی: یہ شعر بہار کی تعریف میں ہے اس میں بادِ پیمائی کے لفظ سے  
 دو معنی پیدا کر دیئے ہیں۔ بادِ پیمائی محبت کا نام کرنے کو کہتے ہیں پس ایک معنی

تو اس کے یہ ہیں کہ فصل بہار کی ہوا ایسی نشاط انگیز ہے کہ گویا اس میں شراب کی تاثیر پیدا ہو گئی ہے اور جبکہ یہ حال ہے تو بادہ نوشی محض بادہ سیانی یعنی فضول کام ہے۔ اس صورت میں بادہ نوشی مبتدا ہوگا اور بادہ سیانی خبر۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ بادہ سیانی کو مبتدا اور بادہ نوشی کو خبر قرار دیا جائے اور جس طرح بادہ سیانی کے معنی بادہ خواری کے ہیں اسی طرح بادہ سیانی کے معنی ہوا کھانے کے لئے جائیں اس صورت میں مطلب یہ نکلے گا کہ آج کل ہوا کھانی بھی شراب پی پی ہے (سعیہ۔ بخیر) آتھی اور طباطبائی بھی پھلے کھتے ہیں۔

۴۔ موسم بہار کو دنیا کی خوشی قرار دے کر کہتے ہیں کہ بھلا ساری دنیا خوش کیوں نہ ہو۔ بادشاہ سلامت نے شفا پائی ہے۔ چونکہ مصرعہ اولیٰ میں دنیا کا لفظ آیا تھا۔ اس لئے اس کی مناسبت سے دوسرے مصرعہ میں دین کا لفظ لائے ہیں۔ اس تناسب کو مد نظر رکھے بغیر دبندار اچھا معلوم نہیں ہوتا۔

۱۸۲

تغافل دوست ہوں میرا دماغ عجز عالی ہے ۱ اگر پہلوتی کیجے تو جا میری بھی خالی ہے  
وہ آباد عالم اہل ہمت کے نہ ہونے سے ۲ بھرے ہیں جن قدر جام و بونجانہ خالی ہے  
۱۔ تغافل دوست ہوں .. یعنی میں تغافل کو پسند کرتا ہوں + دماغ عجز .. عجز کا دماغ مراد رتبہ عجز + پہلوتی .. تغافل + جگہ خالی کرنا .. جگہ اس شخص کے لئے خالی کی جاتی ہے جس کا احترام مقصود ہو۔

میں تغافل پسند انسان ہوں۔ میرا دماغ عجز اس درجہ بلند ہے کہ اگر آپ مجھ سے پہلوتی کریں تو میں اس پہلوتی کرنے سے یہ سمجھ لوں گا کہ آپ نے میرے لئے جگہ خالی کر کے مجھ پر خاص کرم فرمایا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میں تغافل پسند ہونے کی وجہ سے تغافل کو پسند کرتا ہوں۔ کیونکہ تغافل میں نکتہ بیہ ہے کہ

آپ مجھے عاشق سمجھتے ہوئے جان بوجھ کر مجھ سے گریز کرتے ہیں۔ ایک جگہ پہلے لکھ چکے ہیں۔

جان کر کیجئے تغافل کہ کوئی یات بھی نہ۔ یہ نگاہ غلط انداز تو سمجھ ہے ہم کو  
۲۔ حالی : یہ خیال شاید کسی اور کے دل میں بھی گزرا ہو، مگر تخیل نے اس کو بالکل ایک اچھوتا مضمون بنا دیا ہے اور شعر کو نہایت بلند کر دیا ہے کہ ہمیں کہ دنیا میں اگر ہمت کا وجود ہوتا جو دنیا کو محض ناچیز سمجھ کر اس کی طرف التفات نہ کرتے تو دنیا ویران ہو جاتی۔ پس یہ جاننا چاہئے کہ عالم اسی سبب سے آباد نظر آتا ہے کہ اہل ہمت مفقود ہیں یعنی جس طرح بیخانہ میں جام و سبو کا شراب سے بھرا رہنا اس بات کی دلیل ہے کہ بیخانہ میں کوئی بیخوار نہیں ہے، اسی طرح عالم کا آباد و معمور ہونا دلالت کرتا ہے کہ اس میں اہل ہمت معدوم ہیں (تمام متفق)

آئیں (۱)، اگرچہ دنیا آباد ہے مگر اہل ہمت اس میں نہیں ہیں۔ گویا یہ ایک مے خانہ ہے جس میں شراب نادر ہے۔ جام و سبو بھرے پڑے ہیں۔

۲۔ عالی کے ہم خیال (۳)، اہل ہمت کے نہ ہونے سے دنیا آباد ہے کہ جام و سبو جس قدر بھر بھر کر دیئے گئے بیخانہ خالی ہو جائے گا یعنی یہ لوگ اگر بیخانہ دنیا میں ہوتے تو دنیا کو لٹا دیتے اور ان کا وجود و کرم دنیا کو آباد نہ رہنے دیتا۔

کب وہ مست ہے کہانی میری ۱ اور پھر وہ بھی (بانی میری  
خلش غمزدہ خون رہزنی چوچہ ۲ دلچہ خوبا بہ فشانہ میری

کیا بیاں کر کے مراد میں گئے یا نہ ۳ مگر آشفۃ بیانی میری  
 ہوں نہ خود رفتہ بیدار خیال ۴ بھل جانا ہے نشانی میری  
 متقابل ہے مقابل میرا ۵ رک گیا دیکھ روانی میری  
 قدر سنگ سرور رکھتا ہوں ۶ سحر اذراں ہے گرانی میری  
 گرد باد رو بے تابی ہوں ۷ صرصر شوق ہے بانی میری  
 دہن اس کا جو نہ معلوم ہوا ۸ کھل گئی میچدانی میری  
 کر دیا ضعف نے عاجز غالب

تنگ پیری ہے جوانی میری

۱۔ کہانی میری یعنی میرا خزانہ عشق + شاعرین اس شعر کو تعریف  
 سے مستغنی قرار دیتے ہیں۔ واقعی نہایت بے تکلف شعرا قہ ہوا ہے۔  
 کہتے ہیں وہ اول تو میری کہانی کب سنتا ہے اور اگر سنئے بھی تو  
 میری زبانی سنانا ناممکن ہے۔

۲۔ غمزہ خونریز کی خلش کی کیفیت مجھ سے نہ پوچھ بلکہ میری خونناہ  
 (خالص خون) فشان دیکھ لے۔ اسے دیکھ کر تجھے غمزہ خونریز کی خلش کی  
 کیفیت معلوم ہو جائیگی کہ اُس نے میرے سینے میں کیسے زخم ڈال دیئے ہیں  
 جو خالص خون کے آنسو جاری ہیں۔

۳۔ جب کوئی عزیز مر جاتا ہے تو اقربا مرنے والے کی صفات بیان کر کے  
 دوتے ہیں۔ کہتے ہیں میرے عزیز اور دوست مرنے کے بعد میری کیا صفات  
 یاد کر کے روئیں گے؟ اس سوال کا خود ہی جواب دیتے ہیں کہ شاید وہ میری آشفۃ  
 بیانی، بیان کر کے روئیں گے۔ اس شعر میں شاعر اپنی آشفۃ بیانی کو ایسی  
 ماہرہ امتیاز صفت قرار دیتا ہے۔ جسے یاد کر کے اعزا کو رونا آئے گا۔

خوب شعر ہے۔

۴۔ بیدا .. صحرا .. نشانی .. پہچان ۔

حسرت : میں صحرائے خیال کا از خود رفتہ ہوں اور از خود رفتگی ہی میری نشانی یا پہچان ہے (سید)

طباطبائی : خیال سے احباب مراد ہے اور اسے میدان فرض کیا ہے اور اپنے تئیں اس میدان کا از خود رفتہ کہا ہے۔ یعنی خیال احباب سے میں نکل جاتا ہوں اور احباب کا مجھے بھول جانا ہی میری نشانی ہے۔ (طباطبائی۔ ترجمہ۔ آئسی)

آئسی (۲) میں خیال یار کے دشتِ ناپیدا کنار میں از خود رفتہ ہو گیا ہوں اور میری گم گشتگی اور از خود رفتگی کا نشان یہ ہے کہ وہ مجھے بھول گیا ہے۔ ۵۔ ایک خط میں غالب نے اس شعر کی شرح خود لکھی ہے۔ تقابل و

تضاد کو کون نہ جلنے گا۔ نور و ظلمت ، شادی و غم ، راحت و رنج وجود و عدم لفظ مقابل اس مصرع میں معنی مروج ہے جیسے کہ حریف کہ معنی دوست کے بھی مستعمل ہے۔ مفہوم شعر یہ ہے کہ ہم اور دوست از روئے خوشے و

عادات ضد ہمدگر ہیں۔ وہ میری طبع کی روانی دیکھ کر رک گیا (خود مہندی) حسرت : متقابل یعنی بہ تصنع مقابل ہے مطلب یہ ہے کہ حریف

میری روانی (روانی طبع) کو دیکھ کر درحقیقت قائل ہو گیا۔ لیکن ظاہر میں محض اس بات کی مزحکہ کے لئے بہ تصنع مقابلہ کئے جاتا ہے۔

۶۔ حالی : گرانی کے معنی بھاری پن کے ہیں اور بیش قیمت ہونے

کے بھی کہتا ہے کہ میری قدر اس پتھر کی سی ہے جو راہ کے سرے پر پڑا ہو اور ہر شخص آتے جاتے اس پر پاؤں رکھ کر گزرے۔ یعنی ہوں تو گرانی مگر

اس پتھر کی طرح بنقدر ہوں۔ پس میری گرانی کس قدر ازاں ہے (سجیدہ - بنجود)  
 ۷۔ گرد باد ۰۰ بگولا + صرصر ۰۰ آندھی، ہوا اٹے تند + بانی  
 ۰۰ بانی مبنی -

میں راہ بیتابی کا بگولا ہوں یعنی بگولے کی طرح لے قرار ہوں اور  
 اس بیقراری کی بانی مبنی صرصر شوق ہے۔ یعنی میں وہ بگولا ہوں جو شوق  
 کی آندھی سے پیدا ہوا ہے۔

۸۔ معشوق کا دہن بیچ ہے۔ جو شخص بیچ نہ جانے وہ مجھدان ہے  
 کہتے ہیں۔ جب اس کا دہن باوجود کوشش کے مجھے معلوم نہ ہوا تو میری  
 مجھدانی ظاہر ہو گئی۔

۹۔ ننگ بمعنی عار + کہتے ہیں اگرچہ میں جوان ہوں لیکن ضعیف و  
 نقاہت نے مجھے عاجز کر دیا ہے۔ مجھے ایسا ضعیف ہے کہ اگر  
 بڑھاپے میں بھی کسی کو ہوتا تو ننگ پیری کہلاتا۔ مطلب یہ ہے کہ میری جوانی  
 بڑھاپے کے لئے باعث ننگ و عار ہے۔

۱۸۴

نقشِ ناز بہت طناز یا غوشِ رقیب ۱ پائے طاؤس پئے خامہ بانی مانگے  
 تو وہ بدخو کہ نخچیر کو تماشا جلنے ۲ غم وہ افسانہ کہ آشفتبہ بیانی مانگے  
 وہ تب عشقِ تمنا ہے کہ پھر صورتِ شمع ۳ شعلہ تابض جگر ریشہ دوانی مانگے  
 ۱۔ پئے بمعنی سجائے۔ مور کا تمام جسم خوبصورت مگر اس کے پاؤں  
 بد صورت ہوتے ہیں۔ اسی طرح معشوق خوبصورت اور رقیب جس کی گود  
 میں وہ میٹھا ہوا ہے بد صورت ہے اس لئے جب اس معشوق سراپا بنا  
 کی اس حالت کی تصویر ناز مصور تیار کیے تو مناسب ہے کہ وہ خامہ بانی

کی بجائے پائے طاقٹس مانگے گا، تاکہ رقیب کی تصویر مور کے پاؤں کی طرح خراب بنے۔ یہ طرزِ تبدیل کا شعر ہے۔

آئسی: خونی اس شعر میں یہ ہے کہ یہاں خود مصنف نے یہ نہیں کہا کہ میں ایسا چاہتا ہوں بلکہ یہ کہا ہے کہ اس قسم کی تصویر کا یہ تقاضا ہے۔  
۲۔ عالمِ حیرت میں خاموشی کا ہونا ضروری ہے۔ لیکن تو ایسا بدحواس ہو جاتا ہے کہ میری حیرت اور خاموشی کو تماشا اور سامانِ تفریح خیال کرتا ہے۔ حالانکہ حیرت کی وجہ یہ ہے کہ ہم افسانہء غم بیان نہیں کر سکتے کیونکہ وہ ایسا افسانہ ہے جو آشفٹہ بیانی چاہتا ہے اور آشفٹہ بیانی کو تو پسند نہیں کرتا۔ اس لئے ہم سخت کشمکش میں ہیں۔

آئسی: (۱) تو مجھ کو مجھو تماشا سہجتا ہے اور میرے غم کا افسانہ ایسا ہے جو چاہتا ہے کہ آشفٹہ بیانی بھی اس کے ساتھ ہو (۲) میری حیرت تیرے لئے ایک تماشا ہے اور اگر اس سے آشفٹہ ہوں اور میرا غم مجھے مجبور کر دے تو تو آشفٹہ بیانی سہجتا ہے۔ غرض دو گونہ عذاب ہے چپ رہوں تو مصیبت کچھ کموں تو آفت (باقی شارحین میرے سمجھنا ہیں)

۳۔ نبض سے مراد رگ + ریشہ دوانی مانگے۔ یعنی سرایت کرے۔ مجھے ایسے تپِ عشق کی تمنا ہے کہ جس کا شعلہ شمع کی طرح رگِ جگر تک سرایت کرے گویا تمام جسم کو جلا ڈالے۔ شمع سے مثال اس لئے دی ہے کہ جب اس کی بٹی کو آگ لگتی ہے تو شعلہ اس کے جگر تک بٹی کے ذریعہ سے سرایت کرتا ہے ریشہ دوانی بھی اسی رعایت سے لائے ہیں۔

گلشن کو تری صحبت از بسکہ خوش آئی ہے ۱ ہر غنچہ کا گل ہنما آغوش کشائی ہے

واں کنگرہ استغفار ہم سے بلند ہے پر ۲ یاں نالہ کو اور اُٹا دھوی رسانی ہے  
از بسکہ سکا تلبہ غم ضبط کے اندر ہے ۳ جو داغ نظر آیا اک چشم نمائی ہے  
۱۔ چونکہ گلستاں کو تیری ہم نشینی اور تیرا بارانہ بہت ہی زیادہ مرغوب ہے  
اس لئے بارغ کی کلیاں کھلتی نہیں بلکہ جوش محبت میں تجھ سے بغلیگر ہونے  
کے لئے اپنی آغوش وا کرتی ہیں۔

۲۔ کنگرہ استغفار .. بام استغفار بے پروائی کا کنگرہ۔  
اُدھر یاد کے بام استغفار کا کنگرہ ہر دم بلند ہوتا جاتا ہے اور اُدھر  
ہمارے نالہ کو اُٹا رسانی کا دھوئے ہے یعنی یاد تو ہر دم ہم سے بے پروا  
ہوئے جاتا ہے مگر ہمارے نالے کو دھوئے رسانی ہے ع  
بہیں تفاوت راہ از کجاست تا بہ کجا

۳۔ داغ صوت میں آنکھ سے مشابہ ہے۔ کہتے ہیں غم میرا استاد  
بنا ہے اور وہ مجھے ضبط غم کی تعلیم دے رہا ہے۔ اس صوت میں مجھے جو  
داغ نظر آ رہا ہے وہ استاد کی چشم نمائی کا حکم رکھتا ہے۔ گویا زبانِ حال  
سے کہتا ہے کہ دیکھو نالہ و فریاد نہ کیجو۔

۱۸۶

جس زخم کی ہو سکتی ہو تیر ر فو کی ۱ لکھ دیکھو یا رب اُسے قسمت میں مدد کی  
اچھا ہے سر انگشتِ حنائی کا تصور ۲ دل میں نظر آتی تو ہے اک بوندِ لبو کی  
کیوں ڈرتے ہو عشاق کی بے حوصلگی سے ۳ یاں تو کوئی سستا نہیں فریاد کو کی  
دشنہ نے کبھی نہ نہ لگایا ہو جگر کو ۴ خضر نے کبھی بات نہ پوچھی ہو گللو کی  
صد جیف وہ ناکام کہ اک عمر سے غالب  
حسرت میں ہے ایک بُتِ عربہ جو کی



۱۔ جس زخم میں ٹانگے لگ سکتے ہوں، وہ مجھے دکار نہیں، اے خدا  
بہا زخم و دشمن کی قسمت میں لکھ دیجیو، تو ایسا زخم چاہتا ہوں، جس کا کوئی  
علاج ہی نہ ہو سکے۔ بقول حسرت اپنی ابتدا دوستی کا اظہار کیا ہے۔

۲۔ حالی: لفظ ”تو“ نے جو دوسرے مصرعے میں ہے یہ معنی میدا کر  
دیئے ہیں کہ آنکھ سے لہو روتے روتے دل میں خون کا ایک قطرہ باقی  
نہ رہا۔ اس لئے دوست کے سراگشت حنائی کے تصور کو غنیمت سمجھتا  
ہے کہ اس کی وجہ سے دل میں لہو کی ایک بوند تو نظر آتی ہے۔

۳۔ حالی: بے حوصلگی یعنی کم ظرفی۔ یاں سے مراد دنیا۔ معشوق  
سے کہتا ہے کہ تو اس بات سے کیوں ڈرتا ہے کہ ہم عاشق لوگ تیرے  
ظلم و جور سے تنگ اگر حاکم سے یا خدا سے تیری فریاد کریں گے کیونکہ اگر  
ہم ایسا کریں بھی تو کوئی کسی کی فریاد نہیں سنتا۔

۴۔ دشمن اور خنجر سے مراد ناز و انداز اور ظلم و بے ادب معشوق۔ دشمن  
کیا جگر کو منہ نہ لگانا سے مراد جگر کو ٹکڑے نہ کرنا اور خنجر کا گلو کی بات نہ بچھنا  
مراد اس کو نہ کاٹنا۔

اس ظالم معشوق کے دشمن نے جس عاشق ناکام کے جگر کو منہ تک  
نہ لگایا ہو اور اس کے خنجر نے کبھی اس مظلوم کے گلے کی بات تک نہ پوچھی  
ہو، اس کی حسرت دیکھا چاہئے۔ اسی اور طباطبائی نے اس شعر کو مقطع  
سے پہلے لکھا ہے۔ اس ترتیب سے شعر کا مضمون بالکل صاف ہو جاتا ہے  
۵۔ بہت عرصہ جو... معشوق جنگجو۔

غالب افسوس صد افسوس اس ناکام تمنا کی حالت پر جو ایک عمر  
یعنی عرصہ دراز تک ایک بہت جنگجو کی حسرت میں رہے اور اس کی

۱۷۸

سیماب پشت گرمی آئینہ ہے ہم ۱ حیراں کئے ہوئے ہیں دل بیققرار کے  
 آغوش گل کشودہ برائے دوار ہے ۲ اے عندلیب جل کہ چلے دلی بہار کے  
 ا۔ سیماب .. پارہ + پشت گرمی .. پشت بانی یعنی اعانت و  
 امداد۔ پہلا مصرعہ مثالیہ ہے اور ”ہم“ دوسرے مصرعہ کے ساتھ ہے۔  
 دل بیققرار کو سیماب سے اور اپنی حیرانی کو آئینہ سے تشبیہ دی ہے۔  
 کہتے ہیں جس طرح شیشے پر پارہ چر محلے سے خیشہ آئینہ بن جاتا ہے  
 اور حیران کہلاتا ہے اسی طرح ہم دل بیققرار کے حیران کئے ہوئے ہیں۔  
 یعنی پہلے بیققراری کا سیماب ہمارے دل کے شیشے پر چڑھا ہے، پھر اس  
 میں حیرانی کی صفت پیدا ہوئی ہے (تمام متفق)

آئینہ نے دوسرا مفہوم یہ لکھا ہے۔ سیماب کا کام یہ ہے کہ وہ آئینہ  
 کی مدد کرتا ہے اور اس کو چمکاتا ہے۔ برعکس اس کے ہمارے دل بیققرار  
 نے ہم کو حیران بنا دیا اور پریشان کر دیا۔ یعنی ہم بیکار ہو گئے اور گویا یہ اس  
 سیماب کی نئی تاثیر ہے۔

۲۔ پھول کھلنے کو آغوش گل کشودہ سے تعبیر کیا ہے۔ لطف یہ  
 ہے کہ پھول کا کھلنا اس کی فنا کی دلیل ہے۔ کہتے ہیں پھولوں نے رخصت  
 ہونے کے لئے اپنی آغوش وا کر دی ہے۔ اے عندلیب اس سے گلے  
 مل کر رخصت ہو کہ بہار کے دل ختم ہو گئے۔

۱۸۸

ہے دل ہجر عالم تمکیں ضبط میں ۱ معشوق شوخ و عاشق دیوانہ چاہئے  
 اس لب سے دل ہی جائیگا بوسہ بھی تو لے ۲ شوقِ نفول و جراتِ زندانہ چاہئے

۱۔ تمکین .. خودداری ۔ اگر وصل کی رات معشوق کے دل میں تکنت اور عاشق کے دل پر ضبط و قرار کا عالم طاری ہو تو پھر وصل مہجر بن جاتا ہے ۔ دراصل وصل میں معشوق کو شوق و شنگ اور عاشق کو دیوانہ و گستاخ ہونا چاہئے تاکہ کسی قسم کا تکلف بے لطفی پیدا نہ کرے ۔

۲۔ اس کے لب کا بوسہ کہیں نہ کبھی مل ہی جائے گا ۔ ہاں اس کے لئے شوق فصول اور جبرائیل رندانہ چاہئے ۔ بیخود ۔ ”شوق فصول“ کے کے معنی حد سے بڑھا ہوا شوق لکھتے ہیں اور اسی کہتے ہیں کہ بوسہ کے شوق کو شوق فصول اس لئے کہا کہ مصنف اس کو ابوالہوسہ سمجھتا ہے نہ کہ عاشقی ۔

## ۱۸۹

چاہئے اچھوں کو جتنا چاہئے ۱ یہ اگر چاہیں تو پھر کیا چاہئے  
 صحبت رنداں سے واجب ہند ۲ جائے سے اپنے کو کھینچا چاہئے  
 چاہئے کو تیرے کیا سمجھا تھا دل ۳ بارے اب اس سے بھی سمجھا چاہئے  
 چاک مست کر حیب بے ایام گل ۴ کچھ ادھر کا بھی اشارہ چاہئے  
 دوستی کا پردہ ہے بیگانگی ۵ منہ چھپانا ہم سے چھوڑا چاہئے  
 دشمنی نے میری کھویا غیر کو ۶ کس قدر دشمن ہے ؟ دیکھا چاہئے  
 اپنی رسوائی میں کیا چلتی ہے سعی ۷ یا رہی ہنگامہ آرا چاہئے  
 منحصر مرنے پہ ہو جس کی امید ۸ ناامیدی اس کی دیکھا چاہئے  
 غافل ان رہ طلعتوں کے واسطے ۹ چاہئے والا بھی اچھا چاہئے  
 چاہئے ہیں خوب رویوں کو اسد  
 آپ کی صورت تو دیکھا چاہئے

۱۔ انسان دنیا میں جس قدر بھی محبت کرے وہ حسینوں سے کرے اور اگر خوش قسمتی سے اس کے جواب میں وہ اسے چاہنے لگیں تو پھر کسی اور نعمت کی ضرورت نہیں۔

۲۔ شراب کشیدن .. شراب کھینچنا۔ اپنے کو کھینچنا.. پرہیز کرنا۔ کہتے ہیں میخواروں کی صحبت سے پرہیز کرنا واجب ہے بجلائے شراب کھینچنے (شراب پینے) کے اپنے آپ کو اس سے کھینچنا چاہئے یعنی پرہیز کرنا چاہئے۔  
۳۔ تیرے عشق کو دل بالکل آسان بات سمجھتا تھا۔ اب اس سے ذرا پوچھنا چاہئے کہ تو نے عشق کو کیا سمجھا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ عشق بہت مشکل تھا۔ لیکن دل نے اُسے آسان سمجھ لیا تھا۔ (ستعید)

بیخود، طباطبائی و آتسی: دوسرے مصرع میں سمجھنا باز پرس کرنے کے معنی پر ہے۔ یعنی معشوق کو صلاح دیتے ہیں کہ ذرا اس کا مزاج بھی پوچھو کہ کیا سمجھ کر عشق کیا تھا۔

۴۔ حالی: پھول کے کھلنے کو چاک گریبان سے عموماً تشبیہ دی جاتی ہے، کتا ہے کہ سرائیک کا منہ بچر کی ہدایت سے کرنا چاہئے پس جب تک پھول اپنا گریبان چاک نہ کرے تو بھی اپنا گریبان چاک مت کر۔ اس میں لطف یہ ہے۔ بخنوں کو ہمیشہ بہار میں جوش جنوں زیادہ ہوتا ہے۔

طباطبائی: یہاں چاک گریبان کے منع کرنے نے بہت لطف دیا کہ یہ بندش کا نیا انداز ہے۔

آتسی: جدت یہ ہے کہ فصل بہار میں گریبان چاک کرنا بہار کے لئے نہیں ہے بلکہ مقتضائے ایمائے قدرت ہے۔

۵۔ محبوب عاشق کے سامنے خاص طور پر اپنا منہ چھپاتا ہے،

تم ہم سے یہ منہ چھپانا چھوڑ دو۔ جس طرح تم اوروں سے بے حجابانہ اور بے تکلفانہ ملتے ہو، اسی طرح ہم سے بھی ملو۔ اپنا منہ چھپا کر تم بیگانگی اور ناواقفیت کا اظہار کرنا چاہتے ہو۔ لیکن دراصل اس طرح کی بیگانگی میں لگاوٹ پائی جاتی ہے۔ اس لئے دیکھنے والے فوراً اس نتیجہ پر پہنچ جاتے ہیں کہ معاملہ دگرگوں ہے۔ برعکس اس کے اگر تم ہم سے منہ چھپانا چھوڑ دو اور بے حجابانہ ملو تو دیکھنے والوں کو تمہارے اور ہمارے دلی معاملات معلوم ہونے پائیں گے اور اس طرح سے بیگانگی، دوستی کا پردہ ہو جائے گی۔ اس مضمون کو اس طرح بھی لکھا ہے ۵

دہرہ دہرہ انہیں غیر سے ہے ربطِ نہانی ظاہر کیا یہ پردہ ہے کبر پردہ نہیں کرتے  
۶۔ مرزا پہلے لکھ چکے ہیں ۵

ذکر میرا بہ بدی بھی اُسے منظور نہیں غیر کی بات بگڑ جائے تو کچھ دور نہیں  
اس مضمون کو اب اس طرح ادا کرتے ہیں کہ ”محبوب میرا اس قدر دشمن ہے کہ رقیب نے اس کے سامنے میرے خلاف زہر اگلا اور وہ میرا ذکر سنتے ہی آگ بگولا ہو گیا۔ اس طرح دشمن کو میری وجہ سے نقصان پہنچا (سہا) غیر میری دشمنی میں سب کچھ بھول گیا ہے۔ یہاں تک کہ اس کو معشوق کی بھی خبر نہیں، دیکھئے وہ ہمارا کس قدر دشمن ہے۔“

۷۔ اگر ہم اپنے تئیں رسوا اور بدنام کرنے کی کوشش بھی کریں تو کامیاب نہیں ہو سکتے۔ ہاں اگر بارہنگامہ آرا ہو تو رسوائی ہو سکتی ہے مطلب یہ ہے کہ اگر وہ چلے تو ہمیں جلوہ دکھا کر رسوا کر سکتا ہے۔ جلوہ دکھانے میں رسوائی کی صورت یہ ہے کہ اس کی جلوہ آرائی سے بینائی پیدا ہوگی اور بینائی رسوائی کا باعث ہوگی۔

۸۔ جس شخص کی امید مرنے پر منحصر ہو، اس کی ناامیدی دیکھنے کے قابل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ اس درجہ بالوس ہے کہ موت مانگتا ہے لیکن وہ بھی نہیں آتی۔ طباطبائی لکھتے ہیں مرنے پر امید حاصل ہوتی تو کیا۔ ع  
امید نیست کہ عمر گزشتہ باز آید

۹۔ اے غافل ان مہ دشوں کو چاہئے والا بھی حسین و خوبرو ہونا چاہئے مطلب یہ ہے کہ آپ خوبرو نہیں ہیں اس لئے کامیاب نہ ہوئے۔  
۱۰۔ دیکھنا اسد صاحب حسینوں کو چاہتے ہیں ذرا آپ کی صورت تو لحاظ کیجئے۔ یہ منہ اور منہ کی دار (یہ منہ اور منہ کی دال)

۱۹۰

ہر قدم دوری منزل ہے نمایاں مجھ سے ۱ میری رفتار سے بھاگے ہیں بیابان مجھ سے  
درس عنوان تماشا بتخافل خوشتر ۲ ہے نگہ رشتہ شیرازہ مرگاہاں مجھ سے  
دشت آتش دل سے شب تنہائی میں ۳ صورت دود رہا سایہ گریزاں مجھ سے  
غم عشاق نہ ہو سادگی آموز بتاں ۴ کس قدر خاند آئینہ ہے دیراں مجھ سے  
اثر آبلہ سے جاوہ صحرائے جنوں ۵ صورت رشتہ گوہر ہے چراغان مجھ سے  
بہ خودی بستہ تمہیر فراغت ہو جو ۶ پڑے سایہ کی طرح میرا شبستان مجھ سے  
شوق دیدار میں گر تو مجھے گردن مات ۷ ہو نگہ مثل گل شمع پریشاں مجھ سے  
بکیسی ماتے شب ہجر کی دشت ہے ۸ سایہ خورشید قیامت میں ہے پہناں مجھ سے  
گردش سانہ صدمہ جلوہ زکیں تجھ سے ۹ آئینہ داری یک دیدہ حیرں مجھ سے  
نگہ کرم سے اک آگ ٹپکتی ہے اسد  
ہے چراغان خس و خاشاک گلستان مجھ سے

۱۔ میں بھاگ رہا ہوں تاکہ منزل مقصود پر پہنچ جاؤں لیکن ہر قدم پر

منزل کا راستہ بڑھتا جاتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس قد میں آگے بڑھتا ہوں اسی قدر بیابان بھی آگے بڑھ جاتا ہے۔ منزل مقصود بیابان ہے یا بیابان سے آگے ہوگی۔

سعید: بیابان میری رفتار مجنونانہ سے ڈر کر مجھ سے بھاگتا ہے۔  
(ظاہر ہے یہاں یہ مفہوم نہیں)

۲۔ حسرت: ظاہر ہے کہ ”رشتہ شیرازہ مرثاں“ غیر محسوس ہوتا ہے۔ بس مطلب یہ ٹھہرا کہ کتاب یار کے دیدار کورس یا (بجذف استعارات) محبوب کے دیدار کا لطف اسی حالت میں ہے کہ ہم اسے دیکھیں اور اسے ہمارے اس دیکھنے کی خبر نہ ہو (سعید ہم خیال ہیں یہی شرح سب سے بہتر ہے)

طیبا طبائی: میری نگاہ شیرازہ مرثاں کا رشتہ بن گئی ہے۔ حاصل یہ کہ تغافل پسند ہونے کے سبب سے نگہ آنکھ سے باہر نہیں نکلتی اور تماشائے دنیا سے درس لیتا بھی تغافل ہے اچھا ہے اور عنوان کا لفظ مبالغہ پیدا کرنے کے لئے لائے ہیں۔ یعنی سارا تماشائے تو ایک طور پر ہے اس کے دیکھنے کا کسے دماغ ہے۔ یہاں عنوان تماشائے بھی دیکھنے سے تغافل ہے۔

آسی: عنوان تماشائے دوست کا درس حالت تغافل یا میں اچھا ہے تاکہ اس پر یہ ظاہر نہ ہو اور اس کے سوائے دوسروں پر بھی یہ راز نہ سکھے کہ نگاہ نے عنوان تماشاکا درس لیا۔ یعنی کسی کو دیکھا۔ اس وجہ سے نگاہ مجھ سے رشتہ شیرازہ مرثاں بنی ہوئی ہے۔ یعنی مجھ سے چھپی ہوئی ہے اور اس کا یہ فعل اس لئے ہے کہ اس کا راز معشوق

پر تو کیا مجھ پر بھی نہ ظاہر ہو۔

بیخود: دُنیا کے تماشے سے عبرت کا سبق حاصل کرنا بھی تغافل کے ساتھ بہتر ہے۔ یعنی اُچھٹی ہوئی نگاہ سے آغازِ تماشا کو دیکھ لینا نتیجہ کمال لینے کے لئے کافی ہے اس لئے میری نگاہ شیرازہٴ مژگاں کا رشتہ بن گئی ہے۔ مطلب یہ ہے میں ایسا تغافل پسند ہوں کہ میری نظر بھی آنکھ کے پردے سے باہر نہیں نکلتی اور دنیا کی نہزنگیوں سے سبق حاصل نہیں کرتی۔

۳۔ شبِ فراق میں میرا سایہ میری آتشِ دل کی وحشت سے ڈر کر مجھ سے اس طرح بھاگتا ہے جس طرح آگ سے دُھواں بھاگتا ہے حاصل یہ ہے کہ شبِ فراق میں میرا سایہ جو ہمیشہ میرے ساتھ رہتا ہے میرا ساتھ نہیں دیتا۔ یہی مضمون اس طرح بھی ادا کیا ہے۔

سایہ میل مجھ سے خُشِ دہ بھلے گئے ہے آتشِ کجاں کے کس سے ٹھہرائے؟  
ہم۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ غمِ عشاق حسینوں کو سادگی سکھادے اور یہ لوگ عشاق کے غم میں ترکِ آرائش گردیں۔ محض ایک میرے مر جانے سے خانہٴ آئینہ دہراں ہو گیا ہے۔ کیونکہ اُس نے میرے سوگ میں آئینہ دیکھنا چھوڑ دیا ہے اگر غمِ عشاق میں تمام محبوب آرائشِ ترک کر کے سادگی اختیار کر لیتے تو خانہٴ آئینہ کا بھری طرح دہراں ہو جانا یقینی ہے۔

آئینے نے دو سرا مضمون غمِ عشاق کو مزاد ہی قرار دے کر لکھا ہے۔ یعنی اے غمِ عشاق تو معشوق کو سادگی نہ سکھاؤ دیکھ تو سہی۔ تیرے اس فعل سے آئینہ خانہ کیسا دہراں معلوم ہوتا ہے یعنی میرے غم میں محبوب نے آئینہ ترک کر دی ہے۔



۵۔ آبلے کو گوہر روشن اور جادہ صحرا کو رشتہ گوہر سے تشبیہ دی ہے کہتے ہیں میوے پاؤں کے چھالوں کے اثر سے صحرائے جنوں کا رشتہ گوہر کی طرح چمک رہا ہے اور وہ رشتہ گوہر چراغاں کا سماں پیش کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میرے آبلوں میں سے جادہ صحرا پر برابر برابرخون کے قطرے ٹپکتے چلے گئے ہیں اور وہ چراغوں کی طرح روشن ہیں۔

آسی: دوسرا مفہوم۔ میوے آبلے ایسے پڑ سوز ہیں کہ جن کے نقش شک جلا کر چراغاں کا منظر دکھا رہے ہیں۔

۶۔ تمہید کے لغوی معنی بچھلنے کے ہیں اور بچھانا بستر کے مناسبات میں سے ہے۔ تمہید کے اصطلاحی معنی ہیں ”کسی کام سے پہلے ایسی باتیں کہنا جن پر کام موقوف ہو۔“ اور یہی مصنف کا مقصود ہے۔ یعنی بے خودی حصول فراغت کی تمہید یا دیباچہ ہے۔ فراغت کے لغوی معنی خالی ہونے کے ہیں اور یہ پڑ ہونے کے مناسبات میں سے ہے۔ اصطلاح میں راحت کے معنی ”پڑ“ ہیں اور یہی مصنفی یہاں مراد ہیں۔ ”ہو جو“ ہو چہو کا مخفف ہے۔

کہتے ہیں خدا کرے میری بے خودی کو بستر تمہید فراغت، بننا نصیب ہو۔ کیونکہ اس کی بدولت میرا شبستان (خواب گاہ) مجھ سے اس طرح بھرا ہوا ہے۔ جس طرح سایہ کا شبستان سائے سے پُر ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میری بے خودی کا بھلا ہو کیونکہ اس کے سبب سے میں اپنی خواب گاہ میں سایہ کی طرح بے حس و حرکت آرام سے پڑا ہوں اور میری خواب گاہ اس سایہ سے بھری بھری یعنی آباد معلوم ہوتی ہے اگر بے خودی نہ ہوتی تو میں خدا جلنے کہاں آوارہ اور درمان پھرتا اور اوھر میری خواب گاہ میرے نہ ہونے سے

بالکل ویران ہو جاتی۔

۷۔ گردن مارنا .. سر کاٹنا + گل شمع .. شمع کا گل + اگر شمع کا گل کاٹ دیا جائے تو اس کے اجزا بکھر جاتے ہیں اور گل کاٹنے سے شمع کا شعلہ زیادہ روشن ہو جاتا ہے۔ گل شمع شعلہ شمع کو بھی کہتے ہیں۔

اگر شوق دیدار میں تو میرا سر قلم کرے تو گردن کاٹ جلنے سے میرا شوق دیدار کم نہ ہوگا بلکہ میری نگاہ گل شمع کی طرح اور زیادہ روشن ہو جائیگی۔ اگر بکھر جانے کے معنی لیں تو مطلب یہ ہوگا کہ میری نگاہ شوق دیدار میں گل شمع کی مانند پریشان ہو جائیگی۔ گویا ایک نگاہ کی کئی نگاہیں بن جائیگی۔

۸۔ شب بھر میں بے کسی کی وحشت اس قدر زیادہ ہے کہ میرا سایہ مجھ سے ڈر کر بھاگا ہے اور آفتاب قیامت کے سایہ میں جا کر چھپ گیا ہے امر واقعہ یہ ہے کہ سایہ آفتاب سے بھاگتا ہے لیکن یہاں شاعر نے سورج کی روشنی سے سایہ غائب ہو جانے کو سایہ کا چھپ جانا قرار دیا ہے۔

آسمی: بے شب بھر میں مجھے وحشت ہوتی تھی تو سایہ مجھے کس کس طرح ڈرایا کرتا تھا۔ اس کی شرم اور ندامت کی وجہ سے قیامت کے دن خورشید قیامت میں سایہ مجھ سے پوشیدہ ہو رہا ہے اور چھپا چھپا پھرتا ہے (یہ معنی قرین قیاس نہیں)۔

۹۔ صد جلوۂ رنگین .. یعنی جلوۂ حسن + دیدۂ حیران .. حیرت عشق۔ جلوۂ حسن کے ساغر کی گردش تیری بدولت ہے اور دیدۂ حیران کی آئینہ داری میرے سبب سے بقول حسرت مطلب یہ ہے کہ جلوۂ حسن کا تعلق تجھ سے ہے اور حیرت عشق کا مجھ سے (مستعد حسرت)

طبا طبائی: تیرا جلوۂ رنگین اس محل میں گردش ساغر کا کام کر رہا ہے۔

اور میرا دیدہ حیراں آئینہ کا، جلوہ کو ساغر اس دجہ سے کہا ہے کہ وہ بھی شل  
ساغر ہو شرابا ہے (آستی، بخود)

۱۰۔ اے اسد میری نگاہ گرم سے آگ برستی ہے اور اس آگ سے  
خس و خاشاکِ گلستان میں آگ لگی ہوئی ہے۔ یا چراغاں ہو رہا ہے گویا  
گلستان میں یہ چراغاں میری نگہ گرم کی بدوم ہے۔

۱۹۱

نکتہ چیں ہے غمِ دل اُس کو سنائے نہ بنے ۱ کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے  
میں بلاتا تو ہوں اُس کو گمراہ جذبہ دل ۲ اُس پہ بن جائے کچھ ایسی کہ بن آئے نہ بنے  
کھیل بھجائے نہیں چھوڑ دے بھول سجا ۳ کاش یوں بھی ہو کہ بن میرے سنائے نہ بنے  
غیر پھرتا ہے لئے یوں، تنے خط کو کہ اگر ۴ کوئی پوچھے کہ یہ کیلئے تو چھپائے نہ بنے  
اس نزاکت کا بُرا ہوا وہ بھلے میں تو کیا ۵ ہاتھ آویں تو انہیں ہاتھ لگائے نہ بنے  
کہ سکے کون کہ یہ جلوہ گرمی کس کی ہے ۶ پردہ چھوڑا ہے وہ اُس کے اٹھائے نہ بنے  
موت کی راہ نہ دیکھوں کہ بن آئے نہ بنے ۷ تم کو چاہوں کہ نہ آؤ تو بلائے نہ بنے  
بوجھ وہ سر سے گرا ہے کہ اٹھائے نہ لکھے ۸ کام وہ آں پڑا ہے کہ بنائے نہ بنے

عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالب

کہ لگائے نہ لگے اور بھجائے نہ بنے

۱۔ میں اپنا غمِ دل اس کو سنا نہیں سکتا۔ کیونکہ وہ ہر بات میں تن میں  
نکالنے کا عادی ہے بھلا میری تدبیر وہاں کیا کارگر ہو سکتی ہے۔ جہاں میں کوئی  
بات نہیں بنا سکتا، بات کا بننا اور بن پڑنا۔ تدبیر نکالنا بات کا بنانا۔ بھولا  
بات بنانا اپنا مطلب حاصل کرنے کے لئے۔

آستی نے دوسرا مفہوم غمِ دل کو نکتہ چیں قرار دے کر لکھا ہے یعنی غمِ دل

اس لئے نکتہ چینی کرتا ہے کہ تو اس پر مجھے اظہار نہیں کرتا اور مجھ سے اس کو اپنا مال رعبِ حسن یا موقعہ نہ ملنے کی وجہ سے سنا یا نہیں جانا۔ کہتے ہیں غمِ دل تو اپنا مطلب حاصل کرنے کے لئے نکتہ چینی میں مصروف ہے مگر وہاں کی رنگت کو یہ نہیں جانتا کہ وہاں کوئی بات بنائے تو بن نہیں سکتی۔ پھر بھلا کامیابی کیسے ہو سکتی ہے۔

۲۔ میں اس کو بھلاتا تو ہوں، لیکن امید نہیں کہ وہ آئے اے جذبہ و مدد کا وقت ہے، تو اپنے اثر سے اس کو اتنا مجبور کر دے کہ وہ آئے بغیر نہ رہے۔

۳۔ وہ ستارے کو ایک کھیل سمجھتا ہے، اس لئے مجھے خوف ہے کہ کہیں وہ ستارہ نہ چھوڑ دے اور بھول نہ جائے۔ کاش ایسا ہو کہ اُس کو ستارے بغیر چین ہی نہ آئے گویا اس کو ستارے کی عادت ہو جائے۔

۴۔ تو نے رقیب کو خط لکھا ہے اور وہ تیرے خط کو اس طرح اٹھلے بندوں لئے پھرتا ہے کہ اگر کوئی اس سے پوچھے یہ کیا ہے تو وہ اس کو چھپا نہیں سکتا بلکہ اس کو مجبوراً بتانا ہی پڑے گا کہ یہ فلاں کا خط ہے۔ گویا تم رقیب کو خط لکھنے سے ایک نہ ایک دن ضرور بدنام ہو جاؤ گے۔ کیونکہ اس کو تمہارا رسوائی کا مطلق خیال نہیں۔

۵۔ اس شعر میں نزاکت کی مذمت اور تعریف کی ہے۔ کہتے ہیں وہ بھلے ہیں تو کیا ہوا۔ مگر اس نزاکت کا بُرا ہو کہ ہماری مطلب براری ان سے نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اگر وہ حسنِ اتفاق سے ہاتھ آجائیں تو ہم ان کی نزاکت کی وجہ سے انہیں چھو بھی نہیں سکتے۔

۶۔ کون کہہ سکتا ہے کہ یہ کس کی جلوہ گری ہے۔ کیونکہ اس نے عالمِ امکان

پر اسباب کا ایسا پردہ ڈالا ہے کہ جسے کوئی نہیں اٹھا سکتا۔ مطلب یہ ہے کہ رنگارنگی اور کثرت کے پردے کو اٹھا کر کوئی کنہ حقیقت دریافت نہیں کر سکتا۔

۷۔ حسرت: موت کی راہ دیکھنے سے کیا خابردہ کہ وہ تو خواہ مخواہ آئے ہی گی۔ تمہاری خواہش کرنا چاہتے ہیں کہ اگر تم نہ آؤ۔ تو مجھے بلاتے بھی نہ رہیں گے۔

طبا طبائی: موت کی راہ کیوں نہ دیکھوں کہ وہ آئے بغیر نہ رہ سکی۔ یہ مجھ سے نہیں ہوگا کہ تم سے کموں۔ تم نہ آؤ کہ پھر مجھے بلاتے بھی نہ رہیں گے یعنی اب میں آئے کو منع کروں تو کس منہ سے بلاؤں۔ اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ تمہارے نہ آنے سے موت کا اتنا بہتر ہے۔

ہیخود: موت کی میں کیوں راہ دیکھوں۔ اس کا آنا لازمی ہے۔ وہ بغیر انتظار کے بھی اپنے وقت بقیں پر آگمہ سبکی۔ تم کو چاہوں کہ اگر تم نہ آؤ تو ہمارا بلانا بھی ممکن نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے۔ تمہارا بلانا موت کے آنے سے دشوار تر ہے۔

آسی نے چار مضموم لکھے ہیں اور اس مضموم کو سب سے بہتر قرار دیا ہے۔ ”یہ جو شب و روز موت کا انتظار کرتا ہوں۔ یہ فضل ہے اس کو چھوڑ دینا چاہئے اور اس کی راہ مجھ کو نہ دیکھتی چلے۔“ کیونکہ وہ تو خواہ مخواہ آئیگی اور اس کے یقینی ہونے کا اور ضروری آنے کا سبب اور اس کے بلانے کی تدبیر یہ ہے کہ میں یہ چاہوں یعنی اس بات کی خواہش کروں کہ تم نہ آؤ۔ تو اس خواہش کا لازمی نتیجہ یہ نکلیگا کہ مجھ سے ناراض ہو جاؤ گے اور پھر میرا منہ نہ پڑیگا کہ میں تم کو بلاؤں اور پھر اس صدمہ سے لازمی مجھے موت آجائیگی۔

سعیہ: یعنی میرے اوپر شب انتظار میں حاکفیت ہے وہ صرف دو صورت سے رفق ہو سکتی ہے۔ یا تم آویا موت، لیکن تمہاری کیفیت یہ ہے کہ اگر نہ آؤ تو میں مبتلا بھی نہیں سکتا۔ اس لئے تمہاری آمد کو کیوں چاہوں اور موت ہی کا راستہ کیوں نہ دیکھوں کہ وہ اس تکلیف میں یقیناً آکر رہے گی۔

۸۔ میرے سر پر وہ بوجھ گرا ہے کہ میں اٹھا نہیں سکتا اور ایسی جگہ میں پھنس گیا ہوں کہ کچھ کرتے دھرتے بن نہیں پڑتا۔ مطلب یہ ہے کہ میں ایسی سخت تشمیش میں مبتلا ہوں کہ کچھ بن نہیں پڑتا۔

۹۔ غالب! عشق پر کسی کا زور نہیں۔ یہ وہ آگ ہے کہ نہ لگائے لگ سکتی ہے اور نہ بجھائے بجھ سکتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ عشق نہ اپنی خواہش سے پیدا ہوتا ہے اور نہ اپنی خواہش سے ترک کیا جاسکتا ہے۔

## ۱۹۲

چاک کی خواہش اگر حشت گریانی کرے ۱ صبح کے مانند زخم دل گریانی کرے  
جلوہ کا یونہی عالم ہے کہ گریبے خیال ۲ دیدہ دل کو زیارت گاہ حیرانی کرے  
ہے شکست سے بھی دل نوید یارب آئینک ۳ آئینہ کوہ پر عرض گراں جانی کرے  
میکندہ گر چشم مست تازے پائے شکست ۴ مونے شیشہ دیدہ ساعر کی مژگانی کرے  
خط عارضے لکھا ہے لطف کو الفت نے حمد ۵ یک قلم منظور ہے جو کچھ پریشانی کرے  
۱۔ اگر عربانی کی حالت میں میری وحشت گریبان چاک کرنے کی خواہش کھے تو صبح کی طرح میرا زخم دل گریبان بن کر چاک چاک ہو جائے مطلب یہ ہے کہ جب گریبان نہ رہے اور جنون کو گریبان چاک کرنے کی خواہش ہو تو پھر میرے زخم دل کا گریبان اس طرح چاک ہو جیسے گریبان صبح

چاک ہوتا ہے۔

۲۔ تیرے جلوے کا وہ عالم ہے کہ اگر اس کا خیال کریں تو دیدہ حیرت کی بیارت گاہ بن جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر اس کا خیال کریں تو دیدہ کل حیرت گاہ بن جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ محض تیرے جلوہ کے خیال سے دل کو سخت جیرانی ہوتی ہے۔

۳۔ اب تو شکستگی سے بھی ہمارا دل نا امید ہو گیا۔ حالانکہ معشوق سخت سنگدل ہے۔ لیکن پھر بھی شکستگی دل کی امید اس سے پوری نہیں ہوتی۔ باز پہاڑ کے سامنے شیشہ کب تک اپنی گزراں جانی کا اظہار کریگا اور کب تک پہاڑ اس کی مشکل حل نہ کرے گا۔ معشوق کو کوہ اور دل کو آبگینہ سے تشبیہ دی ہے۔

۴۔ موٹے شیشہ .. شیشہ چٹھنے سے اس میں بال پڑ جاتے ہیں۔ مزگانی کرے .. پلکیں بن جاتے۔ اگر سیکہ معشوق کی ست ناز آنکھوں سے شکست پائے تو اس شکست میں ساغر میں جو بال پڑیں گے، وہ دیدہ ساغر کے لئے پلکیں بن جائیں گے اور دیدہ ساغر چشم مست یار کو دیکھ کر حیران رہ جائے گا یا شرمندہ ہوگا۔

۵۔ یک قلم منظور ہے۔ یعنی سب منظور ہے۔ قلم کے لفظ میں دہری رعایت ہے۔ ایک تو رخساروں پر قلمیں ہوتی ہیں۔ دوسرے خط بھی قلم سے لکھا جاتا ہے۔

یار کے رخساروں پر جو خط نمایاں ہوتا ہے۔ وہ خط نہیں ہے، بلکہ ایک عہد نامہ ہے۔ جو الفت نے زلف کو لکھ کر دیا ہے اور اس کا ختم

یہ ہے کہ میرے حق میں پریشانی کو جو کچھ کرنا ہو وہ بخوشی کرے مجھے  
سب منظور ہے۔

۱۹۳

وہ آکے خواب میں تسکین اضطراب دے ۱ دلے مجھے تپش دل بھال خواب تو دے  
کرے ہے قتل لگا وٹ میں تیرا دینا ۲ تری طرح کوئی تیغ نگہ کو آب تو دے  
دکھا کے جنبش لب ہی تمام کرم کو ۳ نہ دے جو بوسہ تو نہ سے کہیں جواب دے  
پلا دے اوک سے ساقی جو ہم سے نفرت ہے ۴ پیالہ گر نہیں دیتا نہ دے شراب تو دے  
اسد خوشی سے مرے ہاتھ پاؤں پھول گئے

کہا جو اس نے ذرا میرے پاؤں داب تو دے

۱۔ یہ ممکن ہے کہ وہ خواب میں آئے اور مجھے اضطراب سے تسکین دے  
لیکن مشکل یہ ہے کہ تپش دل (میقراضی دل) مجھے سونے ہی نہیں دیتی۔  
۲۔ لگا وٹ یعنی محبت۔ محبت میں تیرا دینا دینا مجھے قتل کئے ڈالتا ہے۔  
کیونکہ تیری آنکھوں میں آنسو جھپکنے سے ایسی چمک اور آب پیدا ہوتی ہے  
کہ کوئی اور معشوق اس طرح رہتی تیغ نگہ کو آب نہیں دے سکتا۔ یہی وجہ ہے  
کہ تیرا دینا مجھے قتل کئے ڈالتا ہے۔

۳۔ اگر بوسہ نہیں دیتے تو نہ دو، اپنے منہ سے اکاڑ ہی کر دو۔ ہم  
تمہاری جنبش ہی سے تمام ہو جائیں گے۔ پیسے یوں لکھ چکے ہیں ۵  
مرگیا صد مرثیہ جنبش لب سے غالب نا توانی سے حریف دم عیسے نہ ہوا  
۴۔ اے ساقی اگر تجھے ہم سے نفرت ہے اور تو اپنے پیالے میں ہمیں  
شراب نہیں پلانا چاہتا تو کچھ مضائقہ نہیں، اوک ہی سے پلا دے ہیں تو  
شراب چاہئے۔ پیسے سے غرض نہیں۔



۵۔ اس شعر میں اپنی خوش بختی اور محروم قسمتی کو کھائی سے کہہ کے ان کے پاؤں دبلنے کا موقع ملا تو خوشی سے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ گویا پھر بھی خط واصل سے محروم رہا۔

۱۹۲

تپش سے میری قف کشکش ہوتا بستر ہے ۱۔ مرا سر رنجہ بالیں ہے مراقب بار بستر ہے  
سر شک سر بصر ادا دہ نور العین امن ہے ۲۔ دل بیدست پا افتادہ بر خود ابر بستر ہے  
خوشا اقبال بختی عیلت کو تم آئے ہو ۳۔ فروغ قمع بالیں طالع بیدار بستر ہے  
یہ طوفان گاہ جوش اضطراب شام تنہائی ۴۔ شعاع آفتاب صبح محشر تار بستر ہے  
ابھی آتی ہے بوباش سے اکی لعل شکیل ۵۔ ہماری دید کو خواب زلخا عار بستر ہے  
کہوں کیا دل کی کیا صحت ہے بحر یار میں غالب  
کہ میتابی سے ہر اک تار بستر عار بستر ہے

۱۔ میری تپش سے بستر کا ہر ایک تار بے چین ہے۔ میرا سر تکیہ کے لئے باعث ایذا اور میرا جسم بستر کے لئے وبال ہے۔ تپش یعنی تڑپ اور حرارت۔  
۲۔ سر شک .. آنسو + سر بصر ادا دہ .. آوارہ دشت + نور العین .. آنکھ کا تارنا + بیدست و پا افتادہ .. بے دست و پا پڑا ہوا + بر خود دار .. عزیز۔ انس گرفتہ۔

میرا آنسو جو کثرتِ گریہ سے دشت میں آواں ہے یعنی جھپٹتے جھپٹتے صوا  
میں جا پہنچا ہے۔ وہ میرے دامن کی آنکھ کا تارنا ہے۔ گویا میرے دامن کے  
لئے باعثِ فخر و ناز ہے اور میرا دل جو بستر پر بیدست و پا پڑا ہوا ہے، وہ  
بستر سے غایتِ درجہ افسوس رکھتا ہے۔ بالفاظِ دیگر بر خود دار بستر ہے نور العین  
اور بر خود دار مقابلے کے الفاظ ہیں اور مطلب یہ ہے کہ میرے وہ اشک جو

ذوالعین دامن ہیں۔ بہتے بہتے صحرائیں جا پہنچے ہیں اور میل دل جو بر خودار بستر ہے۔ ایسا بے دمت و پا ہوا ہے کہ نہ ہر وقت بستر پر پڑا رہتا ہے۔

آہستی: ”ذوالعین دامن سے صحرا کے دامن کا ذوالعین مراد لیتے ہیں۔ طباطبائی: آنسو دامن کی آنکھ کا تار ہے اور دل بستر مرص کا مرادوں والا ہے۔ یعنی آنسو ہمیشہ دامن میں رہتا ہے اور دل بیمار کو بستر پر پڑا رہنے سے انس ہو گیا ہے (ذخود)۔

سجید: مجھ رفتہ صحرا نوردی کا آنسو دامن کا ذوالعین ہے اور مجھ عاجز کا دل بستر کا بر خودار ہے۔ یعنی یہ آرزوئے صحرا نوردی میرے ہمیشہ روتے رہنے سے دامن کو آنسوؤں سے اور میری بیچارگی اور عاجزی کی وجہ سے ہمیشہ پڑے رہنے سے بستر کو دل سے غایت انیمت ہو گئی ہے اپنی کثرت پاس و محرومی کا اظہار کیا ہے۔

۳۔ رنجوری .. بیماری + عیادت .. بیمار پرسی + بالیں .. سرانہ + طالع بیدار .. جاگی ہوئی قسمت -

میری بیماری کا نصیبہ کیسا اچھا ہے کہ تم عیادت کو آئے ہو۔ ورنہ تم کہاں اور ہم کہاں! تمہاری تشریف آوری سے میرا طالع بیدار بستر بھض کے لئے شمع بن گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تمہارے آنے سے میری تقدیر اس شمع کی طرح روشن ہو گئی ہے، جو بیمار کے سرانے جلانی جاتی ہے (آہستی)۔  
ذخود: تمہارے قدم رنجہ کرنے سے شمع بالیں کی روشنی طالع بیدار بستر بن گئی ہے۔

سجید: تمہارے آنے سے طالع بیدار بستر (زود) فروغ شمع بالیں حسرت: تمہارے آنے کی وجہ سے طالع بیدار بستر فروغ شمع بالیں

ہے یعنی طالع بیدار کی درخشندگی شمع ہالیں کی روشنی سے بھی برآمد گئی ہے۔  
 ۴۔ شامِ فراق، جوشِ اضطراب کی وجہ سے ایک طوفانِ گاہ بن گئی ہے  
 اور اس طوفانِ اضطراب اور تاریکیِ شبِ فراق کی وجہ سے ہر تارِ بسترِ شعلہ  
 آفتابِ قیامت بنا ہوا ہے۔ قیامت کے دن سورج سوانیرے پر  
 آ جائیگا اور اس کی شعاعیں ناقابلِ برداشت ہوں گی۔

طباطبائی: پیسے مصرعہ میں پے در پے چار اضافتیں بے لطفی  
 پیدا کرتی ہیں۔

آسی: چونکہ یہ ثقالت پیدا نہیں کرتیں۔ اس لئے ان پر اعتراض  
 کرنا درست نہیں۔

۵۔ یالش.. تکیہ + عارِ بستر.. بستر کے لئے باعثِ ننگ و عار۔  
 ابھی میرے تکتے میں سے معشوق کی زلفِ مشکیں کی خوشبو آرہی  
 ہے۔ گویا شبِ وصل کو گزرے ہوئے کچھ زیادہ زمانہ نہیں گزرا۔ زلفِ  
 کی طرح یوسف سے محسنِ خواب میں ملاقات کرنا ہماری دید اور بستر کے لئے  
 باعثِ ننگ و عار ہے۔ مطلب یہ ہے ہم عالمِ خواب میں وصل حاصل کرتے  
 موجبِ عار خیال کرتے ہیں۔

۶۔ غالب میں کیا بیان کر دوں کہ بھریا میں میرے دل کی کیا حالت  
 ہے۔ بس یہ سمجھ لو کہ میرے بستر کا ہر ایک تار کاٹا بنا ہوا ہے۔ گریا میں  
 بستر پر نہیں لیٹتا۔ کانٹوں پر لوٹتا ہوں۔

بیخود: تڑپتے تڑپتے میرے بستر پر اس قدر  
 سلوٹیں پڑ گئی ہیں کہ ایک ایک تارِ بستر چھ جانے کے لئے عارِ بستر  
 بن گیا ہے۔

۱۹۵

خطہ رشتہ اُلفت رگ گردن نہ ہو جائے ۱ غرور دوستی آفت ہے تو دشمن نہ ہو جائے  
 سمجھ اس فصل میں کوتاہی نشوونما غالب  
 اگر گل سرو کے قامت پہ پیرا ہن نہ ہو جائے  
 ۱۔ رگ گردن .. مراد غرور۔ رگ گردن کبر و غرور کی حالت میں پھول  
 جاتی ہے۔

کہتے ہیں۔ مجھے خطہ ہے کہ میرا رشتہ اُلفت کہیں رگ گردن نہ ہو جائے۔  
 گویا کہیں میں تیری دوستی پر غرور کرنے لگوں اور تجھے میرے اس غرور پر غصہ  
 آئے کہ میں یہ اور سیری دوستی پر غرور کرتا ہے غرض مجھے خوف ہے کہ مبادا اس  
 بنا پر تو مجھ سے بگڑ بیٹھے اور میرا دشمن ہو جائے (آسی)  
 باقی شارحین نے یہ شرح لکھی ہے کہ "معشوق کو میری دوستی اور رشتہ  
 محبت پر غصہ کا غرور ہوا۔ اس سے مجھے یہ خطہ ہو گیا ہے۔ کہیں یہ دوستی  
 دشمنی سے نہ بدل جائے۔ کیونکہ غرور دوستی آفت ہے۔" اس شرح میں خرابی  
 یہ ہے کہ معشوق کو عاشق کا دوستی پر کبھی غرور نہیں ہوتا۔  
 عقید نے دوسرا مفہوم یہ لکھا ہے، رشتہ اُلفت رگ گردن کی طرح  
 کٹ نہ جائے کیونکہ دوستی کا گھنٹہ بڑا فتنہ ہے جس سے اندیشہ ہے کہ تو  
 دشمن ہو جائیگا اور اس کے باعث رشتہ اُلفت منقطع ہو جائیگا۔

۲۔ اگر اس فصل بہاری میں اس قدر زیادہ پھول نہ ہوں جو سرو کے قامت  
 کو ڈھانک لیں تو مجھ کو کہ بہار کی قوت نشوونما میں کمی ہے۔ گویا اگر یہ کمی نہ ہوتی  
 تو اس قدر پھول ہوتے کہ سرو کے قامت پر پھولوں کا پیرا ہن چڑھ جاتا۔  
 آسی: فصل بہار میں سبزہ کی نشوونما کی یہ شان ہونا چاہئے کہ سرو

جس پر پھول نہیں آتے اس پر بھی پھول آجائیں اور اس قدر آئیں کہ پیرا ہن  
سرو ہو جائیں۔

## ۱۹۶

فریاد کی کوئی لے نہیں ہے ۱ نالہ پابند نے نہیں ہے  
کیوں بوتے ہیں باغبان تو بے ۲ گر باغ گدائے نے نہیں ہے  
ہر چند ہر ایک شے تو ہے ۳ پر تجھ سی تو کوئی شے نہیں ہے  
ہاں کھائی تو مست فریب ہستی ۴ ہر چند کہیں کہ ہے، نہیں ہے  
شادی سے گزر کہ غم نہ ہو دے ۵ اودی جو نہ ہو تو دے نہیں ہے  
کیوں ردِ قدرج کرے ہے زاہد ۶ مے ہے یہ نگس کی قے نہیں ہے  
ہستی ہے نہ کچھ عدم ہے غالب

آخر تو کیا ہے اے نہیں ہے

۱۔ فریاد کرنے کے لئے کسی نے کی ضرورت نہیں ہے جس طرح کوئی  
چلے فریاد کرے، نالہ نے کا پابند نہیں یعنی اسے قہقہے سے کچھ لگاؤ نہیں۔  
جو بات دل سے نکلتی ہے اُس میں اثر ہوتا ہے۔

۲۔ تو نبول۔ سے کش کیوں گدائی اور کدوٹے شراب بنایا جاتا ہے کہتے  
ہیں۔ اگر باغ شراب باغ کی بھیج نہ مانگتا تو پھر باغبان باتوں میں تو بے  
کیوں بوتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ان تو نبولوں سے باغ ضرور شراب کی بھیج  
مانگتا ہے۔ ورنہ باغبان ہرگز تو بے نہ بوتے۔

۳۔ یہ شعر تصوف میں ہے کہتے ہیں باوجود اس کے کہ ہر شے میں تو  
جلوہ گر ہے، مگر تیرے مانند کوئی شے عالمِ جسمانی میں نہیں یعنی تیری ذات  
”باہمہ اور بے ہمہ“ کے مصداق ہے۔

۴۔ دیکھنا۔ خبردار تم ہستی کا فریب نہ کھانا، ہر چند سب کہیں گے کہ ”لیکن تم ہی سمجھنا کہ نہیں ہے۔ کیونکہ فریبِ ہستی میں بھنس کر انسان ظالمِ اوہام میں گرفتار اور جلوۂ حقیقت سے محروم رہ جاتا ہے۔

۵۔ اردی .. ماہ بہار + دے .. ماہ خزاں۔  
اگر تو غم سے محفوظ رہنا چاہتا ہے تو خوشی کو ترک کر دے پھر تجھے کبھی غم نہ ہوگا۔ کیونکہ تیرے لئے خوشی اور غم برابر ہو جائیگا اس کی مثال یہ دیتے ہیں کہ اگر بہار کا موسم نہ ہو تو خزاں بھی نہ ہو، گویا ایک سی حالت رہے۔

۶۔ حالی : گس کی قے، یعنی شہد۔

زاہد جو شہد مینے کو ثواب جانتا ہے اور شراب سے نفرت کرتا ہے شاعر اس کو شراب پینے کی ترغیب دیتا ہے اور یہ جانتا ہے کہ نفرت کی چیز شراب نہیں ہے، بلکہ وہ چیز ہے جو گس کی قے کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ شہد وہ چیز ہے جسے زاہد پسند کرتا ہے۔ کیونکہ وہ جنت میں ملے گا۔

۷۔ ریاضِ بغزل میں ”نہیں ہے، نہیں ہے“ بار بار آیا ہے، ریاض کو ایک نئے ڈھنگ سے صرف کرنے کے لئے غالب نے ازراہ شوخی اپنا نام ہی ”نہیں ہے“ رکھ لیا ہے۔ چنانچہ دریافت کرتے ہیں کہ جب ہستی کے متعلق تمہارا یہ خیال ہے کہ وہ ”نہیں ہے“ اور عدم کے بارے میں بھی تمہارا یہی قول ہے کہ وہ ”نہیں ہے“ تو اے ”نہیں ہے“ یہ بتلائیے کہ آپ ہیں کیا؟

بہت دنوں میں تغافل نے تیرے پیدا کی

وہ اک نگہ کی بظاہر نگاہ سے کم ہے

۱۔ جراحت یعنی زخم + مجھ سے زخم دل کے مرہم کا نسخہ نہ پوچھ کیونکہ اس میں سب سے زیادہ بڑا ریزہ الماس کا ہے۔ ریزہ الماس سے زخم اور بھی زیادہ بڑھتا ہے۔ کیونکہ وہ زخم کو بُری طرح سے کاٹتا ہے بقول حضرت ریزہ الماس کو زخم دل کا مرہم کہہ کر اپنی اینداد دستی کا اظہار کیا ہے۔

۲۔ بہت دنوں میں تغافل نے تجھ میں یہ بات پیدا کی کہ کبھی کبھی تو ایک جھٹکی ہوئی نگہ ہم پر ڈال لیتا ہے۔ یعنی پہلے تغافل نادانستہ تھا۔ کیونکہ تو ہمیں جانتا ہی نہ تھا۔ لیکن اب تغافل دانستہ ہے جس کو درحقیقت التفات معشوقانہ کہنا چاہئے۔ اگرچہ بظاہر ہم اس کو ایسا نہیں کہہ سکتے۔ اس میں لطیفہ یہ بھی ہے کہ ”نگہ“ سے بقدر ایک الف کم ہے۔

۱۹۸

ہم رشک کو اپنے بھی گوارا نہیں کرتے ۱ مرتے ہیں ولے ان کی تمنا نہیں کرتے  
درپردہ انہیں خیر سے ہے ربطِ نہانی ۲ ظاہر کا یہ پردہ ہے کہ پردہ نہیں کرتے

یہ باعثِ نویدِی اربابِ ہوس ہے

غالب کو بُرا کہتے ہو اچھا نہیں کرتے

۱۔ ہمارا رشک اس قدر بڑھتا ہے کہ ہم اپنے رشک کو بھی گوارا نہیں کرتے، حالانکہ مرے جاتے ہیں مگر اس کی تمنا نہیں کرتے کہ تمنا کرینگے تو اپنے پر رشک آئے گا جو ہمیں کسی طرح گوارا نہیں، اسی مضمون کو اس طرح بھی لکھا ہے ۵

دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے رشک آجائے ہیں اُن کے کھوں بھلا لگے دیکھا جائے ہے

۲۔ درپردہ... پوشیدہ طور پر + رابطہ نہائی... پوشیدہ تعلق۔

شاعر بطور شکایت کرتا ہے کہ وہ جو غیر سے بے تکلفانہ ملتے ہیں اس میں ایک بھید ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ لوگوں کو معلوم نہ ہو سکے کہ ان کے رقیب کے ساتھ خاص انخاص تعلقات ہیں۔ گویا ان کا غیر سے پردہ کڑا ایک قسم کا پردہ ہے جس کی وجہ سے ان کے وہ تعلقات پوشیدہ رہتے ہیں جن کو شاعر ربط نہائی کے الفاظ سے تعبیر کرتا ہے اس مضمون کو یوں بھی ادا کیا ہے دوستی کا پردہ ہے بیگانگی منہ چھپانا ہم سے چھوڑا چائے

۳۔ غالب تمہارا عاشق صادق ہے اور تم اس کو بُرا کہتے ہو۔ یہ اچھا نہیں کہتے۔ کیونکہ اس طرح سے اربابِ ہوس (رقیب) نا امید ہو جائیں گے۔ یہ سوچ کر جب تم غالب جیسے عاشق صادق کو بُرا کہتے ہو تو ان کا کیا حشر ہو گا جن کا عشق محض ہوس پر مبنی ہے۔

۱۹۹

کرے ہے بلوہ تیرے لبے کسبِ بگڑنے ۱ خط پیالہ سرا سر نگاہِ گلچین سے  
کبھی تو اس بل شوریہ کی بھی داد سے ۲ کہ ایک عمر سے حسرت پرست بالیں سے  
بجھا ہے گنہ گنہ نالہ بلے بیل زار ۳ کہ گوشِ گلِ نمِ شبنم سے پنبہ آئیں ہے  
اسد ہے نزع میں بلِ یوسفِ ابرائے خدا

مقامِ ترکِ حجاب و دماغِ نمکیں ہے

۱۔ کسب... حاصل کرنا + خط پیالہ کو نگاہِ گلچین سے مشابہ کیا ہے۔

شراب تیرے سُرخ سُرخ ہونٹوں سے رنگ اور چمک حاصل کرتی ہے اور جام پر جو خط پڑے ہوئے ہیں وہ سرا سر نگاہِ گلچین ہیں۔ جو تیرے پُھول جیسے ہونٹوں کی گلچینی کہہ رہے ہیں یا کسبِ رنگ سے لطف اندوز



ہورہے ہیں۔

۲۔ دیوانے کو نیند نہیں آتی۔ تمام رات بے قراری اور وحشت میں گزر جاتی ہے۔ کہتے ہیں کبھی تو اس دل شודیدہ کی بھی داد ملے۔ کیونکہ یہ ایک عرصہ دراز سے تکلیف پر سر رکھنے کی حسرت میں مبتلا ہے۔ بقول بخود مطلب یہ ہے کہ وصل میں سودائے عشق میں کمی ہو کر ترکیب سے آشنا ہو جائے گا اور نیند بھی آجائے گی۔

آئسی ! کبھی تو میرے دل شودیدہ پر رحم کر۔ ایک مدت سے کم طاقتی کی وجہ سے بالیں پر پڑا رہتا ہے اور اپنی حسرت شوریدگی یعنی دیوانگی اور میا بان گردی کو دہا کر رکھتا ہے تو کم از کم کبھی تو ایسا کر کہ اس میں یہ طاقت آجائے کہ اپنی حسرتوں کو ہٹا کر سکے اور اپنی صفت شوریدگی سے متصف ہو۔

طبا طبائی : ایک عمر سے حسرت پرست بالیں ہونا دو معنی رکھتا ہے۔

ایک تو یہ کہ مدت سے بالیں پر سر رکھنے کی حسرت ہے۔ دوسرے یہ کہ ایسی ناتوانی ہے کہ بالیں سے سر نہیں اٹھ سکتا اور اس صودت میں عجب نہیں کہ دل کا لفظ غلط کتابت ہو اور صفت نے سر شودیدہ کہا ہو۔ مگر معنی شعر بطرح سے ظاہر ہیں۔

۳۔ زم زمینم کو اس کی سفیدی کی وجہ سے پنبہ کہا ہے۔ کہتے ہیں۔ اگر گوش گل نالہ ہائے بیل نار نہ مئے تو بجائے۔ کیونکہ اس کے کان میں زم زمینم کا پنبہ ہے۔

۴۔ اے بے وفا اس وقت اسدِ حالتِ نزع میں ہے۔ خدا کے

لئے ہل یہ ایسا وقت ہے کہ تجھے اس وقت تمکین و خودداری اور حجابِ منہ ترک کر دینا چاہئے۔

۲۰۰

کیوں نہ چو شرم بتل جو تغافل کیوں نہ ہو ۱ یعنی اس بیمار کو نظار سے پرہیز ہے  
 مرتے دیکھنے کی آرزو رہ جائیگی ۲ واسطے ناکامی کہ اُس کافر کا خنجر تیز ہے  
 عارض گل دیکھ روئے یار یاد آیا اسد  
 جوشش فصل بہاری اشتیاق انگیز ہے

۱۔ معشوقوں کی آنکھ کو شعرا چو شرم بیمار باندھا کرتے ہیں۔ کہتے ہیں معشوقوں  
 کی آنکھ جو تغافل کیوں نہ ہو۔ یعنی اُسے ضرور جو تغافل ہونا چاہئے کیونکہ وہ ایک  
 بیمار ہے اور اس بیمار کو نظار سے پرہیز بتایا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ  
 تغافل شعاری اس نے اپنا طہرہ بنا لیا ہے تاکہ یہ پرہیز نہ ٹوٹنے پائے۔  
 ۲۔ امید بہ تھی کہ جب وہ قتل کر گیا تو ہم جی بھراے دیکھ لیں گے۔ لیکن  
 واسطے ناکامی اُس کافر کا خنجر تیز ہے، وہ ہمیں فدا ہی قتل کر دے گا اور مرتے  
 مرتے دیکھنے کی آرزو رہ جائے گی۔ اگر اس کا خنجر کند ہوتا تو گلا کٹنے میں دیر لگتی  
 اور ہم اپنی حسرت دیدار نکال لیتے۔

۳۔ عارض گل اور روئے یار میں بدرجہ اتم مشابہت ہے، کہتے ہیں  
 عارض گل دیکھ کر مجھے روئے یار یاد آیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ فصل بہاری  
 کی جوشش دل میں جوش اشتیاق برانگیختہ کرتی ہے۔ جوشش اشتیاق سے  
 مولا جذبہ عشق و محبت ہے۔

۲۰۱

جہاں ہے دل اگر اس کو، بشر ہے، کیا کئے ۱ ہوا قریب تو ہو نامہ ہر ہے، کیا کئے  
 یہ عندک آج نہ آئے اور آئے بن نہ ہے ۲ قندے شکوہ میں کس قد ہے کیا کئے  
 ہے ہے یوں گردِ میگہ کہ کوئے دوست کو اب ۳ اگر نہ کئے کہ دشمن کا گھر ہے، کیا کئے

زہے کرشمہ کہ ہوں دئے کھلے ہم کو فریب ۴ کہن کے ہی انہیں سب خبر ہے کیا کئے  
 بکھ کے کرتے ہیں بازار میں وہ پریش حال ۵ کہ یکے کہ سرور بگڑ ہے کیا کئے  
 تمہیں نہیں ہے سرشتہ وفا کا خیال ۶ ہمارے ہاتھ میں کچھ ہے مگر ہے کیا کئے  
 انہیں سوال پر عجم جنوں ہے کیا لڑیئے ۷ ہمیں جواب سے قطع نظر ہے کیا کئے  
 حد سزائے کمال سخن ہے کیا کئے ۸ ستم بہائے متلاع ہنر ہے کیا کئے  
 کہا ہے کس نے کہ غالب برا نہیں لیکن  
 سوائے اس کے کہ آشفۃ سر ہے کیا کئے

۱۔ اگر نامہ بر نے اس کو دل دیا اور وہ اس پر عاشق ہو کر میرا رقیب بن گیا  
 تو میں اسے کیا کہوں۔ وہ بھی میری طرح کا انسان ہے۔ فرشتہ نہیں مطلب  
 یہ ہے کہ اس کا حق اس قدر دلفریب ہے کہ نامہ بر کو تصور دار نہیں ٹھہرا سکتے۔  
 دوسرا مفہوم: وہ ہمارا نامہ بر ہے اور ہمارے اوپر اس کی خدمات  
 نامہ بری کا احسان ہے۔ اس لئے اسے ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ نیز یہ کہ وہ  
 انسان ہے اور انسانی سے غلطی ہو اسی کرتی ہے۔

۲۔ آج، میں موت کی سخت ضرورت ہے تاکہ الام عشق جو ناقابل برداشت  
 صحت اختیار کر چکے ہیں، ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائیں اور ہماری خلاصی ہو  
 ہمیں معلوم ہے کہ قضا آئے بغیر نہیں رہے گی۔ ایک نہ ایک دن ضرور آئے گی۔  
 لیکن صند کی وجہ سے آج نہیں آئیگی۔ قضا کی اس صند کی وجہ سے ہمیں اس سے  
 جس قدر شکوہ ہے وہ ہم بیان نہیں کر سکتے۔

۳۔ گہ و بیکہ .. وقت بیوقت یعنی ہر وقت۔ رقیب کوئے دوست  
 میں ہر وقت پڑا رہتا ہے۔ وقت بیوقت جس وقت دیکھو وہیں موجود ہے۔  
 ایسی صحت میں اب ہم کوئے یا رکود دشمن کا گھر نہ کریں تو کیا کہیں۔

۴۔ کرشمہ .. ناز معشوقانہ۔

اس کی کرشمہ سازی تعریف سے مستغنی ہے۔ جس کے ذریعے سے اس نے ہمیں یہ دم دے رکھا ہے کہ ہمیں تیرا حال کے بغیر ہی معلوم ہے۔ اس فریب میں اگر میں اس سے اپنا حال بھی نہیں کہہ سکتا گویا یہ سمجھتا ہوں کہ جب اسے معلوم ہی ہے تو پھر میں کیا کہوں۔

۵۔ وہ البسا عیار ہے کہ جان بوجھ کر سر بازار مجھ سے میرا حال پوچھتا ہے تاکہ میں کچھ نہ کہہ سکوں اور یہ سمجھ کر خاموش ہو جاؤں کہ سربراہ گزربے کیا کئے یا بقول سعید ان سے یہ کہہ دوں کہ سربراہ گزربے راستہ چل رہا ہے۔ یہاں کیا بیان کہوں۔

آہستی: اس شعر سے مرزا کی وضع داری کے ساتھ ساتھ گزشتہ تہذیب کی تصویر آنکھوں میں پھر جاتی ہے کہ پہلے شرفا بازار میں باتیں کرنا بھی غیب سمجھتے تھے۔

۶۔ عاشق معشوق سے کہتا ہے کہ تم بیگانہ وفا ہو اور تمہیں سررشتہ وفا کا مطلق خیال نہیں، پھر اپنی مٹھی بند کر لیتا ہے اور محبوب سے پوچھتا ہے کہ اچھا اگر یہی بات ہے تو بتاؤ میرے ہاتھ میں کیا ہے۔ حالانکہ پہلے مصرعہ میں اس نے سررشتہ وفا کا نام ظاہر کر دیا ہے۔ لیکن معشوق پھر بھی نہیں بتا سکتا مطلب یہ ہے کہ محبوب وفا سے اس درجہ بیگانہ ہے کہ دوباہر بتا دینے کے یہ نہیں جانتا کہ ہمارے ہاتھ میں سررشتہ وفا ہے (تمام متفق) آہستی ان معنوں کے متعلق لکھتے ہیں کہ یہ تاویل ہے۔ جو طبعی سلیم برگراں گزرتی ہے۔ صاف صاف معنی یہ ہیں کہ تم وہ تغافل شعار جفاکار ہو کہ تمہیں سررشتہ وفا کا ذرا بھی خیال نہیں اور تم اس کو چھوڑ چکے۔ البتہ یہ

سرشت ہمارے ہاتھ میں ابھی کچھ کچھ باقی ہے، اگرچہ کچھ کچھ ہے، مگر ہے ضرور۔ اب ہم تم سے کیا کہیں۔

۷۔ زعم یعنی گمان + انہیں ہمارے سوال پر جنوں کا گمان گزرتا ہے جب وہ ہمیں دیوانہ سمجھتے ہیں تو ہم اُن سے کیا لڑیں۔ لہذا ہم نے ان سے جواب کی امید بھی منقطع کر لی ہے (تمام متفق)

آئسی نے دوسرا مفہوم یہ لکھا ہے۔ انہیں ہمارے سوال پر ہمارے جنوں کا خیال پیدا ہوتا ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ ہم کو جواب دینے کی ضرورت نہیں۔

۸۔ کیا کیجیے اور کیا کہئے۔ عاجز ہونے کے مقام پر بولے جاتے ہیں۔ کہتے ہیں۔ جس شخص میں کمالِ سخن ہوتا ہے زمانہ اس کے ساتھ ضرور کرنے لگتا ہے۔ گویا کمالِ سخن کی سزاِ حمد ہے اور جس شخص میں کوئی ہنر ہوتا ہے تو ہنر کے صلے میں اس پر ستم توڑے جاتے ہیں۔ گویا متاعِ ہنر کی قیمت ستم ٹھہری اس شعر میں شاعر نے زمانے کی ناقدر دانی کا اظہار کرتے ہوئے یہ ظاہر کیا ہے کہ زمانہ کا یہ برتاؤ ہمارے ہی ساتھ نہیں بلکہ ہر ہنرمند اور کمالِ سخن زمانے کے ہاتھوں مصیبتوں میں مبتلا ہے۔

۹۔ یہ کس نے کہا ہے کہ غالب بُرا نہیں، وہ ضرور بُرا ہے۔ لیکن صرف اتنا ہی کہ وہ دیوانہ ہے اور جو دیوانہ ہو اُس کا کناہی کیا۔ یعنی دیوانے کو کچھ سُننا بیکار ہے۔

۲۰۲

دیکھ کہ صبرِ دہ گرم دہن افشانی مجھے ۱ کر گئی وابستہ تن میری عربانی مجھے  
بن گیا تیغِ نگاہِ یار کا سنگِ فلان ۲ مرجا میں کیا مبارک ہے گرا بخانی مجھے

کیوں نہ ہو بے اتفاقی اسکی خاطر جمع ہے ۳ جانتا ہے محو پرکشش ہٹے پہنائی مجھے  
 میرے غمخونے کی قسمت جب رقم ہونے لگی ۴ لکھ دیا سجدہ اسباب ویرانی مجھے  
 بدگمان تیرا ہے کافر نہ ہوتا کاکش کے ۵ اس قدر ذوق تو اے مرغِ ستانی مجھے  
 دے دے داں بھی شورِ محشر نے نہ دم لینے دیا ۶ لے گیا تھا گود میں فوقِ تن آسانی مجھے  
 وعدہ آگے کا وفا کیجے، یہ کیا ادا ہے ۷ تم نے کیوں سہی ہے میرے گھر کی روانی مجھے  
 ہاں نشاطِ ابدِ فصلِ بہاری دادِ دا ۸ پھر ہوا ہے تازہ سوداے غزلخوانی مجھے

دی سب بھائی کو حق نے از سرِ نو زندگی

میرزا یوسف ہے غالب یوسف گانی مجھے

۱۔ دامنِ افشانی .. ترک لباس .. مراد ترکِ کفنِ دنیا۔

جب میری عزائی نے یہ دیکھا کہ میں درپردہ ترکِ لباس کر کے عریاں یعنی  
 آزاد ہونا چاہتا ہوں تو اُس نے مجھے وابستہ تن کر دیا۔ جب میں وابستہ تن ہوا  
 تو مجبور ہو گیا، اب میں جسم کی قید سے کسی طرح آزاد نہیں ہو سکتا تھا۔ مطلب یہ ہے  
 ترکِ تعلقاتِ دنیا کسی طرح ممکن نہیں۔ میں سمجھتا تھا کہ ترکِ لباس کر کے میں  
 تعلیقِ لباس سے آزاد ہو جاؤں گا۔ لیکن ترکِ لباس کرنے کے باوجود جسم کی پابندی  
 باقی رہی اور حقیقی آزادی جس کا میں خواہشمند تھا پھر بھی حاصل نہ ہو سکی۔

۲۔ سنگِ فساں .. وہ پتھر جس پر تلوار کی سان رکھی جاتی ہے مگر زخانی  
 .. سخت جاتی ..

میں اپنی سخت جانی کی بدولت تیغِ نگاہِ یار کا سنگِ فساں بن گیا اب  
 ہر وقت وہ مجھ پر تیغِ نظر تیز کرتا ہے۔ آفرین ہے تجھ پر اے گرا بخانی (تو میرے  
 لئے کس قدر مبارک ثابت ہوئی ہے۔

طبا طبائی: دوسرا مصرع بطور طعن کہا ہے ممکن ہے شاعر نے اس

واقہ پر اظہارِ مسرت کیا ہو۔ کیونکہ عاشقوں کو تکلیف مرغوب ہوتی ہے۔  
۳۔ میر پر شہائے پہنائی .. بقول سعید وہ پرکشش جو درپردہ  
کی جلے۔ باقی شارحین متفق ہیں کہ اس سے مراد پرکشش ہے جو خواہش  
خیال میں کی جاتی ہے۔

کہتے ہیں، اس کی طرف سے بے التفاتی کیوں نہ ہو۔ اس کی خاطر جمع ہے  
کہ میں پر شہائے پہنائی میں محو ہوں۔ اس لئے محبوب کی بے اعتنائی  
مجھ کو ناگوار معلوم نہ ہوگی۔

۴۔ جب کاتبِ تقدیر نے میرے غمان کی قسمت لکھی تو مجھ کو اسبابِ  
دہرائی کے سیری ذات کو بھی اپنے گھر کی دہرائی کا ایک سبب قرار دیا، طلب  
یہ ہوا کہ میں خود اپنی خانہ دہرائی کا سبب ہوں۔

حسرت : اسباب کے بجائے مجھ کو اسبابِ دہرائی ملا۔

۵۔ مجھے نوائے مرغِ چمن سننے کا بہت شوق ہے۔ کیونکہ مرغِ بہتان  
میرا ہمیشہ ہے۔ لیکن معشوق میرے اس شوق کو دیکھ کر مجھ سے بدگمان  
ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کاش کے بجائے یہ شوق نہ ہوتا۔ پھر معشوق بھی  
مجھ سے بدگمان ہوتا ہے۔

۶۔ میرا خیال تھا کہ قبر میں میرے جسم و جان کو آرام ملے گا، اس لئے  
میں نے گور میں جانا یعنی مرنا پسند کیا تھا۔ لیکن انسوس کہ شورِ محشر نے مجھے  
وہاں بھی آرام کا سانس نہ لینے دیا۔

۷۔ آپ نے وعدہ کیا تھا کہ میں تیرے گھر آؤں گا، میں جب سے آپ  
کے انتظار میں دروازہ پر کھڑا ہوں، نہ کہیں آسکتا ہوں نہ جاسکتا ہوں۔ یہ  
کیا انداز ہے کہ آپ نے مجھے میرے ہی گھر کا دربان مقرر کر دیا ہے۔ مہربانی

فرما کر وعدہ دیا کیجے اور مجھے اس تکلیف انتظار اور فرضِ درہانی سے نجات دیکھے۔

بمقتلِ حاکم و فائے وعدہ کے انتظار میں گھر سے کہیں نہ جملنے کو اس طرح بیان کتنا کہ تم نے میرے گھر کی درہانی مجھے سوئپ دی ہے۔ بالکل نیا پیلاہ بیان ہے۔

۸۔ ہاں اے آمدِ فضلِ بہاری کی مسرتِ سبحان اللہ۔ تیں بالکل مردہ ہو گیا تھا اور سوداے غزنوی بالکل ٹھلا بیٹھا تھا۔ لیکن تیری آمد آمد سے پھر سوداے غزنوی میرے دل میں تازہ ہو گیا ہے۔

۹۔ میرزا یوسف علی خاں غالب کے بھائی تھے۔ وہ تیس برس تک دیوانے ہے۔ غالب کو ان سے بہت محبت تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ صحت یاب ہوئے ہیں۔ ازراہِ محبت یہ مسرت اس شعر میں ظاہر ہو گئی ہے۔ کہتے ہیں۔ خداوند تعالیٰ نے میرے بھائی یوسف علی خاں کو از سر نو زندگی عنایت فرمائی۔ میرزا یوسف میرے لئے دوسرے یوسف ہیں۔ کیونکہ خدا نے ان کی جان بچائی ہے یا یہ کہ میری نظروں میں ایسے ہی عزیز ہیں، جیسے حضرت یوسف تھے۔

## ۲۰۳

یاد ہے شادی میں بھی ہنگامہ یارب مجھے ۱ سبھ زائد ہوا ہے خندہ زریب مجھے ہے کشادہ خاطر دابستہ درہنِ سخن ۲ تھا ظلمِ قتلِ بد خانِ مکتب مجھے یارب اس اشتعل کی داد کس سے چاہئے ۳ رشکِ کمالش پہ ہے زندانی کی بجائے طبع سے مشتاقِ لبتائے حسرت کیا کہوں ۴ آندو سے ہے شکست آرزو طلب مجھے دل لگا کر اب بھی غالب مجھ سے ہو گئے ۵ حضور سے افسوس مانعِ مرزا مہربان مجھے



۱۔ آتشی: عالم خوشی میں بھی بار بار یارب پکارا اٹھتا ہوں۔ گویا میل منسا میرے لئے تیسرے زائد کا کام دے رہا ہے کہ ہنتا ہوں اور یارب کہتا ہوں۔ قاعدہ ہے کہ شادی ہو یا غم ہو، ہر حالت میں دل میں ایک کیفیت سی پیدا ہوتی ہے اور آدمی کی زبان سے بیجا خیر یا اللہ، یارب وغیرہ ایسے الفاظ نکل جاتے ہیں اور اسی سے مصنف کی یہاں مراد ہے۔ خندہ زیر لب سے مراد وہ خندہ ہے کہ ازراہ غم میں انسان مسکاتا ہے اور سانس لے کر ایسے الفاظ کہہ اٹھتا ہے۔ ارے میرے اللہ! ارے میرے مالک! اسی کو مصنف مراد لیتا ہے کہ بظاہر خوشی کی صورت ہے۔ لیکن یہ منہ سیخ زائد ہے جس سے مجھ کو بس خدا ہی یاد آ رہا ہے فارسی میں اسی خیال کی دوسرے الفاظ پر بنا رکھی ہے۔

مبادا، پھر بار بھ از ہم بگسلد غالب نفس با این ضعیفی بر تابد شود یا رہا طباطبائی: یارب کے معنی فارسی محاورہ میں خدا کی دہائی ہے اور بھ زائد سے وہ ذکر خفی مراد ہے جو چپکے چپکے ہونٹوں میں کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ شادی میں بھی مجھے شور یا رب نہیں بھولا ہے۔ میرا خندہ زیر لب گویا زائد کا ذکر خفی ہے (نیچو۔ سعید)

حسرت: جس طرح دانہ ہائے سیخ سے صورت خندل نمایاں ہوتی ہے، لیکن ان پر ذکر یارب ہوتا ہے اسی طرح مجھے شادی میں بھی ہنگامہ فریاد رہتا ہے۔ یارب کے لفظ میں ایہام ہے (سعید)

۲۔ قفل ابجد: یہ ایک قسم کا قفل ہے، اس میں بہت سی پھرکیاں ہوتی ہیں۔ جن پر مختلف حروف کنندہ ہوتے ہیں۔ قفل کھولنے کے لئے صنایع ایک انتظافرد رہتا ہے۔ ان حروف کو جو ذکر یہ لفظ بناتے ہیں

جو نہی یہ لفظ ترتیب پاتا ہے قفل محل جاتا ہے۔

کہتے ہیں طلسم قفل ابجد میرے لئے ایک مکتب خانہ تھا میں نے اس مکتب میں یہ سبق پڑھا ہے کہ جس طرح سے قفل ابجد کا کھلنا لفظ مقررہ کے مرتب ہونے پر معنی ہے (یعنی رہن سخن ہے) اسی طرح سے میری خاطر وابستہ کا کھلنا رہن سخن ہے۔ گویا میری گرفتہ خاطر کی اور انقباض طبع کا علاج شغل مشغور سخن ہے (تمام متفق)

۱۔ کسی نے مکتب کے لغوی معنی مراد لئے ہیں۔ یعنی وہ مقام جہں جگہ بیٹھ کر لکھیں۔ کہتے ہیں میری خوشی دل فکر شعر پر منحصر ہے۔ خانہ مکتب یعنی جہاں بیٹھ کر میں لکھتا ہوں۔ طلسم قفل ابجد کا حکم رکھنا ہے کہ جیسے ادھر اس کے حمد و معینہ کو لکھا گیا اور ادھر وہ کھلا۔ ایسے ہی ادھر میں اپنے لکھنے کی جگہ پر بیٹھا، ادھر میری طبیعت کو کشادگی حاصل ہوئی اور شعر کہنے شروع کئے۔

ظاہر ہے کہ یہ معنی تاویل ملی ہیں۔ اصل مطلب وہی ہے جو میں نے لکھا ہے۔  
۳۔ زندانی یعنی قیدی + یا رب میں اس جنون کی داد کس سے طلب ملے کہ جب میں زندان میں تھا تو صحرا نوردی کو اچھا جانتا تھا اور جب صحرا میں ہوں تو اہل زندان کی آسائش و آرام پر مجھے رشک آتا ہے۔

۴۔ میں کیا کروں میری طبیعت حسرتوں کی لذت کی مشتاق ہے۔ اسی سے ہر آنزو سے میرا مطلب شکست آنزو ہوتا ہے۔ کیونکہ شکست آنزو میں مجھے لذت حاصل ہوتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میں ہر آنزو اسی نیت سے کرتا ہوں کہ وہ ٹوٹ جائے اور مجھ کو حسرت لذت اٹھانے کا موقع ملے۔

۵۔ بطور یمن کہتے ہیں کہ آپ تو ہمیں عشق کرنے سے منع کیا کرتے تھے۔ اب دل لگا کر آپ کی بھی میرے جیسی حالت ہو گئی۔

۲۰۴

حضرت شاہ میں اہل سخن کی آزمائش ہے ۱۔ چمن میں خوش نوریان چمن کی آزمائش ہے  
 قد و گیسو میں قیس کوہ کن کی آزمائش ہے ۲۔ جہاں ہم میں ہاں دار و سن کی آزمائش ہے  
 کرینگے کوہ کن کے حوصلے کا امتحان آخر ۳۔ ہنوز اس سختہ کے نیوے تن کی آزمائش ہے  
 نسیم مسر کو کیا پیر کنعاں کی ہوا خواہی ۴۔ اُسے بوسفت کی بوسختی تن کی آزمائش ہے  
 وہ آہا بزم میں دیکھو نہ کیو بھر کر غافل تھے ۵۔ شکیب و صبر اہل انجمن کی آزمائش ہے  
 رہے دل ہی میں تیرا چھا جگر کے پار بہتر ۶۔ غرض شست بہت ناک ٹکن کی آزمائش ہے  
 نہیں کچھ سمجھ و زنا کے پھندے میں گلائی ۷۔ وفاداری میں شیخ و برہمن کی آزمائش ہے  
 پڑا رہ اسے دل وابستہ بیتابی سے کیا قاتل ۸۔ مگر بھرتاب زلف پر شکن کی آزمائش ہے  
 رگڑے میں حب اتنے زہر غم تب دیکھئے کیا ہو ۹۔ ابھی تو تلخی کام و دہن کی آزمائش ہے  
 وہ آئیں گے مرے گھر وعدہ کیسا دیکھنا غالب

نئے فنون میں اب چرخ کن کی آزمائش ہے

۱۔ اس طرح ہر قلعہ میں ایک مشاعرہ ہوتا تھا کہتے ہیں آج بادشاہ کے  
 دربار میں شعراء کی آزمائش ہے۔ گو بادشاہ کا دہار ایک چمن ہے اور اس چمن  
 میں خوش نوریان چمن (شعل) کا امتحان ہے کہ دیکھیں وہ کس کس انداز سے اپنے اپنے  
 نغمے سناتے ہیں۔

۲۔ قیس .. محضوں + کو کہن .. فریاد۔

قیس اور فریاد کی آزمائش تو قد و گیسو سے لی جاتی ہے، لیکن جس مقام عشق  
 پر ہم ہیں وہاں عشاق کی آزمائش دار و سن سے ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ہمارا امتحان  
 عشق سے کہیں زیادہ مشکل ہے۔

۳۔ ابھی تو کو کہن کی محض طاقت جسمانی کا امتحان ہو رہا ہے کہ اس سے پہاڑ

کھود کر نہ نکلنے کو کہا گیا ہے۔ جب طاقت جسم کی آزمائش ہو جائیگی تو پھر اس کے قصد کا امتحان لیا جائیگا۔ یعنی ایک برہمچیا کو یہ پیغام دے کر بھیجا جائیگا کہ مشیروں مٹنی۔ اس آزمائش میں وہ رہ جائیگا اور سر پر شہ مار کر اپنا خاتمہ کرے گا۔  
۴۔ پیر کنعان۔ حضرت یوسفؑ کے والد حضرت یعقوبؑ۔

نسیم مصر جو حضرت یوسفؑ کے پیرا بن کی خوشبو اڑا کر لائی ہے، اس کو اس فعل سے حضرت یعقوبؑ کی خیر خواہی مقصود نہیں بلکہ وہ حضرت یوسفؑ کے پیرا بن کی خوشبو کا امتحان لینا چاہتی ہے کہ کیا حضرت یعقوبؑ پر اس کا کچھ اثر ہوتا ہے یا نہیں، یا یہ کہ بوسے پیرا بن میں کس قدر تاثیر ہے۔

۵۔ دیکھو وہ غار نگہ صبر و شکیب بزم میں آ رہا ہے، پھر نہ کہنا کہ میں غافل تھا اور غفلت کی حالت میں وہ متاع صبر و شکیب لوٹ کر لے گیا، ہم یہ پہلے سے بتاتے رہتے ہیں کہ وہ اہل بزم کے صبر و شکیب کی آزمائش کرنے آ رہا ہے۔  
۶۔ شست۔ نشانہ + ناول فگن۔ تیر انداز۔

اگر تیر دل میں رہ جائے تو اچھا ہے اور اگر جگہ کے پار ہو جائے تو اور بھی زیادہ اچھا ہے۔ غرض ان دونوں صورتوں میں کوئی نہ کوئی صورت ضرور ہونی چاہئے۔ پھر ہم اس کے نشانہ کے قابل ہو سکتے ہیں۔

۷۔ گیرائی۔ گرفت + تسبیح شیخ اور زنا پر برہمن میں کوئی گیرائی نہیں۔ جس نے ان کو گرفتار کر رکھا ہو۔ بلکہ ان سے شیخ و برہمن کی وفاداری کی آزمائش مقصود ہے۔ یعنی دیکھنا یہ ہے کہ وہ کب تک اپنی وضع کو نبھاتے اور وفادار رہتے ہیں۔

۸۔ اے دل دابستہ (قیدی) تو پہلے زلف پر شکن کا امتحان کئی مرتبہ کر چکا ہے اور آزاد نہیں ہو سکا۔ اب سچے ترپتے سے کیا حاصل ہو گا۔

اس لئے مناسب یہ ہے کہ تو اسی طرح پڑا رہے۔ کیا تو پھر زلف پر شکن کی طاقت آزمانا چاہتا ہے۔

۹۔ جب زہر غم ہر رگ و پے میں اترے گا تو پتہ نہیں کیا ہوگا۔ ابھی تو زہر غم میرے کام و دہن تک ہی پہنچا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آغازِ عشق ایسا سخت ہے تو خدا جانے انجام کیسا ہوگا۔

۱۰۔ وہ میرے گھر سرگز نہیں آئینگے، وعدہ کیسا ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ جہرِ کمن ان کے نہ آنے سے ہمیں کس کس نئی مصیبت میں مبتلا کرتا ہے۔ نیا قتنہ سے مراد ان کے آنے کا قتنہ ہے۔ اُسی گھنٹے ہیں کہ نیا قتنہ اس وجہ سے کہا ہے کہ اولِ تودہ وعدہ ہی نہ کرتے تھے اب وعدہ کیا تو وعدہ خلافی کا صدمہ میرے لئے نیا صدمہ ہے، دیکھتے کیا ہوگا۔

## ۲۰۵

کبھی شکی بھی اسکے جی میں گر جائے مجھ سے ۱ جھائیں کہ کاپنی یاد شر جائے ہے مجھ سے  
خدا یا جذبہ دل کی مگر تاثیر اٹھ ہے ۲ کہ جتنا کھینچتا ہوں اور کھینچا جائے ہے مجھ سے  
وہ بدخواہ میری داستانِ عشق طولانی ۳ عبارتِ مختصر قلم بد بھی گھبرا جائے ہے مجھ سے  
اُدھر یہ بدگمانی ہے، اُدھر یہ نا توانی ہے ۴ نہ چھپا جائے ہے اس سے نہ بولا جائے ہے مجھ سے  
سنسنے سے مجھے لے نا امیدی کیا قیامت ہے ۵ کہ لہانِ خیال یار چھوٹا جائے ہے مجھ سے  
تکلف برطرف نظارگی میں بھی سہی لیکن ۶ وہ دیکھا جائے کب یہ طالع دیکھا جائے ہے مجھ سے  
ہوس میں پاؤں ہی پہلے نہرِ عشق میں نہی ۷ نہ بھاگا جائے ہے مجھ سے نہ ٹھہرا جائے ہے مجھ سے  
قیامت ہے کہ ہر دے مدعی کا ہم سفر غالب

وہ کافرِ خدا کو بھی نہ سونپا جائے ہے مجھ سے

۱۔ اگر کبھی میرے ساتھ نیکی کرنے کا خیال اس کے جی میں آجاتا ہے تو اس بنا پر

کہ تمام عمر تو مجھ پر ظلم کئے ہیں اب تھوڑی سی نیکی کرنے سے ان کی کیا تلافی ہو سکتی ہے، وہ میرے ساتھ نیکی نہیں کرتا۔

۲۔ خدایا شاید میرے جذبہ دل کی اُلٹی تاثیر ہے کہ اس کو میں جس قدر اپنی طرف کھینچتا ہوں وہ اُلٹا مجھ سے کھینچتا ہے۔ یعنی جتنا میں اس کو اپنے قریب لانا چاہتا ہوں اتنا ہی وہ دُور ہوتا جاتا ہے یا کھینچتا چلے ہے یعنی آزرده اور کشیدہ خاطر ہوتا جاتا ہے۔

۳۔ وہ سے مراد معشوق، عبارت مختصر یعنی قصہ مختصر۔

معشوق بدخوا اور بد مزاج ہے اور میرا افسانہ بہت طولانی ہے مختصرات یہ ہے کہ میرا قاصد بھی اُسے سُن کر غصہ جاتا ہے کہ میں اتنا بے افسانہ اس بدع سے کیسے کہوں گا اور اگر کہوں گا تو میری محنت میں شامت آجائے گی عجیب نصیب میں مبتلا ہوں۔

۴۔ اُدھر ایسی بدگمانی ہے کہ وہ میرے دعویٰ محبت کو بھی جھوٹ سمجھتا ہے اور اس بدگمانی کے سبب سے وہ کچھ نہیں پوچھتا اور اُدھر اس قدر ناواقف ہے کہ کمزوری کے سبب سے میں بول بھی نہیں سکتا کہ اس کی بدگمانی کو دُور کروں۔ لہذا عجیب نصیب میں مبتلا ہوں کہ یہ غلط فہمی کیسے دور ہو۔ بقول طباطبائی شعر میں ترکیب کے تشابہ اور تقابل ہے عجب عطف پیدا ہو گیا ہے۔

۵۔ خیالِ یار کا دامنِ ہاتھ میں تھا، لیکن نا اُمیدی نے مجھے ایسا گرایا ہے کہ اب دامنِ خیالِ یار بھی ہاتھ سے چھوٹا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس قدر نا اُمید ہو گئے ہیں کہ خیالِ یار بھی دل سے نکلا جاتا ہے، اس لئے نا اُمیدی کو مدد کے لئے پکار رہے ہیں۔

۶۔ بیشک میں بھی اس کے دیکھنے والوں میں شامل ہوں، لیکن یہ ظلم مجھ سے ہرگز نہ کیا جائے گا کہ وہ دیکھا جائے یعنی کوئی اسے دیکھے مطلب یہ ہے کہ رشک کی وجہ سے مجھے گوارا نہیں کہ کوئی اسے دیکھے۔ یہی مضمون پہلے اس طرح لکھ چکے ہیں۔  
دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پر رشک آجائے ہے

میں اُسے دیکھوں بھلا کب مجھ سے دیکھا جائے ہے

۷۔ حالی، اس میں وجرانی کیفیات کی تشیل محسوسات کے ساتھ دی گئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ قویٰ جن سے عشق کے ترک کرنے یا اس کے شدید اثر پر تحمل کرنا کی قدرت ملتی۔ ابتدائے عشق میں انہی کو صدمہ پہنچا پس اب نہ عشق ترک ہو سکتا ہے اور نہ اس پر صبر و تحمل کیا جاسکتا ہے۔

۸۔ مدحیٰ یعنی رقیب جس کو بدگمانی کی وجہ سے ہم خدا کے حوالے بھی نہیں کر سکتے یعنی وقتِ رخصت یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ جاؤ سد عارو۔ تمہیں سپرد خدا کیا۔ قیامت ہے کہ وہ میرے رقیب کا مسافر ہو، گویا میں اس کو رقیب کے حوالے کر دوں۔

## ۲۰۶

زبکہ مشقِ تاشا جنوں علامت ہے ۱ کشادہ لبستِ مژہ سیلیٰ ندامت ہے  
نہ جانوں کیونکہ مئے داغِ طعنِ بدعہدی ۲ تجھے کہ آئینہ بھی درطہ علامت ہے  
بزیج و تابِ ہوسِ سلاکِ عافیت تو ۳ نگار و عجزِ سرِ شستہ علامت ہے  
وفا مقابل و دعوئے عشق ہے بنیاد

جنوںِ ساخته و فصلِ گلِ قیامت ہے

۱۔ کشادہ لبستِ مژہ ۲۰ پلکوں کا بار بار کھلنا اور بند ہونا + سیلی ۲۰ طمانچہ۔ خنجر + تماشہ سے مراد تماشائے دنیا یا تماشائے حسن۔

کہتے ہیں چونکہ تماشائے حُسن کی بہت زیادہ مشق کرنا جنوں کی علامت ہے۔ اس لئے تماشائے حُسن کے وقت پکوں کا بار بار بند ہونا اور کھنڈن طمانچہ ہائے ندامت کا پڑنا ہے جو آنکھوں پر لگائے جاتے ہیں۔

۲۔ خدا جانے طبع بد عہدی کا دھبہ کیونکر مٹے گا، تو لالہ آرائش کرے، مگر اس درخ بد عہدی کی موجودگی میں جب تو آرائش کے لئے آئینہ دیکھتا ہے تو آئینہ تیرے لئے ورطہ ملامت بن جاتا ہے، کیونکہ آرائش غیروں کو دکھانے کے لئے ہوتی ہے، جو عین بد عہدی ہے۔ اس لئے آئینہ دیکھ کر تو نردابِ ندامت میں غرق ہو جاتا ہے۔ آئینہ کو ورطہ سے تشبیہ دی ہے۔

۳۔ ہوس کے پیچھے دے دے کر عافیت اور سلامتی کی سلک (لٹری) نہ توڑ، کیونکہ نگاہِ عجز یعنی ترک ہوس سرشتِ سلامتی ہے بطلب یہ ہے کہ سلامتی اور عافیت عاجزی اور کم ہوسی میں ہے۔ ہوس کے ساتھ سلامتی اور عافیت ممکن نہیں۔

۴۔ حسرت: محبوب اور قیب کے معاملہ کا ذکر بطور طعن کرتا ہے۔ کہتا ہے بڑا ستم ہے کہ محبوب تو آماؤہ وفا ہوا اور دلواری عشق جھوٹا ہو گیا تو اسی ستم کی بات ہے کہ ہمارا تو واقعی آئی ہو لیکن جنوں میں بناوٹ ہو۔

## ۲۰۶

لاغر اتنا ہوں کہ گردِ نازم میں جلتے مجھے ۱ میرا ذمہ دیکھ کر گر کوئی بتلائے مجھے  
کیا تعجب ہے کہ اس کو دیکھ کر بجائے رحم ۲ واں تلک کوئی کسی جیل سے پہچانے مجھے  
نہ نہ دھل جائے نہ دھلا، پر یہ اتنا احتجاب ۳ کھول کہ پیچہ ذرا آنکھیں ہی دکھلائے مجھے  
یاں تلک میری گرفتاری سے مدد خوش ہے کہیں ۴ زلف گرین ہلاؤں تو شائیں ابھائے مجھے  
۱۔ میں عشق میں گھل گھل کر اس قدر لاغر ہو گیا ہوں کہ اگر تو اپنی بزم میں مجھے جگہ



دے تو میں اسی بات کا ذمہ لیتا ہوں کہ کوئی مجھے دیکھ کر تیرا نہ سکے گا کہ یہ تیرا  
شخص بیٹھا ہے یا یہ کہ کوئی مجھے دیکھ ہی نہ سکے گا۔ پھر خوف کیا ہے مجھے اپنی  
برہم میں جگہ دیدے۔

۲۔ اس میں کوئی تعجب نہیں، اگر اسے میری شراب حالت دیکھ کر رحم آجائے  
کوئی میرے حال پر اس قدر کرم کرے کہ مجھے وہاں تک پہنچا دے۔

۳۔ اگر تو اپنا حسین چہرہ نہیں دکھاتا تو نہ سہی۔ مجھے یہ بھی منظور ہے لیکن  
اتنا تو کر کہ چہرے پر ہتھ پڑو ہٹا کر اپنی خشم آلودہ نگاہیں ہی دکھلا دے۔

۴۔ شانہ یعنی کنگھی۔ میری گرفتاری سے اس قدر خوش ہوتا ہے کہ  
اگر میں اس کی زلف بن جاؤں تو وہ مجھے کنگھی میں الجھا دے۔ طلب یہ ہے۔  
مجھے تکلیف پہنچانے میں اگر اس کو تکلیف پہنچے تو وہ اس کی مطلق پیدا نہیں  
کرے گا۔

## ۲۰۸

بارہ بچے اطفال ہے دنیا مرے آگے ۱ ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے  
اک تھیل ہے لونگ سلیمان کے نزدیک ۲ اک بات ہے اعجازِ میحمارے آگے  
جزا نہیں صورتِ عالم مجھے منظور ۳ جزو ہم نہیں مستیِ اشیا مرے آگے  
ہوتا ہے نہاں گرد میں صحرائے ہوتے ۴ گھٹا ہے جبین خاک پہ دریا مرے آگے  
مت پرچھ کہ کیا حال ہے میرا ترے پیچھے ۵ تو دیکھ کہ کیا رنگ ہے تیرا مرے آگے  
سچ کہتے ہیں خود میں خود آراہوں نہ بولوں ہوں ۶ بیٹھا ہے بت آئینہ میحمارے آگے  
پھر دیکھئے انداز گل افشانیِ گفتار ۷ بھوے کوئی پیمانہ و صہبائے آگے  
نفرت کا گناں گوشے میں رشک سے گزرا ۸ کیونکر کہوں لونا م نہاں کا مرے آگے  
زباں مجھے روکے ہے تو کھینچے ہے مجھے کفر ۹ کہ یہ مرے پیچھے ہے کلیسا مرے آگے

عاشق ہوں، یہ عشق فوری ہے مرا کام ۱۰ مجنوں کو رماکتی ہے یہ ملا مرے آگے  
خوش ہوتے ہیں پردہ سل ہیں یوں فریشتے ۱۱ آئی شب بھراں کی تمارے آگے  
ہے مہجون اک قلم خون کا شہی ہو ۱۲ آتا ہے ابھی دیکھتے کیا کیا مرے آگے  
گواہ کو جنبش نہیں انگلیوں میں تو دم ہے ۱۳ دہنے دو ابھی ساغر دینا مرے آگے

ہم پیشہ وہم مشرب وہم راز ہے میرا  
غالب کو رما کیوں کہو، چھامرے آگے

۱۔ باز بچہ اطفال یعنی بچوں کا کھیل۔ "میری نظروں میں دُنیا بچوں کا  
کھیل ہے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ میرے سامنے شب و روز ایک تماشا ہو رہا ہے  
مطلب یہ ہے کہ میں حادثاتِ دُنیا کو بچوں کا کھیل سمجھتا ہوں اور اسے دیکھ کر  
خوش ہوتا ہوں۔

۲۔ اورنگ یعنی تخت۔ تختِ سلیمان آسمان پر اُڑا کرتا تھا۔ عجائز مسیح  
پر تھا کہ وہ قم کہہ کر مردوں کو زندہ کر دیتے تھے۔ فرماتے ہیں۔ میں تختِ سلیمان  
کو ایک کھیل سمجھتا ہوں اور عجائزِ مسیح میرے نزدیک ایک معمولی سی بات  
ہے۔ بقول طباطبائی دوسرے مصرع میں "ایک بات" نے دوسرا لطف پیدا  
کر دیا۔ مطلب یہ ہے دُنیا اور اہل دُنیا کا اقبال و کمال میری نظر میں  
یہی ہے۔

۳۔ میں صورتِ عالم کو محض نام ہی خیال کرتا ہوں، یا اس سے آگے  
کچھ نہیں ماننا اور ہستیِ اختیار کو ایک وہم سمجھتا ہوں اور وہم اس کو کہتے ہیں  
جس کا کوئی وجود نہ ہو۔ حاصل شعر یہ ہے کہ ذاتِ خداوند تعالیٰ کے سوا میں  
کسی چیز کو موجود نہیں سمجھتا۔

۴۔ میں مہرِ نوردی میں اس قدر خاک اُڑاتا ہوں کہ صحرا گرد میں چھپ جاتا

ہے اور مجھ سے پناہ مانگتا ہے۔ میں آنکھوں سے اس قدر اشک بہاتا ہوں کہ دریا ان کے مقابلے میں اپنے آپ کو ہیچ سمجھتا ہے اور میرے سامنے اظہارِ عجز کے لئے اپنا ماتھا زمین پر گر گزرتا ہے۔

بیخود: میں آنکھوں سے اس قدر اشک بہاتا ہوں کہ دریا میرے آگے بہ نکلتا ہے۔ پانی کے نور کو جس میں رگڑنے سے تعبیر کیا ہے طلبا طبائی نے بھی دوسرا مفہوم ہی لکھا ہے۔

۵۔ مجھ سے مت پرچھ کو میرا تیر پیچھے کیا حال ہے، بس یہ مجھ لے کہ جس طرح تو میرے آگے جیا اور شوخی سے دل تنگ اور شویا ہوا رہتا ہے اسی طرح میں تیرے پیچھے (تیری جدائی) میں بے قرار اور مضطرب رہتا ہوں۔ آگے اور پیچھے کے لفظوں نے شعر میں عجب کیفیت پیدا کر دی ہے۔

طلبا طبائی و اسی نے دوسرا مفہوم یہ نکالا ہے۔ "تو اپنی بے اعتنائی یا حسن کو میری آنکھ سے دیکھ اور اسی پر قیاس کر لے کہ تیری مفارقت میں میرا کیا حال ہوتا ہو گا۔"

۶۔ تم یہ سچ کہتے ہو کہ میں خود ہیں و خود آنا ہوں۔ بھلا جب تم جیسا کہ تمہارا معشوق میرے سامنے بیٹھا ہو تو پھر میں کیوں نہ خود بین و خود آرا ہوں مطلب یہ ہے کہ تمہارے حسن نے مجھے مغرور و متکبر بنا دیا ہے۔

۷۔ کوئی میرے سامنے ساغر اور شیشہ رکھ دے، پھر دیکھے میرے منہ سے کیسے بھول جھڑتے ہیں۔

بیخود: سنا گیا ہے کہ میرزا صاحب شام کے وقت شراب پیتے اور شب کو سرخوشی کے عالم میں عجب پر لطف باتیں کیا کرتے تھے۔

۸۔ اگر کوئی شخص تیرا نام میرے سامنے لیتا ہے تو رشک کی وجہ سے مجھے

سخت ناگوار گزارتا ہے۔ مشکل یہ آپڑی ہے کہ میں یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ تیرا نام میرے سامنے نہ لے کیونکہ ایسا کہنے سے سُنے والوں کو یہ غلط فہمی ہوتی ہے کہ مجھے تیرے نام سے نفرت ہے۔ لہذا میں ایسے رشک سے باز آیا جس سے نفرت کا گمان نہ رہے۔

۹۔ کلیسا .. گر جا۔ میں عجیب کشمکش میں مبتلا ہوں۔ ادھر کعبہ ہے اُدھر کلیسا ہے۔ اگر کفر مجھے اپنی طرف لہینچتا ہے، تو ایمان مجھے اُدھر جانے سے روکتا ہے۔ بقول طباطبائی کعبہ مجھے پڑ کر دھکتا ہے کہ اُدھر نہ جا اور سامنے کلیسا لہینچ رہا ہے کہ اُدھر چل۔

آسمی : بے مثل شعر کہتا ہے۔ خصوصاً مصرعہ ثنائی اگر دیوان کے دیوان اس پر سے صدقے کہہ دیتے جائیں تو بجا ہے۔

۱۰۔ عاشق ہونے کی حیثیت سے مجھے معشوقوں کے فریب میں آجانا چاہیے تھا۔ لیکن میں ایسا عاشق ہوں جو معشوقوں کے فریب میں نہیں آسکتا۔ بندہ اُنٹا اُنٹی کو فریب دیتا ہوں۔ چنانچہ یہ میری معشوق فریبی کا نتیجہ ہے کہ یہی مجنوں کو میرے سامنے بُرا کہتی ہے گویا مجھے اس سے اچھا جانتی ہے۔

۱۱۔ کہتے ہیں شبِ وصل میں سبھی خوش ہوا کرتے ہیں۔ لیکن میری طرح شادی مرگ نہیں ہو جاتے۔ معاذم ہوتا ہے کہ شبِ ہجر میں جو میں اکثر مرنے کی دعا میں مانگا کرتا تھا۔ وہ شبِ وصل میں میرے لئے آئیں (تمام متفق)

آسمی کہتے ہیں کہ شبِ ہجر میں میں یہ دعا مانگا کرتا تھا، یا اللہ اگر مروت تو شبِ وصل میں مروت، ہجر میں ناکام مروت تو بُرا ہے۔ لہذا آج شبِ فصل وہ مراد پوری ہو گئی۔

طباطبائی : وصل کی خوشی میں مرجانا اور لوگ بھی باندھا کرتے ہیں۔ مگر یہ

بات ہی اور ہے۔ ساری کرامات محاذیہ اور زبان کی ہے جس نے مرنے کے مضمون کو زندہ کر دیا ہے۔ فکر غالب کے کارناموں میں یہ شعر بھی شمار کرنا چاہئے۔

۱۲۔ میرے دل میں ایک دریا تھے خون موجزن ہے۔ کاش اسی پر اکتفا ہو۔  
گو یا دریا تھے خون آنکھوں سے بہ کر میری معیبتوں کا خاتمہ ہو جائے لیکن ایسا کہاں ہوتا ہے۔ دیکھئے ابھی میرے آگے کیا کیا آتا ہے اور یہ عشق کیا کیا دکھاتا ہے۔

۱۳۔ آخری وقت آگیا ہے۔ ضعف اس قدر ہے کہ ہاتھوں میں پاگل طاقت نہیں رہی۔ وہ حرکت بھی نہیں کر سکتے۔ کہتے ہیں۔ اگر ہاتھوں میں قوت نہیں تو کیا ہوا۔ آنکھوں میں تو دم موجود ہے۔ شراب و ساغر کو میرے سامنے سے کیوں اٹھاتے ہو، میرے سامنے ہی پڑا رہنے دو تاکہ میں دیکھ کر اپنے دل کو تسکین دوں۔

طباہیائی: یہ شعر بھی مصنف کے چیدہ اشعار میں مشہور ہے۔ مگر تمنا والے شعر کو نہیں پہنچتا۔ حقیقتاً خوب شعر کہا ہے۔ سقید لکھتے ہیں شراب کی مذمت کی ہے۔ یعنی شراب ایسی چیز بڑی چیز ہے۔ اگر اس کی عادت پڑ جائے تو آخر وقت تک نہیں چھوٹ سکتی۔ یا اپنی کثرت شراب نوشی کا اظہار کیا ہے۔

۱۴۔ چونکہ غالب میرا ہم پیشہ، ہم نوالہ، ہم پیالہ اور ہمارا ہے۔ اس لئے آپ میرے سامنے اُسے بُرا کیوں کہیں ع  
غالب کو بُرا کہتے ہو اچھا نہیں کرتے۔

آئسی: آپ اُس کو بُرا کہتے ہیں تو گویا مجھے بُرا کہتے ہیں۔ اسی طرح آپ مجھے بھی بُرا سمجھتے ہوں گے۔

طباطبائی: معلوم ہوتا ہے معشوق کی طرف خطاب کیا ہے اور وہ یہ نہیں جانتا کہ غالب ہی ہے (تجدد)

۲۰۹

کہوں جو حال تو کہتے ہو مدعا کہئے ۱ تیس کہو کہ تم یوں کہو تو کیا کہئے  
 نہ کیسویں سے پھر تم کہ "ہم تنگ ہیں ۲ مجھے تو خوب ہے کہ جو کچھ کہو بجا کہئے  
 وہ نیشتر سی پر دل میں جب اتر جائے ۳ نگاہ ناز کو پھر کیوں نہ آشنا کہئے  
 نہیں ذرا لے راحت جرات پیکان ۴ وہ زخم تیغ ہے جس کو کہ دلکشا کہئے  
 جو مدعی بنے اُس کے نہ مدعی بنئے ۵ جو نامسزا کہئے اُس کو نہ نامسزا کہئے  
 کہیں حقیقت جاں کا ہی مرض لکھئے ۶ کہیں مصیبتِ ناسازی دہا کہئے  
 کبھی شکایتِ رنج گراں نشیں کیجئے ۷ کبھی حکایتِ صبر گر بزا کہئے  
 رہے نہ جان تو قاتل کو خون نہا دیجئے ۸ کہئے زبان تو خنجر کو مرجا کہئے  
 نہیں نگار کو الفت نہ ہونگار تو ہے ۹ روانیِ روش و مستی ادا کہئے  
 نہیں بہار کو فرصت نہ ہو بہار تو ہے ۱۰ طراوتِ چمن و غری ہوا کہئے  
 سفینہ جب کہ کنارے پہ آنگا غالب

خدا سے کیا ستم و جورِ ناخدا کہئے

۱۔ جب میں تم سے اپنا حال کہتا ہوں تو تم ہمیشہ ہی کہتے ہو کہ آخر تمہارا مطلب کیا ہے؟ اپنا مطلب بیان کرو۔ تم ہی بتاؤ اگر تم ہی اس طرح سے کہو تو پھر بھلا میں کچھ کہنے کی جرات کیسے کر سکتا ہوں مطلب یہ ہے کہ تم میرے حال سے اچھی طرح واقف ہو، مگر جان جان کر پوچھتے ہو کہ تمہارا مطلب کیا ہے، میں ایسی صورت میں کیا کہہ سکتا ہوں۔

۲۔ مجھے آپ کی ہر بات پر بجا و درست کہنے کی عادت ہو گئی ہے،

اس لئے حیرانی کے پھر دوبارہ طعن سے یہ نہ کہنا کہ ہم سنگرم میں :- میری زبان سے حسب عادت ”بجا و درست“ نکل جائیگا۔ یعنی میں کہہ بیٹھوں گی کہ ہاں واقعی آپ سنگرم میں اور یہ بات آپ کو ناگوار گزری گی۔ کیا عجیب ہے کہ یہ سن کر مزاج ناز برہم ہو جائے اور میری گفت میں شامت آئے (اگلی) باقی شاہین کا خیال ہے کہ معشوق نے طعن سے کہا تھا کہ ہم سنگرم میں اور ان کی زبان سے بے ساختہ نکلا کہ بجا و درست! اس پر معشوق کو غصہ آگیا۔ اب یہ اپنی صفائی پیش کر کے کہتے ہیں کہ دیکھنا اب یہ بات ہم سے نہ پوچھنا۔

۳۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ نگاہ یا رنشر ہے اور نشتر کسی کا ہمدرد اور آشنا نہیں ہوتا، لیکن جب وہ دل میں اتر جائے اور دل اُسے قبول کرے تو پھر نگاہ ناز کو آشنا اور دوست کہنے میں کیا ہرج ہے۔

۴۔ جراحات یعنی زخم۔ پیکان کے زخم سے میرے دل کو تسلی اور تسکین نہیں۔ وہ زخم تیغ ہے جو میری دلکشائی اور تسلی خاطر کا باعث ہوتا ہے۔ لفظ دلکشائییں ایہاں ہے۔ زخم تیرے دل میں محض ایک خطہ دل دیتا ہے اور زخم تلوار بہت کشادہ ہوتا ہے اس لئے زخم تیغ کو دلکش کہا ہے۔

۵۔ مدعی یعنی دشمن۔ جو شخص کہ دشمن بن جائے اور دشمنی کرے تو اس کے ساتھ دشمنی نہ کرنی چاہئے۔ اسی طرح جو شخص بُرا کہے اس کے جواب میں اس کو بُرا نہیں کہنا چاہئے۔

۶۔ ہمارا تو یہ حال کہ تمہیں اپنے مرض کی حقیقت جانکا ہی لکھتے ہیں کہ مرض نے جان کو گھلا ڈالا ہے اور کہیں دوا کی ناسازمی اور نامورائقت کا رونا رونا دوتے ہیں کہ کوئی دہ اطمینت کے موافق نہیں آتی۔

۷۔ صبر گریز یا یعنی وہ صبر جو بہت جلد جاتا رہے۔ فرماتے ہیں کبھی شدائدِ آلام و مصائب کی شکایت کرتے ہیں اور کبھی پیمانہٴ صبر کے بار بار چھلک جاتے کا دکھ ادا کرتے ہیں۔

۸۔ خون بہا۔۔ خدیو، وہ قیمت جو خون کے بدلے ادا کی جاتی ہے۔  
اگر جان پاس نہ ہو اور وہ جاتی رہے تو پھر قاتل کو اس کا خون بہا دیا کیجئے۔  
کہ جان نہیں دے سکتے تو یہ حاضر ہے اور اگر نہ جان کٹ جائے تو خنجر کو مرجھا دو  
آفرین کئے (اُسی)

باقی شاعریں پہلے مصرعہ کی یہ شرح بیان کرتے ہیں: اگر جان جاتی ہے  
تو قاتل کو بخش دیجئے۔

۹۔ اگر محبوب کو محبت نہیں تو کیا ہوا۔ اس سے اس کی شان مجبوزی میں کوئی  
فرق نہیں آتا۔ ایسی صورت میں مناسب یہ ہے کہ اس کی اس کوتاہی کو صرف  
نظر کر کے اس کی خوش خرامی اور مستی ادا کی تعریف کیجئے۔

۱۰۔ اگر ہمار کو فرصتِ قیام نہیں تو کیا ہوا۔ آخر وہ ہمار تو ہے پس اس  
صورت میں شادابیِ حین اور خوبیِ ہوا کی تعریف کرنی لازم ہے۔

۱۱۔ سفینہ یعنی کشتی۔ اسے غالب جبکہ کشتی کنارے ہی پر آگئی تو اب  
خدا سے نا خدا کے ظلم و ستم کیا کہوں، وقت گزر گیا، غنیمت ہے گزشتہ مہینہ  
یا اگر کے مصیبتوں کا تازہ کرنا بیکار ہے۔

طبا طبائی: لقمان نے چار باتوں پر حکمت و اخلاق کو منحصر کر دیا ہے۔  
موت اور خدا کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے اور اگر کسی پر کچھ  
احسان کیا ہو، یا کسی نے کچھ بُرائی کی ہو تو اُسے بمحلول جانا  
چاہئے



۲۱۰

رونے سے اور عشق میں مینا پاک ہو گئے ۱ دھوئے گئے ہم ایسے کہ بس پاک ہو گئے  
 صرف بہائے ہوئے آلاتِ عکشی ۲ تھے یہ ہی دو حساب سوہوں پاک ہو گئے  
 رسوائے دہر گو ہوئے آوازی سے تم ۳ بارے طبیعتوں کے تو جالاک ہو گئے  
 کہتا ہے کون نالہ بیل کو بے اثر ۴ پر فے میں گل کے لاکھ جگر جاک ہو گئے  
 پوچھے ہے کیا دھند و عدم اہل شوق کا ۵ آپ اپنی آگ کے خنِ خاشاک ہو گئے  
 کر لئے تھے اُس سے تفاعل کا ہم گلہ ۶ کی ایک ہی نگاہ کہ بس خاک ہو گئے  
 اس رنگِ اُٹھائی گل اُس نے اسد کی نغش  
 دشمن بھی جس کو دیکھ کے غناک ہو گئے

۱۔ حاکمی: دھویا جانا... بے شرم و مینا پاک ہونا، پاک.. آزاد یا شہداء  
 مطلب یہ ہے کہ جب تک آنکھوں سے آنسو نہ نکلے تھے تو اس بات  
 کا پاس اور لحاظ تھا کہ عشق کا ماز کسی پر ظاہر نہ ہونے پائے، مگر جب  
 رونا ضبط نہ ہو سکا اور ہر وقت آنسو جاری رہنے لگے تو اخلاقی مازِ عشق  
 کا خیال جاتا رہا اور ہم ایسے بے شرم و بے حجاب ہو گئے کہ آزادوں اور شہداء  
 کی طرح محسوس کیے۔ اس مطلب کو ان الفاظ میں ادا کرنا کہ روئے سے ایسے دھوئے  
 گئے کہ بالکل پاک ہو گئے، بلاغت اور حسن بیان کی انتہا ہے۔

۲۔ ہمارے دو حساب تھے، اول یہ کہ شراب کی قیمت کہاں سے  
 آئے جو ادا کر کے شراب مینا کی جائے، دوسرے آلاتِ عکشی کے  
 حساب و شمار کا جھگڑا کہ ان کو کہاں کہاں باندھے پھریں اور کب تک ان  
 کی دیکھ بھال اور جانچ پڑتال کریں۔ سوانہ دونوں حسابوں کا جھگڑا اس طرح  
 پاک ہوا کہ ہم کلامتِ میکشی بیچ کر شراب پی گئے۔ بقول طباطبائی زندوں کا سلسلہ

اس سے بڑھ کر ادر کیا ہو سکتا ہے کہ جھگڑوں سے بھی چھوٹے اور شراب  
بھی مل گئی۔

۳۔ اگرچہ تم آوارگی سے سارے زمانے میں بنام ہو گئے۔ لیکن اس سے  
اتفاقاً تو منہ ہوا کہ تم طبیعت کے چالاک ہو گئے۔ گویا اب تم کسی کے دھوکے  
میں نہ آؤ گے کیونکہ کافی تھو کریں کھل چکے ہو۔

۴۔ نالہ بیل کو کون بے اثر کرتا ہے۔ اس کے اثر سے لاکھوں گلوں کے  
جگر چاک ہو گئے۔ مطلب یہ ہے کہ پھول کھلتے نہیں بلکہ نالہ بیل کے اثر سے ان  
کے جگر چاک ہوتے ہیں۔

۵۔ اہل شوق .. اہل عشق + اہل شوق کا وجود عدم تو کیا پوچھتا ہے،  
تو اپنی آگ (آتش شوق) میں خس و خاشاک کی طرح جل بن گئے ہیں اور اب نہ اُن  
کا وجود ہے اور نہ عدم ہے، گویا وہ فنا فی الشوق ہو چکے ہیں۔

۶۔ حالی : شاعر تحقیقی کا جو معاملہ غیر عشاق کے ساتھ ہے، اس کو تغافل  
کے ساتھ اور عشاق کے معاملے کو نگاہ کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے جیسا کہ  
صحافی کہتا ہے۔

اے زائدو عاشق! تو دنیا لڑا کہ... دُور تو تو نزدیک تر احوال تباہ  
کس نیست کہ جان از تو سلامت ببرد... آں را بہ تغافل کشی ایں را بہ نگاہ  
پس شعر کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے اس کے تغافل سے تنگ آکر شکایت  
کی تھی اور اس کی توجہ کے خواستگار ہوئے تھے جب اس نے توجہ کی تو  
ایک ہی نگاہ میں ہم کو فنا کر دیا۔

۷۔ کل اس نے اسد کی لاش کچھ ایسے رنگ سے اٹھائی کہ دشمنوں کے  
دل بھی رشک کی وجہ سے غمناک ہو گئے۔ دوسرا مفہوم تخییر کا ہے کہ اس نے

اس ذلت و تخفیر کے ساتھ اس کی لاش اٹھائی کہ اسے دیکھ کر دشمنوں کو بھی رنج ہوا۔

۲۱۱

نشد با شاداب رنگ ساز با مست طرب ۱ شیشہ سے سر و سبز جو ثبارِ نغمہ ہے  
ہم نشین مت کہہ کر ہم کو نہ ہزم عیشِ مست ۲ واں تو میرے نالے کو بھی اعتبارِ نغمہ ہے  
۱۔ رنگ سے مراد رنگ محض۔ نغمہ کو باعتبارِ روانی جو ثبار سے تشبیہ دی ہے  
اور شیشہ سے کو باعتبارِ سبزی جو ثبارِ نغمہ کا سر و سبز کہا ہے۔ رنگ محض سے  
نشد شاداب و سرور ہے۔ ساز موسیقی نشہ طرب سے مست ہے اور شیشہ سے  
رنگینی شراب سے نغمہ جو ثبار کا سر و سبز معلوم ہوتا ہے۔ نصف نے بہار  
اور شراب کی کیفیت دکھائی ہے۔

۲۔ اسے ہم نشین بھی یہ مت کہو کہ نالہ کشی اور آہ فریاد سے دوست کی  
محفلِ عیش میں کچھ پریشان نہ کرے کہ اس کی محفلِ عیش فضا میں جا کر میرا نالہ بھی نغمہ بن جاتا ہے  
جب میرا نالہ نغمہ بن گیا تو اس محفلِ عیش میں کیسے خل پڑ سکتا ہے نالہ کے نغمہ بننے سے  
دوسرا مغموم یہ بھی پیدا ہوتا کہ وہ میرے نالے میں کر سرور ہوتا ہے مضمون کو اس طرح بھی لیا جاسکتا ہے  
دردِ چشم بہ ترسی ہزم طرب سے دامنوا نغمہ بن جاتا ہے گر نالہ بھی میرا جائے ہے

۲۱۲

عرض ناز شوخی دندان برائے خندہ ۱ دعویٰ جمعیتِ احباب جاتے خندہ ہے  
ہے عدم میں غنچہ محو چیرستہ انجام گل ۲ یک جہاں نانو تا مل دقفلے خندہ ہے  
کلفتِ افسردگی کو عیش بے تابی حرام ۳ دردِ دندان بدل افسردگی کے خندہ ہے  
سوزِ باطن کے ہیں احباب منکر و نہیاں  
دل محیطِ گریہ و لب آشنائے خندہ ہے

۱- دانتوں کی شوخی ناز کا اظہار ہنسی کے لئے ہوا کرتا ہے، یعنی وہ ہنسی کے وقت اپنی شوخی اور چمک دکھاتے ہیں اور چونکہ دانت ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہوتے ہیں، اس لئے ان کو جمعیتِ احباب سے تشبیہ دی جاتی ہے کہتے ہیں بالکل اسی طرح سے احباب کا دعوئے جمعیت جائے خندہ ہے۔ کیونکہ یہ جمعیت بالکل عارضی ہے۔

بہت دیکھتے ہیں کہ جس طرح بڑھاپے میں دانت ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جاتے ہیں، اسی طرح دوستوں میں بھی جلدائی ہو جایا کرتی ہے۔

۲- عدم میں اس لئے کہ کھلنے کے بعد غنجہ معدوم اور گل پیدا ہو گیا۔ ایک جہاں زانو تامل یعنی بیحد فکر و تامل کے وقت انسان سرسزا تو ہو جاتا ہے۔ اس ترکیب سے مطلب فکر و تامل بیحد ہوا + در فغانے خندہ ... کھل جانے کے بعد۔

غنجہ جب کھل گیا تو معدوم ہو گیا اور گل آمو جو ہوا۔ اب عدم میں غنجہ مجو حیرت سے کہ میرا انجام بھی وہی ہوگا جو اور پھولوں کا ہوا ہے، اس لئے وہ کھل جانے کے بعد بہت زیادہ فکر و تردد میں ہے۔ (تمام متفق)

بہت دیکھنے ایک جہاں زانو تامل کی شرح میں اختلاف کیا ہے۔ لکھتے ہیں جس فکر و تامل میں غنجہ مبتلا ہے اس کی مقدار مہلت زانو بد لنے تک کی مدت ہے یعنی فکر و سوچ کے وقت انسان سرسزا تو ہو جاتا ہے اور تھوڑی دیر میں تھک جانے کے بعد زانو بدلتا ہے اور سر کو زانو پر سے اٹھا لیتا ہے گویا اتنی سی دیر میں پھول کو اپنا انجام نظر آ جاتا ہے اور وہ کھلا جاتا ہے یا جھڑ جاتا ہے۔

آسی: یعنی ہنوز عدم میں ہے ہستی میں نہیں ظاہر ہوا۔ مگر انجام گل

کی ہستی پر محو ہو رہا ہے اور وہ غنچہ سوچتا ہے کہ خندہ کے پیچھے بہت سا فکر پوشیدہ ہے۔ دوسرا مفہوم دہی لکھلے جو میں لکھ چکا ہوں۔

۳۔ کلفتِ افسردگی .. افسردگی کی تکلیف، مایوس محسوس۔ عیشِ بے تابی .. بے تابی کی راحت، وہ آرام جو بیتابی میں حاصل ہوتا ہے۔ دندانِ دردِ دل فشردن .. دل میں دانت گڑو گڑنا۔ بیتاب ہو کر دل کو چبا ڈالنا۔ گویا تکلیف برداشت کرنا۔

کلفتِ افسردگی کی حالت میں عیشِ بیتابی حرام ہے۔ اس لئے عالمِ فشرگی میں ہم بیتابی کے لطف حاصل نہیں کرتے، ورنہ ہم دل کو چبا ڈالیں اور اس ترکیب سے عیشِ بیتابی کے مزے اڑائیں۔ مطلب یہ ہوا کہ دل کو دانتوں سے زخمی کرنے سے زخم پیدا ہو جائیگا۔ زخم کے لئے خندہ لازم ہے اور خندہ لوازماتِ عیش میں سے ہے (طباطبائی، بخود، آسمی)۔

آسمی نے دوسرا مفہوم یہ لکھا ہے ہم افسردگی سے مجبور ہیں۔ جس کے مذہب میں عیشِ بیتابی حرام ہے، ورنہ اپنے دل کو زخمی کرتا اور خون چینا۔ یہ تو عین خوشی کی جگہ ہے اور اس پر فخر کرنا چاہئے (حسرت، سعید)۔

۴۔ اجاب سوزشِ باطن کے قابل نہیں ہیں، ورنہ میری حالت یہ ہے کہ دل پر گرہ یہ طاری ہے اور ہونٹوں پر مسکراہٹ اور ہنس ہے یعنی بظاہر میں خوش نظر آتا ہوں، لیکن میرا دل مبتلائے رنج ہے۔ آشنا کا لفظ محیط کے مناسبات میں سے ہے، آشنا پیراک کو کہتے ہیں۔

۲۱۳

حسن بے پردہ خریدارِ متاعِ جلوہ ہے ۱ آئینہ زانوئے فکرِ اختراعِ جلوہ ہے  
تا کجا اسے آگئی رنگِ تماشا باختن ۲ چشمِ داگردیدہ آغوشِ ودرعِ جلوہ ہے

۱- اگرچہ حسن بے پروا اور بے نیاز ہے لیکن پھر بھی وہ متاع جلوہ کا خواہاں ہے اور اس کی خواہش رکھتا ہے۔ چنانچہ اس خواہش کی وجہ سے آئینہ اس کا زانوئے فکر بن گیا ہے یعنی وہ ہر وقت آئینہ دیکھتا رہتا ہے تاکہ اُسے دیکھ دیکھ کر کوئی نئی ایجاد جلوہ میں کرے۔

۲- آگہی .. ہوشیاری + رنگ باخفق .. رنگ بدلنا + چشم ڈاگریدیڈ .. کھلی ہوئی آنکھ آغوش سے مشابہ ہے + تماشا .. جلوہ بظاہر۔  
اسے آگاہی تو کب تک جلوہ ظاہر کے تماشے میں مصروف و محو رہے گی۔  
کھلی ہوئی آنکھ یعنی چشم تماشا جو جلوہ ظاہر کو دیکھنے کے لئے حیرت سے کھلی ہوئی ہے۔ وہ جلوہ کے لئے آغوشِ ذراع ہے جو اس کو فرصت کے لئے دہائی ہے۔  
غرض مطلب یہ ہے کہ جلوہ عالم اس قدر بے ثبات و ناپائدار ہے کہ اس کے لئے چشم کشادہ ہی آغوشِ ذراع ہے۔

۲۱۴

جب تک دہانِ زخم نہ پیدا کرے کوئی ۱ مشکل کچھ سے راہ سخن واکرے کوئی  
عالمِ خیالِ وحشتِ مجنوں ہے سرسبز ۲ کب تک خیالِ طرہ بیٹے کرے کوئی  
افسردگی نہیں طربِ افشکِ التفات ۳ ہاں دروین کے دل میں مگر جاگے کوئی  
روئے سے اسے ندیمِ علامت نہ کر مجھے ۴ آخر کبھی تو عقدہٴ دل واکرے کوئی  
چاکِ جگر سے جب وہ سرسبز ہوئی ۵ کیا فائدہ کہ جب کورسوا کرے کوئی  
نوبتِ جگر سے ہے رگِ ہر خار تلخ نکل ۶ تا چند باغبانیِ ضمیرا کرے کوئی  
ناکامیِ نگاہ ہے برقیِ نظارہ سوز ۷ تو وہ نہیں کہ تنجھ کو تماشا کرے کوئی  
برسنگِ وحشت ہے صدفِ گوشت ۸ نقصان نہیں جنوں سے جو سودا کرے کوئی  
سرور ہوئی نہ وعدہٴ صبرِ آزما سے عمر ۹ فرصت کہاں کہ تیری تما کرے کوئی

ہے وحشتِ طبیعت (سجاد یاس خیز ۱۰) یہ درد وہ نہیں کہ نہ پیدا کرے کوئی  
 بیکاری جنوں کو ہے سر پیٹنے کا شغل ۱۱ جب ہاتھ ٹوٹ جائیں تو پھر کیا کرے کوئی  
 حسنِ فروغِ شمعِ سخن دور ہے اس  
 پہلے دل گداختہ پیدا کرے کوئی

۱۔ حالی: صوفیا کی اصطلاح میں محاورت اور مسافرت (یعنی عہد و  
 معبود کے درمیان گفتگو مونی) کے دو مرتبے ہیں، جو کالمین اور عرفا کو حاصل  
 ہوتے ہیں۔ کتنا ہے کہ شاید حقیقی کے ساتھ اس معمولی لب و دہن سے  
 بات چیت نہیں ہو سکتی۔ بلکہ اس کے لئے وہاں زخم پیدا کرنا چاہئے یعنی  
 جب تک دل تیغِ عشق سے مجروح نہ ہو، یہ مرتبہ حاصل نہیں ہوتا۔

۲۔ تمام عالم وحشتِ مجنوں کا غبار ہے، کب تک اسے کوئی طرہ یابی  
 سمجھتا رہے۔ مطلب یہ ہے کہ تمام عالم ایک دھوکہ ہے، اس لئے کوئی کب تک  
 اس کو طرہ یابی کی طرح خیال کرے گا۔ طرہ زینت و آرائش کی چیز ہے اور عشق  
 کو مرغوب ہے۔ وحشتِ مجنوں اور طرہ یابی میں تناسب ہے۔

مستی نے اس کے علاوہ دو معنی اور لکھے ہیں۔ لیکن زبردستی کے ہیں  
 ملاحظہ ہوں۔ (۱) دنیا میں غبارِ وحشتِ مجنوں اُڑ رہا ہے۔ آخر کتنے کوئی کب  
 تک نہ دیکھے اور یابی کا کوئی کہاں تک خیال کرے یعنی متبادلِ حسنِ یابی کے  
 عشقِ مجنوں زیادہ قابلِ دید ہے (۲) مجنوں کی اس درجہ پریشانی اور وحشت  
 پر نگاہ نہ ڈالنا اور اس غبار سے اکودگی طرہ یابی کا لحاظ کرنا ظلم ہے۔

۳۔ طربِ افشائے التفات .. التفاتِ معشوق کی خوشی پیدا  
 کرنے والی + افسردگی .. غمزدگی۔

افسردگی سے التفاتِ معشوق کی خوشی حاصل نہیں ہو سکتی۔ ہاں اگر

کوئی سرا یا درون جائے تو ممکن ہے کہ معشوق کے دل میں جگہ پیدا ہو سکے۔  
(حسرت - تنجید - تنجود)

طباطبائی (۱) میری تنگدلی ایسی نہیں کہ التفات کر کے خوش ہو۔ یعنی کسی کے التفات کرنے سے میری گرتگی خاطر رفع نہیں ہوتی۔ ہاں دردِ دل میں کوئی جگہ پیدا کرے تو کرے غرض کہ تنگدلی کی یہ حالت ہے کہ درد کے سوا کسی کی گنجائش نہیں ہے (۲) میرے ہم خیال۔

آسی نے تیسری شرح یہ بھی لکھی ہے۔ افسردگی سے التفات معشوق کو خوشی نہیں ہو سکتی۔ البتہ کوئی سرا یا درون جلتے تو اس کے التفات کو خوش کر سکتا ہے۔ طباطبائی اور آسی کا خیال ہے کہ مصنف نے یقیناً طرب انشائی کہا ہے۔ کیونکہ طرب اور اخشا دونوں لفظ عربی ہیں اور ترکیب فارسی ہے۔ غالب سے یہ غلطی ممکن نہیں۔

۴۔ اے نعیم (ہم نشین) رونے مجھے سلامت ذکر کیونکہ آخریت تک کوئی اپنے دل کی بھڑاس نہ نکالے اور متقبض خاطر بیٹھا رہے۔

۵۔ ہم نے اس خیال سے اپنا جگر چاک کیا کہ وہ ہمارے حال کی پریش کریں۔ مگر جب چاک جگر سے یہ بات حاصل نہ ہوئی تو اب گریبان چاک کرنے سے کیا فائدہ ہے۔ سوائے اس کے ہم گریبان چاک کرنے کے رسوائی گریبان کے موجب بنیں۔ گویا یہ کسوائیں کہ گریبان چاک ہونے کا بھی کوئی اثر نہ ہوتا (مستعجب)

آسی، سخود اور طباطبائی نے یہ مضمون لیا ہے کہ گریبان پھاڑ کر اپنے آپ کو رسوا اور بدنام کرنے سے کیا فائدہ۔

۶۔ میرے جگر کے ٹکڑے صحرائے ہر فار میں بندھے پڑے ہیں۔ ان



کی رنگینی نے ہر خارِ شاخ گل بن گیا ہے اور ہر خارِ صحرا چمن کا منظر پیش کرتا ہے۔  
ظاہر ہے کہ لختِ جگر عاشق کے بکثرت خون رونے اور صحرا دوری کرنے سے  
ہر خار پر چپکے ہیں اس لئے کہتا ہے کہ کب تک کوئی صحرا کی باغبانی کرے۔  
یاد ہے باغبان کے فرائض میں آبیاری کرنا اور پھول لگانا شامل ہے (سجید  
آسی۔ حسرت)

طبا طبائی اور بخود : اب صحرا کی بہار میں کیا بات باقی رہی ہے جو  
کوئی باغبانی کیا کرے۔

۷۔ قودہ ذات ہے جسے کوئی دیکھ نہیں سکتا، کیونکہ نگاہ کی ناکامی  
برقِ نظارہ سوز ہے، مطلب یہ ہے اگر کوئی تیرا جلوہ دیکھنے کی کوشش کرتا  
ہے تو ناکامی نگاہ برق ہی کر گرتی ہے اور قوتِ دید کو سلب کر دیتی ہے۔ یہ  
مضمون مصنف نے مختلف پیراؤں سے باندھا ہے۔

نظارہ نے بھی کام کیا وہاں نقاب کا مستی سے ہر نگاہ توے رخ پر بھڑائی  
جب وہ جمالِ دلفروزِ صودتِ حرمِ مریوز آپ ہی ہونظارہ سود پرچہ میں منہ چھپے کیوں  
۸۔ سنگ و خشت .. رینٹ پتھر + صدف .. سیپی + شکست  
سے مراد ضربِ سنگ۔

اگر کوئی شخص جنون سے سودا کرے تو اس سودے میں اُسے کچھ  
فقدان نہیں ہوگا، کیونکہ ہر سنگ و خشت جو لڑکے دیوالے کو مارتے ہیں  
وہ ایک صدف ہے، جس میں سے گوہرِ شکست حاصل ہوتا ہے ظاہر  
ہے وہ سودا جس میں موتی حاصل ہوں فائدہ سے خالی نہیں۔

۹۔ تیرا وعدہ بڑا صبر آزما ہے۔ میری ساری عمر ایفائے عہد کی  
امید میں بسر ہو گئی۔ مگر پھر بھی تیرا وعدہ پورا نہ ہوا۔ گویا ہم انتظار ہی میں

مر گئے اور تیری تنہا کرنے کا وقت ہی نہ آنے پایا۔ پھر تیری تنہا کس وقت کی جاتی۔

۱۔ طباطبائی: معنی آفرینی اور اخلاقی مضامین و ایجاد و اختراع لطیف  
ایسا وحشی فن ہے جس سے یاس پیدا ہوتی ہے۔ پھر بھی سب اس مرض میں مبتلا ہیں۔ ایجاد کے مناسبات سے ”پیدا کرنا“ اور درد کو پیدا کرنا جس کے لئے پیدا ہونے والی نہیں، لطف سے خالی نہیں (بیخود)

حسرت: ایجاد کی طبیعت میں جو وحشت ہے وہ یاس خیر ہے یعنی ہم وحشی لوگ یاس کو ایجاد کیا کرتے ہیں اور اس طرح پر گویا یاس ہونے لگتا ہے۔

سعیہ: دردِ عشق وہ درد نہیں جس کو کوئی پیدا کر سکے۔ اس میں کسی کوشش اور اختراع و ایجاد کا نتیجہ ہمیشہ یاس کن ہوتا ہے۔ مرنا پہلے لکھ چکے ہیں۔

عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتشِ غالب کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بنے آتشی: ایجاد سے مراد غالباً عالمِ ایجاد ہے۔ اس صورت میں یہ یعنی پیدا ہوتے ہیں کہ عالمِ ایجاد کی طبیعت ہی میں وحشت ہے اور یہ وحشت یاس خیر اور یاس کن، بلکہ یہ یاس ایک درد ہے جو ہر ساکن عالمِ ایجاد کے دل میں پیدا ہونا ضروری ہے۔

سہما: اس عالمِ ایجاد کی طبیعت میں یا ممکنات کے خاصہ میں سخت بیگانگی ہے اور اس سے توقع رکھنی عبث ہے اور یہ وحشت و بیگانگی ایسا درد نہیں جو کوئی پیدا نہ کرے۔

۱۱۔ مجنوں کا کام یہ ہے کہ اپنے لباس کو پھاڑے جب جسم پر لباس

نہ رہا تو دیوانہ بیکار ہو گیا، کہتے ہیں لباس بھارنے کے بعد بیکاری جنوں کا کام ہے کہ وہ اپنے سر کو پیٹے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ جب سر کو پیٹتے پیٹتے ہاتھ ٹوٹ جائیں تو پھر دیوانہ کیا کرے۔ کیونکہ جنوں میں بیکاری بیٹھا نہیں جاتا۔  
۲۔ فروغِ سخن بہت مشکل ہے۔ یہ خصوصیت پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے کوئی دل گداختہ پیدا کرے۔ مطلب یہ ہے کہ بغیر دل درد مند کے فروغِ سخن ممکن نہیں۔

## ۲۱۵

ابن مریم ہوا کرے کوئی ۱ میرے دکھ کی دوا کرے کوئی  
شرع و اکثین پر مدار سی ۲ ایسے قائل کا کیا کرے کوئی  
چال جیسے کڑی کمان کا تیر ۳ دل میں ایسے کے جا کرے کوئی  
بات پر دواں زبان کشتی ہے ۴ وہ کہیں اور سنا کرے کوئی  
بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ ۵ کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی  
نہ سُنو گھر بُرا کسے کوئی ۶ نہ کہو گھر بُرا کرے کوئی  
روک لو، گر غلط چلے کوئی ۷ بخش دو گر خطا کرے کوئی  
کون ہے جو نہیں ہے حاجت مند ۸ کس کی حاجت روا کرے کوئی  
کیا کیا خضر نے سکندر سے ۹ اب کسے رہنما کرے کوئی

جب توجہ ہی اٹھ گئی غالب

کیوں کسی کا گلہ کرے کوئی

۱۔ ابن مریم یعنی حضرت عیسیٰ، جن کا معجزہ مردوں کو زندہ اور بیماروں کے دکھ دور کرتا تھا۔ فرماتے ہیں۔ اگر کوئی عیسیٰ ہے تو ہوا کرے۔ میں تو جب جانوں کہ کوئی میرے دکھ دور کرے (شاید بیماریِ عشق کو حضرت عیسیٰ

بھی اچھا نہ کر سکتے ہوں۔ کیونکہ یہ کوئی مرض نہیں بلکہ ایک قسم کا وہم ہے۔

۲۔ مشرع و آئین .. قانون دین و دنیا۔

میں نے مانا کہ دنیا کا مدار قانون پر ہے اور قاتل کو قتل کی سزا دی جاتی ہے۔ لیکن کوئی ایسے قاتل کو کیا سزا دے سکتا ہے جو بغیر تلوار کے قتل کر ڈالتا ہے۔

حسرت نے دوسرا مفہوم یہ لکھا ہے کہ جس پر یہ سبب عزاکتِ حق کوئی حد شرعی کا جاری کرنا گوارا نہ کرتا ہو۔ انھو

۳۔ کڑی کمان یعنی سخت کمان، جس قدر کمان سخت ہوتی ہے، اُسی قدر تیر میں بھی زیادہ زور ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں اس کی چال ایسی ہے، جیسے کڑی کمان کا تیر ہوتا ہے یعنی بے محابا اس کی خوش خرامی تیر کی طرح سینے کے پار ہوتی ہے، ایسے کے دل میں کوئی جگہ پیدا کرے تو بات ہے مطلب یہ ہے کہ ایسے کے دل میں کوئی جگہ پیدا کرنی بہت مشکل ہے۔

۴۔ اگر ان کے سامنے ذرا بھی بات کی جائے تو وہ زبان کاٹ ڈالتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ ان کے دل میں آئے، وہ کہے جائیں اور ہم خاموش بیٹھے سنا کریں۔

۵۔ خدا جانے جوش و خشت میں میں کیا کیا باک رہا ہوں، خدا کرے کوئی میری باتوں کو نہ سمجھے مطلب یہ ہے کہ رازِ عشق فاش نہ ہو جاتے۔

۶۔ اگر تمہیں کوئی بُرا لکے تو سنی اُن سنی کر دو اور اگر کوئی بُرا کرے تو چشم پوشی کر۔ یعنی غیب چینی نہ کرو۔ قوتِ برداشت پیدا کرو۔

۷۔ اگر کوئی غلط راستے پر چلے تو اُس کو روک دو، اور اگر کوئی خطا کرے

تو اُس کو فراخ دلی سے معاف کر دو۔

۸۔ دنیا میں کون شخص ہے جو حاجت مند نہیں ہے، کوئی کس کس کی حاجت روا کرے۔ اگر کوئی تمہاری حاجت روا نہ کرے تو شکایت زبان پر نہ لاؤ، کیونکہ ہر شخص کی اپنی اپنی ضرورتیں ہیں۔

۹۔ حضرت امہانی گرنے ہوئے سکندر کو چشمہ آبِ حیات پر لے گئے تھے لیکن سکندر نے یہ دیکھ کر کہ چشمہ آبِ حیات کے گرد بہت سے ٹوٹے پڑے ہوئے سسک رہے ہیں، آبِ حیات نہ پیا اور یونہی واپس آگیا۔ کہتے ہیں دیکھ لو سکندر کے ساتھ حضرت نے کیا کیا، رہنما بنا اور پھر بھی آبِ حیات نصیب نہ ہوا۔ حضرت خضر سے بڑھ کر دہہ کون ہو سکتا ہے۔ (اسی حالت میں اب کوئی کس کو رہنما بنائے۔

۱۰۔ جب کوئی توقع ہی نہیں رہی تو پھر کس بڑے پر کسی کا گلہ شکوہ کیا جائے۔ گلہ کرنے کا اس وقت فائدہ ہو سکتا ہے، جب مطلب برائی کی امید ہو۔ ظاہر ہے جب توقعات منقطع ہو جائیں تو گلہ کرنے سے نفرت اور دشمنی بڑھتی ہے۔

۲۱۶

بہت سے غم گیتی شراب کم کیا ہے ۱ غلام ساقی کو ترہوں مجھ کو غم کیا ہے  
تمہاری طرزیوں جانتے ہیں ہم کیا ہے ۲ رقیب ہے اگر لطف تو قسم کیا ہے  
سخن میں خامہ غالب کی آتش افشانی  
یقین ہے ہم کو بھی لیکن اب اس میں دم کیا ہے  
۱۔ غم گیتی .. غم دنیا + ساقی کو تر .. حضرت علیؑ  
میں نے مانا غم دنیا بہت زیادہ ہے، لیکن کیا ہوا غم کو دور کرنے

کے لئے میوے یا سبزیاں بھی تو بہت ہے۔ شراب بہت اس لئے ہے کہ  
میں ساقی کو شرکاء غلام ہوں وہ کبھی مجھ کو تشنہ نہ رہنے دیں گے۔

سجید: رہی اس شراب پیسنے کے گناہ کی سزا سو اس کی بھی ہم کو فکر نہیں  
کیونکہ میں ساقی کو شرکاء غلام ہوں وہ اپنے غلام کی شفاعت خود کریں گے۔

۲۔ ہم تمہاری طرز و روش کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ وہ کیا ہے کہنے کو  
تو مجھ پر ظلم و ستم نہیں کرتے لیکن رقیب پر جو تمہارا لطف و کرم ہے، وہی میرے  
لئے ستم ہے اور ستم کو کہتے ہیں (حسرت۔ طباطبائی: ۱۰۲)

آسی: تم کسی پر مہربان بھی ہوتے ہو تو ظلم کرنے کے لئے ہوتے ہو۔  
لہذا اگر رقیب پر مہربان ہو تو کیا ستم ہے، وہی اُس پر ظلم کرتے ہو گے۔

سجید: تمہارا جو ہمارے ساتھ برتاؤ ہے ہم اُس کو خوب جانتے ہیں  
یعنی بُرا ہے پس جب تم رقیب پر مہربانی کرتے ہو تو ہماری شکایت جث ہے۔

۳۔ ہم شاعری میں قلم غالب کی آتش افشانی کا یقین رکھتے ہیں، لیکن اب  
اس میں دم ہی کہاں باقی رہا ہے۔

۲۱۶

بارغیا کر خفغانی یہ ڈراتا ہے مجھے ۱ سایہ شاخ گل افغی نظر آتا ہے مجھے  
جو ہر تیغ بہ سرچشمہ دیگر معلوم ۲ ہوں وہ میں ہمسزہ کہ نہ ہر آپ اُگلنے مجھے  
دعا محو تماشائے شکستِ دل ہے ۳ آئینہ فلنے میں کوئی لئے جالتا ہے مجھے  
نالہ سرمایہ یک عالم و عالم کفرِ خاک ۴ آسماں بیغیرِ قمری نظر آتا ہے مجھے  
زندگی میں تو وہ محفل سے اُٹھاتے تھے ۵ دیکھوں اب مر گئے ہر کون اُٹھاتا ہے مجھے  
۱۔ خفغان میں ڈر مت لگا کرتا ہے اور خفغانی ہر وقت تو بہات سے  
مغلوب رہتا ہے۔ کہتے ہیں، 'بلوغ نے مجھ کو خفغانی کھ لیا ہے' اس لئے وہ مجھے

ہر وقت ڈاندار ہوتا ہے۔ اس کی ہر شاخ گل کا سایہ خفائی ہونے کی وجہ سے مجھے اتنی معلوم دیتا ہے اور میں سمجھا جاتا ہوں۔

۲۔ جو ہر تیغ سبزی مائل ہوتا ہے اور وہ تلوار کو زہر آب میں بکھانے سے نمودار ہوتا ہے۔ کہتے ہیں جس طرح سبزہ جو ہر تیغ سوائے زہر آب کے کسی دوسرے سرچشمہ پر نہیں اگتا۔ اسی طرح میں وہ سبزہ ہوں کہ مجھے بھی زہر آب (غم) ہی اگانا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میری سرشت غم و غصہ سے ہے۔

۳۔ مدعا حاصل نہ ہونے سے میرا دل ٹوٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ چونکہ میرا دل آئینہ تھا، اس لئے ٹوٹ جانے سے آئینوں کے بہت ٹکڑے ہو گئے۔ اب ان آئینوں میں مدعا شکستِ دل کا تماشا دیکھنے میں محو ہے۔ چونکہ ان ٹکڑوں میں ہر طرف شکستِ دل کا تماشا نظر آ رہا ہے۔ اس لئے ایسا معلوم ہوتا ہے جس طرح کوئی مجھے آئینہ خانہ میں لے جاتا ہے (تمام متفق) اسی نے ایک مضمون یہ بھی تراشا ہے۔ کوئی مجھے آئینہ خانہ میں لے جاتا ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ وہاں میرا دل ٹوٹے اور میں اپنے ٹوٹے ہوئے دل کے تماشے میں محو ہوں اور میرا دل ٹوٹنا اس پر منحصر ہے کہ میں حیران ہوں گا اور اس سے میرا دل ٹوٹے گا۔

۴۔ میں نالہ کو سراپا، دُنیا اور دُنیا کو ایک مسقی بھر خاک سمجھتا ہوں اور میری نظروں میں آسمان ایک بیضہ قمری ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دُنیا میری نظروں میں بیک ہے۔ کیونکہ اس کا حامل سوائے مَنج و مَحَن کے اور کچھ نہیں۔ آسمان اور بیضہ قمری میں بلحاظ رنگ مشابہت ہے۔

طہا اطلہائی؛ آسمان پر بیضہ قمری کی پھبتی کہی ہے کہ جس میں کفِ خاک کے

سوا کچھ نہیں اور اس مٹی بھر خاک کی قسمت میں عمر بھر کی نالہ کشی لکھی ہے، اور بیضہ قمری اس لئے کہا کہ قمری نالہ کشی کے لئے پیدا ہوئی ہے۔ چونکہ قمری کا رنگ خاکی ہوتا ہے اس لئے بھی آسمان کو بیضہ قمری قرار دینا خالی از لطف نہیں۔  
 ۵۔ حالی: ”کون اٹھاتا ہے مجھے“ اس کے دو معنی ہیں۔ ایک تو یہ کہ زندگی میں تو مجھے محفل سے اٹھا دیتے تھے، اب مرنے کے بعد دیکھوں مجھے وہاں سے کون اٹھاتا ہے اور دوسرے معنی یہ ہیں کہ محفل سے تو اٹھا دیتے تھے۔ دیکھوں اب میرا جنازہ کون اٹھاتا ہے۔

۲۱۸

روندی ہوئی ہے کوکبہ شہریار کی ۱۔ اترائے کیوں نہ خاک سر پہ گزار کی جب اُس کے دیکھنے کے لئے آئیں بادشاہ ۲۔ لوگوں میں کیوں نمود نہ ہو لالہ زار کی بھوکے نہیں ہیں سیرِ گلستاں کے ہم ولے ۳۔ کیونکہ نہ کھائیے کہ ہوا ہے بہار کی ۱۔ کوکبہ شہریار یعنی وہ سوار جو بادشاہ کی اردل میں رہیں کہتے ہیں راستے کی خاک بھلا کیوں نہ اترائے، اس کا اترانا بجا ہے کیونکہ بادشاہ کے سپاہی اس کو روندتے ہوئے گزرے ہیں۔ بقیل آتھی جب بادشاہ کے اردلیوں کے رونڈنے سے خاک کو یہ فخر ہے، تو زبہ نصیب اس کے جس پر بادشاہ چروان ہو۔  
 ۲۔ نمود یعنی شہرت۔ جس لالہ زار کو دیکھنے کے لئے بادشاہ خود تشریف لائیں تو بھلا کیسے ہو سکتا ہے کہ اس لالہ زار کی لوگوں میں شہرت اور مقبولیت نہ ہو۔

۳۔ ہم سیرِ گلستاں کے بھوکے نہیں ہیں، مگر ہوائے بہار میں ایسی کشش ہے کہ وہ خود بہ خود ہمارا دل اپنی طرف کھینچ لیتی ہے، اس لئے ہم اس سے کیوں نہ خط حاصل کریں۔



- ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پر دم نکلے ۱ بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے  
 ڈسے کیوں میرا قاتل کیا رہیگا اسکی گردن پر ۲ وہ نکلے جو چشم تر سے عمر بھر پوں دم بدم نکلے  
 نکلنا غلہ سے آدم کا سنتے تھے میں لیکن ۳ بہت بے ابرو ہو کر ترے کوچے سے ہم نکلے  
 بھرم کھل جائے ظالم تیرے قامت کی لڑائی ۴ اگر اس طرہ پر پہنچ و خم کا پہنچ و خم نکلے  
 مگر لکھوائے کوئی اُس کو خط تو ہم سے لکھوائے ۵ ہوتی صبح اور شہرے کاں پر دکھ کر قلم نکلے  
 ہوئی اس نور میں منسوب مجھ سے بادہ آسما ۶ پھر آیا وہ زمانہ جو جہاں میں جامِ حم نکلے  
 ہوئی جن سے توقع خشکی کی داد پانے کی ۷ وہ ہم سے بھی زیادہ کشتہ تیغ ستم نکلے  
 محبت میں نہیں ہے فرق جیسا دھرنے کا ۸ اُسی کو دیکھ کر جینے میں جس کا فر پدم نکلے  
 کہاں سخن کا دوا نہ غالب او کہاں اعظ ۹ پر اتنا جلتے ہیں گل بہ جانا تھا کہ نکلے  
 ۱۔ حالیؔ خواہش پر دم نکلنا۔ اس کے پھرے ہوئے کے لئے جلدی کرنا  
 چنانچہ کہتے ہیں۔ کیوں دم نکلا جاتا ہے یا کیوں مرے جاتے ہو یعنی کیوں جلدی کرتے  
 ہو۔ پہلے مصرعہ میں مقتضائے مقام یہ الفاظ کہ ”دل میں باقی ہیں“ مفرد رہانے جیئیں  
 یعنی ہمارے دل میں ہزاروں ایسی خواہشیں باقی ہیں کہ جن میں سے ہر خواہش کے لئے ہم  
 مرے جلتے ہیں ہمارے ارمان بہت نکل چکے ہیں لیکن پھر بھی باقی ہیں۔  
 ۲۔ میرا قاتل اس بات سے ڈرتا ہے کہ اگر میں اس کو قتل کر دوں گا تو اس کا  
 خون میری گردن پر دم بیگا۔ اس کا اس بات سے ڈرنا بیکار ہے کیونکہ وہ خون جو  
 چشم تر سے عمر بھر بہتا رہا اور کبھی نہ سٹھا، وہ اس کی گردن پر کیا ٹھہر گیا یعنی  
 جسم میں نہیں رہتا تو گردن پر کیا رہے گا۔  
 ۳۔ کوچہ یا رکوس غریبی سے بہشت کہا ہے۔ ہمیشہ سے سنتے آئے ہیں کہ  
 حضرت آدم بہشت سے نکالے گئے تھے، لیکن جس بے پردگی کے ساتھ

ہم تیرے کوچہ سے نکلے ہیں وہ اس طرح نہ نکلے ہوں گے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم ان سے زیادہ بے آبرو اور بے عزت کئے گئے ہیں۔

۴۔ بھرم یعنی حقیقت اور اصلیت۔ تیرے قامت کی دھاری کی لوگ بہت تعریف کرتے ہیں، لیکن یہ تعریفیں اسی وقت تک ہیں جب تک تیری زلفیں پٹی ہوئی ہیں جس وقت ای کچھ پیچ و خم نکلیں گے تو قامت کی دھاری کی حقیقت کھل جائیگی۔ مطلب یہ ہے کہ تیری زلفیں تیرے قدم سے بھی زیادہ دھاری ہیں۔

۵۔ عاشق کو شبہ یہ ہے کہ تمام شہر والوں کی میرے معشوق سے خط کتابت ہے۔ اس لئے یہ معلوم کرنے کے لئے کہ کون کون ان سے خط کتابت کرتا ہے اور اسے کیا کیا لکھواتا ہے۔ اس نے خط نویسی کا پیشہ اختیار کیا ہے۔ صبح ہوتے ہی کلاں پر قائم ہو کر گھر سے نکل جاتا ہے اور گلی کوچوں میں پھرتا ہے کہ لوگ منشی سمجھ کر اسے بلا لیں اور خط لکھوائیں۔ اسی لکھنے میں کہ ہم اس کا نام لکھنے کے عاشق ہیں اس لئے ہم نے یہ ترتیب نکالی ہے۔ لیکن یہ معنی کچھ لطف نہیں دیتے۔

۶۔ بادہ آشامی یعنی شراب نوشی جیشیدے مشہور تھی۔ گویا پھر وہ نہانہ آگیا ہے کہ جام جم نکلے اور اس کو میرے نام سے شہرت ہو۔ کیونکہ جیشیدے تو رہا نہیں اب میں جام جیشید کا حریف ہوں۔ جام جم کے متعلق مشہور ہے کہ جیشیدے نے ایجاد کیا تھا۔ اس میں تمام عالم کی سیر ہوئی تھی وہ اس میں شراب بھر کر پیا کرتا تھا۔ نیز شراب کو بھی جیشید کی ایجاد کہا جاتا ہے۔

۷۔ جن لوگوں سے ہمیں امید تھی کہ وہ ہماری خستگی اور درد مندی کی دوا دینگے وجہ ہم نے رہنا درد ان کے سامنے بیان کیا تو انہوں نے اپنی درد بھری

داستان سنائی جس سے معلوم ہوا کہ وہ ہم سے بھی زیادہ خلک زدہ اور ستم رسیدہ ہیں ع  
نختہ را خستہ گند سیدار

آستی نے دوسرا مفہوم یہ لکھا ہے اور اس کو ہمارے مفہوم پر ترجیح دی  
ہے کہتے ہیں ہم نے جس کسی سے غشگی کی داد ملنے کی توقع کی جس کے سامنے  
اس بات کا اظہار فخر یہ کرنا چاہا کہ ہم نے اتنے ستم سے ہیں وہ لوگ ہم سے  
بھی زیادہ تیغ ستم یار کے دل خستہ تھے۔

۸۔ محبت میں مرنے اور جینے کا امتیاز اٹھ گیا۔ کیونکہ جسے دیکھ کر جیتے ہیں  
اسی کا فریہ مرتے ہیں۔ بقول پنچود حاصل زمین یہی شعر ہے۔

۹۔ شراب ایسی چیز ہے کہ اسے دھڑل بھی چھپ چھپ کر پیٹے ہیں۔  
کہتے ہیں۔ کہاں سے خاند کا دواؤں اور کہاں حضرت دھڑل کی بات ہے  
کہ ہم میخانہ سے شراب پی کر نکل رہے تھے کہ حضرت دھڑل داخل ہوئے گویا  
ہم نے انہیں میخانے میں جلتے ہوئے دیکھ لیا۔

۲۲۰

کوہ کے ہوں بارِ خاطر گر صدا ہو جائیے ۱ بے تکلف لے شرارت جتہ کیا ہو جائیے  
بیضہ آسانگ بال بھر ہے یہ کینچ نقس ۲ از سر نو زندگی ہو کہ رہا ہو جائیے  
۱۔ شرار سے پوچھتے ہیں کہ اگر ہم صدا بن جائیں تو پہاڑ کے لئے بارِ خاطر  
ہوں کیونکہ جو آواز پہاڑوں سے ٹکراتی ہے وہ گونج بن کر واپس آجاتی ہے اور اس  
بات کو ظاہر کرتی ہے کہ وہ پہاڑ پر بارِ خاطر تھی اس لئے پہاڑ نے اسے واپس لوٹا دیا۔  
کہتے ہیں۔ اسے شرارت جتہ پھر آخر ہم کو کیا ہونا چاہئے۔ بقول خستہ اسی انداز سوال  
سے یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ میں بھی شرار کی مانند بے تکلف ہم بھر میں مل کر فنا  
ہو جانا چاہتا ہوں (سید و حسرت)

طباطبائی، شراب کی از خود خلی اور بے تکلفی کو دیکھ کر کہتے ہیں کہ تیری طرح بھلا ہم کیسا بے تکلف ہو جائیں اور کیوں کر ضبط کو تنہا سے دیں۔ یہاں تو حال یہ ہے کہ اگر صدا کی طرح سبک و لطیف بن کر تڑپیں تو بھی کوہ ایسے سنگین و بڑبڑکیں جسم کے بارِ خاطر ہو جائیں۔ غرض یہ کہ جلد تک ہوس کے ضبط کرنا اور پھونک پھونک کر قدم رکھنا چاہئے۔ وجہ مناسبت اس شعر میں یہ ہے کہ شراب پتھر سے نکلتا ہے۔ اور صدا پہاڑ سے نکل کر پلٹ آتی ہے یعنی اس کی بارِ خاطر ہوتی ہے اور اسی سبب سے وہ اسے یاد کرتا ہے (آستی۔ دیخود)

۲۔ میرا کچھ نفس بیضہ کی طرح ہے جو بال دپر کے لئے باعث ننگ کا ہے۔ اگر نفس اس کچھ نفس سے آزاد ہو جائیں تو سمجھیں گا مجھے از سر نو زندگی حاصل ہوئی۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح اندھے سے بچہ نکلنے کے بعد نئی زندگی شروع کرتا ہے اسی طرح نفس سے آزاد ہونے کے بعد نئی زندگی شروع ہوگی بقول طباطبائی اگر فلک سے بیضہ فلک مولا لیں تو عالم ارواح میں نئی زندگی شروع ہوگی

۲۲۱

مستی بدوق غفلت ساقی ہلاک ہے ۱۔ موج شراب یک مژہ خوابناک ہے  
جوز خمر تیغ ناز نہیں دل میں آرزو ۲۔ جیب خیال بھی تو بے ہاتھوں سے چاٹے  
جوش جنوں سے کچھ نظر آتا نہیں اسد ۳۔ صحرا ہماہی آنکھ میں الٹ شت خاک ہے  
۱۔ ساقی کی اداسے غفلت پرستی شراب تک ہلاک ہے۔ شراب اس کی  
غفلت کے ذوق میں ایسی بخود ہوتی ہے کہ موج شراب چشم ساغر کی مژہ خواب آلود  
معلوم ہوتی ہے۔

بقول حسرت موج شراب کو چشم ساغر کی مژہ قرار دیا اور اس کی خوابناکی کا یہ سبب بتایا کہ مستی شراب کو بھی ساقی کی اداسے تغافل نے مست و بخود

بنارکھ ہے۔

۲۔ میرے دل میں سوائے زخم تیغ ناز کے اور کوئی آرزو نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حبیب خیال بھی تیرے ہاتھوں سے چاک ہے۔ یہ بھی اُسے پتہ چلتا ہے گریبان پہلے سے چاک تھا۔

طبا طبائی، حبیب خیال سے دل مراد ہے اور حبیب دل میں زخم تیغ ناز ہوا تو حبیب خیال چاک ہوئی۔ پھر اس میں آرزو کیونکر رہ سکے۔

۳۔ جوش جنوں نے وسعتِ نظر کو بڑھا دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں ہر چیز بے حقیقت معلوم ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ صحرا باد جو اپنی پہنائی کے ہماری نظروں میں ایک مشت خاک سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا (آستی، سجدہ) طبا طبائی۔ بخود: صحرا کو دیکھ کر ایسا جوش جنوں پیدا ہوا ہے کہ اب سر جھٹا نہیں۔ گویا صحرا میری آنکھوں کے لئے مٹی بھر خاک بنتی اور جس آنکھ میں خاک جھونک دی جائے اُسے کیا سوچھے گا۔

۲۲۲

لب عیسیٰ کی جنبش کرتی ہے گوارہ عینائی ۱ قیامت کشتہ لعلِ بتاں کا خواب پس ہے  
۱۔ لب عیسیٰ میں یہ تاثیر تھی کہ وہ مردوں کو زندہ کر دیتے تھے۔ کہتے ہیں کشتہ لب لعلِ بتاں پر عیسے کا یہ جادو نہیں چلتا، بلکہ لب عیسیٰ کی جنبش ان کشتگان کے حق میں لوری کا کام دیتی ہے۔ جس طرح کوئی بچے کو سلانے کے لئے پنگھوڑے کو جنبش دیتا ہے اور اس جنبش سے زندہ اور زیادہ گہری ہو جاتی ہے۔ یہاں یہی حال جنبش لب عیسیٰ کا ہے۔ اس سے ثابت تھا کہ کشتگان لبِ لعلیں کی نعمتِ قیامت کی گہری نیند نہیں ہے۔ بلکہ لب عیسیٰ کی جنبش سے وہ اور بھی زیادہ گہری ہو جاتی ہے۔

۲۲۳

آخر میرا ب طرفان صدائے آب ہے ۱ نقش پاؤں کان میں رکھتا ہے انگلی جاوہ  
 بزمِ مے و حشت کدہ ہے کس کی چشم مست کا ۲ شیشے میں نبض پری پنہاں ہے موجِ بادہ  
 ۱۔ نقش پاؤں صورت کان سے اور جاوہ کی انگلی سے مشابہت ہے کہتے  
 ہیں طوفانِ آب کی آواز آرہی ہے۔ اسے سن کر نقشِ پائے اپنے کان میں جاوہ  
 کی انگلی رکھ لی ہے تاکہ طوفانِ آب کی آواز سے وہ خوفزدہ نہ ہو۔ خوف پیدا ہونے کا  
 سبب یہ ہے کہ طوفانِ آبیگنا تو نقشِ مٹ جائیگا۔  
 طباطبائی نے اس شعر کو بے معنی لکھا ہے۔

۲۔ بادہ کو نبضِ مری سے مشابہت دی ہے، پھر اس کی وحشت کو ظاہر  
 کیا ہے۔ کہتے ہیں کس کی چشم مست نے بزمِ مے کو وحشت کدہ بنا دیا ہے کہ  
 وحشت کے مارے شیشے میں بصورتِ موجِ بادہ گویا نبض پری پنہاں ہے۔  
 (موجِ بادہ سے یعنی بصورتِ موجِ بادہ)

۲۲۴

ہوں میں بھی تماشا ئی نیزنگ تما ۱ مطلب نہیں کچھ اس سے کہ مطلب ہی آئے  
 تما کرنے سے یہ مقصد ہرگز نہیں کہ تما پوری ہو بلکہ میں تما کی طلسم کاری  
 کا تماشا ئی ہوں۔ گویا یہ دیکھتا ہوں کہ تما کیسے کیسے رنگ اور تماشے  
 دکھاتی ہے۔

۲۲۵

سیاہی جیسے گر جلے ہم تحریر کاغذ پر ۱ میری قسمت میں ان تعویذِ شبائے ہجران کی  
 قسمت سے قسمت نام مراد ہے اور قرض یہ کیا ہے کہ خطِ تقدیر کے سب حروفِ قصیدہ  
 کی شکل میں لکھے گئے ہیں۔ زمانہ قدیم میں جب فنِ تحریر ابھلا نہ ہوا تھا تو اظہارِ مطلب

تصویریں کھینچ کر کیا جاتا تھا۔ میرے قسمت نامہ میں شب ہائے فراق کی تصویر اس طرح کھینچی گئی ہے جیسے لکھتے وقت کاغذ پر سیاہی گر جائے اور وہ کاغذ بالکل سیاہ ہو جائے۔

۲۲۶

ہجوم نالہ حیرت عاجز و حیرت یک افشاں ہے ۱ خموشی ریشہ مصدیتاں سے جس بدنماں ہے  
تکلف بر طرف ہے جانستل لطف بدخویاں ۲ نگاہ بے حجاب ناریخ تیز عریاں ہے  
ہوئی یہ کثرت غم سے تلف کیفیتِ شادی ۳ کہ صبح عید مجھ کو بدتر از چاک گریباں ہے  
دل میں نقد لاساقی سے گرسود کیا چاہے ۴ کہ اس بازار میں مسافر متاع و مست گرداں ہے  
غم آغوشِ بلا میں پرورش دیتا ہے عاشق ۵ چرخِ روشن اپنا قلزمِ مہر کا مرچاں ہے  
۱۔ حسرت: حیرت عاجز، یعنی عاجز حیرت، ہجوم نالہ اس بات سے عاجز

ہے کہ حیرت کی وجہ سے کہ وہ فناں نامکن ہے۔ چنانچہ خموشی جو لازم حیرت ہے، اس عجز کا اظہار کر رہی ہے جس بدنماں ہونے سے اظہارِ عجز مراد ہے اور ریشہ نیستاں اس لحاظ سے آیا ہے کہ نیستاں کی بھی بعینہ ہی حالت ہوتی ہے کہ باوجودیکہ اس سے بائسلیاں بن سکتی ہیں اور اس لئے اس کو لاکھوں نالہائے ناکشیدہ کا مجموعہ کہہ سکتے ہیں اور خموشی نیستاں جس بدنماں نظر آتی ہے (سعید)

طباطباتی: میدانِ جنگ میں جب کوئی گروہ مغلوب ہو جاتا ہے تو اظہارِ عجز کرنے کے لئے گھانٹیں پھونکے وغیرہ منہ میں دبا کر دکھاتے ہیں کہ لڑائی موقوف کرو۔ یہاں ہجوم نالہ نے لشکر کشی کی ہے اور حیرت ایک نالہ کرنے میں بھی عاجز ہے اور اسی عجز کا اظہار کرنے کے لئے یہ خموشی ریشہ مصدیتاں سے جس بدنماں ہے لیکن جس بدنماں ہونے کے لئے ریشہ نیستاں کی کیا تخصیص ہے یہ کہ وہ نالہ و فریاد کی جڑ ہے۔ یہ کہ ریشے سے نہ پیدا ہوتی ہے اور نہ سے نالہ

اور حالت ضبط میں نالے چھپے ہوئے ہیں۔ جس طرح ریشہ نیستاں میں پنہاں ہو رہے ہیں۔ حرف نرا محذوف ہے۔ یعنی اسے ہجوم نالہ مراد ہے۔ فقط ہجوم نالہ کو مخاطب کر کے مصنف نے ریشہ صد نیستاں کہنے کا باعث بنایا (استی۔ بخود)

مولوی ابوالکمال امید: اسے ہجوم نالہ میں حیرت کی وجہ سے ناکشی سے مجبور ہوں۔ میری خوشی سے خفا نہ ہو بلکہ اس کو ریشہ نیستاں سمجھ کہ اس سے میرے غم کا اظہار ہوتا ہے اور یہ بھی ثبوت ملتا ہے کہ میں سراسر نالہ ہوں۔ ایک جگہ ریشہ نے کو اسی طرح اور بھی باندھ چکے ہیں نہ کئی سطوح قاتل بھی مانع میرے نالوں کو لیا ذاتوں میں جو تنکا بنا ریشہ نیستاں کا بخود: باوجود ہجوم نالہ کے حیرت نے عرض فغاں سے عاجز کر دیا ہے۔ گویا خاموشی نے نیستاں کو جس میں سینکڑوں بانسریاں موجود ہیں شمس بندناں کر رکھا ہے، مطلب یہ ہے کہ باوجود قوت گویائی کے مازداری کے لحاظ نے لب سی دیئے ہیں۔

۲۔ بدخویاں، جمع بدخو کی یعنی معشوق + جانتاں تر: زیادہ قاتل۔ تکلف برطرف بدخو معشوقوں کا لطف و کرم اور بھی زیادہ قاتل اور ہلاک کن ہے۔ کیونکہ نگاہ ناز تیغ ہے، اس لئے نگاہ ناز بے حجاب کو جانتاں تر کہا ہے۔

۳۔ کثرت غم سے خوشی کی کیفیت اس قدر خراب ہو گئی ہے کہ صبح عید جو ہر کس و ناکس کے لئے بے انتہا خوشی کا باعث ہوتی ہے مجھ کو چاک گریبا سے بھی بدتر معلوم ہوتی ہے۔ مگر بیان کا چاک ہونا انتہائی رنج و غم کی علامت ہے۔



۴۔ متاعِ دستِ گسداں بمعنی وہ چیز جو نقدِ قیمت پر رکے۔ اس شعر کے متعلق طباطبائی لکھتے ہیں کہ ساغر کو متاعِ دستِ گسداں کہنا ایسا بطف رکھتا ہے کہ دل و دین نیاؤ مصتف کرنا چاہئے۔ اگر تو ساقی سے سودا کرنا چاہتا ہے اور شراب خریدنے کا آرزو مند ہے تو نقدِ دل و دین اس کے حوالے کر اور شراب خرید لے۔ یہاں ادھا سے کام نہیں چلتا۔ یاد رہے متاعِ ساغر وہ جنس ہے جو ہمیشہ نقدِ قیمت پر رکھتی ہے۔ بقولِ سعید اپنے دین و ملک کو خیر باد کہہ ماسوا سے دل ہٹا۔ پھر اس کی خواہش کر۔

۵۔ آغوشِ بلا .. مصیبتوں کی گود + قلزم .. سمندر + صرصر .. ہواٹے تند و تیز + مرجان .. مونگا۔

مرجان سمندر میں پردش پاتا ہے اور اس کا رنگ سُرخ ہوتا ہے اس لئے چرخ کو مرجان سے مشابہ کیا ہے غمِ عشق عاشق کو آغوشِ بلا میں پالتا ہے۔ گویا اس کی تمام زندگی مصائب و آلام میں بسر ہوتی ہے۔ اپنے آپ کو عاشق کہہ رکھتا ہے کہ ہمارا طوفانِ مرمریں سی طرِ روشن رہتا ہے چھپے مرجان کا چلخ طوفانِ سمندر میں ہوتے تیرے تنوں پر چرخ کہ جلتا ہے، لیکن عاشقِ مصائب کا عادی ہوتا ہے۔ اس لئے اس کا چراغ باوجود طوفانِ بلا کے روشن رہتا ہے۔ اس کی مثال یہ دی ہے کہ مرجان سمندر کے طوفان کا عادی ہے، اس لئے باوجود طوفانوں کے وہ پردش پاتا ہے۔

۲۲۷

خوشیوں میں تماشا ادا نکلی ہے ۱ نگاہِ دل سے ترے سرِ سرِ نکلتی ہے  
فشارِ تنگیِ خلوت سے بنتی ہے شبنم ۲ صبا جو غم کے پردے میں جا نکلتی ہے

نہ چھو سیزہ عاشق سے آپ تیغ نگاہ ۳ کہ زخم روزی در سے ہوا نکلتی ہے  
 ا۔ تماشا ادا .. تماشا دکھانے والی۔ تماشا ادا نگاہ کی صفت ہے۔  
 سرمہ کھانے سے آواز بیٹھ جاتی ہے۔ اسی سے فائدہ اٹھا کر مصنف نے سرمہ  
 اور خاموشی کو ایک چیز بتلایا ہے۔ کہتے ہیں خاموشی کی وجہ سے تیری نگاہ  
 انداز تماشا دکھانے والی ہے، تیرے دل سے سرمہ آلود ہو کر نکلتی  
 ہے (حسرت۔ سعید)

طبا طبائی: خاموشی میں تیری نگاہ تیرے دل ہی سے سرمہ آلود ہو کر نکلتی  
 ہے یعنی تیری خاموشی ہی نگاہ کو سرمہ آلود کر دیتی ہے یعنی بہ سبب ملاشت کے  
 خاموشی اور سرمہ ایک ہی چیز ہے۔

آئسی: نگاہ تماشا ادا سے معشوق میں، اور کوئی سرمہ نہیں لگاتی بلکہ وہ  
 اس کے دل ہی سے سرمہ سا ہو کر نکلتی ہے اور خاموشی ہی اس کو زینت دیتی ہے۔  
 یعنی اس میں سرمہ لگاتی ہے۔ حاصل یہ ہے کہ جب تو خاموشی کی حالت میں  
 تماشا سے بزم کرتا ہے تو تیری نگاہ پیاری اور سرمہ سا معلوم ہوتی ہے۔  
 بیخود: سرمہ کھانے سے آواز بیٹھ جاتی ہے۔ فرماتے ہیں تیسری  
 خاموشیوں میں بھی ایک اداسے اظہار پائی جاتی ہے گویا تیرے دل کے  
 ارادے سے جو نگاہ نکلتی ہے، وہ سرمہ سا نکلتی ہے یعنی آواز بے صوت  
 ہوتی ہے۔

ب۔ فشار یعنی بھیچنا۔ جب کبھی صبا غنچہ کے پدمے میں جا نکلتی  
 ہے تو غنچہ اس کو اکیلا پا کر اپنی آغوش میں خوب بھیچتا ہے۔ صبا شرم سے  
 پانی پانی ہو جاتی ہے۔ یہی عرق شرم شبنم ہے۔ گویا شبنم اس طرح سے  
 بنتی ہے (آئسی۔ طبا طبائی۔ بیخود)

ستید و حسرت لکھتے ہیں کہ غمپے کو تنگی خلوت کے فشار سے جو پسینہ  
آہاں ہے، وہی شبنم ہے۔

۳۔ معشوق کی تیغ نگاہ کی آبداری اور تیزی کی کیفیت سینہ عاشق  
سے نہ پوچھو کہ وہ کیسی ہے بلکہ روزانہ در کے زخم کو دیکھو وہ اتنے بڑے ہیں  
کہ ان میں سے ہوا نکلتی ہے مطلب یہ ہے کہ وہ نظر جس نے دروازے  
کے کواڑوں میں اتنے بڑے بڑے سودا خ ڈال دیئے کہ ان میں سے ہوا نکلتی  
ہے اگر سینہ عاشق ہموار کر لگی تو ظاہر ہے کہ اس کی کیا کیفیت ہوگی جس  
زخم سے ہوا نکلتی وہ جھلک ہوتا ہے، اس لئے سینہ عاشق  
کے زخم جوان کی نگاہ نے ڈالے ہیں سخت مہلک ہیں اور زخمِ دہلیز سے یہ  
ظاہر ہوتا ہے کہ معشوق دروازہ میں سے جھانکتا ہے اور اس کے دروازے  
میں جو سودا خ ہیں، وہ اس کی تیغ نگاہ کے زخم ہیں۔

## ۲۲۸

جس جاوید شانہ کش زلفِ یار ہے ۱ نازِ دماغ آہوئے دشتِ تار ہے  
کس کا سراغ جلوہ ہے حیرت کو لے خدا ۲ آئینہ فرشِ مشش جہتِ انتظار ہے  
ہے ذہ ذہ تنگی جائے غبارِ شوق ۳ گردِ دام یہ ہے وسعتِ صحرایِ شکار ہے  
دلِ مدعی و دیدہ بہت بادِ عالیہ ۴ نظارہ کا مقدمہ پھر رویا کار ہے  
چہرے کے شبنم آئینہ برگ گل پر آب ۵ اسے عندلیبِ وقت و داریا ہمارے  
تکی آپڑی ہے وعدہ دلدار کی مجھے ۶ وہ آئے یا نہ آئے پہیاں انتظار ہے  
بے پردہ سوئے وادیِ مجنوں گندہ کدہ ۷ ہر ذلے کے نقاب میں دل بیکار ہے  
اسے عندلیبِ یک کفِ خس بہرِ آشیان ۸ طوفانِ آمد آمد فصلِ بہار ہے  
دل مت گنوا خبر نہ سی سیر ہی سی ۹ اسے بے دماغ آئینہ تماشال دار ہے

غفلت کفیل عمرو اسد رضا من نشاط

اے مرگ ناگہاں تجھے کیا انتظار ہے

۱۔ شادہ بمعنی لنگھی جس جگہ نسیم زلف یار میں شادہ کرتی ہے، یعنی زلفوں کو سنوارتی ہے، وہاں زلف یار کی خوشبو اس قدر پھلتی ہے کہ تمام فضا کو مغط کر دیتی ہے اور یہ خوشبو آہوئے دشت تبار کے دماغ میں اس قدر بس جاتی ہے کہ اس کا دماغ بھی ناذ بن جاتا ہے۔ گویا نافر میں تو خوشبو ہوتی ہی ہے آہوئے تبار کے دماغ میں بھی اس قدر خوشبوئے زلف مشکیں بس جاتی ہے کہ وہ بھی نافر کی طرح خوشبو دینے لگتا ہے۔

۲۔ حیرت کو آئینہ سے تشبیہ دی ہے۔ کہتے ہیں اے خدا حیرت کس کے جلوے کا سراغ لگانا پاہتی ہے کہ اس کے انتظار میں حیرت نے ہر طرف آئینہ کا فرش بچھا دیا ہے۔ یعنی ہر طرف آئینے ہی آئینے لگا دیئے ہیں۔ اس میں نکتہ یہ ہے کہ سراغ ران لوگ گم شدہ چیز کا عکس دیکھنے کے لئے ہر طرف بٹے بڑے آئینے لگا دیتے ہیں تاکہ مدعا جہاں کہیں ہو نظر آجائے۔

۳۔ تنگی جاکي وجہ سے میرا شوق پس گیا، پس کہ فقوۃ ہو کر غبار بن گیا۔ غبار بن کر فضا میں پھیل گیا اور اُس نے دام کی صورت اختیار کر لی۔ کہتے ہیں۔ اگر میرا یہی دام ہے تو سمجھ لو کہ تمام وسعت صحر ا کو یہ دام شکار کر لے گا۔ مطلب یہ ہے کہ میرا غبار شوق تمام صحرا پر چھا جائیگا۔

۴۔ رو بکار یعنی پلٹتی، تار و نخ۔ دل مدعی بنا ہے اور اُس نے آنکھ پر دھوئے کیا ہے، گویا آنکھ مدعا علیہ ہے۔ دھوئے یہ ہے کہ آنکھ نے نظارہ کیا اور دل کا خون ہو گیا، اس لئے دل کے نقصان کی تلافی کی جائے۔ آج اس نظارہ کے مقدمہ کی پھر پیشی ہے۔

دل و مڑگاں کا جو مقدمہ تھا آج پھر اُس کی دوبکاری ہے  
 ۵۔ آب چھڑکنا ایران میں ایک رسم ہے جب کوئی سفر کو جاتا ہے تو  
 آئینہ پر پانی چھڑکتے ہیں، تاکہ مسافر بخیریت واپس آئے اور ملتے میں اُسے  
 کوئی تکلیف نہ ہو۔

بیل کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ شبنم آئینہ برگ گل پر پانی چھڑک رہی  
 ہے، گویا وہ بہار کو نصرت کر رہی ہے کہ خیریت سے جلے اور خیریت سے  
 واپس آئے (طباطبائی و بیخود)

سعید نے ایک اور بات پیدا کی ہے۔ لکھتے ہیں۔ جغرافیہ طبعی کا یہ  
 اصول ہے کہ اوس ہمیشہ اس روز پڑتی ہے جس روز بروز، اس لئے اوس  
 کلہ پڑنا یعنی مطلع کا صاف رہنا نصرت برسات (موسم بہار) کی علامت ہوتی  
 ۶۔ ہمیں اس بات کی کچھ آپڑی ہے۔ یعنی ہمیں اس بات کا نباہنا  
 ضرور ہے۔

معشوق نے آنے کا وعدہ کیا ہے۔ مجھے اس کے وعدہ کی کچھ آپڑی  
 ہے تاکہ لوگ یہ نہ کہیں کہ معشوق کے وعدہ کا انتظار نہ کیا۔ اس لئے وہ  
 آئیں یا نہ آئیں میں اُن کا انتظار ضرور کروں گا۔ بقول پنجویہ شعر بیت الغزل ہے۔  
 ۷۔ دُھوپ کی چمک سے ڈرتے چمکتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہی چلنا  
 ڈرہ کا ترننا ہے اور دل بمقرر سے مشابہ کرنے کا موجب۔

یہی اُن کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ وادی مجنوں میں سے بے پردہ مت گزرو  
 کیونکہ وہاں کا ہر ذرہ ذرہ نہیں بلکہ وہ دل بمقرر ہے جو ذرہ کے پردے میں  
 بیتابی مجنوں کا آئینہ دار ہے۔ وادی مجنوں میں جانے سے روکنے کی یہ وجہ  
 معلوم ہوتی ہے کہ مجنوں کے دل کی بے تابانی لیلے کے دل پر اثر انداز نہ ہو۔

۸۔ ایک کتبِ خس یعنی مٹھی بھرتے تھے، فرماتے ہیں اے عزیزِ لب اپنے  
آشیانہ کے لئے جو بھی چار تنکے جمع کرنے ہیں کر لے۔ فصلِ بہار کی آمد آمد کا  
غفلہ مچ رہا ہے، جب طوفانِ بہار آگیا ہے تو پھر تنکا بھی نہ مل سکے گا۔  
کیونکہ اثرِ بہار سے خشک تنکے سبز ہو جائیں گے۔

۹۔ اے بے دماغ اپنے دل کو اس لئے ضائع نہ کر کہ وہ جلوہٴ معرفت  
نہیں دکھاتا۔ اگر وہ آئینہٴ معرفت نہیں، نہ سہی، آئینہٴ تصویر تو ہے، جب  
وہ آئینہٴ تصویر ہوا تو یقیناً اس میں تصاویرِ نظر آئیں گی اور سیر ہوگی۔ آئینہٴ  
تمثال دار سے مطلب یہ ہے کہ اس میں معشوق کا عکس نظر آتا ہے اور  
معشوق کا عکس نظر آنا معرفت کے خلافت سے۔ اصل میں دل کیسے ہے،  
اس لئے اس میں سے جہتوں کو نکالنا چاہئے۔ یہی وجہ ہے کہ بے دماغ اپنے دل  
کو جہاں کو نہ بچا رہتا ہے، لیکن شاعر اسے روکتا ہے کہ اگر دل کیسے نہ بن سکا تو  
بت خانہ سہی، کیونکہ اس میں بھی ایک قسم کی کیفیت ہے۔

۱۰۔ کفیل یعنی ضامن۔ شاعر کا عقیدہ ہے کہ جو شخص غفلت اور بھڑی میں  
عمر بسر کرے اور موت کو بھولتا رہے، اسے ناگہانی موت آجاتی ہے۔ کہتے ہیں  
ہماری حالت یہ ہے کہ غفلت نے ہماری عمر کا ٹھیکہ لیا ہے اور ہم  
نشاہ و مسرت کے ضامن بن گئے ہیں۔ یعنی ہمیشہ غافل ہیں اور یہ بھٹکے  
ہیں کہ سدا عیش و آرام سے گزر رہے گی، اس لئے اسے مرگِ ناگہان جب تیرے  
آنے کے اسباب موجود ہیں تو پھر تجھے کس بات کا انتظار ہے۔ آجا۔

بقولِ آئسی حاصل اس شعر کا نہایت اچھا ہے یعنی انسان اسی طریق  
رہتا ہے کہ ہمیشہ عیش و عشرت سے بسر ہوگی اور اسی میں اس کی غفلت  
بڑھ جاتی ہے۔ یہاں تک کہ موت آجاتی ہے۔

۲۲۹

آئینہ کیوں نہ دوں کہ تماشا کہیں جسے ۱ ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے  
 حسرت نے لا رکھا تیری بزمِ خیال میں ۲ گلدستہ نگاہِ سویدا کہیں جسے  
 پھونکا ہے کس نے گوشِ محبت میں لے خط ۳ افسوں انتظارِ تماشا کہیں جسے  
 سر پہ ہجومِ دردِ غریبی سے ڈالے ۴ وہ ایک مشت خاک کہ صہرا کہیں جسے  
 ہے چغیمِ تریں حسرتِ دیدار سے نہاں ۵ شوقِ عنانِ گیسختہ دریا کہیں جسے  
 دکا رہے شگفتنِ گلہائے عیش کو ۶ صبح بہارِ پنبہ دینا کہیں جسے  
 خالِ بُرا نہ مان جو واعظِ بُرا کہے  
 ایسا بھی کوئی ہے کہ سب چھا کہیں جسے

اے میں ایسا حسین کہاں سے لاؤں جسے لوگ تجھ سا کہیں اور تو بھی قائل  
 ہو جائے کہ واقعی یہ مجھ جیسا ہے۔ مناسب یہ ہے کہ میں تیرے سامنے آئینہ  
 پیش کر دوں کہ تجھ جیسا حسین جیسا ہو جائے اور تو اس کو دیکھ کر جبرانِ بجائے  
 اور نیزا حیران ہونا لوگوں کا تماشا ہو جائے  
 بجز اس طریق کے غیر ممکن ہے کہ تجھ جیسا معشوق میں تجھ کو  
 دکھا کر تجھے قائل کر سکوں۔

۲۔ تیری بزمِ خیال سے مراد میرا دل ہے + سویدا .. وہ سیاہ داغ جو  
 دل میں ہوتا ہے۔

حسرت نے تیری بزمِ خیال (یعنی میرے دل) میں تیری رنگین نگاہوں کا  
 ایک گلدستہ لا رکھا ہے، جسے سب لوگ سویدا کے نام سے پکارتے ہیں  
 ظاہر ہے کہ گلدستہ بزم کے لئے باعثِ زینت ہوتا ہے مطلب یہ ہے  
 کہ میرے دل میں جو خیال سویدا ہے، وہ تیری حسرت بھری نگاہوں کا گلدستہ

ہے۔ اپنے دل کو معشوق کی بزمِ خیال اس لئے کہا ہے کہ اس میں معشوق کا خیال جلوہ گر رہتا ہے۔

۳۔ اے خدا گوشتِ محبت میں افسونِ انتظار جسے لوگ تما کنتے ہیں کس نے پھونکا ہے۔ تماشے معشوق کو افسونِ انتظار کہا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ محبت پیدا ہوتے ہی تماشے معشوق کیسے پیدا ہو گئی۔

۴۔ غریبی یعنی بے وطنی۔ غمِ بے وطنی نے میرا ایسا حال بنا دیا ہے کہ جی چاہتا ہے اپنے سر پر ایک منہی بھر خاک ڈالوں۔ لیکن وہ مشتِ خاک ایسی ہو کہ لوگ یہ کہیں اس نے ایک صحرا کی خاک اپنے سر پر ڈالی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ غربت میں جی بھر کے خاک اڑانی چاہئے (آہی۔ بخود) سنجیدہ لکھتے ہیں کہ کثرتِ دردِ غریبی سے تنگ آ کر صحرا نور دی اختیار کیجئے۔ غریبی میں ایسا م ہے۔

طبا طبائی: اشارہ یہ ہے کہ یہ شخص آوارہ دشت و صحرا ہونے کا ارادہ کر رہا ہے اور دردِ بے وطنی درپے ہے اور خاک اڑانے پر نہایت آمادہ ہے کہ صحرا کو ایک مشتِ خاک سمجھتا ہے۔

۵۔ عنانِ گنجتہ .. جس کی یاگ ٹوٹ گئی ہو یعنی شوق بے اختیار۔ حسرتِ دیدار کی وجہ سے میری چشمِ تریں .. جوشِ اشک پوشیدہ ہے کہ جس کو دیا کہہ سکتے ہیں۔

آہی: میری چشمِ تریں حسرتِ دیدار نے شوق کو نہاں کر دیا ہے اور وہ شوق نکلنے کے لئے بیتاب ہے اور بصورتِ دریا آنکھ سے نکل رہا ہے۔ یعنی حسرتِ دیدار کے شوق میں نور رہا ہوا۔

۶۔ پنہ .. روٹی۔ سفیدی پنہ کو سپیدی صبح سے تشبیہ دی ہے۔



صبح بہار سے باغوں میں بچھل کھلتے ہیں، لیکن عیش و نشاط کے پھول صبح بہار سے نہیں کھلتے۔ گہمائے عیش کے کھلنے کے لئے وہ صبح بہار درکار ہے۔ جس کو صبح بہار پنبہ بینا کہا جاتا ہے مطلب یہ ہے کہ پنبہ بینا کاشیشہ شراب میں سے نکلتا وہ صبح عیش پیدا کرتا ہے جس سے بادہ خواروں کے بستہ دل شکفتہ ہو جاتے ہیں۔ اس شعر میں پنبہ بینا کی سفیدی کو وجہ شبہ قرار دیا ہے۔

۷۔ غالب! اگر تجھے داغ بڑا کہتا ہے تو ٹرانا نہ مان۔ بھلا دنیا میں ایسا بھی کوئی ہے جسے سبھی اچھا کہیں مطلب یہ ہے اگر ایک داغ تجھے بڑا کہتا ہے تو کیا ہوا سب نہ تو تجھے اچھا جانتے ہیں۔

## ۲۳۰

شبنم بہ گل لالہ نہ خالی زادہ ہے ۱ داغ دل بے درد نظر گاہ جیا ہے  
 دل خوں شدہ کشمکش حسرت و دہار ۲ آئینہ بدست بت بدست حنا ہے  
 حد سے نہ ہوتی ہوں شعلہ کے جو کی ۳ جی کس قدا افسردگی دل پہ جلا ہے  
 تماش میں تیری ہے وہ سوخی کہ بعد شوق ۴ آئینہ باندہ نگل آغوش کشا ہے  
 قمری کف خاکسترو بیل قفس رنگ ۵ اے نالہ نشان جگر سوختہ کید ہے  
 خونے تری افسردہ کیا وحشت دل کو ۶ معشوقی دے ہو صلی طرفہ بلا ہے  
 مجبوری وہ دعوائے گرفتاری الفت ۷ دست تہ سنگ آمدہ پیمان وفا ہے  
 معلوم ہوا حال شہیدان گزشتہ ۸ تیغ ستم آئینہ تصور بر نما ہے  
 اے پر تو خورشید جہاں تاب ادھر بھی ۹ سایہ کی طرح ہم پہ عجب وقت پڑا ہے  
 ناکسہ گناہوں کی بھی حسرت کی ٹہنڈا ۱۰ یارب اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے  
 بیگانگی خلق سے بیمل نہ ہو غالب ۱۱ کوئی نہ ہو تیرا تو مری جان خدا ہے

۱۔ نہ خالی زاداد... ادا سے خالی نہیں، یعنی کچھ مطلب رکھتی ہیں بگل لالہ پر جو شبنم کے قطرات پڑے ہیں، وہ مطلب سے خالی نہیں، ان کا مطلب یہ ہے کہ جس دل میں درد نہ ہو مگر داغ ہو، وہ باعثِ تنگ و غار ہے ظاہر کہ لالہ کے دل میں داغ تو ہے، مگر درد (عشق) نہیں چونکہ یہ بات اس کے لئے باعثِ شرم ہے، اس لئے اس شرم سے اسے عرقِ شرم آگیا اور عرقِ شرم یہی قطراتِ شبنم ہیں، بقولِ حسرتِ مذہبِ عشق میں داغِ بیدرد کا موجبِ شرم ہونا مسلم ہے۔

۲۔ سعید (۱) ہمارا دل کشمکشِ حسرت و دیدار سے خون ہو کر اس بُتِ بدستِ خنا کے ہاتھ کا شیشہ بن گیا (۲) معشوق کے ہاتھ میں آئینہِ خاوندِ خا ہوتا ہے کہ کسی وقت چھوٹتا ہی نہیں اور ادھر حسرت و دیدار کی کشمکش سے ہمارا دل خون ہو رہا ہے اس لئے کہ اس کے چہرے کو دیکھیں تو کس طرح دیکھیں۔ یہ آئینہ بیچ میں حائل ہے۔

طیبا طبیبانی: آئینہ دل مہندی بن گیا ہے یعنی حسرت و دیدار نے اسے پیس ڈالا اور اس کے جگر کو لہو کر دیا۔ دل کو آئینہ بنا کر پھر اسے خا بنا دیا۔ بہت ہی قصع ہے۔

حسرت: (۱) دل اور آئینہ کی رسائی قسمت کا مقابلہ کرتا ہے۔ ایک ہمارا دل ہے جو خون شدہ کشمکشِ حسرت و دیدار ہے اور ایک آئینہ ہے جو اس بُتِ بدستِ خنا کے ہاتھ میں ہے۔ (۲) وہی جو سعید نے لکھے ہیں اسی، میرا دل حیران جو آئینہ اس لئے بنا تھا کہ معشوق اسے دیکھے اور اس صورت سے وہ معشوق کا نظارہ کرے وہ حسرت و دیدار میں غرق ہو گیا، مگر اس تک نہ پہنچا اور کم نختِ خنا اس کے ہاتھ کی آئینہ بنی ہوئی ہے (۲) میرا دل

جو حسرت و ہمار میں خون ہو گیا تھا وہ صدمتِ آئینہ خابن کر اس کے دستِ نازک میں پہنچا ہے۔

۳۔ شعلہٴ عشق مجھے اس قدر نہ جلاتا جس قدر شعلہ نے جلا یا ہے گویا افسردگی دل پر جی اس قدر جلا ہے کہ اتنا شعلہ سے نہ جلتا۔ جی جلنا سے مراد دل کرکھنا ہے ظاہر ہے دل اس بات سے جلا ہے کہ اس میں شعلہ پیدا نہ ہوا اور شعلہ کا نہ پیدا ہونا ناکامیِ عشق کی نشانی ہے گویا دل ناکامیِ عشق سے اتنا جلا ہے جتنا شعلہ عشق سے نہ جلتا۔

۴۔ تمثال .. تصویر، عکس۔ تیرے عکس میں وہ شوخی ہے کہ آئینہ نے کمالِ شوق سے پھول کی طرح اپنی گود کھول دی ہے، تاکہ تیرے عکس کو اپنی آغوش میں لے لے۔

وختِ خود: تیری تصویر میں بھی ایسی شوخی کوٹ کوٹ کر بھری گئی ہے کہ اس پر جو آئینہ لگایا گیا ہے، وہ پھول کی طرح شوقِ ہم آغوشی میں آغوش لگا ہو گیا ہے۔

۵۔ حالی: اگر ”لے“ کے بدلے ”جو“ پر لکھا جائے تو شعر کا مطلب صاف ہو جاتا ہے۔ یہ معنی ان کو مرزا صاحب نے خود متائے تھے۔ کہتے ہیں۔ سوائے نالے کے جگر سوختہ (عشق) کا کوئی نشان نہیں۔ چنانچہ قمری اور میل کے عاشق ہونے کا نشان بھی صرف ان کی نالہ کشی سے ملتا ہے۔ ورنہ قمری ایک کھٹ خاکستر ہے۔ اپنے خالکی رنگ کی وجہ سے اور اور قفس رنگ ہے، اپنے رنگین ہوں کی بدولت گویا ان کی ہستی کھٹ خاکستر اور قفس رنگ سے زیادہ نہیں (تمام متفق)

آئسی، نالہ کو مخاطب کر کے پوچھتا ہے کہ قمری سرو کی عاشق ہے اور

وہ غمِ اُلفت میں جل کر خاک کی صورت ہو گئی ہے اور اس صورت میں اس کا پتہ ملتا ہے۔ بیل عشق مکمل میں مقید ہو کر اسی فنا ہوئی ہے کہ بس قفسِ رنگ ہی رہ گئی ہے یعنی صرف رنگ ہے، باقی اس میں دل و جان نہیں ہے اور یہ رنگ بھی اس اثر سے ہے کہ وہ گل کی عاشق ہے اور اس کا رنگ اس کے رنگ و پے میں سرایت کر چکا ہے۔ بیل کا اس سے نشان ملتا ہے۔ مگر اے نالہ میرے جگے سوختہ کا کیا نشان ہے۔ میں اگر اس کو ڈھونڈوں تو کس صورت سے ڈھونڈوں اور کیونکر پاؤں مطلب یہ ہے کہ وہ ایسا اجلا ہے کہ اس کا کسی صورت اور کسی رنگ سے سراغ نہیں ملتا۔

۶۔ تو معشوق ہے لیکن بے حوصلہ۔ معشوقیت کا اقتضایہ تھا کہ تو وحشتِ دل پسند کرتا۔ تیری اس بے حوصلگی کی عادت نے میری وحشتِ دل ٹھنڈی کر دی۔ اگر تو با حوصلہ ہوتا تو پھر عشق کا مزہ آتا معشوق ہو کر بے حوصلہ ہونا اور عشق کی وحشت کی تاب نہ لانا یعنی تازہ انداز اور جوشِ حیا نہ کرنا میرے واسطے سخت مصیبت ہے۔ کیونکہ آتشِ عشق اس سے ٹھنڈی ہوئی جاتی ہے۔

۷۔ مجبوری کی حالت میں محبت کا دعویٰ ایسا ہی ہے جیسے کسی کا ہاتھ بھاری پتھر کے نیچے دب گیا ہو اور نکل نہ سکتا ہو۔ لیکن دکھانے کے لئے وہ شخص لوگوں سے کہے کہ ہم پر بیانِ محبت کو نباہ رہے ہیں۔ خوبیِ شعر میں یہ ہے کہ عہد کرتے وقت ہاتھ پر ہاتھ مارتے ہیں، یہاں ہاتھ پر پتھر ہے۔

۸۔ تیری تیغِ ستم دیکھ کر شہیدانِ گزشتہ کا حال معلوم ہوتا ہے، گویا تیری تیغِ تیغ نہیں ہے، بلکہ ایک آئینہ تصویر نما ہے، جس میں تیری تہ کے گزشتہ جو ستم کی تصویر نظر آتی ہے۔

موجود۔ طباطبائی: تیرے ستم کا اندازہ دیکھ کر ستم دیدوں پر جو گندی ہوگی۔ اس کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہے۔  
سعیقہ: جو ظلم وہ آج کر رہا ہے۔ وہی شہیدانِ سابق کو جھیلنے پڑے ہوں گے۔

۹۔ حالی: یہ خطاب ہے آفتابِ حقیقت کی طرف کتنا ہے کبھی سایہ متمم وجود ہے اور فی الواقع اس کی کچھ مستی نہیں ہے۔ اسی طرح ہم بھی اس کے دھوکے میں پڑے ہیں۔ اگر آفتابِ حقیقت کی کوئی تجلی ہم پر لمعہ نکلن ہو جائے تو یہ دھوکا جاتا ہے اور ہم ثنائی شمس ہو جائیں کیونکہ جہاں آفتاب چمکا اور سایہ کا نور ہوا۔

طباطبائی داسی: یعنی ادھر بھی کرم کر اور وقت پڑنے کا محاورہ جس محل پر مصنف نے صرف کیا ہے اس کی خوبی بیان نہیں ہو سکتی۔

۱۰۔ حالی: یعنی گناہ جو ہم نے کئے ہیں اگر ان کی سزا ملنی ضرور ہے تو جو گناہ بسبب عدم قدرت کے ہم نہیں کر سکے اور ان کی حسرت دل میں رہ گئی ان کی بھی داد ملنی چاہئے۔ شعر کی خوبی بیان سے باہر ہے۔ بقول طباطبائی میر تقی کو بھی حسرت ہوتی ہوگی کہ یہ مضمون مرزا نوشہ کے لئے بچ رہا۔  
۱۱۔ اسے غالب! خلق کی بیگانگی سے بیدل نہ ہو، میری جان اگر تیرا کوئی ہمدرد و مددگار نہیں ہے تو نہ سہی، خدا تو ہے۔

۲۳۱

منظور مخفی یہ شکلِ تنجہ کو نور کی ۱ قسمت کھائی تیرے قدور رخسے ظہور کی اک خوشچاکاں کفن میں کروڑوں بناؤں میں ۲ پڑتی ہے آنکھ تیرے شہیدوں پر جو کی دھڑلہ تم پر نہ کسی کو ہلا سکو ۳ کیا بات ہے، تہا دی شرابِ طہور کی

آمد ہمار کی ہے جو میں ہے غمہ سنج ۴ اُڑتی سی اک خبر ہے زبانی طبعور کی  
 لڑتا ہے مجھ سے حشریں قاتل کہ کیوں اٹھا ۵ گویا ابھی شنی نہیں آواز صود کی  
 گوداں نہیں پداں کے نکالے ہوئے تو ہیں ۶ کعبہ سے ان بتوں کو بھی شیب سے دُور کی  
 کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب ۷ آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہ طود کی  
 غالب گراں سفر میں مجھے ساتھ لے آئیں  
 حج کا ثواب نذر کروں گا حضور کی

۱۔ حجتی ... جلوہ + نور .. نور خدا۔

حجتی کو اپنا نور دکھانے کے لئے تیرے قد و رخ کا انتظار تھا کہ  
 ایسی پیاری شکل ملے تو میں اس میں ظہور کروں چنانچہ تیرے قد و رخ کی بدولت  
 ظہور کی قسمت کھلی کہ اب وہ ظاہر ہو گئی۔

آسمانی نے ”قسمت کھلی تیرے قد و رخ کے ظہور کی“ لکھا ہے، اس صورت  
 میں مطلب یہ ہو گا کہ حجتی کو اپنا اظہار مقصود تھا۔ چنانچہ وہ تیرے قد و رخ میں  
 ظاہر ہوئی اور اس طرح سے تیری قسمت جاگی۔ گویا یہ شعر نعمت میں ہے۔

۲۔ خوشچکان لباس دیکھ کر شخص متوحش ہوتا ہے لیکن تیرے شہیدوں کے  
 خوشچکان کفن میں کروٹوں بناؤ ہیں اور وہ ایسے پھلے معلوم ہوتے ہیں کہ جو میں بھی  
 انہیں حسرت بھری نظروں سے دیکھتی اودل سے پسند کرتی ہیں۔ بقول حالی یہ  
 شعر حقیقت و مجاز دونوں پہلو رکھتا ہے مگر یہ نسبت مجاز کے حقیقت پر  
 زیادہ چسپاں ہے۔ طباطبائی لکھتے ہیں یہ شعر بھی ایسا کہا ہے کہ کروٹوں میں  
 ایک آہ ایسا نکلتا ہے۔

۳۔ شرابِ ظہور .. پاک شراب جو بہشت میں ملے گی۔ و اعط کو مخاطب  
 کہہ کے کہتے ہیں کہ تمہاری شرابِ ظہور کی کیا بات ہے۔ نہ تم خود اس کو پی سکتے ہو نہ

اور کوہلا سکتے ہو، مگر اس کی تعریفیں اس قدر کرتے ہو، معلوم ہوتا ہے یہ تمہاری شرابِ ظہور محض خیالی شراب ہے، جس کی تعریفوں سے تم اپنا اور دوسروں کا دل خوش کر لیا کرتے ہو۔ جنت کے خیالی ہونے کے تعلق پہلے لکھ چکے ہیں۔ ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن دل کے خوش رکھنے کو غالب یہ خیال اچھا ہے۔ ۴۔ عقیدہ یہ ہے کہ قیامت کے دن جب صور پھونکا جائیگا تو تمام مردے زندہ ہو جائیں گے۔ کہتے ہیں میرا قائل اس قدر غافل اور بے خبر ہے کہ صور قیامت پھونک دیا گیا یعنی مردوں کو اٹھنے کا حکم ہو گیا۔ لیکن اسے مطلق خبر نہیں صور کی آواز سے میں جو اٹھا ہوں تو وہ مجھ سے لڑتا ہے کہ تو کیوں اٹھا۔ اس شعر میں معشوق کی غفلت شعاری کے علاوہ دوسرا پہلو یہ ہے کہ وہ مجھ سے اس بات پر لڑتا ہے کہ تو میرا کشتہ ہے تجھے میرے حکم سے اٹھنا چاہئے تھا، تو شو و صورت سن کر کیوں اٹھا۔

۵۔ طہور۔ جمع طائری، پرندے۔

بیل نغمہ سنج ہے۔ اس کی نغمہ سنجی سے معلوم ہوتا ہے کہ بہاؤ آنے والی ہے۔ چونکہ خبر طہور کی زبانی ہے اور ہم نے اڑتے اڑتے سنی ہے۔ اس لئے خدا جلنے یہ سچ ہے یا جھوٹ۔ بقول طباطبائی یہ تشبیہ نہایت بدیع ہے اور انصاف یہ ہے کہ نئی ہے۔

۶۔ وال سے مراد خانہ کعبہ ہے۔ زمانہ قدیم میں خانہ کعبہ بُت خانہ تھا۔ رسولِ مقبولؐ نے بُتوں کو توڑ کر اس کو خانہ مغلانا کیا کہتے ہیں اسے شخص تو میری بُت پرستی پر غضبناک نہ ہو۔ مجھ کو اس بات پر غصہ آتا ہے کہ تو خانہ کعبہ کا احترام کرتا ہے اور میں بُتوں کو پوجتا ہوں۔ یاور ہے میرے مسلک اور تیرے مذہب میں کچھ زیادہ فرق نہیں، کیونکہ زمانہ قدیم میں خانہ کعبہ بُت خانہ تھا۔ اگر

یہ اب وہاں سے نکال دیئے گئے تو کیا ہوا، آخر ان کو خانہ کعبہ سے دور کی نسبت تو ہے۔

۷۔ یہ کیا ضروری ہے کہ جس طرح حضرت موسیٰ کو کوہ طور پر صاف جواب ملتا تھا کہ تو ہم کو نہیں دیکھ سکتا۔ اسی طرح ہر ایک کو صاف جواب ملے ممکن ہے کہ ہماری درخواست منظور ہو جائے اور خداوند تعالیٰ ہمیں اپنا جلوہ دکھائے اس لئے آؤ ہم بھی کوہ طور کی سیر کریں اور اپنی قسمت آزمائیں۔ بابوسی گناہ ہے ۸۔ کہتے ہیں کلام میں گرمی اتنی زیادہ نہیں ہونی چاہئے کہ جس سے بات کی جائے وہ گرمی کلام کی شکایت زبان پر لائے۔ یعنی بات سُنتے ہی چمچ اُٹھے کہ گرمی کلام نے مار ڈالا۔

۹۔ حالی: اس شعر سے مراد کی کمال شوخی طبع ظاہر ہوتی ہے۔ یہ غزل اس زمانہ میں لکھی تھی جبکہ بہادر شاہ مرحوم کا ارادہ حج کو جانے کا تھا۔ کمال اشتیاق ظاہر کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس کے لئے مشتاق ہیں کہ حج کا ثواب حضورؐ کی نذر کروں گا اور سفر حج کا وہ اشتیاق لاہر حج کے ثواب کی یہ بے قدری۔

۲۳۲

غم کھلنے میں بودا دلِ ناکام بہت ہے ۱۔ رنج کہ کم ہے بے کفلام بہت ہے کہتے ہوئے ساقی سے حیا آتی ہے ورنہ ۲ ہے یوں کہ مجھے حدِ تہِ جلم بہت ہے نے تیر کمال میں ہے، نہ میثاد کیں میں ۳ گوشے میں قفس کے مجھے آرام بہت ہے کیا زہد کو مانوں کہ نہ ہو گرچہ رہائی ۴ پاداشِ عمل کی طبع خام بہت ہے ہیں اہلِ خود کس روشِ خاص پہ نازاں ۵ پابستگیِ رسمِ دورِ عام بہت ہے زمرم ہی پہ چھٹو مجھے کیا طرفِ حرم ہے ۶ آنوں بے جامۂ احرام بہت ہے ہے قہر گراب بھی نہ بنے بات کہ ان کو ۷ انکار نہیں اور مجھے ابرام بہت ہے



خل ہو کے جگر تک سے ٹپکانیں لے مرگ رہنے دے مجھے یاں کہ ابھی کام بہت ہے  
ہوگا کوئی ایسا بھی کہ غالب کو نہ جانے

شاعر تو وہ اچھا ہے، پہ بدنام بہت ہے

۱۔ بودا یعنی کمزور + میرا ناکام دل غم کھانے میں بہت کمزور ہے، اس لئے  
اس کو ذرا سے رنج کی بھی تاب نہیں۔ مثلاً آج ہمارے پاس بے گلزنگ تھوڑی  
تھوڑی ہے بس ہی غم اس کے لئے بہت زیادہ ہے۔ حالانکہ کوئی بات نہیں  
زیادہ نہ سہی۔ تھوڑی ہی سہی۔ لیکن اپنے بودے پی کی وجہ سے وہ اسے  
بھی زیادہ غم سمجھتا ہے (بیخود)

آسی: میرا دل غم کھانے میں بہت ہی کمزور ہے۔ مگر بہت سی  
شراب ہوتی تو اس کو پی کر غم کے دن گزار دیتا۔ کیونکہ وہ اندوہ ریا ہے مگر  
چونکہ غم زیادہ ہے، شراب کم ہے۔ یہ میرے واسطے اور بھی افزودنی غم  
کا سبب ہے۔

۲۔ حالی: یعنی قناعت کا تو یہ حال ہے کہ شراب کی چھٹ میرے  
لئے کافی ہے۔ مگر اسی خیال سے کہ ساتی مجھے ذلیل اور کم ہمت اور قانع  
پر پہنچ نہ سکے، اس پر یہ بات ظاہر نہیں ہونے دیتا (بیخود، سعید)  
آسی: ساتی کے پاس ادب سے یہ نہیں کہہ سکتا۔ الخ

طباطبائی: شراب کی حرص کے بیان میں شعرا نے خم خالی کئے ہیں مگر  
ہمیشہ یہ مضمون بے کیف رہا، اس شعر کو دیکھئے، اس کا مضمون کیسا ہو شراب ہے  
کہ اس سے بڑھ کر حرص مے کا بیان نہیں ہو سکتا۔

۳۔ حالی: کہتا یہ مقصود ہے کہ جو شخص گناہی اور کس پرسی کی حالت  
میں ہوتا ہے، اس کا کوئی دشمن اور بدخواہ نہیں ہوتا۔ ساری خرابیاں شہرت

اور اقتدار اور نمود کے ساتھ وابستہ ہیں۔ اس مضمون کو ایک قیدی پرندے کی زبانی اس طرح ادا کیا ہے کہ جب بین آدا د تھا اور اپنے آئینے میں رہتا تھا تو ہر وقت صیاد کمان میں تیر لگائے گھات میں رہتا تھا کہ کب میں زد پر آؤں اور وہ کب مجھے نشانہ بنادے۔ کبھی مجھے گرفتار کرنے کے لئے جال بچھاتا تھا وغیرہ وغیرہ۔ غرض ہر وقت بے چینی اور بے قراری دل کو پروردہ اور متفکر کتنی تھی، گرفتار ہو کر قفس میں آنے کے بعد یہ سب تفکرات دور ہو گئے اور میں آرام سے ہو گیا، تسکین خاطر کا خوب پسو نکالا ہے۔

۴۔ میں ایسے زہد کو بھی نہیں مانتا جس میں ریا پانک نہ ہو، کیونکہ اس میں بھی جزا کا خیال بہت زیادہ ہوتا ہے۔ یعنی جو شخص سچے دل سے ریاضت کرتا ہے اس کو یہی خیال ہوتا ہے کہ اس زہد و تقویٰ کے بدلے اگلے جہان میں اسے عیش و آرام ملیگا۔ یہی جزا کا خیال ہے جو ہندو میری نظروں میں بے وقعت بنا دیتا ہے۔ مطلب یہ ہے زہد و تقویٰ بغیر جزا کے خیال کے ہونا چاہئے۔

۵۔ اہل خرد عامیانہ رموز کے بہت زیادہ پابند ہیں، کیا مہی کا نام روش خاص ہے، جس پر وہ نازاں ہیں۔ انہیں ناز اس وقت زیبا تھا، جب وہ عامیانہ رموز کے پابند نہ ہوتے اور کوئی روش خاص رکھتے۔ اسی نے دوسرا مضمون نکالا ہے کہ اہل خرد بھی دنیا میں بہت ہیں۔ لہذا ان کی روش خاص نہ رہی۔ رسم عام ہو گئی اور یہ کچھ قابل فخر نہیں ہے۔ مزاجیب تھا کہ جب کوئی روش خاص ہوتی اور وہ اس پر ناز کرتے۔ بقول طباطبائی مجس روش کا یہ شعر ہے۔ اس روش پر مصنف کو ناز ہوتا تو زیبا ہے۔

۶۔ مجھے چاہِ زمزم ہی بہہ رہے تھے دو لمبے طوافِ حرم اقدس سے کیا کام ہے۔ میرا جامہٴ احرام تو شراب سے آلودہ ہے۔ اگر میں زمزم پر پہنچا تو اپنا جامہٴ احرام پاک کر لوں گا۔ مطلب یہ ہے کہ حج کرنے سے پہلے طہارتِ جسمانی لازم ہے اور صفت کی شوخی یہ ہے کہ وہ طہارت بھی آبِ زمزم سے کرنا چاہتا ہے۔ اس مضمون کو اس طرح بھی لکھا ہے

راتِ پنی زمزم پی مے اور صبحم دھوٹے دھتے جامہٴ احرام کے  
۷۔ ابرام یعنی اصرار۔ صبر۔ اگر اب بھی بات نہ بنے اور میرا مقصد حاصل نہ ہو تو نہایت افسوس ہے۔ کیونکہ اُن کا انکار نہیں اور میں بہت زیادہ مصر ہوں۔

۸۔ موت سے شکایت کرتے ہیں کہ تو بہت جلد آگئی، ابھی تو عشق میں جگر خوں ہو کر اُنکھ سے بھی ٹپکنے نہیں پایا۔ مجھے کچھ مدت اور اس دُنیا میں رہنے دے۔ کیونکہ مجھے یہاں ابھی بہت سے کام کرنے ہیں مطلب یہ ہے کہ ابھی ابتداءِ عشق ہے۔ تکمیلِ عشق کی ہمت دے تاکہ منزلِ عشق کی تمام صعوبتیں اٹھاؤں اور ان سے لطف اندوز ہوں۔

۹۔ کوئی ایسا شخص بھی ہے جو غالب کو نہ جانے یعنی غالب کو سمجھی جانتے ہیں۔ کیونکہ وہ بہت زیادہ بدنام ہے۔ لیکن ایمان کی بات یہ ہے کہ وہ شاعر بھی اچھا ہے

۲۳۳

ملت ہوئی ہے یار کو مہماں کئے ہوئے ۱۔ جوشِ قدح سے ہنم چراغاں کئے ہوئے  
کتاہوں جمع پھر جگرِ نخت نخت کو ۲۔ عرصہ ہوا ہے دعوتِ مہرگاں کئے ہوئے

پھر وضع احتیاط سے رکنے لگا ہے م ۳ برسوں ہوئے ہیں چاک گریباں کئے ہوئے  
 پھر گرم نالہ ہائے شربار ہے نفس ۴ مدت ہوئی ہے سیر چراغاں کئے ہوئے  
 پھر کپش جراتِ دل کو چلا ہے عشق ۵ سامان صد ہزار مکمل کئے ہوئے  
 پھر پھر رہا ہوں خامہ مرگاں بچنِ دل ۶ سازِ چمن طرازی داماں کئے ہوئے  
 باہر گر ہوئے میں دلِ دیدہ پھر قریب ۷ نظارہ و خیال کا ساماں کئے ہوئے  
 دل پھر طوافِ کوئے علامت کو جائے ہے ۸ پندار کا صنم کدہ دیواں کئے ہوئے  
 پھر شوق کر رہا ہے خم بردار کی طلب ۹ عرض متلع عقلِ دلِ جاں کئے ہوئے  
 دوڑے ہے پھر ہر ایک گلِ دلالہ پر خیال ۱۰ صد گلستاں نگاہ کا ساماں کئے ہوئے  
 پھر چاہتا ہوں نامہ دلدار کھولنا ۱۱ جاں نذرِ دلفریبی عنوان کئے ہوئے  
 مانگے ہے پھر کسی کو لبِ بامِ پر ہوس ۱۲ زلفِ سیاہِ رخ پہ پریشاں کئے ہوئے  
 چاہے ہے پھر کسی کو مقابل میں آئندہ ۱۳ شرم سے تیز و نشہ مرگاں کئے ہوئے  
 اک نوہارِ ناز کو تالکے سے پھر نگاہ ۱۴ چہرہ فروغِ مے سے گلستاں کئے ہوئے  
 پھر جی نہیں ہے کہ دہ کیسے کیسے الہیں ۱۵ سہرِ زہرِ بارِ منتِ دریاں کئے ہوئے  
 جی دھونڈتا ہے پھر وہی فرصتِ لاشن ۱۶ بیٹھے رہیں تصورِ جانان کئے ہوئے

غالب ہمیں نہ چھیر کہ پھر جوشِ اشک کے

بیٹھے ہیں ہم تہیہ طوفاں کئے ہوئے

۱۔ یار کو حماں بٹلائے ہوئے مدت ہو گئی ہے اور زمانہ گزر گیا ہے  
 کہ شرابِ روشن کے ساغروں سے بزم کو روشن نہیں کیا۔ مطلب یہ ہے  
 کہ یار آئے تو پھر بزم کو جوشِ قدح سے چراغاں کروں شرابِ آتشین  
 کو چراغِ تصور کیا ہے۔

۲۔ عرصہ ہو گیا ہے کہ مرگاں یار کی دعوت نہیں کی، اس لئے جگر کے

ٹکڑوں کوئیں پھر جمع کر رہا ہوں تاکہ دعوتِ مژگانِ یار کروں۔ ظاہر ہے کہ پہلے دعوتِ مژگانِ یار کر چکے ہیں، جس کی وجہ سے دل ٹکڑے ٹکڑے ہو چکا ہے اور اس کو اب جمع کر رہے ہیں۔ بقول طباطبائی جو کچھ غائب نے لکھا ہے زینتِ کالفظ وہ لطف ہرگز پیدا نہیں کر سکتا۔ عودِ دعوت نے کیا ہے۔

۳۔ وضعِ احتیاط سے گریبانِ پھاڑنے میں احتیاط کرنا مراد ہے۔ برسوں ہو گئے ہیں کہ میں نے گریبانِ چاک نہیں کیا۔ اس وضعِ احتیاط کی وجہ سے میرا دل گھبرانے لگا اور دل میں ایک قسم کی بے چینی پیدا ہو گئی ہے۔

۴۔ گرم یعنی مصروف۔ میرا نفس پھر نالائے شر رہا دیکھنے میں مصروف ہے کیونکہ نالوں کی شرابی سے جو کیفیت چراغاں کی پیدا ہوتی ہے، اس کی سیر کئے ہوئے مدت ہو گئی ہے مطلب یہ ہے کہ پھر ایسے نالے دیکھنے کوئی چاہتا ہے جو شرابی سے چراغاں کا منتظر پیدا کر دیں۔ ۵۔ جہاں احتیاط یعنی زخمِ دل۔ طیبِ عشق زخمِ دل کی پریش اور عیادت کو چلا ہے اور لطف یہ ہے کہ اس کے ساتھ لاکھوں مکملان ہیں بالفاظِ دیگر عشقِ پھر زخمِ دل پر تک پھر تک کراؤ عشق کو مشتعل کرنے والا ہے۔

۶۔ میں خاتمہ مژگان کو پھر خونِ دل میں ڈبو رہا ہوں، تاکہ اپنے دین پر گلکاریاں کروں مطلب یہ ہے کہ مژگان کا موقلم ہے اور خونِ دل کی ردائی جس سے صفو دامن پر گلکاریاں ہوں گی۔

۷۔ میرے دل اور آنکھوں میں رقابت پیدا ہو گئی ہے، کیونکہ دل نے خیالِ یار اور آنکھوں نے اس کے نظارے کا پھر سامان فراہم کیا ہے۔

۸۔ طواف .. چکر کا شمار۔ پندار یعنی غور، خود داری۔

میرادل خود داری کا صمم کدہ دیوان کر کے کوئے ملاحت کی طرف جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ خود داری کو ترک کر کے میرادل کوچے عشق میں طواف کو چلا ہے، جہاں اسے طرح طرح کی ذلتیں اور ملامتیں اٹھانی پڑیں گی، گویا پہلے عشق کے ذمے سے خود داری مانتے تھے۔ اب خود داری کا طلسم ٹوٹ گیا ہے، خود داری کا صمم کدہ کہنا لطف سے خالی نہیں۔

۹۔ شوق یعنی عشق کو پھر کسی خریدار کی غلب ہے اس لئے اس نے متاع عقل و دل و جان کو سجا یا ہے، تاکہ کوئی خریدار (معتوق) آئے اور ان چیزوں کی خریداری کرے۔ مطلب یہ ہے عشق کسی عاشق کا طلب گار ہے جو عقل و دل اور جان کو غارت کر دے۔

۱۰۔ طباطبائی : گل و لالہ کا حسینوں سے استعارہ ہے اور صد گلستاں نگاہ میں گلستاں کو میمانہ نگاہ فرض کیا ہے، اس سبب سے کہ گلستاں پر نگاہ رغبت اور شوق کی پڑتی ہے۔

سعید : صد گلستاں نگاہ کئے ہوئے یعنی نہایت ذوق و شوق کے ساتھ نگاہ کئے ہوئے۔

آسی : ہر گل و لالہ پر خیال دوڑ رہا ہے اور چاہتا ہے کہ اس صورت سے میری نگاہ کو رشک صد گلستاں بنائے یعنی ذوقِ نظارہ گلستاں سے یا اثرِ نظارہ سے۔

بجود : پھر خیال حسینوں کی طرف دوڑنے لگا ہے نگاہ میں سینکڑوں باغوں کا سامان فراہم کئے ہوئے۔

۱۱۔ عنوان یعنی سرخی۔ نامہ دلدل کے دلفریب عنوان پر ہیں اس قدر

مفتون ہوں کہ اس کا خط میں اس طرح کھولنا چاہتا ہوں کہ اپنی جان کو اس کے عنوان کی دلفریبی پر قربان کر دوں یا بقول آئسی یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے۔ کہ میرا شوق اس قدر بڑھا ہوا ہے کہ الخ

۱۲۔ پھر میری ہوس نظارہ کی غلبہ گار ہے یعنی کوئی لب بام پر کھڑا ہو اور اس کی سیاہ زلفیں اس کے چاند جیسے چہرے کے ادگرہ پریشان ہوں۔

۱۳۔ پھر میری آرزو چاہتی ہے کہ کوئی میرے سامنے بیٹھا ہو اور اس نے اپنی سڑگل کے خنجروں کو مسرہ سے تیز کر رکھا ہو۔ مطلب یہ ہے کہ کوئی سُرگیس چشم معشوق میرے سامنے بیٹھا ہو اور وہ تیر نظر سے میرے دل کو رنجی کر رہا ہو۔

۱۴۔ پھر میری نگاہ ایک نو بار ناز کو ڈھونڈتی پھرتی ہے جس نے اپنا چہرہ فروغ سے گلستاں بنا رکھا ہو۔ مطلب یہ ہے کہ شراب کے اثر سے اس کے چہرے پر سرخی اور رنگینی نمودار ہو (مے اور تاک اور دیگر الفاظ میں مناسبت ہے) ۱۵۔ پھر میں سماتی ہے کہ ہم معشوق کے در پر پڑے رہیں اور ہمارا سر دربان کے بار احسان سے جھکا رہے، دربان کا احسان یہ ہے کہ معشوق کے درد اسے پر پڑے رہنے کی اجازت دے دے۔

۱۶۔ پھر دل کو آرزو ہے کہ زمانہ گزشتہ کی طرح ہمیں ایسی فرصت مل جائے کہ رات دن تصورِ جاناں کئے ہوئے بیٹھے رہیں۔ بقول طباطبائی رات دن زلف رخ کے تصور میں رہیں۔

۱۷۔ ہمیں نہ پھیرلو کیونکہ ہم جوشِ اشک سے طوفان برپا کرنے کا ارادہ کئے ہوئے بیٹھے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی پھیرے گا تو ہم اس قدر دھینگے کہ طوفان برپا کر دیں گے۔

۲۳۴

نویزِ امن ہے بیدار دوست جاں کے لئے ۱ رہی نہ طرزِ ستم کوئی آسمان کے لئے

ہلا سے گروڑہ یار تشنہ خوں ہے ۲ رکھوں کچھ اپنی بھی مڑگاں خونفشاں کے لئے  
 وہ زندہ ہم ہیں کہ ہیں روشناس خلق لئے خنر ۳ نہ تم کہ چور بنے عمر ماوداں کے لئے  
 رہا بلا میں بھی نہیں مبتلائے آفتِ رشک ۴ ہلائے جاں ہے ادا تیری اک جہاں کھلنے  
 فلک نہ پور رکھ اس کچھ کہ میں ہی نہیں ۵ ہر اذیتِ قاتل کے امتحاں کے لئے  
 مثال یہ مری کوشش کی ہے کہ مرغِ اسیر ۶ کہے قفس میں فراہم خس آشیان کے لئے  
 گدا بھگے وہ چپ تنھامری جو شامت تھے ۷ اٹھا اور کھٹکے قدم میں نے پاسباں کے لئے  
 بقدرِ شوق نہیں ظرفِ تنگنائے غزل ۸ کچھ اور چاہئے وسعتِ مرے بیان کے لئے  
 دیا ہے خلق کو بھی تا اُسے نظر نہ گئے ۹ بنا ہے عیشِ حقّ حینِ خدائے کے لئے  
 نہاں پہ بارِ خدا یا یہ کس کا نام آیا ۱۰ کہ میرے نطق نے بوسہ سری زباں کے لئے  
 نصیرِ دولت و دین اور معینِ لکت و ملک ۱۱ بنا ہے چربِ بریں جس کے آستان کے لئے  
 زمانہ عہد میں اُس کے ہے محو آزارش ۱۲ مہین گئے اور ستائے اب آسماں کے لئے  
 ورقِ تمام ہوا اور مدح باقی ہے ۱۳ سفینہ چاہئے اس بھر بیکراں کے لئے  
 ادائے خاص سے غالب ہوا ہے نکتہ سرا

صلائے عام ہے یاد ان نکتہ داں کے لئے

۱۔ نوید یعنی خوشخبری۔ بیدا و دوست سیری جان کے لئے امن اور چین  
 کی خوشخبری ہے، کیونکہ دوست نے کوئی طرزِ ستم آسمان کے لئے باقی نہیں  
 رکھی۔ سبھی قسم کے ظلم اُس نے مجھ پر ختم کر دیئے ہیں لہذا سیری جانِ بوزِ فلک سے  
 بے خطر ہو گئی ہے۔

۲۔ اگر مڑگاں یار تشنہ منوں ہیں تو ہوا کریں۔ آخر میری مڑگاں بھی تو خونفشاں  
 ہیں۔ اس لئے مجھے چاہئے کہ کچھ خون میں اپنی مڑگاں کی خونفشاںی کے لئے رکھ لوں،  
 تمام کا تمام خون مڑو یار کی نذر نہ کر دوں، اگر میں سب خون اس کے حوالے



کر دو گنا تو میرے پاس اپنی مرغان کے لئے کیا رہے گا۔

۳۔ خضر عمر جاوداں کے مالک ہیں۔ کہتے ہیں جناب خضر آپ کی عمر جاوداں کس کام کی ہے۔ نہ کسی سے ملنے جلتے ہو، نہ کسی کو دکھائی دیتے ہو۔ بلکہ عمر جاوداں کے لئے جو رہن گئے ہو۔ بھلا یہ کوئی زندگی ہے۔ زندہ ہم ہیں کہ تمام دنیا سے روشناس ہیں اور ہر ایک سے کلمہ خدا ملتا ہے۔

۴۔ میں مصیبت میں مبتلا ہوں، لیکن پھر بھلی رشک نے مجھے نہیں چھوڑا یعنی مصیبت میں مصیبت یہ ہے کہ میں مبتلائے آفتِ رشک ہوں اور یہ رشک اس بات کا ہے کہ تیری ادبِ اہل ہی سہی، لیکن وہ سارے جہاں کے لئے بلائے جاں کیوں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ اگر بلا بھی تھی تو صرف میرے لئے ہونی چاہئے تھی۔

۵۔ اے فلک! یہ درست ہے کہ قاتل کی دلازدستی کا امتحان اسی وقت ہو سکتا ہے، جبکہ فلک اس سے دور ہو، لیکن کیا صرف میں ہی اس امتحان کے لئے رہ گیا ہوں کہ تو نے مجھے قاتل سے دور رکھا ہے۔ اے فلک! مجھے اس سے دور نہ رکھ، کیونکہ اور بھی بہت ہیں جنہیں دور رکھ کر قاتل کی دلازدستی کا امتحان ہو سکتا ہے۔

۶۔ میری کوشش اور سعی کی مثال ایسی ہے، جیسے کوئی امیر پرندہ قفس میں آشیانہ بنانے کے لئے تنکے جمع کرتا ہو۔ گویا میری کوشش بے سود بھی ہے اور قابلِ رحم بھی۔ بقولِ حالی اس سے زیادہ سختی کسی پیرا یہ میں بیان نہیں ہو سکتی۔

۷۔ حالی: غالب نے اتنے بڑے مضمون کو کہ میں جو معشوق کے مکان پر پہنچا تو اول خاصوش گھڑا رہا، پھر پاسبان کے قدموں پر گر پڑا۔ اب اس

نے جانا کہ اس کا مطلب کچھ اور ہے، اس لئے میرے ساتھ وہ سلوک کیا کہ ناگفتہ بہ ہے۔ اس شعر میں ادا کیا ہے۔

جو واقعہ میرزا نے اس شعر میں بیان کیا ہے اس میں دو باتوں کی تصریح کرنی ضرورت تھی۔ ایک یہ کہ پاسبان نے سائل کے ساتھ کیا سلوک کیا دوسرے یہ کہ سائل پاسبان سے چاہتا کیا تھا۔ سو یہ دونوں باتیں یہ صراحت بیان نہیں کی گئیں۔ صرف کتا یہ میں ادا کی گئی ہیں۔ مگر صراحت زیادہ وضوح کے ساتھ فوراً سمجھ میں آ جاتی ہے پہلی بات پر لفظ شامت اور دوسری پر قدم لینا صرف دلالت کرتا ہے۔ اس کے سوا روزمرہ کی نشست اور الفاظ کی بندش اور ایک وسیع خیال کو دو مصرعوں میں ایسی خوبی سے ادا کرنا کہ شعر میں بھی اس طرح ادا کرنا مشکل ہے۔ یہ سب باتیں نہایت تعریف کے قابل ہیں۔

۸۔ غزل کا تنگ میدان میرے شوق کے مقابلے میں کم ہے، یعنی جن مضامین شوق کوئی بیان کرنا چاہتا ہوں ہوں، وہ غزل میں نہیں لکھ سکتا میرے بیان کے لئے کچھ اور زیادہ وسعت چاہئے۔ لہذا غزل سرائی مجھ کے درج سرائی شروع کرتا ہوں۔

۹۔ تجمل حسین خاں فرخ آباد کے نواب تھے۔ انہوں نے کمال شوق سے غالب کو بلوایا تھا۔ کہتے ہیں اصل میں خد نے عیش و آرام محض تجمل حسین خاں کے لئے بنایا ہے۔ لیکن دوسروں کو اس مصلحت سے تھوڑا بہت عیش و آرام دے دیا ہے کہ تجمل حسین کے عیش و آرام کو نظر نہ لگے۔

۱۰۔ یا اللہ میری زبان پر یہ کس کا نام آیا ہے کہ میری زبان نے میرے منہ کو متعدد بار چوما۔ تجمل حسین خاں کہتے ہیں زبان کئی مرتبہ کام و دہن کو

چھوٹی ہے۔ اسی کو بوسہ سے تعبیر کیا ہے: بایہ کہ خوشی کی وجہ سے زبان نے  
 منہ کو چوما۔ یا جس کے اثر سے میرے نطق نے میری زبان کو چوم لیا، واقعہ  
 یہ ہے کہ سچ کچھ چومنا مراد نہیں صرف اظہارِ محبت مقصود ہے۔

۱۱۔ نصیر .. مددگار + دولت .. حکومت + معین .. مددگار۔

وہ دین و دولت کا مددگار اور ملک و ملت کا حامی ہے اور اس کا  
 مرتبہ اس قدر بلند ہے کہ چرخِ بریں اس کے آستانے کے واسطے بنایا  
 گیا ہے۔

۱۲۔ حالی: مرزا نے اپنے ممدوح کو ایک ایسے کہاں کے ساتھ  
 موصوف کیا ہے، جو تمام کمالات کی جڑ ہے۔ یعنی وہ ہر چیز کو کامل تر  
 اور افضل تر حالت میں دیکھنا چاہتا ہے۔ اس لئے ہر شے اپنے تئیں  
 کامل تر حالت میں اس کو دکھانا چاہتی ہے اور اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ اگر یہی  
 حال ہے تو شاید آسمان کی زیب و زینت کے لئے اور ستارے پیدا  
 کئے جائیں۔ اس پر سوائے اس کے کہ کوئی منطقی اعتراض کیا جائے اور  
 کسی طرح کی گرفت نہیں ہو سکتی۔

صبا طہائی لکھتے ہیں کہ ”مولوی حالی صاحب نے جو معنی لکھے ہیں اس  
 پر کوئی قرینہ نہیں مطلب یہ ہے کہ ممدوح کا نام تاج محل حسین ہے اسی سبب سے  
 تولد اس کے عہد میں مصروفِ تاج محل آرائش ہے۔“ کیا عجب ہے کہ زہرہ و شتری کی  
 طرح آسمان کے لئے اور ستارے بھی بن جائیں۔“

۱۳۔ ممدوح کی تعریف صریح لکھتے لکھتے ورق ختم ہو گیا اور اس کی تعریف  
 ابھی اتنی رہی ہے کہ معلوم ہوتا ہے اس بھر بیکران (ناپیدا کنار سمندر) کے لئے  
 ایک سفینہ (کشتی) درکار ہے، یعنی اس کی تعریف بہت ہے، وہ چند کاغذ پر

نہیں لکھی جاسکتی۔ سفینہ کا لفظ بھر کی مناسبت سے لائے ہیں اور اس سے مقصود دفتر یا بہت بڑی بیاض ہے۔

۴۱۔ میں آج اداٹے خاص سے نکتہ سرا ہوا ہوں یعنی میں نے غزل میں مدح لکھی ہے۔ میں یاد ان نکتہ داں کو صلاٹے عام دیتا ہوں کہ وہ بھی غزل میں مدح کرنے کا یہ نیا ڈھنگ اختیار کریں۔

## قصائد

۲۳۵

سازیک ذہ نہیں فیضِ سخن سے بیکار ۱ سایہ لالہ بے داغ سوئے بہا  
مستی بادِ صبا سے ہے بعض سبزہ ۲ ریوہ شیشہ سے جو ہر تیغ کسار  
سبزہ ہے جامِ زہر کی طرح داغِ پنگ ۳ تازہ ہے ریشہ نارنج صفت نئے شرا  
مستی ابر سے گلچینِ طرب ہے حسرت ۴ کلاسِ آغوش میں ممکن ہے دو عالم کا فشار  
کوہِ دھوا ہر معمور ہی شوقِ غلیل ۵ ماہِ خوابیدہ ہوئی خندہ گل سے پیدا  
سوئے ہے فیضِ ہوا صورتِ شرکانِ جیم ۶ سرِ نوبشتِ دو جہاں ابریکِ سطرغبار  
کاشکے بھٹکے تاغمن تو باندازِ ہلال ۷ قوتِ نامید اس کو بھی نہ چھوڑے بیکار  
کفِ ہر خاک بگدھوں شدہ قمری پڑا ۸ دامِ ہر کاغذ آتش زدہ طاووسِ شکار  
میکدے میں ہوا گر آرزوئے گل چینی ۹ بھول جایک قدحِ بادہ بطاقِ گلزار  
موجِ گل ڈھونڈ رہے جلو تکدہ غنچہِ باغ ۱۰ گم کرے گوشہِ میخانہ میں گر تو دستار  
کھینچے گریانی اندیشہِ حمن کی تصویر ۱۱ سبز مثلِ خطِ نوخیز ہو خطِ پرکار  
لعل سے کی ہے پے زمزمہ جتِ شاہ ۱۲ طوطی سبزہ کسا نے پیدا مقام

وہ شہنشاہ کہ جس کی پے تعمیر سرا ۱۳ چشم جہل ہوتی قالبِ خشتِ دیوار  
 فلکِ العرش ہجومِ فہم دوشِ مزدور ۱۴ رشتہ فیضِ اذل سازِ طنابِ معمار  
 سبزہ نہ چینِ یک خطِ پشتِ لبِ بام ۱۵ رفتِ بہتِ صد عارفِ یک لُجِ حصا  
 وں کی خاکِ کتِ محلِ ہر جیسے یک پر کاہ ۱۶ وہ ہے مردِ طہالِ پری سے بیزار  
 خاکِ محرابِ نجف جو ہر سیرِ عرفا ۱۷ چشمِ نقشِ قدمِ آئینہِ بختِ بیدار  
 ذرہ اس گرد کا خود شید کو آئینہِ ناز ۱۸ گردِ اس وشت کی امید کو احرامِ بہار  
 آفرینش کو دیاں سے طلبِ مستی ناز ۱۹ عرضِ خیالِ رکباد ہے ہر سوجِ غبار

## مطلع ثانی

فیض سے تیرے جلے شمعِ شبت کی ۱ دل پر وانہ چلاغاں، پر بیلِ گلزار  
 شکلِ طاؤس کہے آئینہِ خسانہ پر ۲ ذوق میں جلوہ کے تیرے ہوئے دیلا  
 تیری اولاد کے غم سے ہے بروئے گرد ۳ سلکِ اختر میں میرِ نوموڑہ گو سراہ  
 ہم عبادت کو ترا نقشِ قدمِ مہرِ ناز ۴ ہم ریاضت کو تیرے حوصلہ سے انتظار  
 درج میں تیری نہاں زمزمہِ نعتِ نبی ۵ جام سے تیرے عیاں بادہِ وحشِ اسرار  
 جو ہر دستِ عا آئینہ یعنی تا شیر ۶ یک طرفِ ناریں بڑگاں دو گرو غمِ خار  
 مردِ یک سے ہو عزا خانہ اقبالِ نگاہ ۷ خاکِ ہلکی ترے جو چشم نہ ہو آئینہ دار  
 دشمنِ آلِ نبی کو یہ طرب خانہ دہر ۸ عرضِ خیالِ سیلاب ہو طاقِ دیار  
 دیدہ اولِ اسدا آئینہ یک پر تو شوق ۹ فیضِ معنی سے خطِ ساغرِ اقامِ سرشار  
 ۱۔ ذرہ کو ایک سازِ تصور کیا ہے + فیضِ چین ۱۰ اثرِ بہار + لالہِ میلِ غ  
 ۱۱ اثرِ بہار مراد ہے۔

مطلب یہ ہے بہار کے اثر سے لالہ کا داغ دور ہو گیا ہے۔ داغ سیاہ ہوتا ہے۔ بہار میں سیاہی کا کیا کام ہے۔ اس وقت تو ہر طرف سبز ہی سبز ہونا چاہئے۔

سویدا .. دل میں ایک سیاہ تل ہوتا ہے۔  
 کہتے ہیں فیض بہار سے باغ کا کوئی ذرہ بیکار نہیں رہا۔ ہرزہ کا ساز متحرک ہے۔ یہاں تک کہ لالہ کا داغ دور ہو گیا ہے۔ سایہ ایک بیکار چیز تھی، لیکن شاعر نے اثر بہار دکھانے کے لئے اسے بھی باکار بنا دیا ہے۔  
 طباطبائی لکھتے ہیں۔ لالے کی صفت ہے داغ سے دو باتیں پیدا ہوتی ہیں ایک تو دنگ بہار کی خوبی سے لالے میں داغ نہیں رہا۔ دوسرے یہ کہ داغ اگر لالے میں ہوتا تو وہی سویدا ہے بہار تھا۔ لیکن جب اس میں داغ نہیں ہے تو اس کے سائے میں سویدا ہے بہار کا حسن و تناسب پیدا ہو گیا۔

۲۔ عرض .. ظاہر کرنا + تیغ کسار .. قلم کو کہ تیغ کسار کہتے ہیں۔ یعنی پہاڑ کی چوٹی + جوہر .. یعنی سبزہ کسار + عرض و جوہر اور جوہر تیغ لفظی رعایت رکھتے ہیں۔ پہلے کسار کو ایک تیغ قرار دیا پھر سبزہ کسار کو جوہر تیغ، جوہر تیغ کی تیزی ظاہر کرنے کے لئے کہا ہے کہ باد صبا کی مستی کے اثر سے وہ سبزہ جوہر تیغ کسار کا جوہر تھا۔ مینائے شراب کے ریزے بن گیا ہے ظاہر ہے سبزہ کو مینا کی کمرچوں کے ساتھ رنگ میں مشابہت ہے۔ بقول طباطبائی اس شعر میں عرض و جوہر کو جمع کیا ہے۔

۳۔ زمرہ .. سبز دنگ کا قیمتی پتھر + داغ پلنگ .. چنے کی کھال پر سیاہ دجے ہوتے ہیں + ریشہ ناریخ صفت .. ناریخ کے ریشوں کی طرح۔

اس شعر میں بھی تاثیر بہار دکھائی ہے۔ کہتے ہیں۔ بہار کے اثر سے چیتے کے سیاہ داغ جام زمردین کی طرح بسز ہو گئے ہیں اور شرارے نارنج کے ریشوں کی طرح بسز ہو گئے ہیں۔ شرور شدہ نارنج سے سُرخ کی وجہ سے مشابہت تامہ حاصل ہے۔ یہ دونوں تشبیہیں نہایت بدیع ہیں۔

۴۔ گلچین ضرب .. مسرت کے باغ سے گل چینی کرنے والی یعنی بہت زیادہ محفوظ + دو عالم کا فشار .. دونوں عالم کے غم فراموش ہو جانا۔ لفظ فشار اور آغوش میں رعایت پیدا ہو گئی ہے۔

ہر طرف ابر چھا ہوا ہے۔ گویا اس نے دو عالم کو اپنی آغوش میں لے لیا ہے۔ یہ کیفیت دیکھ کر سے دل میں حسرت پیدا ہوتی ہے کہ دیکھو ابر نے دو عالم کو اپنی آغوش میں بھینچ رکھا ہے۔ حسرت اس وجہ سے ہے کہ میری آغوش خالی ہے لیکن یہ حسرت تکلیف دہ نہیں طرب انگیز ہے کیونکہ مستی ابر سے میں بھی مسرور ہوں اور اس طرح سے دو عالم کے غموں کا فراموش ہو جانا ممکن ہے۔ خوشی کی ترنگ میں انسان اکثر غم بھول جاتا ہے۔

۵۔ معموری .. آباد + راہ خواہیدہ .. سونے والیں جہاں کوئی نہ چلے پھرے + خندہ گل .. پھول کے چٹکنے کی آواز + بیدار .. آباد + پُردنق .. وہ راستے جو سونے پڑے تھے موسم بہار کی آمد سے پُردنق ہو گئے ہیں اور تمام کوہ و صحرا بلبلوں کے چھپوں سے آباد ہیں۔ بلبلیں وہیں چھپے کرتی ہیں جہاں پھول ہوتے ہیں۔ پھولوں کے چٹکنے کو خندہ گل کہہ کر مسرت کا ایک سماں پیدا کر دیا ہے۔

اُسی نے دو سرے مخمور میں راہِ خواہیدہ سے مراد وہ لوگ لئے ہیں جو راہ میں سو گئے تھے، گویا وہ خندہ گل سے بیدار ہو گئے ہیں۔

طباطبائی کہتے ہیں کہ معموری کی جگہ معمورہ استعمال کرنا بہتر تھا۔

۶۔ فیض ہوا۔۔ موسم بہار کی تاثیر + مژگانِ قیم۔۔ قیم کی خاک آلود آکھوں سے مدقوں اشک جاری رہتے ہیں + سرزشت۔۔ تقدیر، قسمت کا اکھیا + دو جہاں ابر۔۔ بہت زیادہ ابر + ایک سطرِ غبار۔۔ تھوڑا سا غبار۔

اگر آسمان پر ذرا سا غبار آتا ہے تو یاد بہاری اس کو مژگانِ قیم کی خاصیت عطا فرماتی ہے۔ گویا مژگانِ قیم کی طرح مدقوں اشک برساتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ فیض ہوا سے غبار میں بھی ابر کشی کی خصوصیات پیدا ہو جاتی ہیں۔ مرزا صاحب نے اس شعر میں کمال نازک خیالی دکھائی ہے۔ الفاظ بھی نہایت مناسب ہیں۔

۷۔ باندا ز ہلال۔۔ ہلال کی طرح + قوتِ نامیہ۔۔ بڑھنے کی قوت، بالہنگی۔ قوتِ نامیہ میں اس قدر زور پیدا ہو گیا ہے کہ اگر ناخن تراش کر بھینکتے تو وہ ہلال کی طرح بڑھتے بڑھتے بدرجہا جاتا ہے۔ تراشے ہوئے ناخن کی شکل ہلال جیسی ہوتی ہے

۸۔ کھٹ ہر خاک۔۔ خاک کی ہر مٹھی۔ قمری کا رنگ خاکستری ہوتا ہے۔ اس لئے ہر کھٹ خاک قمری بن گئی + بہ گردوں شدہ۔۔ خاک کی صفت ہے خاک اڑ کر آسمان کی طرف جاتی ہے + کاغذِ آتش نہہ۔۔ جلا ہوا کاغذ کاغذ جل جانے کے بعد جال کی شکل اختیار کر لیتا ہے، کیونکہ اس میں جالی پڑ جاتی ہے۔

تاثیر ہوا سے ہر چیز میں جان پڑ جاتی ہے۔ صدر ہے کہ خاک کی ہر مٹھی جب آسمان کی طرف چڑھی تو وہ قمری بن گئی اور کاغذ جل جانے کے بعد دھام بن گیا جو طلوس کو شکار کرتا ہے۔



۹۔ اگر تجھے بھی میکدے میں میٹھ کر گل چینی کرنے کی آرزو ہے تو بہار کی تاثیر تیری اس آرزو کو بھی پوری کر دیگی۔ اس آرزو کو پورا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ شراب کا ایک پیالہ بھر اور اسے طاق گلزار میں رکھ کر بھول جا۔ قوتِ نامیہ اس پیالے سے ہزار پیالے اور ہزار طاق پیدا کر دیگی۔ گویا گلزار میں میکدہ پیدا ہو جائیگا اور تو میکدے میں گل چینی کی آرزو پوری کر سکے گا۔

۱۰۔ اگر تونے کے عالم میں اپنی پگڑی میکدے کے کسی کونے میں بھول جائے تو پھر تجھے اس پگڑی کو مچھلنے کے کونوں میں نہیں بلکہ غنچہِ بہار کے خلوتِ خلتے میں ڈھونڈنا چاہئے۔ فیضِ بہار سے گوشہٴ میخانہٴ غنچہٴ بہار کا خلوتِ کدہ بن جائیگا اور تیری گمشدہ دستارِ موج گل ہو جائیگی۔

سبحان اللہ کیا نازک خیالی ہے۔ پگڑی جب تک بندھی رہتی ہے غنچہ کی مثل ہے۔

۱۱۔ مانی اندیشہ .. مانی بابل کا مشہور مصوٰد ہے۔ اس نے اپنی مصوٰدی کی وجہ سے پیغمبری کا دعوئے کیا تھا اور اپنی مصوٰدی کو اپنا معجزہ قرار دیا تھا مراد ہے اندیشہ یعنی قوتِ تخیلہ + خطِ نوخیز .. سبزہٴ آغاز۔ اگر مانی اندیشہ چمن کی تصویر کھینچے تو بادِ بہاری کی تاثیر سے اس کا خطِ پرکار خطِ نوخیز کی طرح سبز ہو جائے۔

طباہِ بانی لکھتے ہیں کہ مانی اندیشہ کو تصویر اتارنے میں پرکار کی کیا ضرورت ہے۔ پھر خود ہی فرماتے ہیں کہ پرکار سے بھی پرکار اندیشہ مراد ہے۔

۱۲۔ منقار .. چونچ + مدحت .. مدح + طوطی .. ایک سبز رنگ کا چوٹا سا پرندہ جو مثلِ طوطے کے بولتا ہے۔

بادشاہ کی مدح سرائی کے لئے سبزہٴ کسار کے طوطی نے اس سے

زبان پیدا کر لی ہے۔ سبزہ کو ہمار کو طوطی اور لعل کو منقار طوطی قرار دے کر یہ ظاہر کیا ہے کہ یہ سرخ منقار والا طوطی تیسری درج سرائی کے لئے پیدا ہوا ہے۔ لطف یہ ہے کہ لعل اور سبزہ کو ہماروں ہی میں ہوتا ہے۔

۱۳۔ قالب .. سانچہ + خشک .. اینٹ ۔

یہ طوطی اس بادشاہ کی تعریف کرے گا، جس کے محل کی تعمیر کے لئے جبریل کی آنکھیں اینٹیں بنائی گئی ہیں۔

۱۴۔ فلک العرش یعنی آسمان، مقم۔ ہجوم کثرت خمیدگی کو ظاہر کرنے کے لئے لائے ہیں رخم .. خمیدگی + رشتہ .. سلسلہ + ساز .. سازان + طناب .. وہ سوت جس سے معمار دیوار کا سیدھا یا ٹیڑھا حل بن دیکھتے ہیں۔ اس عالیشان محل کی تعمیر کے لئے ساتواں آسمان دوش مزدور کی طرح بہت ہی زیادہ خم ہو گیا ہے۔ اس محل کے بنانے والے معمار کا سوت فیض ازل کا رشتہ ہے۔ یعنی اس محل کی تعمیر میں فیض ازل گہوار ہے۔

حسرت، آہستی اور سبید خم کے معنی مشک کے لیتے ہیں۔ گویا فلک العرش ایک بڑا سا خم ہے کہ مزدور تعمیر کے لئے اُس میں پانی بھر کر لاتے ہیں۔

۱۵۔ سبزہ نہ چین .. نو آسمان کی سبزی، یعنی بہت ہی زیادہ سبزی۔ ممدوح کے محل کی پشت لب ہام کا ایک خط تو چمنوں یا آسمانوں کے سبزہ کے برابر ہے اور اس کے محل کی بلندی سوا عارفوں کی ہمت کے برابر بلند ہے واؤ دونوں مصرعوں میں مساوات کے معنی دے رہی ہے۔

طبا طبائی کہتے ہیں حرف عطف ان معنوں میں محض فارسی میں استعمال ہوتا ہے۔

۱۶۔ خاشاک .. تنکے وغیرہ + کاہ .. سوکھی ہوئی گھاس + مردہ

.. پنکھا + بال پری .. پری کے بازو -

اس محل کے کوڑے کرکٹ میں سے جس شخص کو ایک تنکا مل جائے وہ پری کے بازو کے پنکھے سے بھی بیزار ہو جائے۔  
طباطبائی لکھتے ہیں کہ ”یہ مبالغہ غیر عادی ہے، کیونکہ بیزارگی کا کوئی سبب نہیں“ (حالانکہ وجہ معقول موجود ہے)

۱۷۔ نجف .. وہ مقام جہاں حضرت علیؑ کا روضہ ہے عرفاً .. عارف کی جمع + جو ہر وہ شے ہے جس سے دوسری شے قائم ہو اور اس کی ذات بذات خود قائم ہو۔

صرف صحرائے نجف کی خاک عارفوں کی سیر کا جوہر ہے اور صحرائے نجف کی زمین پر جو نقش قدم بنتے ہیں، وہ گویا بخت بیدار کا آئینہ ہوتے ہیں..... یعنی ان میں بخت بیدار کی صورت نظر آتی ہے۔

۱۸۔ صحرائے نجف کا ہر ذرہ خورشید کے لئے آئینہ ناز ہے، حالانکہ قاعدہ یہ ہے کہ ذرہ خورشید پر ناز کرتا ہے اور دشت کی گرد محض نسبت نجف کی وجہ سے امید کے لئے فصل بیمار کا جامہ احرام ہے۔

۱۹۔ حسرت: ایجاد کو اس خاک پاک کی آفرینش پر ناز ہے پس نجف کی ہر موج غبار گویا آفرینش و ایجاد کی انگڑائی ہے جس کے ذریعہ وہ ہر زبان حال یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ہم کو اس شرابِ فنا و ناز (یعنی نازِ ایجاد و نجف) کی پھر خواہش ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس سر زمین کو پیدا کر کے آفرینش کو بار بار ناز ہوتا ہے۔

## مطلع ثانی

۱- اے شمع شبستان بہار! تیرے فیض سے سب کی مرادیں حاصل ہو گئی ہیں۔ پروانے کا دل چراغاں بن گیا ہے۔ بلبل کے پر گلزار ہو گئے ہیں۔ ظاہر ہے پروانہ کا معشوق چراغ ہے اور بلبل کا محبوب پھول۔  
 ۲- کیا تعجب ہے کہ آئینہ خانہ تیرے جلوہ شوق اور تیرے دیدار کے ذوق میں مثلِ طاووس پرواز کرنے لگے۔ اس نادر تشبیہ کی سمجھی تعریف کرتے ہیں۔

۳- غم سے مراد یہاں غمِ آلِ رسول، یعنی اولادِ حضرت علی ہے کہتے ہیں اے شاہِ نجف! تیری اولاد کے غم میں آسمان پرستاروں کی لڑی میں مہِ نو گوہر بار بن گیا ہے۔ مہِ نو کو مژدہ اور ستاروں کو سلکِ اشک قرار دیا ہے۔ یہ ہے کہ غمِ حسین میں جو آئینہ نکلتے ہیں وہ موتی کا مرتبہ رکھتے ہیں۔

۴- بقول طباطبائی ”ہم“ اس شعر میں بھلا نہیں معلوم ہوتا۔ فارسی میں یہ استعمال قابلِ اعتراض نہیں۔ ہر نماز سے مراد سجدہ گاہ ہے۔ جس پر اہل تشیع سجدہ کرتے ہیں، استقلار... پشتِ پناہ۔ کہتے ہیں تیرا نقشِ قدم عبادت کے لئے سجدہ گاہ ہے اور تیرا حوصلہ ریا ضنت کے لئے پشتِ پناہ یعنی تقویت کا باعث ہے۔

۵- تیری مدح میں نعتِ نبی کا زمرہ مہِ پوشیدہ ہے، یعنی تیری مدح دہرہ نبی کی مدح ہے اور جس شخص نے تیری محبت کا جام پی لیا، سمجھ لو وہ یادہ اسرار سے سرشار ہو گیا۔

۶- دستِ دعا کو آئینہ اور دعا کی تاثیر کو اس آئینہ کا جوہر تصور

کیا ہے۔ کہتے ہیں ایک طرف دعا کی تاثیر مرثگان اشک ریز کے لئے باعثِ ناز ہے کیونکہ صدقِ دل سے دعا کرتے وقت آنکھوں سے آنسو نکل پڑتے ہیں اور دعا قبول ہو جاتی ہے اور دوسری طرف خارِ حسرت کے لئے رنج و ملال کا موجب۔ کیونکہ دعا قبول ہونے پر حسرت پامال ہو جاتی ہے۔

۷۔ مردمک .. آنکھ کی پتلی۔ پتلی سیاہ ہوتی ہے اس لئے اس کو عروشا سے تشبیہ دی ہے + اقبال .. بختِ مندی و کامرانی + آئینہ دار .. فرمانبردار۔ تابعدار۔

جو آنکھ تیرے در کی خاک کی فرمانبردار اور تابعدار نہ ہو اس کی نگاہ اقبال کا عروشا بن جائے۔ یعنی وہ ہمیشہ اقبال کے سوگ میں سیاہ پوش رہے اور اس کو اقبالِ مندی دیکھنی نصیب نہ ہو۔

۸۔ طاقِ محراب کی وجہ سے خمیازہٴ سیلاب سے تشبیہ دی ہے۔ خمیازہٴ سیلاب .. موجِ سیلاب۔

خدا کرے آلِ نبی کے دشمن کے لئے اس دُنیا کے عشرتِ کدہ کا ہر طاقِ دیوار موجِ سیلاب بن جائے۔ مطلب یہ ہے کہ اس کو کبھی خوشی نصیب نہ ہو۔

۹۔ اے استادِ آنکھ سے لے کر دل تک میں ایک آئینہ پر تو شوق بن گیا ہوں۔ یعنی سرتاپا شوق بن گیا ہوں اور معنی شوق سے میرے ساغر کا خط سرشار ہے۔

طبا طبائی لکھتے ہیں کہ خط کا لفظ محض مناسبت کی وجہ سے لائے ہیں، ورنہ اس کی ضرورت نہ تھی۔ گویا شعر کا مفہوم محض اس قدر ہے کہ معنی شوق سے سرشار ہے۔

۲۳۶

- ۱۔ دہر جو جلوہ یکتائی معشوق نہیں  
 ۲۔ بیکسی ہائے تنہا کہ نہ دنیا ہے نہ دین  
 ۳۔ ہرزہ ہے نغمہ زمرہ دم ہستی و عدم  
 ۴۔ لغو ہے آئینہ فرق جنوں و تمکین  
 ۵۔ نقش معنی ہمہ خیالہ عرض صورت  
 ۶۔ سخن حق ہمہ پیمانہ ذوق تحسین  
 ۷۔ لاف و دانش غلط و نفع عبادت معلوم  
 ۸۔ درد یک سانہ غفلت ہے چہ دنیا و دین  
 ۹۔ مثل مضمون وفا باد بدست تسلیم  
 ۱۰۔ صورت نقش قدم خاک بفرق تمکین  
 ۱۱۔ عشق بے ربطی شیرانہ اجڑائے حتماً  
 ۱۲۔ ہل زنگار رخ آئینہ حسن یقین  
 ۱۳۔ کوہ کن گرسنہ مزدور طرب گاہ رقیب  
 ۱۴۔ بے ستوں آئینہ خواب گراں شیرین  
 ۱۵۔ کس نے دیکھا نفس اہل وفا آتش نیز  
 ۱۶۔ کس نے پایا اثر نالہ دلہائے حرمین  
 ۱۷۔ سامع زمرہ اہل جہاں ہو لیکن  
 ۱۸۔ نہ سرو برگ ستائش نہ دماغ نفرین  
 ۱۹۔ کس قدر ہرزہ سراہوں کہ عیاذاً باللہ  
 ۲۰۔ یک قلم خارج آداب وقار و تمکین  
 ۲۱۔ نقش لاجل لکھ لے خامہ ہنیاں تحریر  
 ۲۲۔ یا علی عرض کر لے فطرت و سوس قرین  
 ۲۳۔ منظر فیض خدا، جان و دل ختم رسل  
 ۲۴۔ قبلہ آل نبی، کعبہ اِیکاد یقین  
 ۲۵۔ ہر وہ سراپہ اِیکاد جہاں گرم خرام  
 ۲۶۔ ہر کف خاک ہوواں گردہ نقشبوزین  
 ۲۷۔ جلوہ پرداز ہو نقش قدم اس کا جس جا  
 ۲۸۔ وہ کف خاک ہے ناموس عالم کی امین  
 ۲۹۔ نسبت نام سے اسکی ہے یہ رتبہ کہ ہے  
 ۳۰۔ ابد اُشت فلک خم شدہ ناز زمین  
 ۳۱۔ فیض خلق اس کا بھی شامل ہے کہ ہوتا ہے سدا  
 ۳۲۔ بوئے گل سے نفس باد صبا عطر آگین  
 ۳۳۔ برش تاج کا اس کی ہے جہاں میں چرچا  
 ۳۴۔ قطع ہو جائے نہ سرو شستہ اِیکاد گیس  
 ۳۵۔ کفر سدا کس وہ جلوہ ہے کہ جس سے ٹوٹے  
 ۳۶۔ زنگ عشق کی طرح بیوقوفیت خانہ برصین  
 ۳۷۔ جان بنا ہا دل و جان فیض رسانا، شاہ  
 ۳۸۔ وہی ختم رسل تو ہے بہ فتوائے یقین

جسمِ اطر کو ترے دوشیں ہمیں منبر ۲۱ نام نامی کو ترے ناصیہ عرشِ نگین  
 کس سے ممکن ہے تیری شمع بغیر ازواج ۲۲ شعلہ شمع مگر شمع پہ باندھے آتش  
 آستان پر ہے ترے جوہر آئینہ منگ ۲۳ رقم بندگی حضرت جبریل امین  
 تیرے دیکھے اسبابِ اشارہ آمادہ ۲۴ خاکیں کو جو خدائے جانے دلِ مبین  
 تیری محبت کے لئے میں دل و جان کام و زباں ۲۵ تیری حلیم کو میں لوح و قلم مستند جس  
 کس سے ہو سکتی ہے مداحی ممدوح خدا ۲۶ کس سے ہو سکتی ہے آرائشِ فردوسِ برین  
 جنسِ بازاری معاصی اسدا اللہ اسدا ۲۷ کہ سوا تیرے کوئی اُس کا خرم دار نہیں  
 شوقی عرضِ مطالب میں ہے گستاخِ طلب ۲۸ ہے ترے حوصلہ فضل پہ اذیک یقین  
 ہے دعا کو مری وہ مرتبہ حسن قبول ۲۹ کہ اجابت کے ہر حرف پہ سوارِ آمین  
 غمِ شبیر سے ہو سینہ یہاں تک برسوز ۳۰ کہ میں خونِ جگر سے مری آنکھیں رنگین  
 طبع کو آفتِ دلمل میں یہ سرگرمی شوق ۳۱ کہ جہانِ کچلے اُس سے دم اور مجھ سے جس  
 دلِ آفتِ نسب و سینہ توجیدِ قضا ۳۲ مگر جلوہ پرست و نفسِ صدق گزریں  
 صرف اعدا اثرِ شعلہ زود و وزخ

وقفِ احبابِ گل و سنبلِ فردوسِ برین

۱۔ صوفیائے کرام کا عقیدہ ہے کہ جتنی جس شخص اور چیز میں تابیت ہوتی  
 ہے اتنا ہی اس کو نور پہنچتا ہے۔ فرماتے ہیں تمام دنیا ذاتِ باری کی جلوہ گاہ ہے  
 اور اس کی تخلیق کا باعث اس معشوقِ حقیقی کی خود بینی ہے۔ اگر اسے اپنا پر تو وجود  
 دیکھنا مقصود نہ ہوتا تو کوئی چیز دنیا میں پیدا نہ ہوتی۔ یوں سمجھنا چاہئے کہ تمام  
 مخلوقات ایک آئینہ ہے جس میں وہ اپنا جمال دیکھتا ہے اور اس کی  
 تخلیق کا سبب اس کی خود بینی ہے۔

۲۔ تماشا یعنی نظارہ عالم۔ فرماتے ہیں ہم نے اس دنیا کے فانی کا

نظارہ ایسی بے دلی ہے کیا کہ اس سے نہ ہجرت حاصل ہوئی نہ ذوق پیدا ہوا۔  
 اسی طرح ہماری تمنا بالکل بیکس ہے کہ نہ وہ دُنیا کے متعلق ہے نہ دین سے۔  
 بقول بخود و طباطبائی اگر انسان دُنیا کے تماشے سے عبرت حاصل کرے  
 تو دین کا فائدہ ہے اور اگر لطف اٹھائے تو دُنیا کے مرے ہیں۔  
 مگر ہماری بے دلی تماشہ و بے کئی تمنا نے دونوں فائدوں سے ہمیں  
 محروم رکھا۔

۳۔ ہرگز... لغو۔ بیہودہ + زیر و بم۔ پینچی اور اونچی آواز۔ ہستی  
 کو ہم ادنیٰ کو عدم سے مشابہ کیا ہے + تمکین .. ہوشیاری۔  
 ہستی اور نیستی کے نغمے بالکل بے معنی ہیں اور دیوانگی و فرزانگی میں  
 فرق کرنا لغو ہے مطلب یہ ہے کہ باوجود باری تعالیٰ کے سوا تمام اشیاء کے  
 وجود و عدم یا دیوانگی و فرزانگی کے تعلق بحث کرنا فضول ہے۔ اسی کی ذات  
 کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہئے۔

۴۔ نقشبۃ معنی... ظاہر داری + عرض صورت... اظہار صورت۔  
 جو لوگ معنی شناسی کے دعویدار ہیں وہ حقیقت ظاہر داری کرتے ہیں  
 اور جو لوگ حق گوئی کا دعوے کرتے ہیں، انہیں اپنی تعریف و تحسین کی خواہش  
 ہوتی ہے مطلب یہ ہے کہ اہل زمانہ میں اصلیت اور حقیقت نہیں رہی۔  
 معنی شناسی اور حق گوئی ظاہر داری، تعریف اور تحسین کی آلودگی سے  
 پاک ہونی چاہئے۔

۵۔ لافِ بے معنی۔ شیخی۔ دُنیا کے معاملات میں اپنی عقلمندی کی نشانی مارنا  
 غلط ہے اور امور دینی میں نفعِ عبادت کی امید فضول۔ حقیقت امر یہ ہے کہ  
 دُنیا و دین دونوں ایک سا غر غفلت کی پیمٹ ہیں۔



۶۔ یاد بدست .. بے فائدہ، لا حاصل، فرق .. سر۔

دنیا ایسی جگہ ہے کہ یہاں تسلیم و رضا سے کچھ حاصل نہیں اور خوداری اور وقار سے نقش قدم کی طرح ذلت ہی حاصل ہوتی ہے۔ ظاہر ہے نقش قدم خاک بسر ہوتا ہے مطلب یہ ہے دنیا میں ان صفات کی کچھ قدر نہیں بلکہ الٹی خدای ہے۔

۷۔ عشق کیا ہے؟ اجڑائے حواس کے منتشر ہو جانے کا نام عشق ہے اور وصل کیلئے؟ حُسنِ یقین کے آئینے کا زنگار۔ اگر آئینہ یقین مجھلا ہوتا تو جلوۂ معشوق اپنی صورت میں نظر آتا ہے۔ گویا دائمی وصل حاصل ہو جاتا۔

۸۔ کوہن کون ہے؟ وہ ایک شجر کا مزدور ہے اپنے رقیب کے عشق پر کا، اس لئے وہ شیریں کے عشق میں کامیابی حاصل نہیں کر سکا اور کوہ بنے شیریں کے خواب غفلت کی تصویر ہے۔ جس سے فریاد سرچھوڑ کر مر گیا اور شیریں کو خبر تک نہ ہوئی۔

۹۔ آج کل کے عاشقین کے متعلق کتنا ہے کہ اہل وفا کی آہوں میں آتشِ خیزی اور دامنِ دوزخ کے نالوں میں اثر کس نے دیکھا ہے، مطلب یہ ہے کہ اہل وفا کی آہیں اور نالے بے اثر ہیں۔

۱۰۔ سامع .. سنے والا + زمزمہ .. نغمہ۔ یہاں طنزاً ہرزہ سرائی مراد ہے + سرفراز گن .. طاقت۔

اہل جہاں کی ہرزہ سرائی کوئیں مجبوراً سن ضرور لیتا ہوں، لیکن ذرا تو مجھ میں اتنی طاقت ہے کہ اس کی تعریف کر سکوں اور نہ اتنا داغ ہے کہ اظہارِ نفرت کر سکوں۔

۱۱۔ ہرزہ سرائی .. بیوقوفہ گو + عیاذاً باللہ .. پناہ بخدا۔

معاذ اللہ میں بھی اس قدر یہودہ گو واقع ہوا ہوں کہ آداب و تقار و تکنت سے ایک دم خارج ہوں، مطلب یہ ہے کہ وہ باتیں جو میں بیان کر چکا ہوں خلاف آداب و تکین ہیں۔ یہ شعر گریز کا ہے۔

۱۲۔ نقش .. تعویذ + لاعل .. نہیں ہے قوت مگر خدا کو + خامہ ہریانِ تحویر .. وہ قلم جو ہمیشہ یہودہ اور بے معنی باتیں لکھتا ہو  
اے یہودہ نفس قلم اب تو نقش لاعل لکھ تا کہ تیرا ہریانِ قور ہو اور  
اے میری موسس میں پھنسی ہوئی فطرت! قریا علی لکھ تا کہ تیرے دوست  
دور ہوں اور تو راہِ راست پر آئے۔

۱۳۔ میرے ممدوح یعنی حضرت علی فہین خداوندی کا منظر ظاہر کرنے والے ہیں اور رسول مقبول خاتم النبیین کے جان و دل ہیں۔ آل نبی کا قبلہ ہیں اور یقین کے کعبے کے موجد۔ مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کے نزدیک ان کی ذات بہت مقدس ہے۔

۱۴۔ گردہ تصویرِ زمین سے گردہ زمین مرا ہے۔ وہ سرمایہ ایجاد و عالم جہاں سرگرمِ خرام ہو، دیاں کی ہر مشتبہ خاک گردہ زمین بن جاتی ہے۔ ایجاد کی رعایت سے کہا ہے کہ اس کے پیروں تلے کی خاک سے بہت سے عالم پیدا ہو جاتے ہیں۔

۱۵۔ ممدوح کا نقش قدم جس جگہ جلوہ پرداز ہو، اس تحویری سی جگہ کی خاک دونوں عالم کے لئے باعثِ شرف ہوتی ہے۔

۱۶۔ حضرت علی کی کنیت ابو تراب ہے اور تراب کے معنی خاک کے ہیں۔ ظاہر ہے زمین کو خاک سے نسبت ہے پس اسی نام کی نسبت کی وجہ سے زمین کو یہ رتبہ حاصل ہے کہ ابد تک پشتِ فلک اس

فرد مار کے باعث غم رہے گی۔  
 ۱۷۔ آئے اسدی اُسی کے خلقِ عظیم کا فیض ہے کہ گل کو پنچا ہے  
 گویا اس کے اثر سے گل میں خوشبو پیدا ہوئی ہے اور بوٹے گل سے  
 بادِ صبا محض ہوئی ہے۔

۱۸۔ ممدوح کی ذوالفقار (تلوار) کی کاٹ کا سارے جہان میں چرچا  
 ہے بے درجہ کہ کہیں اس کی تیزی کے چرچوں سے سرِ شبنمِ اِکبادِ  
 عالم ہی قطع نہ ہو جائے۔

۱۹۔ ممدوح کا جلوہ ایسا کفر سوز واقع ہوا ہے کہ اس سے عاشق  
 کے رنگ کی طرح پھین کے ٹہت خانہ کی رونق اڑ جاتی ہے۔  
 رنگ کا ٹوٹنا اور رونق اور رونق کا ٹوٹنا اردو محاورہ کے خلاف ہے  
 مرزا صاحب نے فارسی محاورات کا ترجمہ کر ڈالا ہے شاید بت غلے کی  
 رعایت سے ایسا کیا ہے۔

۲۰۔ وہی کے غلطی معنی مجس کو وصیت کی گئی ہو یعنی جانشین لے  
 جان کو بنا دیتے دے اور دل و جان کو فیض پہنچانے والے بادشاہ!  
 بیشک حاکمِ انجمن کا تو ہی وہی جانشین ہے۔

۲۱۔ دوش .. کاندھا + اطر .. نہایت پاک ۔ تاصیہ .. پیشانی۔  
 تیرے شہوتِ پاک جسم کا منبر دوش پیمر ہے اور تیرے نامِ نامی  
 کا لگنے دوش کی پیشانی ہے۔ حضرت علیؑ نے دوش پیمر پر سوار ہو کر  
 خانہ کعبہ کے محبت توڑے تھے۔ دوسرے مصرعے سے یہ مراد ہے کہ  
 تیرا نامِ نامی عرشِ معلیٰ پر لکھا ہوا ہے۔ جب رسولِ مقبول عرشِ پر شریف  
 لے گئے تو انہوں نے وہاں علیؑ لکھا ہوا دیکھا۔

۲۲۔ واجب .. خدا تعالیٰ + باندھے آئین .. یعنی آئینہ بندی و آرائش ۔

تیری مدح سوائے خداے تعالیٰ کے کوئی نہیں کر سکتا۔ شمع کی آرائش اور آئینہ بندی شعلہ شمع کے سوا اور کون کر سکتا ہے۔ ظاہر ہے شمع کو شعلہ ہی سے آرائش حاصل ہوتی ہے۔ گویا ممدوح کی ذات گرامی کو خدائی اللہ ہو جانے کی وجہ سے خداے تعالیٰ سے وہی تعلق حاصل ہو گیا ہے، جو شمع کو شعلہ سے ہے۔

۲۳۔ ممدوح کے سنگ آستان کو آئینہ قرار دیا ہے اور اس پر حضرت جبرئیل امین کے سجدے کے نشاں کو اس آئینہ کا جوہر۔ فرماتے ہیں تیرے سنگ آستان کے آئینے میں جبرئیل امین کے سجدہ کے نشانات جوہر آئینہ کی طرح نظر آتے ہیں۔

۲۴۔ آمادہ یعنی تیار۔ جیسا۔ خدا تعالیٰ نے جو خایوں کو جان و دل و دین دیئے ہیں، وہ تیرے دلوں پر سب بچھاؤ کرنے کو تیار ہیں۔

۲۵۔ دل و جان اور کام و زبان سب تیری مناسکتے ہیں اور لوح و قلم اور دست و جبین تیری تسلیم بجالانے کے لئے ہیں۔ ظاہر ہے سلام ہاتھ سے کیا جاتا ہے اور سجدہ پیشانی ہے۔

۲۶۔ جو شخص خدا کا ممدوح ہو، اس کی مدح کس سے ہو سکتی ہے اور فردوس بریں کی آرائش سوائے خدا کے اور کون کر سکتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو حضرت علی کی مدح کرتا ہے، اس کے لئے بہشت آراستہ کی جاتی ہے۔

۲۷۔ اسد اللہ نام اسد شخص بازار معاصی کی ایک جنس ہے،

جس کا سواٹے تیرے کوئی خریدار نہیں۔

سجید لکھتے ہیں اسد اللہ حضرت علی کا لقب ہے اس لئے ان سے ان سے خطاب کر کے کہا یعنی اے اسد اللہ علی.. الخ دوسرے شعر سے مطلب صاف ہو جاتا ہے۔

۲۸۔ چونکہ اس کو تیرے حوصلہ فضل و کرم پر بہت ہی زیادہ یقین ہے، اس لئے وہ اپنے عرض مطالب میں اس قدر گستاخ ہو گیا ہے۔

۲۹۔ اجابت یعنی قبولیت۔ میری دعا کو ایسا حسن قبول کا مرتبہ دے کہ میرے ایک ایک حرف پر قبولیت سو بار آئین کے۔

۳۰۔ غم حسین سے میرے دل کو اس قدر لبریز کر دے کہ خون جگر سے میری آنکھیں رنگین رہیں۔

۳۱۔ تیرے دُلیل کی الفت میں میری طبیعت کو ایسا شوق اور عشق ہو جائے کہ جہاں اس کا قدم ہو وہیں میری جبین ہو۔

۳۲۔ الفت نسب دل کی صفت ہے۔ یعنی ایسا دل جس کو الفت سے نسبت اور سینہ توحید فضائے مراد وہ سینہ جس کی فضا توحید ہو یعنی وہ توحید سے معمور ہو۔ مطلب یہ ہے۔ میرے دل کو ممدوح کی الفت سے نسبت ہو اور میرے سینے کی فضا توحید سے معمور رہے۔ میری نگاہ اس کی جلوہ پرست ہو اور میرا نفس صداقت پسند۔

۳۳۔ دوزخ کے شعلے اور دھواں ممدوح کے دشمنوں پر صرف ہوں اور فردوس بریں کے گل و سنبل اس کے احباب کے لئے وقف ہوں۔

۲۳۷

ہاں مہ تو سنیں ہم اس کا نام ۱ جس کو تو جھک کے کر رہا ہے سلام  
 دو دن آیا ہے تو نظر دم صبح ۲ یہی انداز اور یہی اندام  
 بارے دو دن کہاں رہا غائب ۳ بندہ عاجز ہے گردشِ ریا  
 اڑ کے جاتا کہاں کہ تاروں کا ۴ آسمان نے بچھا رکھا تھا دام  
 مرجبا اے سرور خاص خواص ۵ جیذا اے نشاط عام عوام  
 عند میں تین دن نہ آنے کے ۶ لے کے آیا ہے عید کا پیغام  
 اس کو بھولا نہ چاہئے کہنا ۷ صبح جو جائے اور آئے شام  
 ایکسین کیا کہ سب نے جان لیا ۸ تیرا آغاز اور ترا انجام  
 ماز دل مجھ سے کیوں چھپاتا ہے ۹ مجھ کو سمجھا ہے کیا کہیں تمام  
 جانتا ہوں کہ آج دنیا میں ۱۰ ایک ہی ہے امید گاہِ انام  
 میں نے مانا کہ تو ہے حلقہ گوش ۱۱ غالب اس کا نگہ نہیں ہے غلام  
 جانتا ہوں کہ جانتا ہے تو ۱۲ تب کہنا ہے بطرِ استغناء  
 ہر تاباں کو ہو تو ہوا اے ماہ ۱۳ قرب ہر روز بر سبیلِ دوام  
 تجھ کو کیا پایہ روشناسی کا ۱۴ جو بتقریبِ عیدِ ماہِ صیام  
 جانتا ہوں کہ اس کے فیض سے تو ۱۵ پھر بنا چاہتا ہے ماہِ تمام  
 ماہِ بن ، ماہِ تاب بن ، میں کون ۱۶ مجھ کو کیا بانٹ دے گا تو انعام  
 میرا اپنا جدا معاملہ ہے ۱۷ اور کے لین دین سے کیا کام  
 ہے مجھے کندوئے خششِ خاص ۱۸ گر تجھے ہے امیدِ رحمتِ عام  
 جو کہ بخشے گا تجھ کو فرِ فروغ ۱۹ کیا نہ دے گا مجھے بے کلف نام  
 جبکہ چودہ منارِ خلکی ۲۰ کر چکی قطع تیری تیزی گام

تیرے پر تو سے ہوں فروغ پذیر ۲۱ کوئے مشکٹے صحن و منظر و بام  
دیکھنا میرے ہاتھ میں لبریز ۲۲ اپنی صورت کا ایک بتوریں جام  
پھر غزل کی روش پہ چل نکلا ۲۳ تو سن طبع چاہتا تھا نگام

## غزل

زہرِ غم کر چکا تھا میرا کام ۲۴ تجھ کو کس نے کنا کہ ہو بد نام  
مے ہی پھر کیوں نہ میں پٹے جاؤں ۲۵ غم سے جب ہو گئی ہو زینتِ حرام  
بوسہ کیسا، یہی غنیمت ہے ۲۶ کہ نہ بھیس وہ لذت و شام  
کعبہ میں جا بجائیں گے ناقوس ۲۷ اب تو باندھا ہے دہریں (ہرام)  
اُس قدر کا ہے دورِ مجھ کو لغت ۲۸ چرخے لی ہے جن سے گردشِ دہم  
بوسہ دینے میں اُن کو ہے انکار ۲۹ دل کے لینے میں جن کو تھا اہرام  
چھوڑتا ہوں کہ اُن کو غصہ آئے

کیوں رکھوں ورنہ اپنا غالب نام

کہہ چکا میں تو سب کچھ اب تو کہہ ۳۱ اسے پری چہرہ پیکرِ تیرِ خرام  
کون ہے جس کے فد پہ ناصیہ سا ۳۲ ہیں سد و صحر و نہر و بہسرام  
تو نہیں جانتا تو مجھ سے سن ۳۳ نام شاہنشہ بلند مقام  
قبلہ چشمِ دول، بہادر شاہ ۳۴ منظرِ ذوالجلال و الاکرام  
شہسوارِ طریقہ انصاف ۳۵ تو بہارِ حدیقہ اسلام  
جس کا ہر فعل صورتِ عجباز ۳۶ جس کا ہر قول معنیِ السلام  
بزم میں مہینبانِ قیصر و جم ۳۷ رزم میں استادِ مستم و سام  
اے ترا لطفِ زندگی افزا ۳۸ اے ترا عہدِ فرخی نصیرِ جام

چشم بد دور خسر داند شکوہ ۳۹ خوش اللہ عارفانہ کلام  
 جان نثاروں میں تیرے قیصر یوم ۴۰ جرم خواہوں میں تیرے مرشد جا  
 دارش ملک جانتے ہیں تجھے ۴۱ اریق دتور و خسر و ہسرام  
 زور بازو میں مانتے ہیں تجھے ۴۲ گیو و گورز و بیرین درہام  
 مرجا مو شگافی تاوک ۴۳ آفریں آبداری قصصام  
 تیر کو تیرے تیر غیر حدف ۴۴ تیغ کو تیری تیغ خصم نیام  
 رعد کا کر رہی ہے کیا دم بند ۴۵ برق کو دے رہا ہے کیا الزام  
 تیرے فیں گراں جسد کی صدا ۴۶ تیرے خوش سیک عنان کا خرام  
 فن صورت گری میں تیرا گزند ۴۷ گرد رکھتا ہو دستگاہ تمام  
 اس کے مضروب کے سرو تن سے ۴۸ کیوں نمایاں ہو صورت اذغام  
 جب ازل میں رقم پذیر ہوئے ۴۹ صبح ہائے لیالی و ایام  
 اور ان ادراک میں بکاف تھا ۵۰ نجلۃ مسند رج ہوئے احکام  
 لکھ دیا شاہدوں کو عاشق کش ۵۱ لکھ دیا عاشقوں کو دشمن کام  
 آسمان کو کہا گیا کہ کہیں ۵۲ گنبد تیز گرد نیلی فام  
 حکم ناطق لکھا گیا کہ لکھیں ۵۳ خال کو دانہ اور زلف کو دم  
 آتش و آب و باد خاک نے لی ۵۴ دینع سوز و غم و رم و آرام  
 مہرِ رخشاں کا نام خسر و روز ۵۵ ماہ تاباں کا اسم شمع و شام  
 تیری توجیع سلطنت کو بھی ۵۶ دی بدستور صورت ارقام  
 کاتبِ حکم نے بموجب حکم ۵۷ اس رقم کو دیا طرازِ دوام  
 ہے ازل سے روانی آغاز ۵۸ ہو ابد تک رسائی انجام  
 ۱۔ مہ نو کی خمیدگی کو سلام کرنے سے تعبیر کیا ہے کہتے ہیں کہ اسے



ہلال! ذرا ہمیں اس کا نام بھی بتا دے، جس کو تو اس طرح جھک کر سلام کر رہا ہے۔

۲۔ ہر مہینے میں چاند دو دن چھپا کرتا ہے اور تیسرے روز پھر نکلتا ہے۔ مثلاً اگر ۲۶ تاریخ کو چھپتا ہے تو ۲۹ کو نکلتا ہے۔ ان دنوں میں صبح کے وقت بہت کم دیر کے لئے دکھائی دیتا ہے۔ اس کے بعد دو دن غائب رہتا ہے۔ کہتے ہیں دو دن تو صبح دم نظر آیا۔ تو ایسا ہی نازک اور تہلا تھا اور یہی تیر انداز تھا ان دنوں کا چاند بہت باریک ہوتا ہے۔

۳۔ پھر دو دن تو کہاں غائب رہا۔ ٹھیک ہے۔ بندہ دنوں کی گردش سے عاجز ہے۔ گویا تیری کچھ خطا نہیں۔

۴۔ تو اڑ کے کہاں جاتا۔ کہیں جا ہی نہیں سکتا تھا۔ کیونکہ آسمان نے ہر طرف تاروں کا جال بچھا رکھا تھا اس لئے تو باہر نہ آسکا۔

۵۔ اے خاص و عام کو سرور بخشنے والے! مرجا اور عوام و عام کے سرور و نشاط کے باعث آخرین۔

۶۔ چاند تیسرے دن نکلا ہے اس لئے کہتے ہیں کہ تین دن نہ آنے کی حققت ملنے کے لئے اب تو عید کا مسرت بخش پیغام لے کر آیا ہے۔ اب تجھ سے کون پوچھ سکتا ہے کہ تو کہاں رہا۔

۷۔ تو ۲۶ ویں کی صبح کو غائب ہوا تھا اور ۲۹ ویں کی شام کو نکل آیا۔ گویا صبح کو گیا تھا اور شام کو واپس آگیا۔ پس اس کو بھولا نہیں کہتے جو صبح کا گیا شام کو آجائے۔ قابل تعریف شعر ہے۔ کس خوبی سے محاذِ نظم کیا ہے۔

۸۔ ایک میں کیا، سب نے تیرے آغاز اور انجام کو جان لیا کہ

تو پہلے بڑھتا ہے، پھر تنزل پذیر ہوتا ہے اور پھر ترقی کے مدارج طے کر کے پورا چاند ہو جاتا ہے۔

۹۔ تمام یعنی چغندر۔ اسے ہلال! تو مجھ سے اپنے دل کا ناز کیوں چھپاتا ہے؟ کیا تو مجھے چل خود بھلا ہے کہ میں کسی سے تیرا راز کدہ نہ لگا۔

۱۰۔ یہ بات میں خوب جانتا ہوں۔ آج ساری دُنیا میں لوگوں کی صرف ایک امید گاہ ہے جہاں سے وہ مراویں پاتے ہیں۔

۱۱۔ یہ میں نے مان لیا کہ تو اس کا صنفِ بگوش غلام ہے لیکن میں تجھ سے یہ پوچھتا ہوں کہ کیا غالب اس کا غلام نہیں ہے یعنی ہم دونوں اس کے غلام ہیں۔ پر وہ کس بات کا ہے۔

۱۲۔ میں جانتا ہوں کہ تو بھی یہ بات خوب جانتا ہے کہ میں بھی اس کا غلام ہوں۔ یہی سبب ہے کہ میں نے تجھ سے بطور استغنام یہ بات پوچھی ہے کہ غالب اس کا مگر نہیں ہے غلام؟

۱۳۔ اے ماہ۔ مہر تاباں کو اس کی بارگاہ میں قرب ہر روز ہمیشہ کئے لئے حاصل ہو تو ہو۔

۱۴۔ روشناسی .. باریابی + پایہ .. رتبہ + ماہِ صیام .. ماہِ رمضان لیکن تجھ کو اس کی بارگاہ میں روشناسی کا رتبہ سوائے عیدِ رمضان کی تقریب کے کبھی حاصل نہیں ہوتا۔

۱۵۔ میں یہ بات خوب جانتا ہوں اور تجھ کو بتائے دیتا ہوں کہ اب تو اس کے فیض سے پھر ٹوٹا چاند بننا چاہتا ہے۔ مرزا صاحب نے مرثیہ کی نازداری حاصل کرنے کے لئے اس کو یہ بات بتلائی ہے۔

۱۶۔ تو ماہ بن۔ حساب بن۔ میں کون ہوں۔ مجھے تو کچھ انعام تھوڑا

ہی رہے گا۔ بڑا بے تکلف شعر ہے۔ عید کے انعام کی طرف کس خوبصورتی سے اشارہ کیا ہے۔

۱۷۔ کہیں یہ خیال نہ کرنا کہ مجھے تجھ پر رشک آتا ہے، کیونکہ میں اب انعام سے محروم رہ جاؤں گا۔ نہیں یہ بات نہیں۔ تیرے انعام سے مجھے کیا کام ہے۔ میرا اور ان کا جُدا معاملہ ہے۔ میں محروم نہیں ہوں کہ اس قسم کے خیالات کو اپنے دل میں جگہ دوں۔

۱۸۔ اگر تجھے ممدوح سے رحمت عام کی امید ہے، تو مجھے اس سے بخشش خاص کی آرزو ہے۔ لفظ خاص استعمال کر کے اپنا رتبہ بڑھایا ہے۔

۱۹۔ وہ ممدوح جو تجھے عالم کے منور کرنے کی قوت عطا کرے گا۔ کیا وہ مجھے بے گل رنگ نہ دے گا۔ مطلب یہ ہے کہ ضرور میری مراد بھی پوری ہوگی۔

۲۰۔ جبکہ تیری تیز رفتاری آسمان کے چھوہ منازل طے کر چکے، یعنی تو ہلال سے بدین جائے۔

۲۱۔ اور تیری چاندنی سے ہر گلی، کوچہ، محل، صحن اور صوبہ و بلاد منور ہو جائیں۔

۲۲۔ تو اس وقت میرے ہاتھ میں اپنی جیسی شکل کا چمکتا و مکتا ایک توری جام دیکھنا۔

۲۳۔ کہتے ہیں۔ شراب اور شبِ متاب کا نام آتے ہی میں قصبہ لکھتے لکھتے غزل لکھنے لگا۔ اس موقع پر تو سن طبع کو روکنے کی ضرورت تھی۔ لیکن ذکرِ شراب نے چاہا کہ کام کیا۔ اب وہ بھلا

کیاں رکنا ہے۔

۲۴۔ میں ویسے ہی مرجانا، تو نے مفت میں میرے قتل کا الزام اپنے سر لیا اور اپنے آپ کو بدنام کیا۔

۲۵۔ شراب بھی حرام ہے اور زندگی بھی حرام ہے۔ کہتے ہیں جب غم سے زندگی حرام ہو گئی، تو پھر میں کیوں نہ ہر وقت شراب پئے جاؤں کیونکہ شراب بے غم غلط ہو جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب دونوں طرح زندگی حرام ہو رہی ہے تو پھر آسان راستہ کیوں نہ اختیار کروں۔ جواز شراب کا بہترین شاعرانہ استدلال ہے اور مضمون نہایت شوخ اور لطیف۔

۲۶۔ بوسے کا تو ذکر ہی نہ کرو۔ وہ ہمیں کب ملتا ہے۔ بس یہی غنیمت ہے کہ انہیں یہ بات معلوم نہیں کہ ہمیں گالیاں کھانے میں بھی لطف کتنا ہے۔ خدا کرے انہیں یہ بات معلوم نہ ہو ورنہ وہ ہمیں اس لذت سے بھی محروم کر دیں گے۔

۲۷۔ احرام کبے میں پابند جتے ہیں۔ کہتے ہیں جس طرح اب ہم بچائے کعبہ کے درمیان احرام باندھ چکے ہیں۔ اسی طرح ہم بچائے دبر کے کعبہ میں جا کر ناؤں بچائیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ جب ہمارا کچھ مذہب نہیں تو پھر ہم ہر مذہب کے خلاف ہی چلیں گے۔

۲۸۔ مجھے وہ جام عرفان میسر ہے، جس سے چرخ نے گردش مستعار لی ہے۔ یعنی اس جام کی شراب سے مسک ہو کر آسمان قصر گردش کر رہا ہے۔

۲۹۔ ابرام یعنی ضد۔ تعجب ہے جنہیں دل لینے کی ضد تھی یہی

کہتے تھے کہ ہم ضرور تمہارا دل لے لینگے۔ اب انہیں بوسہ دینے میں انکار ہے۔

۳۰۔ فرماتے ہیں میں نے اپنا نام غالب اس وجہ سے رکھا ہے کہ انہیں مجھ پر غصہ آئے اور وہ کہیں کہ ادھویہ بھی غالب ہو گیا۔ حقیقتاً میں غالب نہیں بلکہ مغلوب ہوں۔ اپنا غالب نام رکھنا ان سے ایک پھیر ہے مطلب یہ ہے کہ ان کے غصہ میں بھی ایک لطف ہے۔

۳۱۔ یہاں سے پھر قصیدہ شروع ہوتا ہے اور شاعر ماہ سے مخاطب ہو کر کہتا ہے، اے پری چہرہ اور تیز رفتار قاصد! میں تو سب کچھ کہہ چکا، اب تو کیا کہتا ہے۔ بوجہ حسن کے پری اور سبب تیز رفتاری کے چاند کو بیک تیز خرام کہتا ہے۔

۳۲۔ مرتخ کو بہرام فلک کہتے ہیں۔ وہ کون ہے جس کے در پر چاند سودج زہرا اور مرتخ جہیں سائی کرتے ہیں؟

۳۳۔ اگر تو نہیں جانتا تو میری زبانی اس شہنشاہ بلند مرتبت کا نام سن۔

۳۴۔ یعنی ہا اور شاہ بادشاہ جو چشم و دل کے قبلہ ہیں اور جلال والا کرام کے منظر ہیں۔ کیونکہ چشم امیر انسی کی طرف لگی ہوئی ہے اور دل ان کی طرف رجوع ہے۔

۳۵۔ حدیقہ .. باغ .. طریقہ .. طریق .. راستہ ۔

۳۶۔ وہ طریقہ انصاف کے شہسوار اور باغ اسلام کے نو بہار ہیں۔

۳۷۔ جس کا ہر فعل ایک معجزہ ہے اور جس کا ہر قول الہام ہے۔

۳۸۔ قیصر و جم .. دجلیل القدر بادشاہ .. رستم و سام .. ایران کے

دو مشہور پادشاہان ۔

ہزم میں قیصر و جم اس کے ہمان ہیں اور وہ اس کا میزبان ہے۔ گویا اس کی شان یہ ہے کہ قیصر و جم جیسے بادشاہ اس کے دسترخوان پر کھانا کھاتے ہیں اور ہزم میں رستم و سام جیسے مشہور پہلوانوں کا وہ استاد ہے۔ گویا رستم و سام ممدوح سے طریقہ جنگ سیکھتے ہیں۔

۳۸۔ یہاں سے گریز شروع ہے۔ کہتے ہیں۔ اے شہنشاہ تیرے لطف و کرم زندگی بڑھانے والے ہیں اور تیرا دور حکومت مبارک زمانہ ہے۔  
۳۹۔ خدا تجھ کو نظر بد سے بچائے۔ تیرا شانہ و دبہ ہے اور ماشاء اللہ تیرا کلام عارفانہ کلام ہے۔

۴۰۔ قیصر و جم جیسے عالیشان بادشاہ تیرے جاں نثاروں میں اور جام کے مرشد یعنی جمشید جیسے لوگ تیرے جرمہ خواہوں میں ہیں یعنی تجھ سے فیض حاصل کرتے ہیں۔

سعیق، آسی اور طیا طبائی نے مرشد جام مولانا جامی مراد لئے ہیں۔ قیصر کے مقابلے میں جمشید ہونا چاہئے نہ کہ غریب جامی۔

۴۱۔ ایرج اور تور (فریدون شاہ فارس کے بیٹے) خسرو (قزوين کا بیٹا) اور بہرام بادشاہ عراق تجھ کو اپنے ملک کا وارث جانتے ہیں۔  
۴۲۔ سب مشہور پہلوان تیرے بازو کا لوبا مانتے ہیں۔

۴۳۔ موشگافی .. بال کو چیرنا + ناوک .. تیر + صمصام ..

تلوار۔

سبحان اللہ تیرے تیر کی موشگافی کے کیا کہنے ہیں اور پری تو اور کی آبداری کی کیا بات ہے۔

۴۴۔ ہدف بمعنی نشانہ۔ تیر (تیر و دشمن کے تیر کو اپنا) مانہ بنتا

ہے۔ تیری تلوار دشمن کی تلوار میں اس طرح گھس جاتی ہے، جس طرح نیام میں داخل ہوتی ہے۔

۴۵-۴۶۔ دونوں شعروں میں لف و نشر مرتب ہے۔ تیرے کوہ پیکر ہاتھی کی چنگھاڑ نے بجلی کی کرڑک کا دم بند کر دیا ہے اور تیرے سک رفتار گھوڑے کی چال برق کو کیسا الزام دے رہی ہے۔ یعنی یہ کہتی ہے کہ اے برق تو میرے ساتھ چل بھی نہیں سکتی۔ پیچھے رہی جاتی ہے۔

۴۷-۴۸۔ صورت گری .. تصویر کشی + دستگاہ .. ہمارت + ادغام .. دو حرفوں کو ایک کر دینا۔

اگر فن مصوری میں تیرا گز پوری پوری ہمارت نہ رکھتا ہو تو پھر مصروب کے سر و جسم سے ادغام کی تصویر کیونکر بنے۔ مطلب یہ ہے کہ تیرا گز خم خوردہ کے سرو تن کو ایک کر دیتا ہے اور اس طرح سے ادغام کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔

۲۹۔ رقم پذیر ہوئے .. لکھے گئے۔ لیالی .. لیل کی جمع رات + ایام .. دن +

جب ازل میں دن اور رات کے صفحات لکھے گئے یعنی دن اور رات کی تخلیق ہوئی۔

۵۰۔ توان صفوں پر قضا کے قلم نے مفصل نہیں بلکہ اجمال کے ساتھ احکام خداوندی تحریر فرمائے۔

۵۱۔ شاہد .. معشوق + دشمن کام .. وہ شخص جو دشمنوں کی مراد کے موافق تباہ حال ہو۔

تو معشوقوں کو عاشق کش اور عاشقوں کو دشمنوں کی مراد کے مطابق  
تباہ و برباد لکھ دیا یعنی معشوق عاشقوں کو قتل کیا کر بیگے اور عاشق  
ہمیشہ برباد اور تباہ حال رہیں گے۔

۵۲۔ آسمان کے متعلق یہ حکم تھا کہ اس کو سب لوگ جلدی جلدی  
گھڑ مٹے والا نیلا گنبد کہیں۔  
۵۳۔ اس کے بعد یہ حکم دیا گیا کہ معشوق کے خال کو دانہ اور زلف  
کو دم لکھا جائے۔

۵۴۔ لطف و نشر مرتب ہے۔ پھر آگ کو سوز۔ پانی کو نمی۔ ہوا  
کو بھلا گتے پھرنے کی قوت اور خاک کو آرام کی خاصیت عطا کی گئی۔  
زمین کے معنی بھاگنا۔

۵۵۔ خسرو... بادشاہ + شمنہ.. کو تو ال۔  
سورج کو دن کے بادشاہ کا لقب عطا ہوا اور ماہ تاباں کو کو تو ال  
شام کا۔

۵۶۔ توفیق سلطنت.. فرمان شاہی + ارقام.. تحریر۔  
اسی طرح تیرے فرمان سلطنت کے لئے بھی حسبِ ضابطہ حکم نافذ ہوا۔  
۵۷۔ حکم خداوندی سے کا تب حکم نے تیرے فرمان سلطنت پر  
ہمیشگی کا طغرا بنا دیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تیری سلطنت کے ہمیشہ  
قائم رہنے کا حکم ہوا۔

۵۸۔ تیری سلطنت ازل سے جاری ہے۔ خدا کرے اس  
کے انجام کی ابد تک رسائی ہو۔ یعنی تیری سلطنت ازل سے  
ابد تک جاری رہے۔



- صبحدم دروازہ مخاور کھلا ۱ مہر عالمتاب کا منظر کھلا  
 خسرو انجم کے آیا صرف میں ۲ شب کو تھا گنجینہ گوہر کھلا  
 وہ بھی تھی اک سیمیا کی سی نمود ۳ صبح کو رازِ مہر و اختر کھلا  
 میں کو اکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ ۴ دیتے ہیں دھوکا یہ بازیگر کھلا  
 سطح گردوں پر پڑا تعارفات کو ۵ موتیوں کا ہر طرف زیور کھلا  
 بیع آیا جانب مشرق نظر ۶ اک ہزار آتشیں رخسار کھلا  
 تھی نظر بند کیا جب رُخ سحر ۷ اوٹ گل رنگ کا ساغر کھلا  
 لا کے ساقی نے صیوچی کے لئے ۸ رکھ دیا ہے ایک جام زر کھلا  
 بزم سلطانی ہوئی آراستہ ۹ کعبہ امن و امان کا در کھلا  
 راج دریں ہر تاباں سے سوا ۱۰ خسرو آفاق کے منہ پر کھلا  
 شاہ روشن دل بہادر شہ کہ ہے ۱۱ راز ہستی اُس پہ سر تا سر کھلا  
 وہ کہ جس کی صورت تکوین میں ۱۲ مقصد نہ چرخ و ہفت اختر کھلا  
 وہ کہ جس کے ناخن تاویل سے ۱۳ عقدہ احکام پر نمبر کھلا  
 پہلے دارا کا نکل آیا ہے نام ۱۴ اس کے سر ہنگوں کا جب دفتر کھلا  
 روشناسوں کی جہاں فرست ہے ۱۵ داں لکھا ہے چہرہ قیصر کھلا  
 تو سن شہیں ہے وہ خوبی کہ جب ۱۶ تھان سے وہ غیرت صرصر کھلا  
 نقش پا کی صورتیں وہ و لفریب ۱۷ تو کے بت خانہ آذر کھلا  
 مجھ پہ فیض تربیت سے شاہ کی ۱۸ منصب ہر دم و محور کھلا  
 لاکھ عقدے دل میں تھے لیکن ہر یک ۱۹ میری حد و سع سے باہر کھلا  
 تھا دل دابستہ فضل بے کلید ۲۰ کس نے کھولا کب کھلا کیونکر کھلا

بارغ معنی کی دکھاؤں گا بہار ۲۱ مجھ سے گر شاہ سخن گستر کھلا  
ہو بہاں گرم غزل خوانی نفس ۲۲ لوگ جانیں طبلہء عنبر کھلا

## غزل

گنج میں بیٹھا ہوں یوں پر کھلا ۲۳ کاش کے ہوتا تھن کا در کھلا  
ہم بکایں اور کھلے یوں کون جاتے ۲۴ یار کا دروازہ پاویں گر کھلا  
ہم کو ہے اس رازداری پر گھمنڈ ۲۵ دست کا ہے باز دشمن پر کھلا  
داخلی دل پر بھلا لگتا تھا داغ ۲۶ زخم لیکن داغ سے بہتر کھلا  
ہاتھ سے رکھ دی کب ابرو کی کماں ۲۷ کب مکر سے غمرہ کے خنجر کھلا  
مفت کا کس کو بُرا ہے ہرقہ ۲۸ رہ روی میں پرودہ رہبر کھلا  
سو زل دل کا کیا کرے باران اشک ۲۹ آگ بھڑکی مینہ اگر دم بھر کھلا  
نامہ کے ساتھ آگیا پیغام مرگ ۳۰ رہ گیا خط میری چھاتی پر کھلا  
دیکھو غالب سے گر ابھرا کوئی

ہے دلی پوشیدہ اور کافر کھلا

پھر بڑا مدحت طرازی کا خیال ۳۱ پھر مہ و خورشید کا دفتر کھلا  
خامہ نے پانی مطبوعیت سے بد ۳۲ یادیاں کے اُٹھتے ہی لنگر کھلا  
مدح سے ممدوح کی دیکھی شکوہ ۳۳ یاں عرض سے رتبہ جو ہر کھلا  
مہر کا نیا چرخ چکر کھا گیا ۳۴ بادشاہ کا رایت لشکر کھلا  
بادشاہ کا نام لینا ہے خطیب ۳۵ اب علوئے پایہ منبر کھلا  
سکہ شہ کا ہوا ہے روشناس ۳۶ اب عیار آبروئے زر کھلا

شاہ کے آگے دھراے آئینہ ۳۸ اب نال سبی اسکندر کھلا  
 ملک کے وارث کو دیکھا خلق نے ۳۹ اب قریب طفل و سحر کھلا  
 ہو سکے کیا مسح ہاں اک نام ہے ۴۰ دفتر مدح جہاں داور کھلا  
 فکر اچھی پرستاش ناتمام ۴۱ عجز اعجاز ستاش گر کھلا  
 جانتا ہوں ہے خط لوح ازل ۴۲ تم پہ اسے خاقان نام آور کھلا

تم کرو صاحبقرانی جب تلک

ہے طلسم روز و شب کا در کھلا

۱۔ خاور یعنی مشرق۔ صبح دم مشرق کا دروازہ کھل گیا۔ اس دروازے  
 سے آفتاب عالمتاب کا جلوہ نظر آیا۔

۲۔ رات کو موتیوں کا خزانہ کھلا ہوا تھا یعنی ہر طرف ستارے  
 چمک رہے تھے۔ ان موتیوں کو ستاروں کے بادشاہ (آفتاب) نے صرف  
 کر ڈالا۔ مطلب یہ ہے آفتاب طلوع ہوتے ہی ستارے چھپ گئے۔

۳۔ علم سیمیا ایک علم ہے جس کے زور سے ایسی چیزیں نظر آتی  
 ہیں جن کا حقیقتاً کوئی وجود نہیں ہوتا۔ فرماتے ہیں رات کے وقت  
 جو چاند اور ستارے ہیں نظر آرہے تھے، حقیقتاً وہ کچھ نہ تھے وہ  
 صرف سیمیا کا کرشمہ تھے۔ اگر وہ کچھ ہوتے تو صبح کو بھی نظر آتے۔ چاند  
 اور ستاروں کا یہ راز ہمیں صبح کو معلوم ہوا۔ رات کو ہم دھوکے ہی  
 میں رہے۔

۴۔ کو اکب یعنی ستارے۔ اصل میں کچھ ہیں اور نظر کچھ اور  
 آتے ہیں۔ گویا یہ بازیگر ہیں، جو ہمیں کھلا دھوکا دیتے ہیں۔ کہتے  
 ہیں ستارے ایک دوسرے سے بہت دور ہیں، لیکن ہم قریب

قریب نظر آتے ہیں۔ اکثر ستارے بے نور ہیں، لیکن سورج کی چمک سے متور ہو جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ سیارے ستارے معلوم ہوتے ہیں غیر وغیرہ۔ بس یہی کھلا ہوا دھوکا ہے۔

۵۔ رات کے وقت ان ستاروں کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے آسمان پر ہر طرف موتیوں کا زور کھلا پڑا ہے۔

۶۔ صبح کو مشرق کی جانب ایک آتشیں چہرہ معشوق کھٹے سر نظر آیا گویا صبح کا منظر تبدیل ہو گیا (سورج نکل آیا)

۷۔ جب ہم نے جادو کو توڑا تو معلوم ہوا کہ وہ آتشیں چہرہ معشوق نہیں بلکہ بادہ گل رنگ کا ایک ساغر ہے۔

۸۔ صبحی یعنی وہ شراب خمار دور کرنے کے لئے صبح کو پنی جاتی ہے۔ اس ساغر کو ساتی نے صبحی کے لئے لاکر رکھ دیا ہے اور یہ ایک سونے کا پیالہ ہے جس پر سروپن نہیں ہے۔

۹۔ یہاں سے گریز شروع ہوتی ہے۔ کہتے ہیں اس وقت بزم سلطانی آراستہ ہوئی۔ گویا امن دہان کے کعبے کا دروازہ کھل گیا۔

۱۰۔ بادشاہ کے سر پر سونے کا تاج آفتاب عالیشان سے بھی زیادہ خوبصورت معلوم ہوتا تھا۔ مطلب یہ ہے اس کے تاج زریں کے سامنے آفتاب ماند پڑ گیا۔

۱۱۔ وہ بادشاہ روشن دل بہادر شاہ ہے جس کے روشن دل پر راز ہستی سترتا سر نظر ہے۔

۱۲۔ تکوین یعنی تخلیق۔ پیدا ہونا اور وہ ایسا بادشاہ ہے کہ جس کے پیدا ہونے سے نو آسمانوں اور سات ستاروں کے پیدا ہونے کا مقصد

ظاہر ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے تو آسمانوں اور سات ستارے اسی کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔

۱۳۔ وہ ایسا بادشاہ ہے کہ اس کے تاویل کے ناخن سے احکامِ مہر کی گتھیاں کھلتی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ وہ مسائلِ شرعی کو حل کرنے کی پوری پوری قابلیت رکھتا ہے۔

۱۴۔ دارا .. ایک عالی مرتبہ بادشاہ + سرسنگ .. معمولی سپاہی دفتر .. رجسٹر۔

جب اس کے لشکریوں کا رجسٹر کھولا گیا تو اس میں سب سے پہلے دارا کا نام نکل کر آیا۔ گویا دارا اس کی فوج کا ایک اونٹن سپاہی ہے۔

۱۵۔ روشناس .. جان چھان + قیصر .. ایک عالی مرتبہ بادشاہ + جہاں اس کے روشناسوں کی فہرست ہے۔ وہاں صاف صاف قیصر کا علیہ درج ہے۔ گویا قیصر جیسا بلند مرتبہ بادشاہ اس کے معمولی روشناسوں میں ہے۔

۱۶۔ ۱۷۔ ۱۸۔ تھان .. صطیل + غیرتِ صرصر .. جس کی تیزی کو دیکھ کر بادِ صرصر غیرت کھائے + آذر .. حضرت ابراہیمؑ کے چچا جواہلے درجے کے بُت تراش تھے۔

بادشاہ کے گھوڑے میں وہ خرابی ہے کہ جب تھان سے وہ غیرتِ صرصر کھلا تو اس کے نقشِ پاس سے ایسی ایسی دلفریب صوتیں پیدا ہوئیں گویا آذر بُت تراش کا بُت خانہ نظر آئے گا۔

۱۸۔ بادشاہ کی تربیت کے فیض سے مجھے چاند سورج اور محمد کی حقیقت معلوم ہو گئی۔ محور اس فرضی خط کو کہتے ہیں جو ماہرینِ ادب نے

قطب شمالی سے قطب جنوبی تک کھینچا ہے۔ خیال ہے۔ اس کے گرد زمین گردش کرتی ہے۔

۱۹۔ میرے دل میں لاکھوں گتھیاں تھیں۔ جو میری طاقت سے کسی طرح کھل نہ سکتی تھیں۔ لیکن بادشاہ کے فیض تربیت سے ہر ایک گتھی کھل گئی۔

۲۰۔ میرا بند دل ایک ایسا بند قفل تھا جس کی کوئی کنجی نہ تھی لیکن بادشاہ کے فیض سے وہ اس طرح کھلا کر میں نہیں جانتا اسے کس نے کھولا۔ کب کھولا۔ اور کیوں کھولا۔

۲۱۔ کھلا بمعنی بے تکلف ہوا۔ کہتے ہیں اگر بادشاہ سخن گستر مجھ سے بے تکلفانہ پیش آئے تو پھر میں تمہیں بارغ معنی کی بہار دکھاؤں گا۔ یعنی پھر میری شاعری کا لطف دیکھنا۔

۲۲۔ طبلہ بمعنی پٹاری۔ ڈبہ۔ جس وقت میں نے غونجوانی شروع کی تو لوگوں کو ایسا معلوم ہو گا جیسے عنبر کا ڈبہ کھل گیا۔ یعنی میرے ہر سانس کے ساتھ عنبر کی خوشبو نکلے گی۔

۲۳۔ افسوس ہے کہ میں کچھ قفس میں اس طرح سے پر کھلا بیٹھا ہوں اور اُڑانہ سکوں۔ کاش کے اس وقت قفس کی گھر کی کھلی جوتی تاکہ میں پھر سے اُڑ جاتا۔

۲۴۔ (۱) کہتے ہیں ہماری خود داری کا تقاضا ہے کہ ہم جا کر یار کے دروازے پر آدرا دیں اور یار کا دواڑہ محض ہمارے لئے کھلے۔ اس طرح جانے میں کیا لطف ہے کہ دواڑہ کھلا ہو اور ہم اس کے مکان میں داخل ہو جائیں۔ چاہتے ہیں کہ یار کا گھر محض ہمارے لئے کھلے۔ اس طرح

جانے میں کیا لطف ہے کہ دروازہ کھلا ہو اور ہم اس کے مکان میں داخل ہو جائیں۔ چاہتے ہیں کریار کا گھر محض ہمارے اپنے لئے مخصوص ہو۔ ہر کس و نا کس کو وہاں بار نہ ہو (۲) اس طرح سے یار کے گھر جانے کو جی نہیں چاہتا کہ ہم آزار دیں پھر کہیں دروازہ کھلے۔ لطف اس میں ہے کہ دروازہ کھلا ہو اور ہم بلا تکلف ان کے گھر میں داخل ہو جائیں۔ پہلے معنے بہتر ہیں۔ اس سے شاعر کی خودداری کا ثبوت ملتا ہے۔

۲۵۔ ہمیں دوست کی رازداری پر گھمنڈ ہے۔ کیونکہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اپنے دل کے راز سوائے ہمارے کسی اور سے نہیں کہتا۔ لیکن درحقیقت ہمارے دوست کے راز رقیب کو اچھی طرح معلوم ہیں۔ گویا وہ بھی اس کے راز دار ہیں۔ اپنی سادہ لوحی اور خود فریبی کا اظہار کیا ہے۔

۲۶۔ واقعی ہمارے دل کا داغ بہت ہی بھلا معلوم ہوتا تھا اور ہم بہت خوش تھے۔ لیکن زخم لگنے پر معلوم ہوا کہ زخم داغ سے بہت بڑھ کر ہے۔ اس قصیدے میں کھلنا زب دینے کے معنوں میں متعدد بار استعمال کیا ہے۔ لیکن زخم کے ساتھ کھلنا استعمال کرنے سے کچھ اور ہی لطف پیدا ہو گیا ہے۔

۲۷۔ عام شعرا ابرو کو کمان سے اور غمزے کو خنجر سے تشبیہ دیا کرتے ہیں۔ لیکن مرزا صاحب نے ابرو کو کمان دار اور غمزے کو خنجر گدار کہہ کر لطف پیدا کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس کے ابرو صرف کمان ہی نہیں ہیں بلکہ کمان دار بھی ہیں اور اس کا غمزہ خنجر ہی نہیں بلکہ خنجر گدار بھی ہے۔ وہ دونوں ہر وقت ہمارے قتل کے درپے ہیں اور کبھی اپنے فرض

سے غافل نہیں ہوتے۔

۲۸۔ بدرقہ یعنی رہنا۔ جب ہمیں رہبر سے سابقہ پڑا تو معلوم ہو گیا کہ وہ خود منزل سے واقف نہیں۔ لیکن مفت کارہنما کیا بُرا ہے اور کچھ نہیں تو ایک ساتھی تو ہے۔

۲۹۔ رونے سے دل کی سوزش دُور نہیں ہوتی۔ جب اشکوں کی بارش ہوئی ہے تو تھوڑی دیر کے لئے دل کی تپش دب جاتی ہے۔ لیکن جو نہی اشکیاری دم بھر کے لئے بند ہوتی ہے۔ سیٹنے میں پھر آگ بھڑک اٹھتی ہے برسات میں مینہ برسنے کے بعد یہی کیفیت پیش آتی ہے۔

۳۰۔ اس شعر میں شاعر نے دلی حسرت کا اظہار کیا ہے۔ کہتا ہے خدا خدا کر کے یاد کا خط آیا۔ لیکن پیغام مرگ بھی ساتھ ہی آیا۔ خط کھول کر پڑھنا چاہا تھا کہ رُوح پرواز کر گئی اور خط چھاتی پر کھلا رہ گیا۔ بخود اور طباطبائی لکھتے ہیں کہ اس شعر میں شادی مرگ کی کیفیت دکھائی ہے۔

۳۱۔ دیکھنا غالب سے نہ اُبھنا۔ وہ ظاہر میں کانزد کھلتی دیتا ہے، لیکن درحقیقت وہ ولی ہے۔ اگر وہ بگڑ بیٹھا تو پھر تہاری خیر نہیں۔

۳۲۔ غزل لکھتے لکھتے پھر مدح سرائی کا خیال آگیا اور مدح باوِشا میں ایسے شعر قلم سے نکلنے لگے، جو چاند اور سورج کا مقابلہ کرتے ہیں۔ گویا مددِ شید کا دفتر کھل گیا۔

۳۳۔ گویا قلم بلایان اور طبیعت منگر ہے۔ قلم اُٹھاتے ہی طبیعت اس کی مدد کرنے لگی۔ جس وقت قلم بھلا ہوا، اسی وقت طبیعت بھی کھل گئی



یعنی خود بخود شعر موزوں ہونے لگے۔

۳۴۔ مدح عرض ہے اور ممدوح جوہر۔ مدح سے ممدوح کی شان و شکوہ ظاہر ہوتی ہے۔ گویا عرض سے جوہر کا رتبہ معلوم ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے عرض جوہر سے بڑھ گیا ہے۔

۳۵۔ رات یعنی نشانِ لشکر، جھنڈا جس وقت بادشاہ کا نشانِ لشکر کھلا، اُسے دیکھ کر آفتاب کانپ اُٹھا اور آسمان چکر لگیا۔ آسمان کا چکر کھانا اور آفتاب کا کانپنا ایک مسئلہ ہے شاعر نے اس کا سبب نشانِ لشکر قرار دیا ہے۔

۳۶۔ اب ہمیں معلوم ہوا کہ منبر کا رتبہ کیوں بلند ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ خطیب اس پر کھڑے ہو کر بادشاہ کے نام کا خطبہ پڑھتا ہے۔

۳۷۔ سونے کی آبرو کا سبب یہ ہے کہ اس پر بادشاہ کے نام کا سکہ ہے۔

۳۸۔ آئینہ سکندر نے ایجاد کیا تھا۔ کہتے ہیں اتنی مدت بعد یہ بات معلوم ہوئی کہ سکندر نے آئینہ ایجاد کرنے میں اتنی کوششیں کیوں کی تھیں۔ اُس کا مطلب یہ تھا کہ اُس کے آئینے کو میرا ممدوح اپنے سامنے رکھے۔

۳۹۔ طغرل اور بنو فریب سے ملک کے وارث بن بیٹھے تھے۔ اب جبکہ سلطنت ممدوح کے ہاتھ میں آئی تو ان کا یہ فریب ظاہر ہو گیا اور لوگوں نے دیکھ لیا کہ ممدوح ہی ملک کا حقیقی وارث ہے۔

۴۰۔ جہاں داؤد یعنی بادشاہ عالم۔ میں اس کی کیا تعریف کر سکتا ہوں ہاں میرا نام اس کے مدح خوانوں میں مشہور ہو گیا کیونکہ میں نے اس کی مدح میں دفتر کے دفتر لکھ ڈالے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جیسی مدح ہونی چاہئے تھی مجھ سے نہیں ہو سکی۔

۴۱۔ فکر تو اچھی ہے لیکن مدح نامقام رہی۔ اس سے شاعر کے اعجاز کا عجز ظاہر ہو گیا۔ مجھربانی کا دعویٰ پھر اعجاز میں عجز ثابت کیا مرزا صاحب مدحی کا حصہ ہے۔

۴۲۔ خادان یعنی بادشاہ۔ اے نام آؤد بادشاہ میں جانتا ہوں کہ آپ لوح ازل کی تحریر سے خوب واقف ہیں، اس لئے مجھے اپنا حال بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

۴۳۔ صاحب قرآن اس بادشاہ کو کہتے ہیں، جس کی ولادت کے وقت زحل اور مشتری کا قرآن غلط ہو۔ ایسا بادشاہ بڑا فلاح اور جلیل القدر ہوتا ہے۔ کہتے ہیں۔ تم اس وقت تک صاحب قرآن کرو جب تک روز و شب کے ظلم کا دروازہ کھلا ہے۔ یعنی اب تک۔

۲۳۹

## صفتِ انہ

ہاں دل درد مند زمر مر سار ۱ کیوں نہ کھولے درخزینہ راز  
خامہ کا صفحہ پر رواں ہونا ۲ شاخ گل کا ہے گلشن ہونا  
مجھ سے کیا پوچھتا ہے کیلئے ۳ نکتہ ہائے خرد فرا لکھئے

- بارے آموں کا کچھ بیاں ہو جائے ۴ خامہ نخل رطب فشاں ہو جائے  
 آم کا کون مرد میداں ہے ۵ ثر و شاخ گوئے دچوگاں ہے  
 تاک کے جی میں کیوں رہے ارماں ۶ آئے یہ گوئے اور یہ میداں  
 آم کے آگے پیش جاوے خاک ۷ پھوڑتا ہے جلے پھپھولے تاک  
 نہ چلا جب کسی طرح مقدور ۸ بادۂ تاب بن گیا انگور  
 یہ بھی ناچار جی کا کھونا ہے ۹ شرم سے پانی پانی ہونا ہے  
 مجھ سے پوچھو تمہیں خبر کیا ہے ۱۰ آم کے آگے نیشکر کیا ہے  
 نہ محل اس میں نہ شلخ و برگ نہ با ۱۱ جب خزاں آئے تب ہو اسکی بہار  
 اور دوڑا شیے قیاس کہاں ۱۲ جان شیریں میں یہ مٹھاس کہاں  
 جان میں ہوتی گم یہ شیرینی ۱۳ کوہ کن با وجود غم گینی  
 جان دینے میں اس کو بیکتا جان ۱۴ پروویوں سہل دے نہ سکتا جان  
 نظر آتا ہے یوں مجھے یہ ثر ۱۵ کہ دوا خانہ ازل میں گم  
 آتش گل پہ قند کا ہے قوام ۱۶ شیرہ کے نار کا ہے ریشہ نام  
 یا یہ ہوگا کہ فرط رافت سے ۱۷ باغبانوں نے بارخ جنت سے  
 انگہیں کے بحکم رب الناس ۱۸ بھر کے بھیجے ہیں سر بہر گلاس  
 یا لگا کہ خضر نے شاخ نبات ۱۹ مدتوں تک دیا ہے آب حیات  
 تب ہوا ہے ثر فشاں یہ نخل ۲۰ ہم کہاں ورنہ اور کہاں یہ نخل  
 تھا ترنج زر ایک خسرو پاس ۲۱ رنگ کا زرد پر کہاں بوباس  
 آم کو دیکھتا اگر یکبار ۲۲ پھینک دیتا، طلائے دست فشا  
 رونق کار گاہ برگ و نوا ۲۳ نازش دودمان آب و ہوا  
 رہر و راہ خسل کا توشہ ۲۴ طوبے و سدرہ کا جگر گوشہ

صاحبِ شلخ و برگ بار ہے آم ۲۵ ناز پروردہ بہا ہے آم  
 خاص وہ آم جو نہ ارزاں ہو ۲۶ نو بر نخل باغِ سلطان ہو  
 وہ کہ ہے دالی ولایتِ عہد ۲۷ عدل سے اکٹھے حمایتِ عہد  
 فخر دیں عز و شانِ جاہ و جلال ۲۸ زینتِ طینت و جمالِ کمال  
 کار فرمائے دین و دولت و بخت ۲۹ چہرہ آرائے تاج و مستند تخت  
 سایہ اُس کا ہما کا سایہ ہے ۳۰ خلق پر وہ خدا کا سایہ ہے  
 اے فیض و جود و سایہ نور ۳۱ جب تلک ہے نورِ سایہ و نور  
 اس خداوندِ بندہ پرور کو ۳۲ وارثِ گنج و تخت و افسر کو  
 شاد و دل شاد و شادماں رکھو  
 اور غالب پر حرمیاں رکھو

۱۔ ہاں اے دل درد مند زمرہ ساز تو خزانہ راز کا دروازہ  
 کیوں نہیں کھولتا۔ مطلب یہ ہے ضرور کھول۔

۲۔ جس وقت طبیعت میں آمد ہوتی ہے اور قلم کاغذ پر چلتا ہے  
 تو اس کاغذ پر رواں ہونا بالکل ایسا ہی ہے جیسے شاخ گل سے  
 پھول جھڑتے ہیں۔

۳۔ اے دل! تو مجھ سے کیا پوچھتا ہے کہ کیا لکھئے؟ تو نخل  
 بڑھانے والے نکتے لکھ اور کیا لکھئے گا۔

۴۔ رطب بمعنی خرما، کھجور۔ اچھا اس وقت تو آموں کے  
 متعلق کچھ لکھ۔ لیکن اس طرح کہ قلم نخلِ رطبِ افشاں ہو جائے۔  
 مطلب یہ ہے قلم سے بہت ہی شیریں مضامین نکلیں۔

۵۔ مرد میدان یعنی بڑے مقابل۔ ثمر کو گیند اور شاخ کو چوگان سے تشبیہ

دی ہے۔ کہتے ہیں۔ آم کا کوئی مد مقابل نہیں۔ اس کا اثر گیند ہے اور شاخ چوگان ہے۔

۶۔ تاک یعنی انگور کی بیل + انگور کی بیل کے دل میں یہ ارمان کیوں رہے کہ اُس نے آم سے مقابلہ نہیں کیا۔ میدان میں آئے اور مقابلہ کر لے۔ ہمیں گو وہ ہیں میدان“ یہ چوگان ہے اور یہ گیند موجود ہے۔

۷۔ آم کے آگے انگور کی بیل کی کیا خاکد پش جاسکتی ہے۔ بس اسی جہن میں وہ پڑی اپنے جی کے پھپھو لے پھوڑتی ہے۔ انگوروں کو پھپھو لوں سے تشبیہ دی ہے۔

۸۔ جب آم کے سامنے انگور کی کچھ پیش نہ گئی تو وہ مار کر شرابِ ناب بن گیا۔ گویا اس طرح اس نے اپنے جلے پھپھو لے پھوڑے۔

۹۔ ۱۰۔ کہتے ہیں۔ شرابِ ناب بننے میں بھی کوئی خوبی نہیں۔ یہ تو مجبور ہو کر اپنے جی کو کھونا ہے اور شرم سے پانی پانی ہونا ہے۔

۱۱۔ نیشکرہ معنی گنا۔ تم مجھ سے پوچھو۔ تمہیں معلوم نہیں، میں تمہیں بتاتا ہوں۔ آم کے آگے نیشکرہ بھی کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔

۱۲۔ نہ تو اس میں ٹھول ہیں، نہ شاخیں ہیں، نہ پتے ہیں، نہ پھل ہیں۔ پھر سب سے زیادہ خرابی یہ ہے کہ جب خزاں کا موسم آتا ہے تو اس کی بہار آتی ہے گنا سروں میں ہوتا ہے۔

۱۳۔ آم کی تعریف اس سے زیادہ کیا کی جائے اور کہاں کہاں قیاس دوڑایا جائے۔ یوں سمجھ لو کہ جان بہت ہی شیریں ہے، لیکن آم جیسی مٹھاس اس میں بھی نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ آم جان سے بھی بہتر ہیں۔

۱۵۱۴۔ اگر جان میں آم جیسی شیرینی ہوتی تو کوہن باوجود غلگینی کے اس آسانی سے جان نہ دیتا۔ اگرچہ جان قربان کرنے میں وہ یکتائے لہذا گار تھا، شیرینی اور کوہن کی رعایت خوب آئی ہے۔

۱۶ و ۱۷۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید یہ پھل دوا خانہ ازل میں تیار ہوا ہے۔ وہاں آتش گل کی آنچ پر قند کا قوام تیار کیا گیا اور پھر اس شیرے کے تار کا قوام ریشہ کمایا۔

۱۸ و ۱۹۔ رافت یعنی ہربانی، محبت۔ یا یہ بات ہوگی کہ باغِ جنت کے باغبانوں نے جوشِ محبت میں جنت سے خداوند تعالیٰ کے حکم سے شہد گل سول میں بھر بھر کے ان پر مرہیں لگا کر بھیج دیا ہے۔

۲۰۔ یا یہ بات ہے کہ خضر علیہ السلام نے شلخ نبات زمین میں لگائی اور پھر اس کو مدتوں تک (بجائے پانی کے) آبجیات دیا۔

۲۱۔ پھر کہیں جا کر یہ درخت پھل لایا، ورنہ کہاں ہم اور کہاں یہ درخت۔

۲۲ و ۲۳۔ کہتے ہیں خسرو کے پاس اس قسم کا کندن (خالص سونا) تھا کہ ہاتھ سے دبا کر اس کی جو چیز چاہتے تھے، بنا لیتے تھے پرہیز نے اس کا ترنچ بنا لیا تھا۔ وہ ترنچ اس کے دسترخوان پر رکھا رہتا تھا۔ پھر کسرانے اس کے سونے کا ساگ بنوایا اور اس سے اپنے دسترخوان کو زینت دی۔ مرزا صاحب نے اسی سونے کو طلائے دست فشار اس لئے کہا ہے کہ موم کی طرح ہاتھ سے دب جاتا تھا۔ فرماتے ہیں خسرو کے پاس ایک سونے کا ترنچ تھا۔ اس کا رنگ آم کی طرح زرد تھا، لیکن اس میں آم جیسی خوشبو نہیں تھی۔ اگر وہ کہیں

آم کو دیکھ پاتا تو اس خالص سونے کو پھینک دیتا۔

۲۴۔ برگ و نواسے مراد درخت اور خوش الحان پرندے۔ کارگاہ کے معنی کارخانے کے ہیں۔ یہاں چمن مراد ہے۔

کہتے ہیں۔ آم پھر بہار چمن کی رونق ہے اور خاندانِ آب و ہوا یعنی بہار کے لئے باعثِ ناز ہے۔ دو دیاں آب و ہوا سے باغ بھی مراد لے سکتے ہیں۔

۲۵۔ طوبے .. جنت میں ایک درخت ہے جس کی ایک ایک شاخ بہشت میں جانے والوں کے مکاؤں میں ہوگی۔ اس شاخ سے طرح طرح کے میوے اور خوشبوئیں پیدا ہوں گی + سدرہ .. ساتویں آسمان پر ایک درخت ہے۔

آم جنت میں جانے والوں کا توشہ ہے اور طوبے اور سدرہ کا جگہ نشہ ہے۔ بقول تجھو مراد یہ ہے کہ اگر آم کھاتے کھاتے کوئی مرنے لے تو وہ سیدھا جنت میں جاتا ہے۔ خوب تو کھنچ ہے۔

۲۶۔ آم کا درخت خوب لدا پھندا اور پھولا پھلا ہے۔ گویا آم کو بہار نے بڑے ناز و نعم سے پالا ہے۔

۲۷۔ نوبر .. بمعنی نیا پھل۔

خاص کردہ آم جو آسانی سے دستیاب نہ ہوتا ہو اور باغِ سلطان کا نیا پھل ہو۔

۲۸۔ اور بادشاہ بھی وہ بادشاہ جو عہدِ پیمان کی ولایت کا دالی ہے۔ اور جس کا عدل و انصاف زمانے کا حامی۔

۲۹۔ میرا بادشاہ دین کے لئے باعثِ خیر ہے اور

جاہ و جلال کی عزت و شان اس سے قائم ہے۔ اس کی ذات طینت کے لئے آرائش اور اس کا جہاں کمال کے لئے زینت کا باعث ہے۔

۳۰۔ کار فرما۔ یعنی حاکم، بادشاہ۔ وہ دین و دولت اور بخت کا بادشاہ ہے اور تاج و مسند و تخت کو اس کی ذات سے آرائش حاصل ہے۔

۳۱۔ اس کا سایہ ہما کا سایہ ہے۔ گویا جس پر وہ اپنا سایہ ڈالتا ہے، وہ بادشاہ ہو جاتا ہے اور مخلوق کے سر پر اس کا سایہ خدا کا سایہ ہے۔ یعنی وہ ظل اللہ ہے۔

۳۲۔ مفیض یعنی فیض پہنچانے والا۔ مراد خدا۔ اے نور اور سائے کے فیض رساں جب تک سایہ اور نور کا وجود ہے۔

۳۳۔ اس وقت تک اس بندہ پر نور بادشاہ کو جو خزانوں کا مالک اور تخت و تاج کا وارث ہے۔

۳۴۔ شاد، دلشاد اور شادمان رکھیو اور اس کے ساتھ وہ غالب پر بھی حریبان رہے۔

## قطعتا

۲۴۰

اے شمشاد، فلک منظر دے، شل نظیر ۱ اے جہاندار کرم شہوہ و بے شبہ و عدل  
پاؤں تیرے ملے فرق ارادت اورنگ ۲ فرق سے تیرے کرے کسبائے کمال



تیرا انداز سخن شانہ زلفِ الہام ۳ تیری رفتارِ قلم جنبشِ بالِ جبریل  
 تجھ سے عالم پہ کھلا رابطہٴ قربِ کلیم ۴ تجھ سے دنیا میں بھیجا بندہ بدلِ خلیں  
 بہ سخنِ ادج وہ مرتبہٴ معنی و لفظ ۵ بلکہ داغ نہ ناصیبہٴ قلم و قریں  
 تاترے وقت میں ہو عیشِ طرب کی تقریر ۶ تاترے عہد میں ہو رنج و الم کی تفصیل  
 ماہ نے چھوڑ دیا ثور سے جانا باہر ۷ زہر نے ترک کیا حوت سے کرنا تحویل  
 تیری دانش مری اصلاحِ مفاسد کی رہیں ۸ تیری بخشش مرے اخیل مقصد کی کفیل  
 تیرا اقبالِ ترحم مرے جیسے کی نوید ۹ تیرا اندازِ تغافل مرے مرنے کی دلیل  
 سختِ ناسا نہ نے چاہا کہ نہ ہے مجھ کو مال ۱۰ چرخِ کجبا نے چاہا کہ کرے مجھ کو ذلیل  
 پیچھے ڈالی ہے سرشتِ اوقات میں گانٹھ ۱۱ پہلے ٹھوکی ہے بُنِ ناخنِ تدبیر کی کیل  
 پیشِ دل نہیں بے رابطہٴ خوفِ عظیم ۱۲ کششِ دم نہیں بے ضابطہٴ جزِ نقیل  
 دُرِ معنی سے مرا صفحہٴ لقا کی ڈاڑھی ۱۳ غمِ گیتی سے مرا سینہٴ عمر کی زنبیل  
 فکرِ میری گہرا اندوزِ اشاراتِ کشیر ۱۴ کلکِ میری رقمِ آموزِ عباراتِ قلیل  
 میرے اہام پر ہوتی ہے تصدیقِ توحیح ۱۵ میرے احوال سے کہتی ہے تلاشِ تفصیل  
 نیک ہوتی مری حالت تو نہ دیتا تکلیف ۱۶ جمع ہوتی مری خاطر تو نہ کرتا تعیل  
 قبلہٴ کون مکانِ خستہٴ نوازی میں یہ دیر ۱۷ کعبہٴ امن و امان عقدہٴ کشائی میں ڈھیل  
 ۱۔ فلکِ منظر ۱۰ آسمانِ مرتبت، یعنی آسمان جیسے مرتبے والا ۱۱ بے غل  
 ۱۲ بے مثل ۱۳ بے شبہ ۱۴ بے مشبہ، جس کا کوئی ثانی نہ ہو۔

اے آسمان جیسے مرتبے والے اور بے مثل ۱۵ بے نظیر شہنشاہ اور  
 اے کرم گستر جہاندار تو کرم گستری میں بے مثال اور لا ثانی ہے۔

۱۶ فرق ۱۷ ہلک، سر ۱۸ اورنگ ۱۹ تخت ۲۰ اکیلیں ۲۱ تاج -  
 تخت تیرے پاؤں سے اپنے سرِ اہادت کو ملتا ہے اور تاج تیرے

سر سے سعادت حاصل کرتا ہے۔

۳۔ شانہ یعنی کنگھی۔ تیرا انداز سخن زلفِ الہام کے لئے شانہ ہے۔  
یعنی وہ الہامی باتوں کو سلجھاتا ہے اور تیرے قلم کی رفتار جبرئیل علیہ السلام  
کے پہلوں کی جنبش ہے۔ یعنی اس سے الہامی باتیں ظاہر ہوتی ہیں۔

۴۔ کلیم اللہ کو جو خداوندِ کریم سے قرب حاصل تھا وہ سُنی سنائی بات  
تھی۔ لیکن تیرے قربِ خداوندی کو دیکھ کر لوگوں نے اس بات کو اپنی آنکھوں  
سے دیکھ لیا کہ کلیم کو قربِ خداوندی کیونکر حاصل ہوا تھا۔ اسی طرح تیرے  
دستِ رخاں کو دیکھ کر اہل دنیا کو سخاوتِ غلیل اللہ (حضرت ابراہیم) کا اندازہ  
ہو گیا۔ مطلب یہ ہے کہ وہ نوزِ خصوصیات تجھ میں موجود ہیں۔

۵۔ اپنی مخموری سے تو معنی و لفظ کا رتبہ بلند کرتا ہے اور اپنی سخاوت  
سے تو بحرِ قلزم اور دریائے نیل کی پیشانی پر داغ لگاتا ہے۔ یعنی تیری  
سخاوت کے سامنے قلزم و نیل بھی شرمندہ ہیں۔

۶ و ۷۔ اس لئے تاکہ تیرے عہد میں عیش و مسرت کی کثرت ہو نیز  
اس لئے کہ تیرے عہد میں رنج و الم کی قلت ہو، ماہِ بُرجِ ثور سے  
باہر جانا چھوڑ دیا اور زہرہ نے بُرجِ حوت سے نکلنا ترک کر دیا۔ جب یہ  
سیارے ان بُرجوں میں ہوتے ہیں تو زمانہ کثرتِ عیش گزرتا ہے۔

۸۔ انجلاخ مقاصد یعنی مقاصد کا پورا کرنا۔ تیری عقل و دانش میری کوتاہیوں  
اور غلطیوں کی اصلاح کرتی ہے اور تیری بخشش میرے مقاصد کو پورا کرنے والی ہے۔  
۹۔ اقبال یعنی التفات۔ تیرے رحم و کرم کا میری جانبِ ملتفت ہونا

میرے جینے کی خوشخبری ہے اور تیرا اندازِ تغافل میرے مرنے کی دلیل ہے۔  
یعنی تیرے رحم سے میں جی سکتا ہوں اور تیرا تغافل میرے لئے موت ہے۔

۱۰۔ میرے ناموافق مقصد نے چاہا تھا کہ تو مجھے پناہ نہ دے اور فلک کج رفتار کا ارادہ تھا کہ مجھ کو ذلیل و خوار کر دے۔

۱۱۔ فلک کج رفتار نے پہلے میرے ناخن تہ سیریں کیل ٹھونک دی۔ اس کے بعد میرے سرِ رشتہ اوقات (کاروبار) میں گرہ ڈال دی تاکہ ناخن پیر عقدہ کشائی نہ کر سکے۔

۱۲۔ چتر ثقیل .. ایک علم ہے جس میں بھاری چیزوں کے اٹھانے کے قاعدے بتلائے جاتے ہیں۔ کمپش دل میرے لئے خوفِ عظیم کا باعث ہے اور سانس لینا بغیر چتر ثقیل کی امداد کے ممکن نہیں۔  
طباطبائی لکھتے ہیں کہ دل کی تپش خوفِ عظیم سے خالی نہیں اور سانس لینا چتر ثقیل سے کم نہیں۔

۱۳۔ لقا کی ڈاڑھی .. داستانِ امیر حمزہ میں مرقوم ہے کہ لقا کی ڈاڑھی کے ہر ایک بال میں موتی پرودے بیٹے جاتے تھے + عمرو کی زنبیل .. عمرو عیار کی زنبیل میں ایک دُنیا آباد تھی۔ عمرو عیار ہر چیز کو اس میں ڈال دیتا تھا۔ لیکن وہ کسی طرح پُر نہ ہوتی تھی۔

کہتے ہیں میرادہ کا غد جس پر میں نے اشعار لکھے ہیں، معانی کے موتیوں سے اس قدر بھرا ہوا ہے، جیسے لقا کی ڈاڑھی اور دُنیا زمانے کے غم میرے سینے میں اس طرح سماتے ہیں کہ اسے عمرو عیار کی زنبیل کہنا چاہئے کہ وہ کسی طرح پُر ہی نہیں ہوتا۔

۱۴۔ میری فکر میں اشارات کثیر ہیں اگرچہ میرا قلم کم عبارت لکھنے کا علاوہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میری عبارت کم ہے، لیکن اس میں معانی بہت ہیں۔

۱۵۔ ابہام .. کسی بات کو نہایت مبہم طور پر بیان کرنا + توضیح .. کسی

بات کو وضاحت سے کھول کر بیان کرنا۔

میرا مبہم بیان بھی ایسا صاف ہوتا ہے کہ توضیح و تشریح اس پر قربان ہوتی ہے اور میری جمل اور مختصر بات سے تفصیل ٹپکتی ہے۔ مطلب یہ ہے تو میرے اشاروں کنایوں کو بالتفصیل سمجھنا ہے۔

۱۶۔ نیک حالت بمعنی خوش حالی۔ اگر میں تکلیف میں نہ ہوتا۔ یعنی خوشحال ہوتا تو اے ممدوح میں آپ کو تکلیف نہ دیتا۔ نیز اگر میری طبیعت پریشان نہ ہوتی تو میں اپنا مقصد (صلہ و انعام) حاصل کرنے کے لئے اتنی جلدی نہ کرتا۔

۱۷۔ اے قبلہ دو عالم! غریب نواری میں اتنی ویر نہیں ہونی چاہئے۔ اور اے کعبہ امن و امان! عقدہ کشائی میں اس قدر ڈھیل مناسب نہیں ہمارے قطعہ کا پتھر یہی شعر ہے۔ بقول طباطبائی عقدہ کشائی سے ڈھیل دینے کو جس قدر مشابہت ہے، اس کی تعریف نہیں ہو سکتی۔ یعنی یہ سچ ہے کہ بے تحمل دینے گرہ نہیں کھل سکتی۔ لیکن اتنی ڈھیل کوئی نہیں دیتا۔

۲۲۱

گئے وہ دن کہ نادانستہ غیرو کی وفاداری کیا کرتے تھے تم تقریرم خاموش رہتے تھے بس اب بگڑے یہ کیا شرمندگی جانے و بجاؤ ۲ قسم لوہم سے گریہ کجی کیوں کہوں نہ کہتے تھے ۱۔ غیروں کی وفاداری تقریر کرتے تھے یعنی بیان کیا کرتے تھے۔ یہ فارسی محاورے کا ترجمہ ہے۔ کہتے ہیں وہ دن گئے جب تم بغیر سوچے کچھ غیروں کی وفاداری کی تعریف کیا کرتے تھے اور ہم خاموش بیٹھے سُنا کرتے تھے۔

۲۔ اب جبکہ غیروں سے آپ کی بگڑ گئی ہے تو اب آپ شرمندہ کیوں ہوتے ہیں اور اس شرمندگی کے باعث ہم سے ملنا جلنا کیوں چھوڑ

دیا ہے۔ اس شرمندگی کو چھوڑو اور ہم سے مل جاؤ۔ ہم سے قسم لے لو، جو کبھی ہم یہ بھی کہیں کہ کیوں ہم نہ کہتے تھے۔ کیوں ہم نہ کہتے تھے؟ میں جو لطف ہے، وہ بیان میں نہیں آ سکتا۔ ایسے موقع پر صرف اسی قدر کہا جاتا ہے اور اس سے مطلب یہ ہے کہ ہم نہ کہتے تھے یہ لوگ بے وفائیں۔

## ۲۲۲

کلکتہ کا جو ذکر کیا تو نے ہم نشین ۱ اک تیر میرے سینے پہ مارا کہ ہائے ہائے وہ سبزہ زار ہائے مطر اک ہے غضب ۲ وہ نازیں بتاں خود آرا کہ ہائے ہائے صبر آرمادہ ان کی نگاہیں کہ حنف نظر ۳ طاقت ربا وہ ان کا اشارہ کہ ٹٹے ٹٹے

وہ میوہ ہائے تازہ و شیریں کہ واہ وا

وہ بادہ ہائے ناب گوارا کہ ہائے ہائے

۱۔ ہائے ہائے اسے ہم نشین تو نے کلکتہ کا ذکر کر کے میرے دل پہ ایک تیر چلا دیا۔ یعنی کلکتہ یاد آنے سے میرا دل ٹرپ گیا۔

۲۔ مطر یعنی شاداب۔ ہائے ہائے کلکتہ کا نام سنتے ہی وہاں کے وہ ہرے بھرے صاف ستھرے سبزہ زار اور طر حدار معشوق یاد آ گئے۔

۳۔ حنف نظر یعنی چشم بد دور۔ ہائے ہائے وہ ان کی صبر آرمادہ نگاہیں، خدا ان کو نظر بد سے بچائے اور ان کے وہ طاقت ربا اشارے یاد آ گئے۔

۴۔ سبحان اللہ کلکتہ کے وہ تازہ اور شیریں میوے اور ٹٹے ٹٹے وہاں کی وہ خالص اور خوشگوار مشرابیں۔

# چکنی دلی

۲۲۳

ہے جو صاحب کے کف دست پر چکنی دلی ۱ زب دیتا ہے اسے جس قدر اچھا لگے  
 خامہ انگشت بندوں کہ اسے کیا لگے ۲ ناطقہ سرگرمیاں کہ اسے کیا لگے  
 مہر مکتوب عزیزان گرامی لگے ۳ حرز بازوئے شکر فانی خدا آنا لگے  
 مستی آلودہ سر انگشت حسناں لگے ۴ درخ طرف جگر عاشق شیدا لگے  
 خاتم دست سلیمان کے مشابہ لگے ۵ سر پستان پر یزاد سے مانا لگے  
 اختر سوختہ قیس سے نسبت دے ۶ خال مشکیں رخ دکشیلے لگے  
 حجر الاسود دیوار حرم کیجے فرض ۷ نادر آہوئے بیابان ختن کا لگے  
 وضع میں اس کو کھولے توب تریاق ۸ رنگ میں سبزہ نوخیز مسحا لگے  
 صومعے میں اُسے ٹھہرائے گرم ناز ۹ میکے میں اُسے خشت خم صہبا لگے  
 کیوں اُسے فضل حدیجِ حجت لگے ۱۰ کیوں اُسے نقطہ پر کار تماشا لگے  
 کیوں اُسے گوہر نایاب تصور کیجے ۱۱ کیوں اُسے مردک دیدہ عتقا لگے  
 کیوں اُسے تکرہ پیرا بنیلے لگے ۱۲ کیوں اُسے نقش پے نادر مسلا لگے  
 بندہ ہمدرد کے کف دست کو دل کیجے فرض

اور اس چکنی سپاری کو سوید لگے

حالی : (یادگار غالب) شاعر میں جبکہ نواب ضیاء الدین احمد خاں  
 مرحوم کلکتہ گئے ہوئے تھے، مولوی محمد عالم مرحوم نے جو کلکتہ کے ایک ورید  
 سال فاضل تھے، نواب صاحب سے بیان کیا کہ جس زمانے میں مرزا صاحب

یہاں آئے ہوئے تھے، اور میں بھی حاضر تھا، ایک مجلس میں جہاں مرزا صاحب بھی موجود تھے اور میں بھی حاضر تھا، شعر کا ذکر ہو رہا تھا۔ اثنائے گفتگو میں ایک صاحب نے فیضی کی بہت تعریف کی۔ مرزا نے کہا۔ فیضی کو جیسا لوگ سمجھتے ہیں۔ ویسا نہیں۔ اس پر بات بڑھی۔ اس شخص نے کہا۔ فیضی جب پہلی بار اکبر کے رو برو گیا تھا، اُس نے ڈھائی سو شعروں کا قصیدہ اُسی وقت کہہ کر پڑھا تھا۔ مرزا ابولے اب اللہ کے بندے ایسے موجود ہیں کہ دو چار سو نہیں تو دو چار شعر ہر موقع پر کہہ سکتے ہیں۔ مخاطب نے جیب میں سے ایک چکنی ڈلی نکال، متھیلی پر رکھی اور مرزا سے درخواست کی کہ اس ڈلی پر کچھ ارشاد ہو۔ مرزا نے یہ گیارہ شعر کا قطعہ اسی وقت موزوں کر کے پڑھ دیا۔

اُردو شاعری میں اس قطعہ کی مثال مشکل سے ملے گی۔ مرزا نے گیارہ شعروں میں عظیم الشان تشبیہات نظم کیں جن کی تعداد ۲۱ ہے۔  
۱۔ کہنا دست یعنی متھیلی۔ آپ کی متھیلی پر جو چکنی ڈلی ہے، اُس کی جس قدر تعریف کریں، درست ہے۔ یہ چکنی ڈلی اچھی اس سبب سے ہے کہ آپ کے ہاتھ پر رکھی ہے۔

۲۔ انگشت بندل .. جبرائی کی کیفیت، سرگرمیاں .. فکر کی حالت۔  
قلم حیران ہے کہ میں اسے کیا لکھوں اور قوتِ گویائی فکر میں ڈوب گئی ہے کہ میں اسے کیا کہوں۔

۳۔ حزن یعنی تعویذ۔ اس کو غریزانِ گرامی کے خط کی مدد لکھا جائے یا طرصار اور سرخ و سپید معشوقوں کے بازو کا تعویذ کہا جائے۔

۴۔ اے حسنین کی مٹی بھری انگلی کی پونگٹھے باعاشق شید کے جگر کا داغ کٹے۔

۵۔ خاتم .. انگوٹھی + مانا .. مشابہہ .. سرپستان .. بھٹنی۔

اسے حضرت سیماؤں کے ہاتھ کی انگوٹھی کا مشابہہ لکھا جائے یا پریزاد کے پستان کی بھٹنی کہا جائے۔

۶۔ اسے قیس کے اختر سوختہ سے نسبت دینی چاہئے یا اسی کے دلکش چہرے کا سیاہ بل کہنا چاہئے ؛ اختر سوختہ کہہ کر چکنی سے تشبیہ تام پیدا کر دی ہے۔ چکنی سیاہ ہوتی ہے۔

۷۔ یا تو اسے دیوار حرم کا حجر الاسود فرض کیجئے، یا سیاہ بان ختن کے ہرن کا نافہ لکھئے۔ حجر الاسود ایک سیاہ پتھر ہے، جو خانہ کعبہ کی دیوار میں نصب ہے۔ حجاج اسے بوسہ دیتے ہیں۔ اعتقاد یہ ہے کہ اسے بوسہ دینے سے گناہ دور ہو جاتے ہیں۔

۸۔ اگر اسے وضع میں تریاق کا قاف سمجھئے تو رنگ میں مسیحا کا سبز، نو خیر کہئے۔ طباطبائی لکھتے ہیں: ”بکھئے“ میں میم ساکن اور حیم متحرک نظم ہوا ہے۔ اس طرح کسی استاد نے نہیں باندھا۔ خلاف محاورہ ہے۔

۹۔ صومعہ .. عبادت خانہ + خیر نماز .. سجدہ گاہ، جس پر اہل شیخ سجدہ کرتے ہیں، خشت خم صہبا .. شراب کے مشکے کے مُنہ پر ایک ریمٹ رکھ دیتے ہیں کہ شراب اڑنے نہ پائے۔

اگر اس چکنی ڈلی کو عبادت خانے میں خیر نماز ٹھہرائیے تو میکے میں اسے خشت خم صہبا کہئے مطلب یہ ہے کہ عبادت خانوں میں اس پر زاہد اور مے خانوں میں اس پر ست سجدہ کرتے ہیں۔

۱۰۔ اس چکنی ڈلی کو گنج محبت کے ہواڑے کا قفل کیوں لکھئے اور کیوں اسے تمنا کی پرکار کا مرکز کہئے۔ اس لئے کہ تمنا پرکار کی طرح اس



کے گرد گھومتی ہے۔

۱۱۔ کیوں اسے گوبرِ نایاب تصور کیا جائے اور کیوں اسے عنقا کی آنکھ کی بتی کہا جائے۔

۱۲۔ سلمہ عرب کی ایک حبینہ کا نام ہے۔ کہتے ہیں کیوں اسے ییلے کے پیرا بن کا ٹکڑہ لکھیں اور کیوں اسے سلمہ کی اونٹنی کا نقش قدم کہیں۔

۱۳۔ ان سب تشبیہوں سے بہتر یہ تشبیہ ہے کہ بندہ پروردگار کے کعبِ دست کو دل تصور کر لےجے اور اس چکنی دلی کو اس دل کا خال سویدا کئے۔

۲۲۲

نہ پوچھ اس کی حقیقت حضور والا نے ۱ مجھے جو بھی ہے میں کی روغنی روٹی نہ کھاتے گیوں، نکلتے نہ غلہ سے باہر ۲ جو کھاتے حضرت آدم یہ بیسنی روٹی حالی ۳ جب بادشاہ کوئی عمدہ چیز پکواتے تھے تو اکثر مصباحیین اور اہل مبارک کے لئے بطور اولوش کے بھیجا کرتے تھے۔ اس کے شکریے میں کبھی کبھی مرزا کوئی قطعہ یا رباعی بادشاہ کے حضور میں گزرا کرتے تھے۔ یہ قطعہ بھی اسی قبیل کا ہے۔ جس وقت بادشاہی چوہدار اولوش لے کر آیا۔ ایک باہرکار رہنے والا طالب علم جو مرزا سے کچھ پڑھا کرتا تھا، موجود تھا۔ چوہدار کے چلے جانے کے بعد اس نے متعجب ہو کر پوچھا کہ بیسنی روٹی ایسی کیا نادر چیز ہے کہ بادشاہ کی سرکار سے بطور اولوش کے تقسیم ہوتی ہے۔ مرزا نے کہا۔ ارے احمق چناوہ چیز ہے کہ اس نے ایک دفعہ جناب باری میں فریاد کی کہ دُنیا میں مجھ پر بڑے ظلم ہوتے ہیں۔ مجھے دلتے ہیں پیستے ہیں، بھونتے ہیں، پکلتے ہیں اور مجھ سے سینکڑے چیزیں بنا کر کھاتے ہیں۔ جیسا مجھ پر ظلم ہوتا ہے۔ ایسا کسی

پر نہیں ہوتا۔ وہاں سے حکم ہوا۔ اے چنے تیری خیر اسی میں ہے کہ  
ہمارے سامنے سے چلا جائے۔ ورنہ ہمارا بھی جی ہی چاہتا ہے کہ  
تجھ کو کھا جائیں۔

۲۰۱۔ حضور والانے جو مجھے مین کی روغنی روٹی بھیجی ہے اسکی  
حقیقت تو مجھ سے نہ پوچھ۔ بس یہ سمجھ لے کہ اگر حضرت آدم یہ مین روٹی  
کھاتے تو بہشت سے ہرگز باہر نہ نکلے جلتے۔

## سہرا

۲۲۵

خوش ہوئے بخت کہ ہے آج تم سے سہرا ۱ باندہ شہزادہ جہاں بخت کے سر پر سہرا  
کیا ہی اس چاند سے کھڑے ہے بھلا لگتا ہے ۲ ہے تم سے جس دل افروز کا زیور سہرا  
سر پہ چڑھنا تجھے چھینتا ہے پرلے طرف کا ۳ مجھ کو ڈر ہے کہ نہ چھینے ترا لمبر سہرا  
ناؤ بھر کر سی پروٹے گئے ہونگے موتی ۴ ورنہ کیوں لائے ہیں کشتی میں گرا سہرا  
رُخ پر دُلو لہاکے جو گرمی سے پسینہ ٹپکا ۵ ہے رگ ابر گسار سہرا سہرا  
یہ بھی اک بے ادبی تھی کہ قبا سے بڑھ جائے ۶ رہ گیا آن کے دامن کے برابر سہرا  
جی میں اترا میں نہ موتی کہ ہیں میں اک چیز ۷ چاہتے پھولوں کا بھی ایک مکہ سہرا  
جبکہ اپنے میں سماویں نہ خوشی کے مارے ۸ گوندھے پھولوں کا بھلا پھر کوئی کیونکر سہرا  
رُخ روشن کی دمک گوہر غلطاں کی چمک ۹ کیوں نہ دکھلائے فروغ مدد اختر سہرا  
تار ریشم کا نہیں ہے رگ ابر بہار ۱۰ لائیگا تاب گراںباری گو سہرا  
ہم سخن قسم ہیں غالب کے طرفدار ہیں ۱۱ دیکھیں اس سرے سے کدے کوئی بہتر

بادشاہ کے چھوٹے بیٹے مرزا جواں بخت کی شادی کے موقع پر مرزا نے یہ سہرا لکھا اور ایک سونے کی کشتی میں رکھ کر بڑے تکلف کے ساتھ بادشاہ کے حضور میں گزارا۔ اس سے پہلے اردو میں سہرے لکھنے کا دستور تھا۔ گویا مرزا غالب سہرے کے موجد ہیں۔

اے نصیب خوش ہو کہ آج تیرے سرسرا ہے۔ اب تو سہراؤ جواں بخت کے سر پر سہرا باندھ۔ افسوس ہے مرزا صاحب پورا محاورہ نظم نہیں کر سکے۔ محاورہ میں خالی سہرا نہیں بولا جاتا، ظاہر کرنا چاہئے تھا کہ کس چیز کا سرسرا ہے۔ شعر کے الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے اصلی سہرا مراد ہے۔ حالانکہ مصنف کا مفہوم یہ نہیں ہے۔ استاد ذوق نے اپنے مطلع میں یہ کمی پوری کر دی ہے۔

اے جواں بخت مہلک تجھے سر پر سہرا آج ہے مین وسعادت کا تیرے سر پر  
۲۔ تیرے اس چاند سے نکھرے پر سہرا بہت ہی بھلا معلوم دیتا ہے گویا سہرا تیرے حسن دل افروز کا زیور ہے۔

۳۔ لمبر... نمبر۔ درجہ۔ گزشتہ صدی میں لمبر ہی مستعمل تھا۔ طرف کلاہ... گوشہ کلاہ۔

اے گوشہ کلاہ تجھے شہزادہ کے سر پر چڑھنا سچ بچہ زیب دیتا ہے۔ لیکن مجھے ڈر ہے کہ کہیں تیرا درجہ سہرا نہ چھین لے یعنی سہرا باندھنے سے کہیں تو نیچے نہ دب جائے۔

۴۔ مرزا صاحب نے کشتی کے لفظ سے قائدہ اٹھایا ہے کہتے ہیں اس سہرے کو گوندھنے میں ایک ناؤ موتی پر دھتے گئے ہونگے اگر

یہ بات نہ ہوتی تو پھر سرے کو کشتی میں لگا کر کیوں لاتے۔ ذوق کا یہ شعر غالب کے اس شعر سے بہت بڑھا ہوا ہے۔

آج وہ دن ہے کہ لائے درگاہے فلک کشتی زدیں سرِ نو کی لگا کر مسرا

۵۔ دریا یعنی سمندر۔ سات سمندروں کے موتی جمع کئے

ہوں گے۔ پھر کہیں جا کر اس انداز کا گز بھر مسرا بنا ہو گا۔ بنا کا لفظ خوب ہے۔

۶۔ دولہا کے چہرے سے جو گرمی کے باعث پسینے کے قطرے

ٹپک رہے ہیں۔ انہیں دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ سرے

کی لڑیاں نہیں ہیں بلکہ ابر گہوار کی رگیں ہیں۔ گرمی سے گرمی محسوس

مراد ہے۔

۷۔ یہ ایک بے ادبی تھی کہ مسرا قبا سے آگے بڑھ جاتا۔ یہی

وجہ ہے کہ وہ قبا کے برابر آ کر رُک گیا اور آگے نہ بڑھا۔

۸۔ تاکہ شہزادے کے سرے میں گندھ کر موتی اس بات پر

نہ اترائیں کہ ہم ہی سب کچھ ہیں۔ اس لئے پھولوں کے سرے کی

بھی ضرورت ہے۔

۹۔ جب خوشی کے بارے پھول اپنے میں نہیں سماتے تو پھر

پھولوں کا مسرا کوئی گونگر گوندھ سکتا ہے۔

بنمود: کلیوں کا کھلنا گویا قبا کے گل کا جوشِ مسرت سے چاک

ہو جانا ہے۔ ایسی صورت میں سرے کا گوندھا جانا دشوار ہو گیا

ہے۔

۱۰۔ ادھر رُخ روشن کی دمک ہے ادھر گوہرِ قلعان کی چمک ہے

پھر بھلا سہرا نہ واختر کی چمک دمک کیوں نہ دکھلائے۔

۱۱۔ اس سہرے میں ریشم کا تار نہیں ہے، بلکہ رگ ابر بہار ہے۔ اس لئے وہ موتیوں کے بھاری وزن کو بخوبی اٹھالے گا۔ مطلب یہ ہے کہ ریشم کا تار اس قدر موتیوں کے بوجھ کو نہیں اٹھا سکتا اور ابر بہار میں تو موتی برسا ہی کرتے ہیں۔

۱۲۔ ہم سخن فہم ہیں، غالب کے طرغدار نہیں کہ اس کی رو رعایت کریں۔ بھلا دیکھیں، اس سہرے سے بڑھ کر کوئی سہرا کہہ دے۔ مطلب یہ ہے کہ اس سے بہتر سہرا لکھنا ناممکن ہے۔ یہ غالب ہی کا حق ہے۔

آبجیات ۱۔ ”جہاں پناہ نے جب سہرے کو ملاحظہ فرمایا تو مقطع دیکھ کر حضور کو بھی خیال بلکہ ہلال ہوا۔ اُستاد ذوق مرحوم جو حسب معمول حضور میں گئے تو یہ سہرا دیا اور کہا۔ اُستاد اسے تو دیکھو، انہوں نے پڑھا اور بموجب عادت کے عرض کی، پیرو مرشد درست۔ بادشاہ نے فرمایا۔ تم بھی ایک سہرا لکھ دو۔ عرض کی بہت خوب۔ پھر فرمایا کہ ابھی لکھ دو اور کہا کہ مقطع کو بھی دیکھا۔ عرض کی حضور دیکھا، عرض وہیں بیٹھ گئے اور عرض کیا :-

اسے جواں بخت مبارک تجھے سر سہرا ۱ آج ہے یمن و سعادت کا تو ہے سر سہرا  
آج وہ دن ہے کلائے درخجم سے فلک ۲ کشتی زد میں بہر ڈکی لگا کر سہرا  
تالیش حسن سے مانند شعاع خورشید ۳ رخ پُر نور پہ ہے تیرے منور سہرا  
وہ کے صلّ علی، یہ سکے سبحان اللہ ۴ دیکھے کھڑے پہ جوتیرے مرد و اختر سہرا  
تا بنے اور بنی میں رہے اخلاص بہم ۵ گوندھے سورۃ اخلاص کو پڑھ کر سہرا

دھوم ہے گلشن آفاق میں اس سہرے کی ۶ گائیں مرغابن نواسنج نہ کیونکر سہرا  
 روئے فرخ پہ جو ہیں تیرے بہتے انوار ۷ تبار بادش سے بنا ایک سراسر سہرا  
 ایک کو ایک پہ تڑپیں ہے دم آرائش ۸ سر پہ دستار ہے دستار کے اور سہرا  
 اک گہر بھی نہیں صد کان گہر میں چھڑا ۹ تیرا بنوایا ہے لے لے کے جو گوہر سہرا  
 پھرتی غریبوں سے اتراتی ہوئی باد بہا ۱۰ اللہ اللہ رے پھولوں کا معطر سہرا  
 سر پہ طرہ ہے مزین تو گلے میں بدھی ۱۱ گنگنا ہاتھ میں زیبا ہے تو سر پہ سہرا  
 رونمائی میں تجھے ہے سرو خورشید فلک ۱۲ کھول دے منہ کو جو تومنہ سے اٹھا کر سہرا  
 کثرت تار نظر سے ہے تماشا یوں کے ۱۳ دم نظام ترے روئے نکو پر سہرا  
 دُر خوش آبِ مضامین سے بنا کر لایا ۱۴ وسطے تیرے ترا ذوقِ ثنا کر سہرا  
 جن کو دعویٰ ہو سخن کا یہ سُنا دو ان کو  
 دیکھو اس طرح سے کہتے ہیں سخنور سہرا

اربابِ نشاط حضور میں ملازم تھیں۔ اسی وقت انہیں بلا اور شہر  
 کی گلی گلی کوچے کوچے میں پھیل گیا۔ مرزا بڑے ادا شناس تھے سمجھے کہ  
 کیا تھا کچھ اور ہو گیا کچھ اور۔ اسی وقت یہ قطعہ لکھ کر حضور میں گزرا نا۔  
 سب طرف تعریفیں ہوئیں۔

## معذرت

۲۴۶

منظور ہے گزراؤں احوالِ واقعی ۱ اپنا بیان حسنِ طبیعت نہیں مجھے  
 سوچتے ہیں ہمیشہ آبا پی گری ۲ کچھ شاعری ذریعہ عورت نہیں مجھے

آزاد نہ ہوں اور اس ملک سے صلح کل ۳ ہرگز کبھی کسی سے عداوت نہیں مجھے  
 کیا کم ہے یہ بشرٹ کہ ظفر کا غلام ہوں ۴ مانا کہ جاہ و منصب و ثروت نہیں مجھے  
 استادش سے ہو مجھے پر غاش کا خیال ۵ یہ تاب یہ مجال یہ طاقت نہیں مجھے  
 جامِ جہاں نما ہے شمشاد کا ضمیر ۶ سو گند اور گواہ کی حاجت نہیں مجھے  
 میں کون اور ریختہ ہاں اس سے مدعا ۷ جز انبساط خاطر حضرت نہیں مجھے  
 سہرا لکھا گیا ز رہ امتثال امر ۸ دیکھا کہ چارہ غیر اطاعت نہیں مجھے  
 مقطع میں آپڑی ہے سخن گسزنزاد بات ۹ مقصود اس سے قطع محبت نہیں مجھے  
 روئے سخن کسی کی طرف ہو تو رو سیاہ ۱۰ سودا نہیں جنوں میں حشمت نہیں مجھے  
 قسمت بُری سہی پر طبیعت بُری نہیں ۱۱ ہے شکر کی حکم کہ شکایت نہیں مجھے

صادق ہوں اپنے قول میں غالب خدا گواہ  
 کہتا ہوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے

۱۔ مجھے اپنا واقعی حال عرض کرنا مقصود ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ مجھے اپنے  
 حسن طبیعت کا بیان منظور نہیں۔

۲۔ میرے آباؤ اجداد کا پیشہ سو سال سے سپاہ گری ہے اور یہی  
 پیشہ میرے لئے باعثِ فخر ہے میں شاعری کو ذریعہ عزت نہیں سمجھتا۔  
 مطلب یہ ہے کہ اہل سیف اہل قلم سے زیادہ عزت رکھتے ہیں۔

۳۔ آزادہ رو ۷۰ آزاد روٹ ۷۰ مسلک ۷۰ طریقہ ۷۰ راستہ۔

میں ایک آزادہ رو انسان ہوں اور میرا طریقہ صلح کل ہے میں کسی  
 کا دل نہیں دکھاتا اور میں ہرگز کسی سے عداوت و بغض نہیں رکھتا۔

۴۔ یہ سچ ہے کہ مجھے عزت، مرتبہ اور دولت مری حاصل نہیں۔  
 لیکن یہ کیا کم اعزاز ہے کہ میں ابو ظفر بہادر شاہ بادشاہ کا غلام ہوں۔

- ۵۔ بادشاہ کا غلام ہوتے ہوئے، مجھے بادشاہ کے اُمتاد سے پر غاش ہو۔ تو بہ۔ تو بہ۔ یہ تاب یہ مجال یہ طاقت نہیں مجھے۔
- ۶۔ بادشاہ کا دل جامِ جہاں نسا ہے۔ اس میں وہ ہر ایک چیز کی حقیقت دیکھ سکتا ہے۔ اس لئے مجھے اپنی بریت کے لئے قسم کھانے اور گواہ پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔
- ۷۔ بھلا مجھے رنجتہ کوئی سے کیا واسطہ۔ کہاں میں کہاں رنجتہ کوئی۔ میں تو فارسی کا شاعر ہوں۔ ہاں صرف خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اُردو میں کہہ لیتا ہوں۔
- ۸۔ امتثالِ امر یعنی تعیلِ حکم۔ محض حضور کے حکم سے یہ سر اٹھا گیا تھا اور وہ بھی اس وقت جب میں نے دیکھا کہ سوائے تعیلِ حکم کے کچھ چارہ کار نہیں۔
- ۹۔ سرے کے مقطع میں محض ایک شاعرانہ اور سخن گسترانہ بات آپڑی ہے، ورنہ اس سے میرا مقصد یہ ہرگز نہیں کہ میں مجتہد کے راہِ درسم منقطع کر دوں۔
- ۱۰۔ اگر میں نے اس مقطع میں کسی پرچوٹ کی ہو تو کالا منہ ہو۔ میں کوئی دیوانہ نہیں، مجنوں نہیں، وحشی نہیں کہ ایسی قبیح حرکت کرتا۔
- ۱۱۔ مانا کہ میری قسمت بُری ہے، لیکن میری طبیعت بُری نہیں۔ یہ شکر کا مقام ہے کہ مجھے کسی سے اس بات کی شکایت نہیں۔
- ۱۲۔ خدا گواہ ہے کہ میں اپنے قول کا سچا ہوں اور میں سچ کہتا



ہوں کہ مجھے جھوٹ بولنے کی عادت قطعی نہیں۔

## مدح

۲۲۷

نصرت الملک بہادر مجھے بتلا کہ مجھے ۱ تجھ سے جو اتنی ارادت ہو کس بات سے  
گرچہ تو وہ ہے کہ ہنگامہ اگر گرم کرے ۲ رونق بزمِ مدھر تری ذات سے ہے  
اور میں وہ ہوں کہ گرجی میں کبھی خود کروں ۳ غیر کیا خود مجھے نفرت مری اوقات سے ہے  
خستگی کا ہو بھلا جسکے نسب سے سرت ۴ نسبت اک گونہ مرنے ل کو تھے ہات سے ہے  
ہاتھ میں تیرے ہے تو سن دولت کی عنان ۵ یہ دُعا شام و سحر قاضی حاجات مجھے ہے  
تو سکند ہے مرا فخر ہے ملنا تیرا ۶ گو شرف خضر کی بھی مجھ کو ملاقات سے ہے

اُس پہ گندے شگماں رہو دریا کا زہار

غالب خاک نشین اہل خرابات سے

۱۔ اے نصرت الملک بہادر آپ مجھے یہ بتلائیں کہ مجھے جو آپ سے  
اپنی عقیدت اور محبت ہے وہ کس وجہ سے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایسی  
ارادت انعام و اکرام کی وجہ سے نہیں ہو سکتی۔ بلکہ کچھ روحانی اور قلبی  
تعلق ہے۔ استفہام اور استعجاب نے بلاغت پیدا کر دی ہے۔

۲۔ تو وہ ہستی ہے کہ اگر تو اپنی محفلِ آرائشہ کرے تو بزمِ مدھر  
کو بھی تیری ذات سے رونق حاصل ہو جائے۔

۳۔ تیرے مقابلے میں میں وہ ہوں کہ اگر میں اپنے آپ پر غور کرتا  
ہوں تو دُور رہے، مجھے خود اپنے آپ سے نفرت ہوتی ہے۔

۴۔ خدا اس خستگی یعنی خستہ دلی کا بھلا کرے کہ جس کے سبب سے میرے دل کو تیرے ہاتھ سے ایک گونہ نسبت حاصل ہے، طلب یہ ہے کہ میں مفلس ہوں، اس لئے تیرا دستِ کرم مجھ تک پہنچتا ہے۔  
۵۔ تیرے ہاتھ میں ہمیشہ تو سن دولت و حکومت کی باگ رہے۔ بس قاضی حاجات سے شام و سحر میری یہی دعا ہے۔

۶۔ اس شعر میں ایہام ہے۔ ”خضر سلطان“ بہادر شاہ بادشاہ کے ایک فرزند کا بھی نام تھا۔ یہاں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ پہلے لکھ چکے ہیں۔

خضر سلطان کو رکھے خالق اکبر سرسبز شاہ کے باغ میں یہ تازہ نہال اچھلے  
۷۔ رلود ریا یعنی مکاری و ریاکاری۔ غالب پر ریاکاری اور مکاری کا شبہ نہیں ہونا چاہئے۔ کیونکہ وہ ایک خاک نشین فقیر ہے اور اہل خرابات سے ہے۔ طلب یہ ہے۔ ناہد لوگ ریاکار ہو سکتے ہیں۔ زند نہیں ہوتے۔

## آخری چہار شنبہ

۲۲۸

ہے چار شنبہ آخر ماہ صفر جلو ۱ رکھ دیں جن میں بھر کے نئے مشکبوی ناند  
جوائے جام بھر کے پئے اور ہو کے مست ۲ بہرے کو روندنا پھرے بھو لونگواٹے پھاند  
غالب یہ کیا میاں ہے بھر مدح بادشاہ ۳ بھاتی نہیں ہے اب مجھے کوئی نوشتہ خواند  
بٹتے ہیں سونے روپے کے چھتے حضور میں ۴ ہے جن کے آگے رسم وزیر مرد ماہ ماند

یوں سمجھئے کہ بیچ سے خالی کئے ہوئے ۵ لاکھوں ہی آفتاب ہیں اور شمار جانہ  
 ۱۔ آج آخری چار شنبہ ہے۔ چلو ہم بھی چین میں بے مشکبوی کی مانند بھر کر  
 رکھ دیں۔ کیونکہ آج کے دن احباب سبزہ روندنے کے لئے چین میں آئینگے۔  
 گلگشت باغ کے ساتھ بے نوشی کا بھی لطف ہے گا۔ ماہ صفر کے آخری  
 چار شنبے کو جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یومِ صحت ہے لال تلخہ میں  
 اس روزِ خوشی کی جاتی تھی اور سونے چاندی کے چھٹے تقسیم ہوتے تھے۔  
 آجی لکھتے ہیں۔ ممکن ہے محرم کی حرمت کی وجہ سے آخر ماہ صفر  
 تک غالب بادہ نوشی نہ کرتے ہوں اور اسی وجہ سے کہا ہو کہ اس دن  
 صفر کا مہینہ ختم ہو جائے گا۔ چلو باغ میں شراب کی مانند بھر کر رکھ دیں۔  
 یہ مضمون قرین قیاس نہیں ہے۔

۲۔ تاکہ جو باغ میں آئے وہ شراب بھر کے جام پیئے اور پھر  
 مستی کے عالم میں سبزے کو روندنا پھرے اور پھولوں کے پودوں کو  
 پھاند جائے۔

۳۔ غالب تم یہ کیا فضول باتیں لکھ رہے ہو۔ اب مجھے بادشاہ کی  
 درج کے سوا دوسری کوئی بات لکھنی اچھی معلوم نہیں ہوتی مطلب یہ  
 ہے۔ تشبیب کو چھوڑو اور مدح شروع کرو۔

۴۔ آج بادشاہ کے محل میں سونے چاندی کے چھٹے تقسیم ہو رہے  
 ہیں۔ ان پھلتوں کی چمک دمک کے سامنے ہر ماہ کا رسم و رنج بھی ماند ہے  
 مطلب یہ ہے کہ یہ چھٹے ہر ماہ سے زیادہ چمکدار ہیں۔ ان پھلتوں کو دم  
 کئے ہوئے پانی میں بھجا کر بانٹا کرتے تھے۔

۵۔ یوں سمجھ لیجئے کہ یہ چھٹے نہیں ہیں بلکہ لاکھوں چاندوں اور

بے شمار سورجوں کو بیچ میں سے خالی کر دیا ہے۔

## مدح شاہ

۲۴۹

اے شاہ جہانگیر جہاں بخش جہاندا ۱ بے غیب کے سرورم تھے صد گونہ بشارت  
جو عقدہ دشوار کہ کوشش سے نہ دل ہو ۲ تو داکرے اس عقدے کو سو بھی بشارت  
ممکن ہے کرے خضر سکندر سے تلو کر؟ ۳ گلاب کو نہشے خضر حیواں سے طہارت  
آصف کو سیماں کی ذرات سے شرف تھا ۴ ہے خضر سیماں جو کرے تیری ذرات  
ہے نقش مریدی ترا فرمان الہی ۵ ہے دارغ غلامی ترا تو قیغ امارت  
تو آب سے گز سلب کے طاق حیران ۶ تو آگ سے گردِ دفع کرے تابِ شرارت  
ڈھونڈھے نہ ملے موجبِ دریا میں بدانی ۷ باقی نہ رہے آتش سوزاں میں حرارت  
ہے گرچہ مجھے نکتہ سرائی میں تو غل ۸ ہے گرچہ مجھے سحر طرازی میں ہمارت  
کیونکہ نہ کروں مدح کو میں ختم دعا پر ۹ قاصر ہے شکایت سے تری میری عبارت  
نور ہے آج اور وہ دن ہے کہ ہوئے ہیں ۱۰ نظارگی صنعتِ حق اہل بصارت  
تجھ کو شرفِ جہاں تاب مبارک  
غالب کو ترے عتبہ عالی کی زیارت

۱۔ اے بادشاہ جہاں گیر۔ اے بادشاہ جہاں بخش اور اے بادشاہ  
جہاندار تجھ کو غیب سے سو طرح کی بشارتیں حاصل ہیں۔ یہ خود انکھتے ہیں کہ  
متذکرہ صنات تجھے اس وجہ سے حاصل ہیں کہ تجھے ہر کام کے لئے  
پہلے سے بشارت ہو جاتی ہے۔

۲۔ وہ عقدہ دشوار و باوجود کوششوں کے وا نہیں ہوتا، وہ تیرے اشارے سے کھل جاتا ہے۔

۳۔ اس وقت تک حضرت بنو نصر تیرا ذکر خیر سکندر سے نہیں کر سکتے، جب تک وہ آب حیات سے اپنے منہ پاک نہ کر لیں۔ پہلے مصرعہ میں استفہام انکاری ہے۔

۴۔ کھف برخیا حضرت سلیمان کے وزیر تھے۔ ان کو حضرت سلیمان کی وزارت سے فخر حاصل تھا۔ اگرچہ حضرت سلیمان تیری وزارت کریں تو ان کے لئے تیری وزارت باعثِ فخر ہوگی۔ دوسرا مفہوم یہ ہے جو شخص تیری وزارت کرے، وہ سلیمان کے لئے باعثِ فخر ہے۔

۵۔ جس کو تو نے اپنا مرید کر کے مرید کی سند دے دی۔ گویا اسے فرمان الہی مل گیا اور جس کو تیرا داغ غلامی نصیب ہو گیا گویا اسے امیری کی سند مل گئی۔ مطلب یہ ہے تیری غلامی امیری سے بڑھ کر ہے۔

۶۔ ۷۔ لف و نشر مرتب ہے۔ اگر تو پانی کے بہنے کی طاقت دفع کر دے تو دریا کی موجوں میں روانی ڈھونڈے نہ ملے اور اگر تو آگ کی حرارت سلب کر دے تو جلا دینے والی آگ میں حرارت نام کو باقی نہ رہے۔

۸۔ تو قفل .. حرارت کامل + سحر طرازی .. فن شاعری۔ اگرچہ میں شاعری میں حرارت کامل رکھتا ہوں اور اگرچہ میں سحر طرازی میں مشتاق ہوں۔

۹۔ میرا ارادہ تھا کہ میں تجھ سے کچھ تیری شکایتیں کروں۔ لیکن کیا کروں مجبور ہوں۔ میری عبادت تیری شکایت میں قاصر ہے میں تیری

شکایت نہیں لکھ سکتا۔ اس لئے مجبوراً مدح کو دعا پر ختم کرتا ہوں۔

۱۰۔ نظارگی یعنی دیکھنے والے، اسم فاعل۔ آج نوروز ہے۔ گویا آج وہ دن ہے کہ اہل نظر خدا کی قدرت دیکھ رہے ہیں مطلب یہ ہے کہ اہل بصیرت آج تجھے دیکھ رہے ہیں۔

۱۱۔ نوروز کے دن آفتاب برج حمل میں ہوتا ہے اور یہ صوبہ شادابی خلق کا باعث ہے۔ اسے شرف آفتاب کہتے ہیں۔ سب تجھے شرف آفتاب جہان تاب مبارک ہو اور تجھے تیرے عقبہ عالیہ (آسمان بلند) کی زیارت۔ دوسرا مضموم یہ ہے کہ تجھے آفتاب کا شرف و مرتبہ مبارک ہو۔

## ۲۵۰

انظار مضموم کی کچھ اگر دستگاہ ہو ۱ اس شخص کو ضرور ہے روزہ رکھا کرے جس پاس روزہ کھول کے کھانے کو کچھ نہ ہو ۲ روزہ اگر نہ کھائے تو مجبور کیا کرے اس قلم کے متعلق مرزا نے اپنے ایک خط میں لکھا ہے۔ "یہ قطعہ بھی رمضان کے مہینے میں بادشاہ کے حضور میں پڑھا تھا۔ اس کو سن کر تمام حاضرین بے اختیار ہنس پڑے تھے۔"

دستگاہ یعنی قدرت و مقدر + روزہ کھانے سے مراد روزہ نہ رکھنا ہے۔ جس شخص کو روزہ کھولنے کا تھوڑا بہت مقدر ہے اسے روزہ ضرور رکھنا چاہئے۔ لیکن جس شخص کے پاس روزہ کھولنے کے بعد کھانے کے لئے کچھ نہ ہو، وہ غریب اگر روزہ نہ کھائے تو کیا کرے۔

# گزارش مصنف بحضور شاہ

۲۵۱

- ۱ اے شہنشاہِ آسماں اور نگ ۱ اے جہاندارِ آفتابِ آشکار
- ۲ تھائیں اک بینوائے گوشہ نشین ۲ تھائیں اک درد مندِ سینہ فگار
- ۳ تم نے مجھ کو جو آبرو بخشی ۳ ہوئی وہ میری گرمی بازار
- ۴ کہ ہوا مجھ سا ذرہ ناچیز ۴ روشناسِ ثوابت و سبب
- ۵ گرچہ از روئے ننگ بے ہنری ۵ ہوں خود اپنی نظریں اتنا خوار
- ۶ کہ گر اپنے کو میں کہوں خاکی ۶ جانتا ہوں کہ آئے خاک کو عار
- ۷ شاد ہوں لیکن اپنے جی میں کہ میں ۷ بادشہ کا غلامِ کار گزار
- ۸ خاد زاد اور مرید اور براج ۸ تھا ہمیشہ سے یہ عریضہ نگار
- ۹ بارے تو کر بھی ہو گیا صد شکر ۹ نسبتیں ہو گئیں مشخص چار
- ۱۰ نہ کہوں آپ سے تو کس سے کہوں ۱۰ مدعلے ضروری الاظہار
- ۱۱ پیرو مرشد اگرچہ مجھ کو نہیں ۱۱ ذوقِ آرائش سرو، دستار
- ۱۲ کچھ تو جاڑے میں چاہئے آخر ۱۲ تا نہ دے بادِ زہریرِ آزاد
- ۱۳ کیوں نہ درکار ہو مجھے پوشش ۱۳ جسم رکھتا ہوں ہے اگرچہ نزار
- ۱۴ کچھ خبر بد نہیں ہے اب کے سال ۱۴ کچھ بنایا نہیں ہے اب کی بار
- ۱۵ رات کو آگ اور دن کو دھوپ ۱۵ بھاریں جائیں ایسے نیل و نہار
- ۱۶ آگ تاپے کہاں تلک انسان ۱۶ دھوپ کھائے کہاں تلک جاندار
- ۱۷ دھوپ کی تابش آگ کی گرمی ۱۷ رہنا وقتاً عذابِ النار

میری تنخواہ جو مقرر ہے ۱۸ اس کے ملنے کا ہے عجب ہنجر  
 رسم ہے مردہ کی چھ ماہی ایک ۱۹ خلق کا ہے اسی چلن پہ مدار  
 مجھ کو دیکھو تو ہوں بقیہ حیات ۲۰ اور چھ ماہی ہو سال میں دو بار  
 بسکہ لیتا ہوں ہر مہینے قرض ۲۱ اور رہتی ہے سود کی تکرار  
 میری تنخواہ میں تنائی کا ۲۲ ہو گیا ہے شریک سا ہو کار  
 آج مجھ سا نہیں زمانے میں ۲۳ شاعر لغز گوشت و خوش گفتار  
 رزم کی داستان گرسختے ۲۴ ہے زباں میری تیغ جو ہر دار  
 بزم کا التزام گریبے ۲۵ ہے قلم میرا ابر کو سر بار  
 ظلم ہے گر نہ دو سخن کی داد ۲۶ قبر ہے گر کرد نہ مجھ کو پیار  
 آپ کا بندہ اور پھروں ننگا ۲۷ آپ کا نوکر اور کھاؤں اُدھار  
 میری تنخواہ کیجے ماہ بماء ۲۸ تا نہ ہو مجھ کو زندگی دشوار  
 ختم کرتا ہوں اب دعا پہ کلام ۲۹ شاعری سے نہیں بچے سرکار  
 تم سلامت رہو ہزار برس

ہر برس کے ہوں دن بچا س ہزار

حالی : یہ وہ قطعہ ہے جو مرزا نے بادشاہ کے حضور میں اس  
 درخواست کے ساتھ گزانا تھا کہ ان کی تنخواہ جو شمشاہی گزرنے  
 پر اکٹھی چھ مہینے کی ملا کرتی ہے، وہ ماہ بماء ملا کر سے بچا لیں اس  
 اس درخواست کے موافق تنخواہ ماہ بماء ملنے لگی تھی۔

۱۔ اے وہ شہنشاہ کہ تیرا تخت آسمان ہے اور اے وہ جاناں  
 کہ تیری حکومت آفتاب کی طرح کل جہان پر ہے۔ اس شعر میں  
 مصنف نے صنعت براعت الاستہلال صرف کی ہے۔ ممدوح



کو آفتاب آثار لکھ کر مطلع ہی میں ظاہر کر دیا ہے کہ موسم سرما کی شکایت کریں گے۔

۲۔ میں ایک محتاج گوشہ نشین فقیر اور مصیبت زدہ خستہ دل شخص تھا۔

۳۔ تمہارے آبرو بچھنے سے مجھے بہت زیادہ عزت و شہرت حاصل ہوئی۔

۴۔ گویا تمہاری ذرہ نوازی سے مرتبہ اس قدر بلند ہوا، کہ مجھ سے ذرہ بے مقدار کو سیارے اور ستارے جلنے او پھانے لگے۔

۵، ۶۔ اگرچہ اپنی بے ہنری کی وجہ سے میں خود اپنی نظروں میں اتنا حقیر و ذلیل ہوں کہ اگر میں اپنے آپ کو خاکی کہوں تو یہ سن کر خاک کو بھی شرم آجائے۔

۷۔ لیکن پھر بھی میں اپنے دل میں خوش ہوں کہ میں بادشاہ کا ایک کار گزار غلام ہوں۔

۸۔ یہ خانہ داد غلام، مرید اور مداح ہمیشہ سے عارف حق و ربی کی خدمت انجام دیتا تھا۔

۹۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ آخر کار میں نوکر بھی ہو گیا اور حضور سے مجھے مذکورہ بالا چار نسبتیں ہو گئیں۔ یعنی خانہ داد مرید، مداح اور عریفہ نگار ہو گیا۔

۱۰۔ اگر میں اپنا ضروری مدعا آپ سے نہ کہوں تو کس سے کہوں۔

۱۱۔ اے پیر و مرشدِ بادشاہ، اگرچہ مجھے سر اور دستار کو آرائش



۲۲۔ ان حالات میں ساہوکار میری تنخواہ میں ایک تہائی کا شریک ہو گیا ہے۔ یعنی ایک تہائی تنخواہ سود میں لگ جاتی ہے۔  
 ۲۳۔ نذر گو بمعنی خوش گو۔ موجودہ دور میں مجھ جیسا خوشگوار معنی آفرین شاعر نہیں ملے گا۔

۲۴۔ اگر میری زبان سے جنگ و جدل کا بیان نہیں تو آپ کو ایسا معلوم ہو گا۔ کہ میری زبان ہی شمشیرِ جوہر دار ہے۔  
 ۲۵۔ اگر آپ مجھ سے بزم کا نقشہ کچھوائیں تو آپ محسوس کرینگے کہ میرا قلم اب رگوں پر مار رہا ہے یعنی ہر طرف موتی برسائیگا۔ غالب قلم کو مذکور لکھتے ہیں۔ اہل دہلی ہمیشہ سے ٹوٹت لکھتے ہیں۔

۲۶۔ جب مجھ میں ایسا جوہر قابلیت موجود ہے تو ظلم ہوگا کہ آپ میرے کلام کی داد نہ دیں اور قلم ہوگا اگر آپ میری قدر نہ کریں۔

۲۷۔ غضب ہے کہ میں آپ کا غلام ہوتے ہوئے تنگ پھروں اور آپ کا ذکر ہو کر قرض کھاؤں۔ گویا یہ آپ کی شان کے خلاف ہے۔

۳۸۔ مہربانی فرما کر میری تنخواہ بجائے چھ ماہی کے ماہ بھاہ کر دیجئے تاکہ میں آرام سے زندگی بسر کر سکوں۔

۲۹۔ میں اپنا کلام اب دُعا پر ختم کرتا ہوں۔ چونکہ یہ قطعہ مرزا صاحب نے اپنی خاص طرز کے خلاف بہت سیدھا سادہ لکھا ہے۔ نیز قبیضہ کے قوانین کو بھی مد نظر نہیں رکھا۔ اس لئے کہتے ہیں کہ مجھے شاعری سے کوئی سروکار نہیں۔ شاعری سے یہاں صنعتِ شاعرانہ مراد ہے اور اور مطلب یہ ہے کہ اس قطعہ میں کسی قسم کی صنعتِ شاعرانہ نہیں ہے۔

۳۰۔ آپ ہزار برس زندہ سلامت رہیں اور ہزار برس کے دن

پچاس ہزار ہوں۔ یعنی آپ کا اقبال و دولت ابد تک رہے۔

## ۲۵۲

سیہ گلیم ہوں لازم ہے میرا نام نہ لے ۱ جہاں میں جو کوئی فتح و ظفر کا طالب ہے  
ہو نہ غلبہ میسر کبھی کسی پہ مجھے ۲ کہ جو شریک ہو میرا شریک غالب ہے  
۱۔ سیہ گلیم یعنی سیاہ پوش یعنی سیاہ بخت۔ چونکہ میں بد نصیب و  
بد بخت ہوں۔ اس لئے دنیا میں جو شخص فتح و ظفر کا طلب گار ہے اسے  
چاہئے کہ میرا نام نہ لے۔ اگر وہ میرا نام لے گا تو کامیابی کا منہ نہیں  
دیکھ سکے گا۔

۲۔ میں وہ بد نصیب ہوں کہ آج تک مجھے کسی پر غلبہ حاصل  
نہیں ہوا۔ جو شخص میرا شریک ہوتا ہے، اس کا حصہ ہمیشہ مجھ سے  
زیادہ ہوتا ہے۔ شریک غالب اس شریک کو کہتے ہیں، جس کا حصہ  
دوسرے شریکوں سے غالب ہو۔ غالب کے لفظ نے ایک عجیب  
مطف اور معنی پیدا کر دیئے ہیں۔

## ۲۵۳

سہل تھا سہل ثلے یخت مشکل آپڑی ۱ مجھ پہ کیا گزری گی اتنے بدو حاضرین ہوئے  
تین دن سہل سے پہلے تین دن سہل کے بعد ۲ تین سہل تین تبریدیں، یہ سب کے دن ہوئے  
سہل .. جلاب + تبرید .. ٹھنڈائی جو جلاب کی گرمی دور کرنے  
کے لئے پنی جاتی ہے۔

سہل لینا تو آسان ہے۔ لیکن سخت مشکل یہ آپڑی ہے کہ بادشاہ  
کے دربار سے غیر حاضر رہنے سے میری کیا حالت ہوگی۔ سہل لینے سے پہلے  
تین دن میں منفعہ پیوں گا۔ اس کے بعد تین دن سہل ہوں گے اور پھر تین دن

تبریدیں ہوں گی۔ گویا اس طرح سے میں بارہ دن غیر حاضر رہوں گا۔ مولانا حالی کہتے ہیں۔ ایک شعر میں سہل کے ان تمام دنوں کی تفصیل: جن میں مجھ چلنے پھرنے کو منع کرتے ہیں کس عمدگی سے بیان کی ہے۔ یہ قطعہ دربار کی غیر حاضری کے عذر میں لکھا ہے (یا دگار غالب)

## قطعہ تاریخ

۲۵۲

نچستہ انجمن طوے میرزا جعفر  
ہوئی ہے ایسے ہی فرخندہ سال میں غالب  
جس کے دیکھے سے سبکا ہوا ہے جی محفوظ  
نہ کیوں ہوا ذہ سال عیسوی محفوظ  
نچستہ .. مبارک .. طوے .. جشن عروسی .. محفوظ .. خوش و مسرور  
فرخندہ .. مبارک .. محفوظ سے سنہ عروسی نکلتا ہے۔

۲۵۵

ہوئی جب میرزا جعفر کی شادی  
کہا غالب سے تاریخ اس کی کیا ہے  
ہوا بزم طرب میں رقص ناہید  
تو بولا ”الشرح جشن جمید“  
ناہید .. زہرہ - اس ستارے کو رقصہ فلک بھی کہتے ہیں۔

۲۵۶

گو ایک بادشاہ کے سب خانہ داد ہیں  
کا نوں پہ ہاتھ دھرتے ہیں تہمتے مجھے سلام  
دربار دار لوگ بہم آشنا نہیں  
اس سے ہے یہ مراد کہ ہم آشنا نہیں  
حالی: بادشاہ کے دربار کے یہ آداب تھے کہ آپس میں جو دربار دار  
وہاں ایک دوسرے کو سلام کرتے تھے تو ماتھے پر ہاتھ رکھنے کی جگہ دیا ہوا تھا

دائیں کان پر رکھ لینے تھے۔ چونکہ اُردو محاورے میں کانوں پر ہاتھ دھرنے کے یہ معنی ہیں کہ ہم آشنا نہیں۔ اس لئے میرزا نے اس کو اس پیرائے میں بیان کیا ہے۔

## رُباعیات

۲۵۷

بعد از اتمامِ بزمِ عجبِ اطفال    ایامِ جوانی رہے ساغرِ کشِ حال  
 آپہنچے ہیں تا سوادِ اقلیمِ عدم    اسے عمرِ گزشتہ یک قدمِ استقبال  
 اتمامِ معنی ختم کرنا۔ انجام کو پہنچنا بچپن کی خوشیوں کا زمانہ ختم کرنے  
 کے بعد ستِ السنِ جوانی آئی۔ جوانی کے دن غفلت میں گزرے۔ اب ہم  
 ملکِ عدم کے گردِ نواح میں پہنچ گئے۔ یعنی بڑھے ہو گئے ہیں۔ اسے  
 عمرِ گزشتہ چونکہ تو عدم میں ہے۔ اس لئے ہمارے استقبال کے لئے  
 ایک قدم آگے جا۔ مطلب یہ ہے جوانی کے ایک قدم آگے آجئے سے  
 شبابِ رفتہ بھی چند دن کے لئے واپس آجائیگا۔ ایامِ شباب کے واپس  
 آنے کی آرزو ظاہر کی ہے۔

۲۵۸

شبِ زلفِ رخِ عرقِ فشاں کا غم تھا    کیا شرحِ کدوں کی طرفِ تر عام تھا  
 رویائیں ہزار آنکھ سے صبح تک    ہر قطرہ اشک دیدہ پُر نم تھا  
 رات کو مجھے اس محبوب کی زلف اور اس کے عرقِ فشاں چہرے کا  
 غم تھا جس اپنی کیفیت کیا بیان کدوں میں یوں سمجھ لیجئے۔ میری کچھ عجیب

حالت محرق۔ اسی عالم میں صبح تک میں ہزار آنکھ سے روتا رہا اور وہ اس طرح سے کہ میرا ہر قطرہ اشک ایک چشم اشک ریز تھا۔ زلفِ درُخ کے تصدق میں چونکہ ہزار آنسو بہائے، اس لئے ان آنسوؤں نے زلفِ سیاہی اور زرخِ یار کی سفیدی پیدا کر لی اور اس سیاہی اور سفیدی کی وجہ سے ہر آنسو ایک آنکھ بن گیا۔ ظاہر ہے آنکھ میں سفیدی اور سیاہی ہوتی ہے، اس لئے میں ہزار آنکھ سے رویا۔

## ۲۵۹

آتش بازی ہے جیسے شعلِ اطفال ہے سوزِ جگر کا بھی اسی طور کا حال تھا موجِ عشق بھی قیامت کوئی لڑکوں کے لئے گیا ہے کیا کھیل نکال جیسے آتش بازی بچوں کا کھیل ہے، بس سوزِ دل کی بھی شکل ہی کیفیت ہے معلوم ہوتا ہے، موجِ عشق بھی کوئی قیامت کا بتلا تھا۔ جوانِ طفلانِ پری چہرے کے لئے یہ کھیل ایجاد کر گیا ہے مطلب یہ ہے یہ ستم پیشہ لوگ عاشقوں کے سوزِ جگر کا آتش بازی کی طرح پر تماشا دیکھتے ہیں اور خوب خوش ہوتے ہیں۔

## ۲۶۰

دل تھا کہ جو جانِ درد تمہید سہی بیتابیِ رشک و حسرتِ درد سہی ہم اور فسرِ دل اے تجلیِ افسوس تکرارِ روا نہیں تو تجددِ سہی جانِ درد تمہید .. وہ جان جس کا آغازِ درد سے ہوا ہو + سہی .. پہلے دو مصرعوں میں پیدا شدت کرنا کے معنی میں ہے + فسرِ دل .. افسردہ ہونا۔ تجلی سے تجلی یا مراد ہے + تجدد .. از سر نو پیدا کرنا۔ پہلے ہمارے پہلو میں دل تھا، جو ہم نے پُر درد زندگی۔ بیتابی

رُشک اور حسرت وید کی تکلیفوں کو برداشت کر لیا۔ لیکن اب ہم ہیں اور افسردگی، اس حالت میں اسے تجلی یا اگر متذکرہ بالا کیفیئتوں کا اعادہ ممکن نہیں تو پھر انہیں از سر نو ہی پیدا کر دے۔ ظاہر ہے تکرار معدوم کی محال ہے۔ لیکن تجدید ممکن ہے۔ مطلب یہ ہے افسردگی۔ بیدل۔ بے تابی اور رُشک و حسرت کی آرزو ہے، کیونکہ ان کے بغیر زندگی بے لطف ہو گئی ہے۔

۲۶۱

بے خلقِ حسد قماش لڑنے کے لئے      وحشت کدہ تلاش لڑنے کے لئے  
یعنی ہر بار صورت کا غدا باد      ملتے ہیں یہ بد معاش لڑنے کے لئے  
حسد قماش .. حسد شعار + وحشت کدہ تلاش .. دُنیا مار  
ہے + کاغذ یاد .. پتنگ۔

فرماتے ہیں۔ دُنیا کے رہنے والے حسد شعار ہیں اور یہ دُنیا جو وحشت کدہ تلاش معاش ہے، لڑنے کے واسطے .. اس دُنیا میں دو شخصوں کا ملنا ایسا ہے جیسے پتنگ کا ملنا۔ جب آپس میں ملتے ہیں لڑتے ہیں۔ گویا انسان کا انسان سے ملنا جنگِ جہل کا مرادف ہے۔

۲۶۲

دل سخت نژند ہو گیا ہے گویا      اس سے گلہ مند ہو گیا ہے گویا  
پہرہ بار کے گے بول سکتے ہی نہیں      غالب مُتہ بند ہو گیا ہے گویا  
نژند معنی ٹھیکین۔ میرادل بہت زیادہ ٹھیکین اور افسردہ ہو گیا ہے۔  
گویا بار سے کچھ شکایتیں پیدا ہو گئی ہیں۔ لیکن بار سے رنجیدہ اور



گلہ مند ہونے کے باوجود ہم اس کے سامنے کچھ شکوہ شکایت کر ہی نہیں سکتے  
گویا اس کے سامنے منہ ہی بند ہو گیا۔ مصرعہ آخر کے گویا کے لفظ  
میں ایہام ہے۔

۲۶۳

دکھ جی کے پسند ہو گیا ہے غالب دل رُک کے بند ہو گیا ہے غالب  
واللہ شب کو نیند آتی ہی نہیں سونا سو گند ہو گیا ہے غالب  
سو گند بمعنی قسم یعنی معذوم۔ غالب میرے دل کو دکھ پسند آ گیا ہے  
اور غم کی وجہ سے میں اتنا گرفتہ خاطر ہوا ہوں کہ دل کی حرکت ہی بند  
ہو گئی ہے۔ خدا کی قسم مجھے رات کو باطل نیند نہیں آتی۔ گویا نیند آنا  
قسم کے برابر ہے۔ اکثر دیوانوں میں اس رباعی کا دوسرا مصرعہ غلط لکھا  
ہے۔ طباطبائی لکھتے ہیں۔ غالب کے خود صحیح کئے ہوئے دیوان میں بھی  
یہ مصرعہ اسی طرح لکھا ہے۔ بہر حال مصرعہ کو رباعی کے وزن میں رکھنے  
کے لئے ”رُک“ ایک مرتبہ ہونا چاہئے۔

۲۶۴

مشکل ہے زبں کلام میرا سے دل شن شن کے اُسے سخنوران کا دل  
آسان کہنے کی کرتے ہیں فرمائش گو یُم مشکل دگر نہ کو یُم مشکل  
چونکہ میرا کلام بہت ہی زیادہ مشکل ہے، اس لئے سخنوران کا دل  
اسے سن سن کر مجھ سے آسان کہنے کی فرمائش کرتے ہیں۔  
حالی: آخر کے مصرعہ میں دو معنی پیدا ہو گئے ہیں۔ ایک یہ کہ اگر  
میں ان کی فرمائش پوری کروں اور آسان شعر کہوں تو یہ مشکل ہے کہ اپنی  
طبیعت کے اقتضا کے خلاف ہے اور اگر آسان کہوں تو یہ مشکل ہے کہ

وہ برامانتے ہیں اور دوسرے لطیف معنی یہ ہیں کہ اس باب میں صاف صاف بات کہتا ہوں تو سمجھنا ان کا مل کی نا فہمی اور کندی بہت ظاہر کرنی پڑتی ہے اور اگر صاف صاف بات نہ کہوں تو آپ ملزم ٹھہرتا ہوں۔

## ۲۶۵

بھیجی ہے جو مجھ کو شہ حجاب نے دال ہے لطف و عنایات شہنشاہ یہ دال یہ شاہ پسند دال بے بحث و جدال ہے دولت و دین و دانش و داد کی دال شاہ حجاب .. جمشید جیسے مرتبے والا جلیل القدر بادشاہ دوسرے مصرعہ میں دال کے معنی "دلائی دالی"

بادشاہ کے ہاں اکثر لوگ کی دال پکا کرتی تھی اور وہ شاہ پسند دال کہلاتی تھی۔ کہیں بادشاہ نے یہ دال میرزا کو بھیجی ہے اور میرزا نے یہ رباعی اس کے شکرے میں لکھی ہے۔

جلیل القدر بادشاہ نے جو مجھ کو دال بھیجی ہے۔ یہ شہنشاہ کے لطف و عنایات پر دلائی دالی ہے۔ یہ شاہ پسند دال بے شک و شبہ دولت و دین و دانش اور عدل کی دال ہے۔

## ۲۶۶

میں شہ میں صفات ذوالجلالی باہم اشارہ جلالی و جمالی باہم ہوں شاد نہ کیوں ساقی و عالی باہم ہے اب کی شب و قدر و دوالی باہم ساقی و عالی معنی ادنیٰ و اعلیٰ۔ ہمارے بادشاہ میں جلال و جمال کی صفات دونوں موجود ہیں۔ ہر طبقہ کے لوگ اس سے کیوں نہ خوش ہوں کہ اب کی مرتبہ شب قدر اور دیوالی دونوں ایک ہی دن ہیں۔ اس رباعی

کے الفاظ نہایت متناسب واقع ہوئے ہیں۔ شب قدر علوی اور دیوالی  
سُفلی حیثیت رکھتی ہے۔

۲۶۷

حق شہ کی بقا سے خلق کو شاد کرے تا شاہ شیوع دانش و دلو کرے  
یہ دی جو گئی ہے رشتہ عمر میں گانٹھ ہے صفر کہ افزائش اعداد کرے  
شیوع .. پھیلانا۔ رواج دینا + رشتہ عمر .. ایک ڈوری ہوتی  
ہے، جس میں ہر سال ولادت کے دن گرہ لگائی جاتی ہے۔ یہ رباعی  
بادشاہ کی سالگرہ کے موقع پر لکھی ہے۔

کہتے ہیں خدا نے تعالے بادشاہ کو زندہ سلامت رکھے اور اس  
کی بقا سے رعایا کو شاد و آباد رکھے۔ دانش و عدل بادشاہ کے دم قدم  
سے جاری ہیں، وہ زندہ رہینگے تو دانش و عدل جاری و ساری رہینگے۔  
اس سالگرہ کی تقریب پر جو رشتہ عمر میں گرہ لگائی گئی ہے، وہ اصل میں  
صفر ہے جو عدد کے سامنے لگایا ہے تاکہ اعداد عمر میں اضافہ ہو جائے۔  
مثلاً اگر بادشاہ کی عمر ساٹھ سال کی ہے تو صفر لگنے سے ۶۰ سال  
کی ہو گئی۔

۲۶۸

اس رشتے میں لاکھ تار ہوں بلکہ سوا اتنے ہی برس شمار ہوں بلکہ سوا  
ہر سیکڑے کو ایک گرہ فرض کریں ایسی گہریں ہزار ہوں بلکہ سوا  
یہ رباعی بھی سالگرہ کے موقع کی ہے۔ اس رشتہ عمر میں لاکھ تار  
ہوں بلکہ اس سے بھی زیادہ ہوں اور پھر اتنے ہی برس گئے جائیں۔  
جس بلکہ اس سے بھی زیادہ شمار ہوں۔ شاعر کی محبت اس پر بھی کتنا

نہیں کرتی۔ وہ کہتا ہے یوں بھی نہیں۔ بہتر یہ ہے کہ ہر سال کی بجائے ہر سو سال کے بعد رشتہ عمر میں گرہ لگانے کی فرض کی جائے اور ایسی گزریں ہزار ہوں مطلب یہ ہے کہ بادشاہ لاکھوں برس کی عمر پائیں اہل لکھنؤ سینکڑہ میں ذوق غنہ نہیں ہوتے۔ دلی والے ہمیشہ سینکڑہ کہتے ہیں۔

## ۲۶۹

کہتے ہیں کہ اب وہ مردم آزاد نہیں عشاق کی پریشانی سے اُسے عار نہیں جو ہاتھ کہ ظلم سے اٹھایا ہوگا کیونکہ مائوں کہ اس میں تنوار نہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ اب اُس نے مردم آزادی ترک کر دی ہے پہلے وہ عشاق کا حال زار دریافت کرنا عیب کی بات سمجھتا تھا۔ لیکن اب بلا غفلت ان کی کیفیت دریافت کرتا ہے۔ لیکن میں یہ بات ہرگز نہیں مانتا۔ کیونکہ جو ہاتھ اُس نے ظلم سے روکا ہوگا اُس میں ضرور بالضرورت تنوار ہوگی تیسرے مصرعہ میں ہاتھ اٹھانا ذومعنی ہے (۱) کسی کام سے ہاتھ اٹھانا۔ گویا اس سے دست بردار ہونا (۲) مارنے کے لئے ہاتھ اٹھانا۔ اس محاورے کے استعمال سے ایک نیا لطف پیدا ہو گیا ہے۔

## ۲۷۰

ہم گرچہ بنے سلام کرنے والے کہتے ہیں درنگ کام کرنے والے کہتے ہیں کہیں خدا سے اللہ اللہ وہ آپ ہیں صبح و شام کہنے والے حالی: اس رباعی میں میرزا نے غایت درجہ کی شوخی برتی ہے، جو بالکل اچھوتی اور نئی طرح کی ہے۔ کہتا ہے کہ ہم ہر چند دربار کے با اختیار لوگوں کو جھک جھک کر سلام کرتے ہیں مگر وہ ہماری کاہد وائی میں درنگ اور لیت دلت کرتے ہیں ہم اپنے دل میں کہتے ہیں کہ آؤ خدا ہی سے کہیں پھر

یہ خیال آتا ہے کہ اللہ اللہ کرو۔ وہ تو آپ ہی صبح و شام کرنے والے ہیں۔ صبح و شام کرنا لیت و لعل کرنے کو کہتے ہیں۔ چونکہ صبح کو شام کرنا اور شام کو صبح کرنا خدا کا کام ہے، تو خدا کی نسبت کہا جاسکتا ہے کہ وہ صبح و شام کرنے والے ہیں۔ مگر شاعر کا اصل مقصود یہی ہے کہ کارِ روائی خلق میں جیسی لیت و لعل دہاں ہوتی ہے، ایسی کہیں نہیں ہوتی۔ آشر ساری عمر اسید ہی میں گزر جاتی ہے اور مطلب حاصل نہیں ہوتا۔

## ۲۷۱

سامانِ خور و خواب کہاں سے لاؤں آرام کے اسباب کہاں سے لاؤں  
روزِ مرہ ایمان ہے غالب لیکن خصانہ و برف آب کہاں سے لاؤں  
یہ رہا علی بھی اس قطعہ کے ساتھ جس میں روزے کا مضمون نظر کیلئے ہے  
بادشاہ کے حضور میں پیش کی گئی تھی۔ کہتے ہیں۔ میں کھلنے اور سونے کے سامان  
اور آرام کے اسباب کہاں سے لاؤں۔ روزہ رکھنا میرا ایمان ہے لیکن روزہ  
گزارنے کے لئے خس کی ٹیٹوں اور برف آب کی ضرورت ہے۔ میں غریب  
آدمی ہوں، وہ کہاں سے مہیا کروں۔ مطلب یہ ہے۔ روزہ رکھنے کے سامان  
بہم پہنچ سکتے تو ہیں روزہ ضرور رکھتا۔

# تخام شد

اسفلال پر میں لاہور  
باہتمام میں چھپا